قرآن و حدیث، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اطہار
بزرگانِ دین، اولیائے کرام اور مسلمان حکمرانوں کے ایمان افروز، باطل سوز،
وجد آفرین، اور انتہائی دلنشین ۲۰۰ بابرکت واقعات

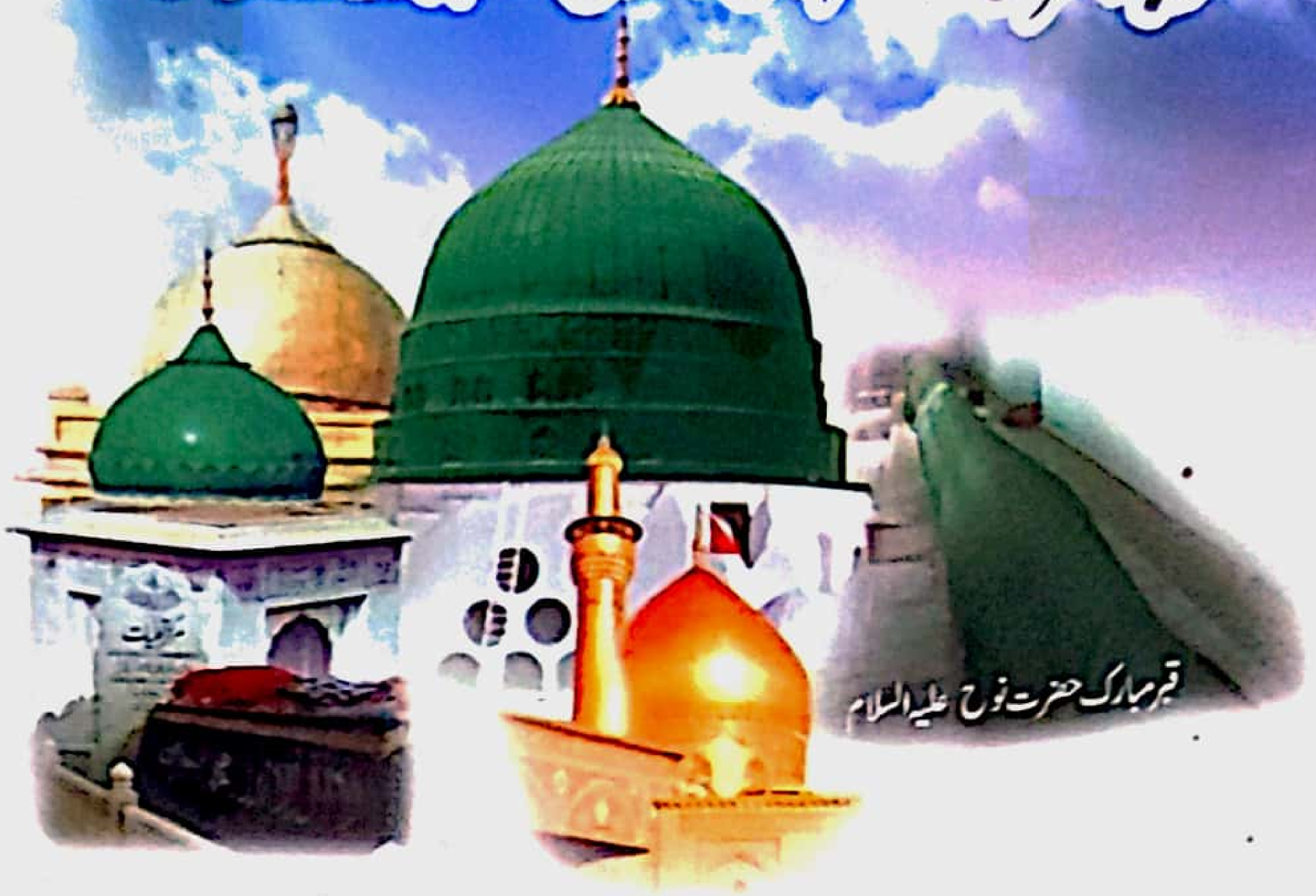

بے مثال واقعات

تصنیفِ لطیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

موت کا بیان
(۱) جنتی نوجوان ص ۱۱۴ ذوالنون مصری
(۲) سمیہ کمیں وصال ص ۳۳۴
۳ - العبال لڑکی ص ۵۳۳
۴ - بخشش میری گی ص ۶۶۲

خفیہ السوت ص ۱۲۸

سرهنی دوم ... کے ساجا ثابت ۲۷۲

خفیہ ندامت ص ۶۷۶

علم کے ضائع ہونے کا ص ۲۳۰

حصول علم کی مشکلات ص ۳۹۸ ص ۵۶۸ ص ۵۸۶ ص ۴۰۹

انسان ولادت ص ۲۵۵ چور دل بن گیا) (ص ۴۲۱ فضل بلا بیان) (ص ۵۲۳ قرآن کی رحمت) (ص ۵۴۱ لڑکا کو انعام) ص ۵۳۷ (ص ۶۲۷ شیر سے پردہ) (ص ۶۳۹ آب زم زم) انگور کی نیبی لوگری ص ۶۷۷ ذوالنون کی مجبل ص ۶۸۷ (دریا پر چلنے والا ص ۶۹۶)
! اللہ کی ودود ص ۲۸۲ تا ص ۲۸۵

امام اعظم ص ۳۶۸ ۳۷۸

امام محمد کا ذکر ص ۶۰۵

علما سوء کا حال ص ۵۰۳

صح

۱- حضرت آدم ص ۱۱ ۲۴
2- ... کی گواہی ص ۲۹ تا ص ۳۳
3- تکبر ابلیس ص ۳۶ تا ص ۳۹
4- جاہل سخی ص ۴۰ تا ص ۴۲
5- حکام کی اسب ص ۴۳ تا ص ۴۶
6- عصا کے کلیم ص ۴۹ تا ص ۶۱
7- زمزم کا کنواں ص ۶۲ تا ص ۶۴
8- حضرت علی کی زرہ ص ۸۱ تا ص ۸۳
9- یہودی کا بندر ص ۸۷ تا ص ۸۹
10- انوار رشید ص ۹۰
11- قیمتی کام کے ص ۹۵ تا ص ۹۹
12- بادشاہ کو نصیحت ص ۱۰۰ تا ص ۱۰۹
13- صفا و مروہ ص ۱۱۷ تا ص ۱۱۹
14- سب سے بڑا فتنہ ص ۱۲۰ تا ص ۱۲۲
15- ابراہیم بن ادھم ص ۱۲۵ تا ص ۱۲۸
16- مردوں کا زندہ ہونا ص ۱۲۹ تا ص ۱۴۰
17- مجاہدین اسلام ص ۱۴۱ تا ص ۱۴۹
18- رابعہ بصریہ ص ۱۵۳ تا ص ۱۵۶
19- برکت والا صندوق ص ۱۵۷ تا ص ۱۶۱
۲۰- ایک خط کا بیان ص ۱۶۹ تا ص ۱۷۲
۲۱- گورنر کے لیے گھوڑا ص ۱۸۰ تا ص ۱۸۱
۲۲- اللہ کی عطا ص ۱۸۲ تا ص ۱۸۲
۲۴- انسانوں کا دشمن ص ۱۸۳ تا ص ۱۸۵
۲۵- توبہ آدم ص ۱۹۱ تا ص ۱۹۳
۲۶- ابراہیم کا تجربہ ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۱
۲۷- فاروق اعظم کا فیصلہ ص ۲۱۰ تا ص ۲۱۴
۲۸- طالوت کی بادشاہی ص ۲۱۷ تا ص ۲۱۹
۲۹- حضرت داؤد ص ۲۲۶ تا ص ۲۲۹
۳۰- عابدہ کی شان ص ۲۳۵ تا ص ۲۳۹
۳۱- مسلمان کی پناہ ص ۲۴۲ تا ص ۲۴۴
۳۲- حجر اسود و مقام ابراہیم ص ۲۴۶ تا ص ۲۴۷
۳۳- ہارون الرشید کا اسلام ص ۲۴۸ تا ص ۲۵۰
۳۴- حضرت دانیال ص ۲۵۱ تا ص ۲۵۳
۳۵- حضرت عیسی کے معجزات ص ۲۵۸
۳۶- سعید بن جبیر حجاج ص ۲۶۸ تا ص ۲۷۱
۳۷- اصحاب کہف اور سلیم ص ۲۷۴ تا ص ۲۷۵
۳۸- ... کا مباحلہ ص ۲۷۶ تا ص ۲۸۱
۳۹- مسجد کی نار ص ۲۸۲ تا ص ۲۸۳ ص ۳۷۲
۴۰- جنگ بدر ص ۲۸۶ تا ص ۲۸۹
۴۱- دنیا کا پہلا قتل ص ۲۹۸ تا ص ۳۰۲
۴۲- رسول کا فیصلہ حکم ص ۳۰۷ تا ص ۳۰۹
۴۳- خانہ کعبہ کی چابی ص ۳۱۹ تا ص
۴۴- اسلام میں شرک نہیں ص ۳۳۶ تا ص ۳۳۸
۴۵- گستاخ رسول ص ۳۴۳ تا ص ۳۴۴
۴۶- امام اعظم ص ۳۴۸ تا ص ۳۴۹ ص ۳۵۷
۵۰- امام غزالی ... کی کتاب ص ۳۵۳ تا ص ۳۵۴
۵۱- خلیفہ کی فراست ص ۳۵۵ تا ص ۳۵۶
۵۲- انبیاء کا قتل ص ۳۵۹ تا ص ۳۶۲
۵۳- آسمانی کتب قرآن ص ۳۸۴ تا ص ۳۸۷
۵۴- اعمال کو صید ص ۳۹۵ تا ص ۳۹۷
۵۵- آخری وقت کا معافی ص ۴۰۰ تا ص ۴۰۵
۵۶- فرعونیوں پر پانچ عذاب ص ۴۰۷ تا ص ۴۱۲
۵۷- حضرت سعد کی دعا ص ۴۱۹ تا ص ۴۲۵
۵۸- حضرت صالح کی اونٹنی ص ۴۲۳ تا ص ۴۲۶
۵۹- قوم عاد کا عذاب ص ۴۳۷ تا ص ۴۴۰
۶۰- اعلان خداوندی کا انعام ص ۴۴۵ تا ص ۴۵۲
۶۱- سونے کا بچھڑا ص ۴۷۹ تا ص ۴۸۲
۶۲- معتضد اور بادشاہ جشن ص ۴۸۳
۶۳- عورت ... ص ۴۸۸ تا ص ۴۹۰
۶۴- مسرور کر کے نوجوان ص ۴۹۱ تا ص ۴۹۵
۶۵- عبداللہ بن عباس کا بیان ص ۴۹۵
۶۶ حضرت الیاس ص ۵۱۳ تا ص ۵۱۶
۶۷- بالقمر ... ص ۵۳۳

... کتب خانہ
0300-6990789
057-3354593
... بازار ...

قرآن و حدیث، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اطہار
بزرگان دین، اولیائے کرام اور مسلمان حکمرانوں کے ایمان افروز، باطل سوز،
وجد آفرین، اور انتہائی دلنشین ۲۰۰ بابرکت واقعات

بے مثال واقعات

تصنیف لطیف
الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر
اکبر بُک سیلرز
زبیدہ سنٹر، ۴۰ اُردو بازار لاہور Ph: 37352022

Scanned with CamScanner

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

الصلوٰۃ والسلام علیك یا سیدی یا رسول اللّٰہ
وعلیٰ الك واصحابك یا حبیب اللّٰہ

نام کتاب	....	۲۰۰ بے مثال واقعات
مؤلف	....	الحافظ القاری مفتی غلام حسن قادری مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور
پروف ریڈنگ	....	مولانا قاری محمد اصغر نورانی
خصوصی دعا	....	پیر سیّد طاہر حسین شاہ کاظمی، پاک پتن شریف
حسبِ فرمائش	....	پیر حافظ محمد عثمان نوشاہی قادری الحافظ القاری محمد اختر سیالوی، گڑھی شاہو لاہور
صفحات	....	704
تعداد	....	600
کمپوزنگ	....	عبد السلام، قمر الزمان
اشاعت	....	دسمبر 2013ء
ناشر	....	محمد اکبر قادری
قیمت	....	450 روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور

الاہداء

فقیر، حقیر، پر تقصیر بندۂ بے دام، غلام حسن قادری برائے نام اپنی اس معمولی سی کاوش کو اپنے والدین کریمین اور تمام اساتذہ کرام کی خدمت میں بطور ہدیہ عقیدت ومحبت پیش کرتا ہے۔ جن کی تعلیم وتربیت، شفقت ومحبت اور خلوص ومحنت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کا صدقہ مجھے اس قابل بنایا کہ میں ان کی خدمت اقدس میں یہ نذرانۂ محبت پیش کرنے کے قابل ہوا۔

خدائے جہاں راہزاراں سپاس
کہ گوہر سپر دم بہ گوہر شناس

انتساب

اہل سنت و جماعت کی دو عظیم الشان شخصیتوں کے نام

(۱) شرف ملت، محسن اہل سنت، رومی وقت شیخ الحدیث

حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

(۲) واقف رموز شریعت و معرفت حضرت العلام مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی

ان ہر دو حضرات کی بعض کتب سے بھرپور استفادہ کر کے زیر نظر کتاب (بے مثال واقعات) کو ترتیب دیا گیا ہے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

جمادیٰ چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ چہ ارزاں خریدم

غلام حسن قادری

مدینہ کتب خانہ
0300-6990739
067-3354593
مچھلی بازار بورے والا

فہرست

عنوان	صفحہ
الاھداء	۳
انتساب	۴
(۱) درسِ قرآن: قصہ تخلیق آدم وحوا علیہما السلام	۱۱
(۲) درسِ حدیث یعنی ارشادات صاحب جوامع الکلم	۲۵
(۳) حضرت خزیمہ کی گواہی دو مردوں کے برابر	۲۹
(۴) وزارت کیوں ترک کی؟	۳۴
(۵) تکبر عزازیل را خوار کرد	۳۶
(۶) جاہل سخی، بخیل عابد سے اللہ کو زیادہ محبوب ہے	۴۰
(۷) حکام کا محاسبہ	۴۳
(۸) دنیا و آخرت کی پسندیدہ چیزیں	۴۷
(۹) سیدنا موسیٰ کے قرآنی معجزات	۴۹
(۱۰) چاہ زمزم کی کھدائی کا قصہ	۶۲
(۱۱) شہنشاہ معظم کے خلاف فیصلہ	۶۵
(۱۲) شراب خانہ اور صدائے حق	۶۸
(۱۳) بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب	۷۳
(۱۴) بھرے دربار میں نعرۂ حق کی صدائے دلنواز	۷۶
(۱۵) تاریخ عدل وانصاف کا ایک سنہری واقعہ	۸۱
(۱۶) ایک کامیاب نومسلم	۸۴
(۱۷) بارہ ہزار یہودی بندر ہوگئے	۸۷
(۱۸) انوکھا شہسوار	۹۰
(۱۹) اللہ کہاں ہے؟	۹۱
(۲۰) گدڑی میں لعل	۹۳
(۲۱) دنیا کی سب سے قیمتی گائے	۹۵
(۲۲) ایک فقیر کی بادشاہ کو نصیحت	۱۰۰
(۲۳) حاکم وقت کی گواہی رد کر دی گئی	۱۱۰
(۲۴) ایک جنتی نوجوان	۱۱۴
(۲۵) اللہ کی نشانیاں	۱۱۷
(۲۶) سب سے بڑا فتنہ	۱۲۰
(۲۷) اللہ کے رسول ﷺ کا فیصلہ	۱۲۳
(۲۸) حکومت کو لات مار کر فقیری کو اپنا لیا	۱۲۵
(۲۹) مردوں کا زندہ ہونا	۱۲۹
(۳۰) صدائے نعرۂ تکبیر سے تھرا اٹھی وادی	۱۴۱
(۳۱) قاضی صاحب کی ذہانت	۱۵۰
(۳۲) دیدارِ الٰہی کی طالبہ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا	۱۵۳

Scanned with CamScanner

عنوان	صفحہ

(۳۳) صندوق میں سامان راحت و سکون ___ ۱۵۷
(۳۴) شراب کے رسیا کو جہاد کا شوق ___ ۱۶۲
(۳۵) میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے ___ ۱۶۹
(۳۶) ستار بجانے والی کی توبہ ___ ۱۷۳
(۳۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود لعین کا مناظرہ ___ ۱۷۴
(۳۸) یہ تو سراسر غلامی ہے ___ ۱۷۸
(۳۹) گورنر کا بیٹا کوڑوں کی زد میں ___ ۱۸۰
(۴۰) زیارت بیت اللہ شریف کا انوکھا شوق ___ ۱۸۲
(۴۱) انسانوں کی دشمنیاں ___ ۱۸۳
(۴۲) حق گوئی و بے باکی ___ ۱۸۶
(۴۳) چار مقبول لڑکیاں ___ ۱۸۷
(۴۴) توبہ آدم علیہ السلام ___ ۱۹۱
(۴۵) عزت کے متلاشی متوجہ ہوں ___ ۱۹۴
(۴۶) خلیفۂ وقت کے ہاں مظلوم کی قدر ومنزلت ___ ۱۹۶
(۴۷) ایک خائفہ کا خوف خدا عزوجل ___ ۱۹۸
(۴۸) بارگاہِ جلیل میں عرضِ خلیل ___ ۱۹۹
(۴۹) حکمران ہو تو ایسا ہو؟ ___ ۲۰۲
(۵۰) قاتل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ___ ۲۱۰
(۵۱) ایک خدا شناس مجنونہ ___ ۲۱۵
(۵۲) طالوت کی بادشاہی کا واقعہ ___ ۲۱۷
(۵۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی چادر ___ ۲۲۰
(۵۴) بے مثال توبہ لاجواب قبولیت ___ ۲۲۲
(۵۵) ایک عارفہ کا عارفانہ کلام ___ ۲۲۴
(۵۶) حضرت داؤد نبی علیہ السلام بادشاہ کیسے بنے؟ ___ ۲۲۶
(۵۷) علم کے ضائع ہونے کا سبب ___ ۲۳۰
(۵۸) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا انعام ___ ۲۳۴
(۵۹) ایک عابدہ کی نصیحت بھری باتیں ___ ۲۳۵
(۶۰) بی بی مریم کے پاس بے موسم پھل اور...... ___ ۲۳۷
(۶۱) فوجی افسر کو خلیفۂ وقت کی ہدایات ___ ۲۴۰
(۶۲) مسلمان کی پناہ ___ ۲۴۲
(۶۳) غیبی اشرفیاں ___ ۲۴۵
(۶۴) مقام ابراہیم (پتھر) کی تاریخی حیثیت ___ ۲۴۶
(۶۵) عالم نے بادشاہ کی مشکل آسان کر دی ___ ۲۴۸
(۶۶) حضرت سیدنا دانیال علیہ السلام کا ایک فیصلہ ___ ۲۵۱
(۶۷) چور ولی بن گیا ___ ۲۵۵

عنوان	صفحہ

(۶۸) عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں نے مردے جلا دیئے ہیں ___ ۲۵۸
(۶۹) ربانی عالم اور ظالم عامل ___ ۲۵۸
(۷۰) مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ___ ۲۷۲
(۷۱) اسمائے حسنیٰ کا وسیلہ کام آ گیا ___ ۲۷۶
(۷۲) عیسائیوں کا مباہلہ سے فرار! ___ ۲۷۶
(۷۳) خدائی فیصلہ ___ ۲۷۲
(۷۴) جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے ___ ۲۸۴
(۷۵) کفر واسلام کی پہلی باقاعدہ جنگ ___ ۲۸۶
(۷۶) اسلام کا دامن رحمت چھوڑنے کی سزا ___ ۲۹۰
(۷۷) ایک بین الاقوامی قانون ___ ۲۹۲
(۷۸) دل ہوش میں نہ رہا ___ ۲۹۶
(۷۹) دنیا میں سب سے پہلا قاتل و مقتول ___ ۲۹۸
(۸۰) باپ کے قاتل کا محافظ ___ ۳۰۳
(۸۱) عتاب باری حجاب میں ہے ___ ۳۰۷
(۸۲) راہبوں کا قبول اسلام ___ ۳۱۰
(۸۳) اہل ایمان پہ نرم کافروں پہ سخت ___ ۳۱۲
(۸۴) شریعت بہرحال مقدم ہے ___ ۳۱۶
(۸۵) کنجی بردار کعبہ حضرت عثمان بن مظعون ___ ۳۱۹
(۸۶) فنا فی اللہ نوجوان ___ ۳۲۱
(۸۷) مایوسی کفر کا مقدر بن گئی ___ ۳۲۳
(۸۸) حضرت سفیان ثوری اور خلیفہ مہدی ___ ۳۲۶
(۸۹) پھر انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا ___ ۳۲۹
(۹۰) ہمیشہ دیدار الٰہی میں رہنے والا لڑکا ___ ۳۳۳
(۹۱) اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے ___ ۳۳۶
(۹۲) امراء بر در علماء ___ ۳۳۹
(۹۳) گستاخ رسول اور گستاخ صحابہ اپنے انجام کو پہنچا ___ ۳۴۳
(۹۴) امام اعظم کا زہد وتقویٰ اور علمی مقام ___ ۳۴۵
(۹۵) تین دشمن دو بڑے ایک چھوٹا ___ ۳۵۰
(۹۶) امام غزالی فقیرانہ لباس میں ___ ۳۵۲
(۹۷) خلیفۂ وقت کی فراست ___ ۳۵۵
(۹۸) لو! آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا ___ ۳۵۷
(۹۹) انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل ___ ۳۵۹
(۱۰۰) بے مثال تقویٰ ___ ۳۶۳
(۱۰۱) اپنے آپ کو بدلے کیلئے پیش کر دیا ___ ۳۶۵
(۱۰۲) امام اعظم علیہ الرحمۃ کا علمی مقام ___ ۳۶۸
(۱۰۳) فتح کے لئے پہلی شرط استقامت ہے ___ ۳۷۲

Scanned with CamScanner

عنوان صفحہ عنوان صفحہ

(۱۰۴) حکمران کی اطاعت کب ضروری ہے؟ ___ ۳۷۴
(۱۰۵) رشوت کی نحوست ___ ۳۷۶
(۱۰۶) خوف خدا اور پرہیزگاری کے بیمثال مظاہرے ___ ۳۷۸
(۱۰۷) آسمانی دسترخوان اور قرآن ___ ۳۸۴
(۱۰۸) میدان جنگ میں علم کی طلب ___ ۳۸۸
(۱۰۹) فیصلہ وہ جو ضمیر بھی قبول کرے ___ ۳۹۰
(۱۱۰) تذکرۂ ادریس بن ابی خولہ ؒ ___ ۳۹۳
(۱۱۱) سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ؑ کا اعلانِ توحید ___ ۳۹۵
(۱۱۲) حصول علم میں مشکلات ___ ۳۹۸
(۱۱۳) آخری وقت میں معافی! ___ ۴۰۳
(۱۱۴) سیدنا جنید بغدادی علیہ الرحمۃ اور کالے رنگ کا آدمی ___ ۴۰۶
(۱۱۵) فرعونیوں پر لگاتار پانچ عذاب ___ ۴۰۷
(۱۱۶) اسلامی تشخص کی پاسداری ___ ۴۱۳
(۱۱۷) حضرت سعد ؓ کی دعا ___ ۴۱۹
(۱۱۸) معروف کرخی اور فضیل بن عیاض ___ ۴۲۱
(۱۱۹) حضرت صالح ؑ کی اونٹنی ___ ۴۲۳
(۱۲۰) فاتح اندلس نے رب کی رضا کو مقدم رکھا ___ ۴۲۷
(۱۲۱) بادشاہ کا مقام عالم کی نگاہ میں ___ ۴۳۱
(۱۲۲) راضی برضائے الٰہی رہنے والا عابد ۴۳۳
(۱۲۳) قوم عاد اور ان پر آنے والا عذاب ___ ۴۳۷
(۱۲۴) کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور ___ ۴۴۱
(۱۲۵) اعلانِ خداوندی کی کرشمہ سازی ۴۴۵
(۱۲۶) حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی مرویات ___ ۴۵۳
(۱۲۷) شہر سدوم کا حال ___ ۴۵۸
(۱۲۸) تین براعظموں کا غیرتمند بادشاہ ۴۶۲
(۱۲۹) عدل وانصاف کا بول بالا ___ ۴۶۷
(۱۳۰) قرب الٰہی عزوجل کا انوکھا طریقہ ___ ۴۷۷
(۱۳۱) سامری سنار اور اس کا عِجلاً جَسَدًا لَّہٗ خوار ___ ۴۷۹
(۱۳۲) حضرت جعفر طیار اور شاہِ حبش کا دربار ___ ۴۸۳
(۱۳۳) اور عورت رجم ہونے سے بچ گئی ۴۸۸
(۱۳۴) ایک نوجوان اور حضرت معروف کرخی ___ ۴۹۱
(۱۳۵) عقل کی تکمیل کیسے ہوتی ہے؟ ___ ۴۹۵
(۱۳۶) قوم موسیٰ کے ساتھ اللہ کا معاملہ ___ ۵۰۱
(۱۳۷) جب قاضی نے وزیر کا حکم ٹھکرا دیا ۵۰۳

عنوان صفحہ عنوان صفحہ

(۱۳۸) سیکرٹری کی خیانت پر اس کا محاسبہ ۵۰۷
(۱۳۹) عیسائی والدین کا قبول اسلام ___ ۵۰۹
(۱۴۰) سیدنا الیاس ؑ اور ان کے معجزات ۵۱۳
(۱۴۱) حرف را کے بغیر عربی خطبہ کا ترجمہ ۵۱۷
(۱۴۲) اور اس کی خیانت ثابت ہوگئی ___ ۵۲۱
(۱۴۳) مزارات اولیاء کی برکات ___ ۵۲۳
(۱۴۴) بلعم بن باعوراء کا عبرتناک واقعہ ۵۲۴
(۱۴۵) قرآن مجید کی معجزانہ شان ___ ۵۲۸
(۱۴۶) اور غلامی کی زنجیریں ٹوٹ گئیں ___ ۵۳۱
(۱۴۷) جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے ___ ۵۳۴
(۱۴۸) جنگ بدر کی بارش ___ ۵۳۷
(۱۴۹) خوددار لوگوں کی شان ہی الگ ہے ___ ۵۴۱
(۱۵۰) زندگی کی پہلی آمدنی ___ ۵۴۵
(۱۵۱) ایک ولی اللہ کا ذوق عبادت ___ ۵۴۷
(۱۵۲) غزوۂ حنین کا حال ___ ۵۴۹
(۱۵۳) یہ کام نعیمان ہی کا ہو سکتا ہے ___ ۵۵۲
(۱۵۴) میں مسلمانوں ہی میں سے ایک فرد ہوں ___ ۵۵۴
(۱۵۵) اور شیر ڈھیر ہوگیا ___ ۵۵۶
(۱۵۶) اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا ___ ۵۶۰
(۱۵۷) ایک نوجوان کی توبہ ___ ۵۶۲
(۱۵۸) غار میں دو یار ___ ۵۶۵
(۱۵۹) امام اصمعی کا جذبۂ حصول علم ___ ۵۶۸
(۱۶۰) ایک عورت کی آزادانہ گفتگو ___ ۵۷۳
(۱۶۱) سارنگی بجانے والی لڑکی کی توبہ ___ ۵۷۶
(۱۶۲) اور جب مسجد ضرار کو جلا دیا گیا ___ ۵۸۰
(۱۶۳) کیا یہ محل آباد ہے؟ ___ ۵۸۳
(۱۶۴) یہ ہے فرض شناسی ___ ۵۸۶
(۱۶۵) مقبولیت اسے کہتے ہیں ___ ۵۸۷
(۱۶۶) مردودیت اسے کہتے ہیں ___ ۵۸۹
(۱۶۷) اللہ کی مدد شامل حال ہو تو غلبہ یقینی ہے ___ ۵۹۲
(۱۶۸) حق گو مشیر ___ ۵۹۶
(۱۶۹) ماں کی محبت سے بڑھ کر ہے ___ ۵۹۷
(۱۷۰) یونس ؑ کا واقعہ ___ ۶۰۰
(۱۷۱) آپ خلیفہ کے احترام میں کھڑے کیوں نہیں ہوئے؟ ___ ۶۰۵
(۱۷۲) مجھے علم کی اشاعت چاہیے عہدۂ قضا نہیں ___ ۶۰۹
(۱۷۳) دریائے نیل کے متعلق حکایت ___ ۶۱۰
(۱۷۴) سفینۂ حضرت نوح ؑ ___ ۶۱۲
(۱۷۵) جلال فاروقِ اعظم ؓ ___ ۶۱۵
(۱۷۶) ایک بیوہ کی فریاد پر خلیفۂ وقت کا لبیک کہنا ___ ۶۱۸

Scanned with CamScanner

عنوان	صفحہ
(۱۷۷) اور دریائے نیل جاری ہوگیا	۶۲۲
(۱۷۸) اور طوفان آ گیا	۶۲۵
(۱۷۹) وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر	۶۳۲
(۱۸۰) اور حضور ﷺ نے ان کا گھر بسا دیا	۶۳۸
(۱۸۱) شیر سے پردہ کرنے والی خاتون	۶۴۱
(۱۸۲) اور چاہ ماہ کا بچہ بول پڑا	۶۴۲
(۱۸۳) ماء الفرس (گھوڑے کا چشمہ)	۶۴۵
(۱۸۴) یہ ہے نفع والی تجارت	۶۴۷
(۱۸۵) آب زمزم ستو، دودھ اور شہد بن گیا	۶۴۹
(۱۸۶) قمیص میں شفا	۶۵۰
(۱۸۷) اعلیٰ حضرت اور احترام استاذ	۵۵۵
(۱۸۸) تیرے لیے صدقہ، ہمارے لیے ہدیہ	۶۶۰
(۱۸۹) تین چیزوں کے سبب بخشش ہوگئی	۶۶۲
(۱۹۰) سب سے بہترین قصہ	۶۶۳
(۱۹۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دانشمندانہ وصیتیں	۶۷۴
(۱۹۲) جو جاہلیت اچھے وہ اسلام میں بھی اچھے	۶۷۶
(۱۹۳) انگوروں کی غیبی ٹوکری	۶۷۸
(۱۹۴) شہر مکہ کی آبادکاری	۶۸۰
(۱۹۵) مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے قاتلوں کو پکڑ لیا	۶۸۴
(۱۹۶) ہم اپنے آپ کو کھلاتے تو یہ مچھلی نہ نکلتی	۶۸۷
(۱۹۷) گستاخوں کا انجام	۶۸۹
(۱۹۸) مولائے کائنات کی دور اندیشی	۶۹۳
(۱۹۹) دریا پر چلنے والا قطب	۶۹۶
(۲۰۰) سواری کے جانور	۷۰۰

(۱)

درسِ قرآن: قصہ تخلیق آدم و حوا علیہما السلام

ابو الانبیاء وابو البشر حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر خیر سے بیمثال واقعات کا آغاز کیا جارہا ہے۔

رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَ تَمِّمْ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نہ ماں ہے نہ باپ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹی سے بنایا ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ جب خداوند قدوس نے آپ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مٹھی مٹی لائیں۔ حکم خداوندی کے مطابق حضرت عزرائیل علیہ السلام نے آسمان سے اتر کر زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی تو پوری روئے زمین کی اوپری پرت چھلکے کے مانند اتر کر آپ کی مٹھی میں آ گئی جس میں ساٹھ رنگوں اور مختلف کیفیتوں والی مٹیاں تھیں۔ یعنی سفید و سیاہ اور سرخ و زرد وغیرہ رنگوں والی اور نرم و سخت، شیریں و تلخ، نمکین و پھیکی وغیرہ کیفیتوں والی مٹیاں شامل تھیں۔

(خازن ج ۱، ص ۴۶ و جمل ج ۱، ص ۳۹)

پھر اس مٹی کو مختلف پانیوں سے گوندھنے کا حکم فرمایا چنانچہ ایک مدت کے بعد یہ چپکنے والی بن گئی پھر ایک مدت تک یہ گوندھی گئی تو کیچڑ کی طرح بودار گارا بن گئی۔ پھر یہ خشک ہو کر کھنکھناتی اور بجتی ہوئی مٹی بن گئی۔ پھر اسی مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر جنت کے دروازے پر رکھ دیا گیا جس کو دیکھ دیکھ کر فرشتوں کی جماعت تعجب کرتی تھی کیونکہ فرشتوں نے ایسی شکل و صورت کی کوئی مخلوق کبھی دیکھی ہی نہیں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پتلے میں

Scanned with CamScanner

روح کو داخل ہونے کا حکم فرمایا چنانچہ روح داخل ہو کر جب آپ کے نتھنوں میں پہنچی تو آپ کو چھینک آئی اور جب روح زبان تک پہنچ گئی تو آپ نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ اے ابو محمد (آدم) میں نے تم کو اپنی حمد ہی کے لئے بنایا ہے پھر رفتہ رفتہ پورے بدن میں روح پہنچ گئی اور آپ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔ (خازن ج ا ص ۴۶)

جامع ترمذی اور ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا جس مٹی سے بنایا گیا چونکہ وہ مختلف رنگوں اور مختلف کیفیتوں کی مٹیوں کا مجموعہ تھی اس لئے آپ کی اولاد یعنی انسانوں میں مختلف رنگوں اور قسم قسم کے مزاجوں والے لوگ ہو گئے۔

(خازن ج ا ص ۴۶)

حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد یا ابو البشر وابو الانبیاء اور آپ کا لقب "خلیفۃ اللہ" ہے اور آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آپ نے نو سو ساٹھ برس کی عمر پائی اور بوقت وفات آپ کی اولاد کی تعداد ایک لاکھ ہو چکی تھی جنہوں نے طرح طرح کی صنعتوں اور عمارتوں سے زمین کو آباد کیا۔ (خازن ج ا ص ۴۷ وصاوی ج ا ص ۲۰)

قرآن مجید میں بار بار اس مضمون کا بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝

بیشک عیسیٰ (علیہ السلام) کا حال آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے کہ انہیں مٹی سے بنایا۔ پھر فرمادیا کہ ہو جاؤ تو فوراً ہو گیا۔

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ (الصافات ع ۱)

بیشک ہم نے اُن (انسانوں) کو چپکتی مٹی سے بنایا۔

کہیں یہ فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ (الحجر)

اور بیشک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بودار گارا تھی۔

☆...... جب حضرت آدم علیہ السلام کو خداوند قدوس نے بہشت میں رہنے کا حکم دیا تو آپ جنت میں تنہائی کی وجہ سے کچھ ملول ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نیند کا غلبہ فرمادیا اور آپ گہری نیند سو گئے تو نیند ہی کی حالت میں آپ کی بائیں سب سے چھوٹی پسلی کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن سے جدا کر دیا اور اس ہڈی کی جگہ گوشت پیدا فرمادیا پھر اسی پسلی کی ہڈی سے حضرت حوا کو پیدا فرمادیا۔ اسی لئے ہر مرد کے دائیں طرف اٹھارہ پسلیاں ہیں اور بائیں طرف ایک کم یعنی سترہ پسلیاں ہیں۔

پسلی کے جدا ہونے سے حضرت آدم علیہ السلام کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی بلکہ آپ کو احساس بھی نہیں ہوا کہ میری ایک پسلی جدا ہو گئی ہے جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک نہایت ہی خوبصورت اور حسین و جمیل عورت آپ کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم کون ہو اور کس لئے یہاں آئی ہو؟ تو حضرت حوا نے جواب دیا کہ میں آپ کی بیوی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے پیدا فرمایا ہے تا کہ آپ کو مجھ سے انس اور سکون قلب حاصل ہو اور مجھے آپ سے انسیت اور تسکین ملے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے مل کر خوش رہیں اور پیار و محبت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور خداوند قدوس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہیں۔ (صاوی ج ا ص ۴۲)

قرآن مجید میں چند مقامات پر اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کے بارے میں ارشاد فرمایا مثلاً: وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۔

اور حضرت آدم علیہ السلام سے ان کی بیوی کو پیدا فرمایا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پیدا فرمایا۔

حاصل شدہ امور

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی تخلیق کا واقعہ مضامین قرآن مجید کے ان عجائبات میں سے ہے جس کے دامن میں بڑی بڑی عبرتوں اور نصیحتوں کے گوہر آبدار کے انبار پوشیدہ ہیں جن

Scanned with CamScanner

ٹیں سے چند یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اور حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمایا۔ قرآن کے اس بیان سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ خلاق عالم جل جلالہ نے انسانوں کو چار طریقوں سے پیدا فرمایا ہے۔

(۱) یہ کہ مرد و عورت دونوں کے ملاپ سے جیسا کہ عام طور پر انسانوں کی پیدائش ہوتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں صاف صاف اعلان ہے کہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۔ ہم نے انسان کو مرد و عورت کے ملے جلے نطفہ سے پیدا فرمایا ہے۔

(۲) یہ کہ تنہا مرد سے ایک انسان پیدا ہوا اور وہ حضرت حوا ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمادیا۔

(۳) یہ کہ تنہا ایک عورت سے ایک انسان پیدا ہوئے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو پاک دامن کنواری بی بی مریم کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

(۴) یہ کہ بغیر عورت و مرد کے بھی ایک انسان کو خداوند قدوس نے پیدا فرمادیا اور وہ انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹی سے بنادیا۔

ان واقعات سے مندرجہ ذیل اسباق کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

(۱) خداوند قدوس ایسا قادر و قیوم اور خلاق ہے کہ انسانوں کو کسی خاص ایک ہی طریقے سے پیدا فرمانے کا پابند نہیں ہے بلکہ وہ ایسی عظیم قدرت والا ہے کہ وہ جس طرح چاہے انسانوں کو پیدا فرمادے چنانچہ مذکورہ بالا چار طریقوں سے اس نے انسانوں کو پیدا فرمادیا جو اس کی قدرت وحکمت اور اس کی عظیم الشان خلاقیت کا نشان اعظم ہے۔

سبحان اللہ! خداوند قدوس کی شان خالقیت کی عظمت کا کیا کہنا؟ جس خلاق عالم نے عرش وکرسی اور لوح وقلم اور زمین وآسمان کو ''کن'' فرما کر موجود فرمادیا اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے حضور خلقت انسانی کی بھلا حقیقت وحیثیت ہی کیا ہے؟ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تخلیق انسان اس قادر مطلق کا وہ تخلیقی شاہکار ہے کہ کائنات عالم میں اس کی کوئی مثال نہیں کیونکہ وجود انسان عالم خلق کی تمام مخلوقات کے نمونوں کا ایک جامع مرقع ہے۔

اللہ اکبر! کیا خوب ارشاد فرمایا مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے:

اَتَحْسِبُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ
وَفِيْكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ

''اے انسان! کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ ایک چھوٹا سا جسم ہے؟ حالانکہ تیری عظمت کا یہ حال ہے کہ تیرے اندر عالم اکبر سمٹا ہوا ہے''۔

(۲) ممکن تھا کہ کوئی مرد یہ خیال کرتا کہ اگر ہم مردوں کی جماعت نہ ہوتی تو تنہا عورتوں سے کوئی انسان پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی طرح ممکن تھا کہ عورتوں کو یہ گمان ہوتا کہ اگر ہم عورتیں نہ ہوتیں تو تنہا مردوں سے کوئی انسان پیدا نہ ہوتا۔ اس طرح ممکن تھا کہ عورت و مرد دونوں مل کر یہ ناز کرتے کہ اگر ہم مردوں اور عورتوں کا وجود نہ ہوتا تو کوئی انسان پیدا نہیں ہوسکتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے چاروں طریقوں سے انسانوں کو پیدا فرما کر عورتوں اور مردوں دونوں کا منہ بند کردیا کہ دیکھ لو! ہم ایسے قادر و قیوم ہیں کہ حضرت حوا کو تنہا مرد یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمادیا لہٰذا اے عورتو! تم یہ گمان مت رکھو کہ اگر عورتیں نہ ہوتیں تو کوئی انسان پیدا نہ ہوتا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تنہا عورت کے شکم سے بغیر مرد کے پیدا فرما کر مردوں کو تنبیہ فرمادی کہ اے مردو! تم یہ ناز نہ کرو کہ اگر تم نہ ہوتے تو انسانوں کی پیدائش نہیں ہوسکتی تھی دیکھ لو ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تنہا عورت کے شکم سے بغیر مرد کے پیدا فرمادیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر مرد و عورت کے مٹی سے پیدا فرما کر عورتوں اور مردوں دونوں کا منہ بند فرمادیا کہ اے عورتو اور مردو! تم کبھی بھی اپنے دل میں خیال نہ لانا کہ اگر ہم دونوں نہ ہوتے تو انسانوں کی جماعت پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔ دیکھ لو! حضرت آدم علیہ السلام کے نہ باپ ہیں نہ ماں بلکہ ہم نے ان کو مٹی سے پیدا فرمادیا۔

سبحان اللہ! سچ فرمایا اللہ جل جلالہ نے: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اور وہ ایک ہے جو بہت ہی غلبے والا ہے وہ جس کو چاہے اور جیسے چاہے اور جب چاہے پیدا فرمادیتا ہے اس کے افعال اور اس کی

Scanned with CamScanner

قدرت کسی اسباب وعلل اور کسی خاص طور طریقوں کی بندشوں کے محتاج نہیں ہیں وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔ یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کی شان یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یُرِیْدُ ہے۔ یعنی جس چیز اور جس کام کا وہ ارادہ فرماتا ہے اس کو کرڈالتا ہے نہ کوئی اس کی مشیت وارادہ میں دخل انداز ہوسکتا ہے اور نہ کسی کو اس کے کسی کام میں چون وچرا کی مجال ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اوّلیں مکالمہ

حضرت آدم علیہ السلام کا لقب ''خلیفۃ اللہ'' ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمانے کا ارادہ فرمایا تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں میں جو مکالمہ ہوا وہ بہت ہی تعجب خیز ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی فکر انگیز وعبرت آموز بھی ہے جو حسب ذیل ہے۔

''اللہ تعالیٰ'' اے فرشتو! میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں جو میرا نائب بن کر زمین میں میرے احکام کو نافذ کرے گا۔

''ملائکہ'' اے باری تعالیٰ! کیا تو زمین میں ایسے شخص کو اپنی خلافت ونیابت کے شرف سے سرفراز فرمائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا اور قتل وغارت گری سے خون ریزی کا بازار گرم کرے گا؟

اے خداوند تعالیٰ! اس شخص سے زیادہ تیری خلافت کے حق دار تو ہم ملائکہ کی جماعت ہے کیونکہ ہم ملائکہ نہ زمین میں فساد پھیلائیں گے، نہ خوں ریزی کریں گے بلکہ ہم تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری سبوحیت کا اعلان اور تیری قدوسیت اور پاکی کا بیان کرتے رہتے ہیں اور تیری تسبیح وتقدیس سے ہر لحظہ و ہر آن رطب اللسان رہتے ہیں اس لئے ہم فرشتوں کی جماعت ہی میں سے کسی کے سر پر اپنی خلافت ونیابت کا تاج رکھ کر اس کو ''خلیفۃ اللہ'' کے معزز لقب سے سربلند فرما۔

''اللہ تعالیٰ'' اے فرشتو! آدم (علیہ السلام) کے خلیفہ بنانے میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان کو میں ہی جانتا ہوں تم گروہ ملائکہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کو نہیں جانتے۔

فرشتے باری تعالیٰ کے اس ارشاد کو سن کر اگرچہ خاموش ہو گئے مگر انہوں نے اپنے دل میں یہ خیال چھپائے رکھا کہ اللہ تعالیٰ خواہ کسی کو بھی اپنا خلیفہ بنا دے مگر وہ فضل وکمال میں ہم فرشتوں سے بڑھ کر نہ ہوگا کیونکہ ہم ملائکہ فضیلت کی جس منزل پر ہیں وہاں تک کسی مخلوق کی بھی رسائی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے فضیلت کا تاجدار بہرحال ہم فرشتوں کی جماعت ہی رہے گی۔

دوسرا مکالمہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا علم ان کو عطا فرما دیا اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کا حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

''اللہ تعالیٰ'' اے فرشتو! اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ تم سے افضل کوئی دوسری مخلوق نہیں ہو سکتی تو تمام ان چیزوں کے نام بتاؤ جن کو میں نے تمہارے پیش نظر کر دیا ہے۔

''ملائکہ'' اے اللہ تعالیٰ! تو ہر نقص وعیب سے پاک ہے ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جو تو نے ہمیں عطا فرما دیا ہے اس کے سوا ہمیں اور کسی چیز کا کوئی علم نہیں ہے ہم بالیقین یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ بلاشبہ علم وحکمت کا خالق ومالک تو صرف تو ہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا: اے آدم (علیہ السلام) تم ان فرشتوں کو تمام چیزوں کے نام بتا دو تو حضرت آدم علیہ السلام نے تمام اشیاء کے نام اور ان کی حکمتوں کا علم فرشتوں کو بتا دیا جس کو سن کر فرشتے متعجب ومحو حیرت ہو گئے۔

''اللہ تعالیٰ'' اے فرشتو! کیا میں نے تم سے یہ نہیں فرما دیا تھا کہ میں آسمان وزمین کی تمام چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہوں اور تم جو اعلانیہ یہ کہتے تھے کہ آدم (علیہ السلام) فساد برپا کریں گے اس کو بھی میں جانتا ہوں اور تم جو خیالات اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے کہ کوئی مخلوق تم سے بڑھ کر افضل نہیں پیدا ہوگی میں تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے ان خیالات کو بھی جانتا ہوں۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کے فضل کمال کے اظہار واعلان کے لئے اور فرشتوں سے ان کی عظمت وفضیلت کا اعتراف کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو حکم فرمایا: تم سب

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو چنانچہ سب فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا اور تکبر کیا تو کافر ہو کر مردود بارگاہ ہو گیا۔

قرآن مجید کا معجزانہ طرزِ بیان

اس پورے مضمون کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ طرز بیان میں اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (بقرہ رکوع ۴)

اور یاد کرو جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا: خداوند! کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا اور خون ریزی کرے گا؟ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم تیری حمد کی تسبیح پڑھتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں جو کچھ جانتا ہوں تم کو ان باتوں کا علم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو تمام چیزوں کے نام بتا دیے۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش کر کے فرمایا: اے فرشتو! اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ! تو فرشتوں نے عرض کیا: اے اللہ! تو تمام عیوب ونقائص

سے پاک ہے ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں علم دیا ہے بلاشبہ علم و حکمت والا تو صرف تو ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم تم ان فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دو تو حضرت آدم (علیہ السلام) نے ان فرشتوں کو ان چیزوں کا نام بتا دیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: کیا میں نے تم سب سے یہ نہیں فرما دیا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی تمام چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہوں اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم سب آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافر ہو گیا۔

مشورہ کی اہمیت اور استحقاق خلافت

ان آیات کریمہ سے مندرجہ ذیل ہدایت کے اسباق ملتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی شان فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔ یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کوئی اس کے ارادہ میں دخل انداز ہو سکتا ہے نہ کسی کی مجال ہے کہ اس کے کسی کام میں چون و چرا کر سکے مگر اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و خلافت کے بارے میں خداوند قدوس نے ملائکہ کی جماعت سے مشورہ فرمایا۔ اس میں یہ ہدایت کا سبق ہے کہ باری تعالیٰ جو سب سے زیادہ علم و قدرت والا ہے اور فاعل مختار ہے جب وہ اپنے ملائکہ سے مشورہ فرماتا ہے تو بندے جن کا علم اور اقتدار و اختیار بہت ہی کم ہے تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ جب کسی کام کا ارادہ کریں تو اپنے مخلص دوستوں اور صاحبان عقل ہمدردوں سے اپنے کام کے بارے میں مشورہ کر لیا کریں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا مقدس دستور ہے۔

(۲) فرشتوں نے حضرت آدم کے بارے میں یہ کہا: وہ فسادی اور خوں ریز ہیں لہٰذا ان کو خلافت الٰہیہ سے سرفراز کرنے سے بہتر ہے کہ ہم فرشتوں کو خلافت کا شرف بخشا جائے کیونکہ ہم ملائکہ خدا کی تسبیح و تقدیس اور اس کی حمد و ثنا کو اپنا شعار زندگی بنائے ہوئے ہیں لہٰذا ہم ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔

فرشتوں نے اپنی یہ رائے اس بناء پر دی تھی کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھ لیا کہ پیدا ہونے والے خلیفہ میں تین قوتیں باری تعالیٰ ودیعت فرمائے گا ایک قوت شہویہ، دوسری

Scanned with CamScanner

قوت غضبیہ، تیسری قوت عقلیہ اور چونکہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ سے لوٹ مار اور قتل و غارت وغیرہ قسم قسم کے فسادات رونما ہوں گے اس لئے فرشتوں نے باری تعالیٰ کے جواب میں یہ عرض کیا: اے خداوند تعالیٰ! کیا تو ایسے انسان کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمائے گا جو زمین میں قسم قسم کے فساد برپا کرے گا اور قتل و غارت گری سے زمین میں خون ریزی کا طوفان لائے گا اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تو ہم فرشتوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنا دے کیونکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح پڑھتے ہیں اور تیری تقدیس اور پاکی کا چرچا کرتے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر فرشتوں کو خاموش کر دیا کہ میں جس مخلوق کو خلیفہ بنا رہا ہوں اس میں جو جو مصلحتیں اور جیسی جیسی حکمتیں ہیں ان کو بس میں ہی جانتا ہوں تم فرشتوں کو ان حکمتوں اور مصلحتوں کا علم نہیں ہے۔

حکمتوں اور مصلحتوں کے بیان میں

وہ مصلحتیں اور حکمتیں کیا تھیں؟ اس کا پورا پورا علم تو صرف علام الغیوب ہی کو ہے مگر ظاہر طور پر ایک حکمت اور مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بدن میں قوت شہویہ و قوت غضبیہ کو فساد و خوں ریزی کا منبع اور سرچشمہ سمجھ کر ان کو خلافت کا اہل نہیں سمجھا مگر فرشتوں کی نظر اس پر نہیں پڑی کہ حضرت آدم علیہ السلام میں قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کے ساتھ ساتھ قوت عقلیہ بھی ہے اور قوت عقلیہ کی یہ شان ہے کہ اگر وہ غالب ہو کر قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لے تو قوت شہویہ و قوت غضبیہ بجائے فساد و خوں ریزی کے ہر خیر و خوبی کا منبع اور ہر قسم کی صلاح و فلاح کا سرچشمہ بن جایا کرتی ہیں یہ نکتہ فرشتوں کی نگاہ سے اوجھل رہ گیا' اسی لئے باری تعالیٰ نے فرشتوں کے جواب میں فرمایا: میں جو جانتا ہوں اس کو تم نہیں جانتے اور فرشتے یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

اس سے یہ ہدایت کا سبق ملتا ہے کہ چونکہ بندے خداوند قدوس کے افعال اور اس کے کاموں کی مصلحتوں اور حکمتوں سے کما حقہ واقف نہیں ہیں اس لئے بندوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر تنقید و تبصرہ سے اپنی زبان کو روکے رہیں اور اپنی کم عقلی و کوتاہ فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ ایمان رکھیں اور زبان سے اعلان کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو

کچھ کیا اور جیسا بھی کیا بہر حال وہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے کاموں کی حکمتوں اور مصلحتوں کو خوب جانتا ہے جن کا ہم بندوں کو علم نہیں ہے۔

حصولِ علم کا ذریعہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے ناموں اور ان کی حکمتوں کا علم بذریعہ الہام ایک لمحہ میں عطا فرما دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کا حصول کتابوں کے سبقاً سبقاً پڑھنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس بندے پر اپنا فضل فرما دے اس کو بغیر سبق پڑھنے اور بغیر کسی کتاب کے بذریعہ الہام چند لمحوں میں علم عطا کر دیتا ہے اور بغیر تحصیل علم کے اس کا سینہ علم و عرفان کا خزینہ بن جایا کرتا ہے چنانچہ بہت سے اولیائے کرام کے بارے میں معتبر روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے کبھی کسی مدرسہ میں قدم نہیں رکھا نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا نہ کبھی کسی کتاب کو ہاتھ لگایا مگر شیخ کامل کی باطنی توجہ اور فضل ربانی کی بدولت چند منٹوں بلکہ چند سیکنڈوں میں الہام کے ذریعے وہ تمام علوم و معارف کے جامع الکمالات بن گئے اور ان بزرگوں کے علمی تبحر اور عالمانہ مہارت کا یہ عالم ہو گیا کہ بڑے بڑے درسگاہی مولوی جو علوم و معارف کے پہاڑ شمار کئے جاتے تھے ان بزرگوں کے سامنے طفل مکتب نظر آنے لگے۔

(۴) ان واقعات سے معلوم ہوا کہ خدا کی نیابت اور خلافت کا دارومدار کثرت عبادت اور تسبیح و تقدیس نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار علوم و معارف کی کثرت پر ہے چنانچہ حضرات ملائکہ علیہم السلام باوجود کثرت عبادت اور تسبیح و تقدیس "خلیفۃ اللہ" کے لقب سے سرفراز نہیں کئے گئے اور حضرت آدم علیہ السلام علوم و معارف کی کثرت کی بناء پر خلافت کے شرف سے ممتاز بنا دیئے گئے جس پر قرآن مجید کی آیات کریمہ شاہد عدل ہیں۔

(۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علوم کی کثرت کو عبادت کی کثرت پر فضیلت حاصل ہے اور ایک عالم کا درجہ ایک عابد سے بہت زیادہ بلند تر ہے چنانچہ یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے علمی فضل و کمال اور بلند درجات کے اظہار و اعلان کے لئے اور ملائکہ سے اس کا اعتراف کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم فرمایا: تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام

Scanned with CamScanner

کے روبرو سجدہ کریں چنانچہ تمام ملائکہ نے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرلیا اور وہ اس کی بدولت تقرب الی اللہ اور محبوبیت خداوندی کی منزل بلند پر فائز ہو گئے اور ابلیس چونکہ اپنے تکبر کی منحوسیت میں گرفتار ہو کر اس سجدہ سے انکار کر بیٹھا تو وہ مردود بارگاہ الٰہی ہو کر ذلت ونکبت کے ایسے عمیق غار میں گر پڑا کہ قیامت تک وہ اس غار سے نہیں اٹھ سکتا اور ہمیشہ ہمیشہ وہ دونوں جہاں کی لعنتوں کا حقدار بن گیا اور قہر قہار وغضب جبار میں گرفتار ہو کر دائمی عذاب نار کا سزاوار بن گیا۔

(۶) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے علم کو جانچنے اور علم کی قلت وکثرت کا اندازہ لگانے کے لئے امتحان کا طریقہ جو آج کل رائج ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ ہے کہ خداوند عالم نے فرشتوں کے علم کو کم اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو زائد ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں اور حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان لیا تو فرشتے اس امتحان میں ناکام رہ گئے اور حضرت آدم علیہ السلام کامیاب ہو گئے۔

(۷) ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک کا پتلا کہہ کر ان کی تحقیر کی اور اپنے کو آتشی مخلوق کہہ کر اپنی بڑائی اور تکبر کا اظہار کیا اور سجدہ آدم علیہ السلام سے انکار کیا درحقیقت شیطان کے اس انکار کا باعث اس کا تکبر تھا اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تکبر وہ بری شے ہے کہ بڑے سے بڑے بلند مراتب و درجات والے کو ذلت کے عذاب میں گرفتار کر دیتی ہے بلکہ بعض اوقات تکبر کفر تک پہنچا دیتا ہے اور تکبر کے ساتھ ساتھ جب محبوبان بارگاہ الٰہی کی توہین اور تحقیر کا بھی جذبہ ہو تو پھر تو اس کی شناخت وخباثت اور بے پناہ منحوسیت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا اور اس کے ابلیس لعین ہونے میں کوئی شک وشبہ کیا ہی نہیں جا سکتا اس سے ان لوگوں کو عبرت آموز سبق لینا چاہیے جو بزرگان دین کی توہین کر کے اپنی عبادتوں پر اظہار تکبر کرتے رہتے ہیں کہ وہ اس دور میں ابلیس کہلانے کے مستحق نہیں تو پھر کیا ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علوم سیدنا آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کتنے اور کس قدر علوم عطا فرمائے اور کن کن

چیزوں کے علوم ومعارف کو عالم الغیب والشہادۃ نے ایک لمحہ کے اندر ان کے سینہ اقدس میں بذریعہ الہام جمع فرما دیا جن کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام علوم ومعارف کی اتنی بلند ترین منزل پر فائز ہو گئے کہ فرشتوں کی مقدس جماعت آپ کے علمی وقار وعرفانی عظمت واقتدار کے روبرو سربسجود ہو گئی ان علوم کی ایک فہرست آپ قطب زمانہ حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ کی شہرہ آفاق تفسیر روح البیان شریف میں پڑھیے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا نام، تمام زبانوں میں سکھا دیا اور ان کو تمام ملائکہ کے نام اور تمام اولاد آدم کے نام اور تمام حیوانات ونباتات و جمادات کے نام اور ہر ہر چیز کی صنعتوں کے نام اور تمام شہروں اور تمام بستیوں کے نام اور تمام پرندوں اور درختوں کے نام اور جو آئندہ عالم وجود میں آنے والے ہیں سب کے نام اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جانداروں کے نام اور تمام کھانے پینے کی چیزوں کے نام اور جنت کی تمام نعمتوں کے نام اور ہر ہر چیزوں اور سامانوں کے نام یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کے نام اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات لاکھ زبانیں سکھائی ہیں۔ (روح البیان ج۱، ص۱۰۰)

ان علوم مذکورہ بالا کی فہرست کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ جوامع الکلم کے انداز بیان میں صرف ایک جملہ کے اندر بیان فرما دیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا نام بتا دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے خزائن علم کی ہی عظیم فہرست دیکھ کر سوچئے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے علوم ومعارف کی یہ منزل ہے پھر حضور سید آدم وسرور اولاد آدم، خلیفۃ اللہ الاعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم عالیہ کی کثرت ووسعت اور ان کی رفعت وعظمت کا کیا عالم ہو گا؟ میں کہتا ہوں کہ واللہ حضرت آدم علیہ السلام کے علوم کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم سے اتنی بھی نسبت نہیں ہو سکتی جتنی کہ ایک قطرہ کو سمندر سے اور ایک ذرہ کو تمام روئے زمین سے

Scanned with CamScanner

نسبت ہے اللہ اکبر! کہاں حضرت آدم اور کہاں علومِ سیّدِ عالم!

فرش تا عرش سب آئینہ، ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے امی! تری دانائی کی

اللھم صل علیٰ سیّدنا محمد و علیٰ اٰل سیّدنا
محمد و بارك وسلم

(۲)

درسِ حدیث یعنی ارشادات صاحب جوامع الکلم

اس میں حضور نبی اکرم نورِ مجسم شفیع معظم تاجدار عرب وعجم احمد مجتبیٰ حضرت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے چندان ارشادات عالیہ کا ذکر ہوگا جن کے الفاظ تو مختصر ہیں لیکن ان میں معانی کا ایک پورا جہاں آباد ہے۔ چنانچہ صرف چھ احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

☆ حضرت حذیفہ بن یمان عبسی رضی اللہ عنہ جو کہ اکابر صحابہ میں سے ہیں غزوۂ خندق میں حاضر ہوئے، اور اس موقع پر شاندار کارنامہ انجام دیا اس کے بعد دیگر غزوات میں بھی شریک ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں مدائن کا حکم مقرر کیا تاحیات وہیں رہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اس کے چالیس روز بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کی خبر دی۔ (بحوالہ اصابہ بتصرف) روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور صحابۂ کرام کو ارشاد فرمایا، کہ ہمارے پاس آؤ صحابۂ کرام آکر بیٹھ گئے تو فرمایا، یہ رب العالمین کے رسول جبریل امین ہیں انہوں نے ہمارے دل میں القاء کیا ہے کہ

کوئی شخص بھی اپنی قسمت کا پورا رزق حاصل کئے بغیر نہیں مرے گا جب رزق کے ملنے میں دیر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حسن طلب سے کام لو رزق کی تاخیر تمہیں ہرگز اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے راستے سے رزق حاصل کرو کیونکہ

Scanned with CamScanner

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کی فرمانبرداری سے ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

(حافظ منذری نے الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۳۵ میں فرمایا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے قدامہ بن زائدہ کے ان کے بارے میں مجھے جرح یا تعدیل متحضر نہیں ہے۔)

☆ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (جن کی کنیت ابوالولید ہے آپ رضی اللہ عنہ خزرجی و انصاری ہیں۔ بیعت عقبہ میں مقرر کردہ نقیبوں میں سے ایک تھے غزوہ بدر اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے فتح مصر میں شامل ہوئے کمک کے چوتھائی حصے کے امیر تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت معاذ اور حضرت ابوالدرداء کے ساتھ اہل شام کو قرآن پاک کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا فلسطین میں قیام پذیر ہوئے طویل القامت اور رحیم تھے ۳۴ھ میں رملہ میں وصال فرمایا) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میری امت کے کچھ لوگ فخر وتکبر اور لہو ولعب میں رات بسر کریں گے صبح ہوگی تو وہ بندر اور خنزیر بن چکے ہوں گے یہ ان کے ان جرائم کی سزا ہوگی جو انہوں نے حرام چیزوں کو حلال جانا، گانے بجانے والی رقاصائیں رکھیں، شراب پی، سود کھایا اور ریشم پہننا۔

(یہ حدیث امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے روایت کی حافظ منذری الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۶۳ میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے میں کہتا ہوں اس حدیث کے شواہد موجود ہیں جو معنوی طور پر اسے تقویت دیتے ہیں لہٰذا یہ صحیح ہے۔)

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (جن کا پورا نام ومختصر تعارف اس طرح ہے) سعد بن مالک بن سنان انصاری خزرجی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں غزوۂ احد کے موقع پر انہیں کم عمر قرار دیا گیا اس غزوہ میں ان کے والد ماجد شہید ہوئے حضرت ابوسعید بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے افاضل صحابہ میں سے تھے احادیث مبارکہ بکثرت یاد تھیں ۷۴ھ میں وصال ہوا اس وصال کے بارے میں کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔) سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، راستوں میں بیٹھنے سے بچو! صحابۂ کرام نے عرض کیا، یا

رسول اللہ ﷺ! ہمارے مل بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے جہاں ہم باہمی گفتگو کرسکیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم بیٹھنے پر ہی مصر ہو تو راستے کو اس کا حق دو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! راستے کا کیا حق ہے؟ فرمایا: نگاہوں کو جھکانا، ایذاء رسانی سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔

☆ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت زید، دونوں نبی اکرم ﷺ کے محبوب صحابی ہیں زید رضی اللہ عنہ کی کنیت ابومحمد تھی انہیں ابوزید بھی کہا جاتا تھا ان کی والدہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے سرکار دوعالم ﷺ کو گود میں کھلایا تھا حضرت اسامہ اسلام میں پیدا ہوئے نبی اکرم ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر بیس سال تھی سید عالم ﷺ نے انہیں ایک عظیم لشکر کا کمانڈر بنایا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی کمان کو برقرار رکھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور انہیں اپنے بیٹے سے زیادہ وظیفہ دیتے تھے ۵۴ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں ان کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا ان کے فضائل بہت ہیں اور ان کی روایت کردہ حدیثیں مشہور ہیں۔ آپ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

قیامت کے دن ایک شخص کو لاکر آگ میں ڈالا جائے گا اس کے پیٹ کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی وہ انہیں لے کر اس طرح گھومے گا، جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ اہل جہنم اس کے پاس جمع ہو جائیں گے، اور پوچھیں گے اے فلاں! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے، اور برائی سے منع نہیں کرتے تھے؟ وہ کہے گا، کیوں نہیں؟ میں یہ سب کچھ کرتا تھا لیکن میں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا اور برائی سے منع کرتا تھا مگر خود اس کا مرتکب ہوتا تھا (صحیحین)

☆ ...... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یا تو تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے یا پھر اللہ تعالیٰ ضرور تم پر اپنا عذاب بھیجے گا پھر تم اس سے دعا مانگو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی یہ حدیث حسن ہے، اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔

Scanned with CamScanner

☆..... حضرت ابوالولید عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل امور پر بیعت کی۔

۱- باوجودیکہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے گی ہم تنگی اور آسانی، خوشی اور ناخوشی، ہر حال میں امیر کا حکم سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے۔

۲- ہم خلافت کے مسئلے پر اس کے مستحق سے جھگڑا نہیں کریں گے (فرمایا) مگر اس صورت میں کہ تم کھلا ہوا کفر دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہو۔

۳- ہم جہاں بھی ہوں حق بات کہیں گے اور راہ خداوندی میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

(صحیحین)(من نسمات الخلود از شیخ سید محمد صالح فرفور دمشقی علیہ الرحمۃ)

(۳)

حضرت خزیمہ کی گواہی دو مردوں کے برابر

اسلام دین فطرت ہے، اس میں جن اصولوں پر انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی گئی ہے ان میں عدل وانصاف کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، چنانچہ قرآن مجید میں جابجا عدل کرنے، انصاف کی گواہی دینے اور حق کے ساتھ فیصلے کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○) (المائدۃ:۴۲/۵)

''اور اگر آپ ان لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

(يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○) (ایضا:۸/۵)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے حق پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔''

سورۃ الشوریٰ میں عدل کرنے کا حکم یوں دیا گیا ہے۔

(وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ)

(الشوریٰ:۴۲/۱۵)

"اور کہہ دیجئے! اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔"

سورۃ النحل میں عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

(اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى) (النحل:۱۶/۹۰)

"بے شک اللہ عدل واحسان اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔"

قرآن مجید کی سورۃ ص میں جہاں اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت ارضی عطا ہونے کا ذکر ہوا، وہاں انہیں لوگوں کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کرنے اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنے کی تلقین بھی کی گئی۔ (ص:26)

اور دوسری جگہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کرنے والوں کو کفر، ظلم اور فسق کے مرتکب ٹھہرایا گیا ہے۔ (المائدہ:44، 45، 47)

ان آیات قرآنی سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حاکم وقت، قاضی یا ثالث کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر معاملے میں عدل، انصاف اور حق کے ساتھ فیصلہ کرے اور اس میں ذاتی پسند و ناپسند کو ملحوظ خاطر نہ رکھے اور نہ غصے میں کوئی فیصلہ کرے، چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن مقیم سجستان کو لکھا کہ "تم فریقین میں غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ) (کوئی حکم (ثالث یا قاضی) دو فریقین میں فیصلہ نہ کرے جبکہ وہ غصے میں ہو)

(بخاری شریف الاحکام، باب هل يقضي القاضي القاضي او يفتي و هو غضبان؟ حدیث نمبر ۷۱۵۸)

خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہونے کے ساتھ ساتھ حکمران وقت اور قاضی بھی تھے، چنانچہ دربار رسالت سے مختلف مواقع پر جو فیصلے صادر ہوئے وہ حق وانصاف کی روشن مثالیں ہیں، پھر خلفائے راشدین یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو فیصلے دیے وہ بھی کامل

عدل وانصاف پر مبنی تھے اور تاریخ انسانی میں ان کی نظیر نہیں ملتی، بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نادر فیصلے ان کی بے پناہ ذہانت وفراست پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر قاضی شریح، قاضی ایاس، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، قاضی شریک، قاضی ابوحازم، قاضی ابویوسف، قاضی منذر بن سعید اور دیگر نامور قضاۃ نے مسند قضا سے ایسے ایسے شاندار فیصلے کیے کہ وہ تاریخ حق وصداقت کا جھومر ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے بعد آنے والے خلفاء اور حکمران بھی اپنے فیصلوں سے عدل وانصاف کی لازوال داستانیں رقم کر گئے لیکن ابھی آپ ایک عجیب فیصلہ پڑھیں گے۔

اور وہ یہ ہے کہ امام زہری جو کہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ الاصغر بن شہاب قریش کے قبیلہ بنو زہرہ کی نسبت سے امام ابن شہاب زہری کے نام سے معروف ہیں۔ وہ 50ھ یا 51ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے پردادا عبداللہ الاصغر رضی اللہ عنہ ابتدا میں اسلام کے مخالف تھے مگر بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ ان کا شمار اکابر حفاظ حدیث اور فقہاء میں ہوتا ہے۔ خلیفہ یزید ثانی نے انہیں قاضی کے منصب پر مامور کیا۔ وہ خلیفہ ہشام کے بچوں کے اتالیق بھی رہے۔ امام زہری 124ھ میں انتقال کر گئے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ ج10، ص525-524)

عمارہ بن خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی (بدو) سے گھوڑا خریدا اور اس سے جلدی چلنے کو کہا تاکہ آپ گھر پہنچ کر اس کی قیمت ادا کر دیں۔ پھر نبی کریم ﷺ جلدی جلدی آگے بڑھ گئے جبکہ بدو پیچھے رہ گیا۔ راستے میں لوگ بدو کے پاس آتے اور اس کے گھوڑے کی قیمت لگاتے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ گھوڑا خرید لیا ہے۔ ایک آدمی نے گھوڑے کی قیمت رسول اکرم ﷺ کی لگائی ہوئی قیمت سے زیادہ لگائی، چنانچہ بدو نے زور سے چلا کر رسول اکرم ﷺ کو آواز دی اور کہا:

(اِنْ كُنْتَ مُبْتَاعًا هٰذَا الْفَرَسَ فَابْتَعْهُ وَاِلَّا بِعْتُهُ)

"اگر آپ کو یہ گھوڑا خریدنا ہے تو خرید لیں ورنہ میں اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ

دوں گا۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:(اَوَ لَیْسَ قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ؟)

”کیا میں نے تجھ سے یہ گھوڑا خرید نہیں لیا ہے؟“

اعرابی نے کہا:نہیں نہیں، ابھی بیع مکمل نہیں ہوئی تھی۔

پھر اعرابی اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان بحث ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر لوگ ان کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ اعرابی کہنے لگا:

(هَلُمَّ شَهِيْدًا يَشْهَدُ اَنِّيْ قَدْ بَايَعْتُكَ؟)

”آپ اس بات پر کوئی گواہ پیش کریں کہ واقعی میں نے آپ کے ہاتھ اپنا گھوڑا بیچ دیا ہے۔“

جو مسلمان بھی ان کی گفتگو سن کر وہاں آتا وہ بدو سے کہتا: تیرا ناس ہو! کیوں ضد کرتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بحث و مباحثہ کر رہا ہے، کیا رسول اکرم ﷺ حق کے خلاف بھی کوئی بات کریں گے؟! اسی دوران حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ وہاں آن پہنچے۔ جب انہوں نے رسول اکرم ﷺ اور اعرابی کے درمیان بحث اور بدو کا یہ قول سنا کہ ”آپ اس بات پر کوئی گواہ پیش کریں کہ واقعی میں نے آپ کے ہاتھ اپنا گھوڑا بیچ دیا ہے؟“ تو وہ کہنے لگا:(اَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَايَعْتَهُ)

”میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تو نے اپنا گھوڑا رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے!“

یہ سننا تھا کہ رسول اکرم ﷺ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا:(بِمَ تَشْهَدُ؟)

”آخر تم کس بنیاد پر گواہی دے رہے ہو (جب کہ گھوڑے کی خرید و فروخت کے وقت تم ہمارے پاس موجود نہ تھے)؟“

خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:(بِتَصْدِيْقِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)

”اے اللہ کے رسول! آپ کی تصدیق کی بنیاد پر میں نے یہ گواہی دی ہے۔“

(فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ)

”چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔“

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا:(لِمَ تَشْهَدُ وَلَمْ تَكُنْ مَعَنَا؟)

”آخر تم کس بنیاد پر گواہی دے رہے ہو جبکہ تم ہمارے ساتھ نہیں تھے؟“

خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

(يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَنَا اُصَدِّقُكَ بِخَبَرِ السَّمَآءِ اَفَلَا اُصَدِّقُكَ بِمَا تَقُوْلُ؟)

”اے اللہ کے رسول! آپ جب آسمان کی خبریں (وحی) سناتے ہیں تو میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، پھر کیا میں آپ کے اس قول کی تصدیق نہیں کروں گا؟“ (ابوداود کتاب الاقضیہ ۳۶۰۷ و مسند احمد ۵/۲۱۵)

ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ عرش پر مستوی بلند و بالا ہستی جب فرش پر مقیم سرور کائنات کے پاس اپنے خصوصی نمائندہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے کوئی وحی بھیجتی ہے جس میں ماضی کی تاریخ اور مستقبل کی پیش گوئیاں ہوتی ہیں، تو ہم (صحابہ کرام) بلا چون و چرا قبول کر لیتے ہیں اور آپ کی تصدیق کر کے پوری بات من و عن تسلیم کر لیتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس خرید و فروخت میں میں آپ ﷺ کے قول کی تصدیق نہ کروں؟!

یاد رہے! خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ وہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔ فتح مکہ کے وقت اوسی قبیلہ خطمہ کا جھنڈا حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور جنگ صفین (37ھ) میں شہادت پائی۔ (اسد الغابہ ج2 ص170)

اس واقعہ کے راوی عمارہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے۔

Scanned with CamScanner

(۴)

وزارت کیوں ترک کی؟

خلیفہ ہارون الرشید کے وزیر حضرت سیّدنا عبداللہ بن مشرف رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا: ''اے خلیفۃ المسلمین! اگر کوئی شخص آپ کے دربار میں درخواست کرے کہ میرا غلام فرار ہو کر آپ کے پاس آ گیا ہے، لہٰذا آپ مجھے میرا غلام لوٹا دیں، تو کیا آپ اس کو اس کا غلام واپس کر دیں گے؟'' خلیفہ نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' انہوں نے فرمایا: ''جناب! میں بھی اللہ تعالیٰ کا غلام ہوں، جو اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ سے فرار ہو کر آیا ہے، آپ مجھے اس کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چھوڑ دیں، تا کہ میں دوبارہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں۔'' ہارون الرشید اور تمام حاضرین رو دیئے پھر خلیفہ کہنے لگے: ''ہم میں سے یہ شخص نجات پا گیا، جبکہ ہم یہاں بیٹھے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔'' پھر خلیفہ ہارون الرشید نے انہیں جانے کی اجازت دے دی تو وہ اسی وقت احرام باندھ کر ''لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ'' کہتے ہوئے حرم پاک کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حضرت سیّدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملے اور دیکھا کہ وہ زمین پر محوِ خواب ہیں اور ہوا مٹی اڑا اڑا کر ان کے چہرے پر ڈال رہی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو سلام کرنے کے بعد دریافت فرمایا: ''اے عبداللہ! سب کچھ چھوڑنے کا عوض اللہ تعالیٰ نے تجھے کیا دیا؟'' وہ بولے: ''اے سفیان! اپنی وزارت وغیرہ چھوڑنے کا عوض اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دیا کہ اس نے مجھے اپنی رضا عطا فرما دی جس میں، میں اس وقت ہوں۔'' جب حرم پاک کے مشائخ کو

ان کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ سلام پیش کرنے کے لئے نکل پڑے۔ ان کی لاغری اور غبار آلودگی کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا: ''بے آب و گیاہ چٹیل میدان کا سفر آپ نے کیسے برداشت کر لیا؟'' حضرت سیّدنا عبداللہ بن مشرف رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''جس مجرم غلام کا دل اسے آقا کے دروازے کی طرف لے جا رہا ہو، وہ اپنے آقا کی بارگاہ میں کیسے آتا ہے؟ اگر مجھے قدرت ہوتی تو میں سر کے بل آتا۔'' اس کے بعد وہ رونے لگے، پوچھا گیا: ''کیوں رو رہے ہیں؟'' ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنا شفیع آگے بھیج دیا ہے، شاید! اس کی شفاعت قبول ہو جائے۔'' اور جب ان کی نظر بیت اللہ شریف پر پڑی تو زوردار چیخ ماری اور ان کی روح جسم سے جدا ہو گئی۔ (الروض الفائق)

بے سبب بخش دے نہ پوچھ عمل
نام غفار ہے تیرا یا رب عزوجل!

(۵)

تکبرّ عزازیل راخوار کرد

عربی میں کہتے ہیں: تَعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا ۔ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں جس طرح عاجزی وگریہ زاری نے مندرجہ بالا واقعہ میں ایک شخص کو مقبول بارگاہ بنا دیا اسی طرح تکبر وغرور نے عزازیل کو شیطان، ابلیس، رجیم اور خدا جانے کیا کیا بنا دیا، راندۂ درگاہ بنا دیا، عزت وعبادت کو خاک میں ملا دیا۔

تکبر عزازیل راخوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

ابلیس جس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ یہ فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا جو آگ سے پیدا ہوا تھا لیکن یہ فرشتوں کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا اور دربار خداوندی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے بلند درجات ومراتب سے سرفراز تھا۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابلیس چالیس ہزار برس تک جنت کا خزانچی رہا اور اسی ہزار برس تک ملائکہ کا ساتھی رہا اور بیس ہزار برس تک ملائکہ کو وعظ سناتا رہا اور تیس ہزار برس تک مقربین کا سردار رہا اور ایک ہزار برس تک روحانین کی سرداری کے منصب پر رہا اور چودہ ہزار برس تک عرش کا طواف کرتا رہا اور پہلے آسمان میں اس کا نام عابد اور دوسرے آسمان میں زاہد اور تیسرے آسمان میں عارف اور چوتھے آسمان میں ولی اور پانچویں آسمان میں تقی اور چھٹے آسمان میں خازن اور ساتویں آسمان میں عزازیل تھا اور لوح محفوظ میں اس کا نام ابلیس لکھا ہوا تھا اور یہ اپنے انجام سے

غافل اور خاتمہ سے بے خبر تھا۔ (صاوی ج ا وجمل ج اص ۱۴)

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تحقیر اور اپنی برائی کا اظہار کر کے تکبر کیا اسی جرم کی سزا میں خداوند عالم نے اس کو مردود بارگاہ کر کے دونوں جہاں میں ملعون فرما دیا اور اس کو اور اس کی پیروی کرنے والوں کو جہنم میں عذاب نار کا سزاوار بنا دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الاعراف: رکوع ۲)

(اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس! کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ وہ بولا: میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے بنایا ہے۔ اللہ نے فرمایا: تو یہاں سے اتر جا، تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو یہاں رہ کر غرور کرے۔ نکل جا تو ذلت والوں میں سے ہے ابلیس بولا: تو مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دے دے۔ اللہ نے فرمایا تجھے مہلت ہے۔ وہ بولا: خداوند! قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر تیرے بندوں کی تاک میں بیٹھوں گا۔ پھر ضرور ان کے آگے ان کے پیچھے اور ان کے دائیں ان کے بائیں سے ان کے پاس آؤں گا (اور بہکاؤں گا) تو اے اللہ! تو اپنے اکثر بندوں کو شکر گزار نہ پائے گا۔ اللہ نے فرمایا: (اے شیطان) تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہے تو راندہ ہوا

Scanned with CamScanner

ہے، جو میرے بندوں میں سے تیرے کہے پر چلے گا میں ضرور تم سبھوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔

قرآن مجید کے اس عجیب واقعہ میں عبرتوں اور نصیحتوں کی بڑی بڑی درخشندہ و تابندہ تجلیاں ہیں۔ اسی لئے اس واقعہ کو خداوند قدوس نے مختلف الفاظ میں اور متعدد طرز بیان کے ساتھ قرآن مجید کے سات مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ یعنی سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ حجر، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، سورہ طٰہٰ، سورۂ صٓ میں اس دل ہلا دینے والے واقعہ کا تذکرہ مذکور ہے۔ جس سے مندرجہ ذیل حقائق کا درس ہدایت ملتا ہے۔

واقعۂ آدم علیہ السلام و ابلیس لعین سے ملنے والا سبق

(۱) اس سے ایک بہت بڑا درس ہدایت تو یہ ملتا ہے کہ کبھی ہرگز ہرگز اپنی عبادتوں اور نیکیوں پر گھمنڈ اور غرور نہیں کرنا چاہئے اور کسی گنہگار کو اپنی مغفرت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انجام کیا ہوگا اور خاتمہ کیسا ہوگا۔ عام بندوں کو اس کی کوئی خبر نہیں ہے اور نجات و فلاح کا دارومدار درحقیقت خاتمہ بالخیر پر ہی ہے بڑے سے بڑا عابد اگر اس کا خاتمہ بالخیر نہ ہوا تو وہ جہنمی ہوگا اور بڑے سے بڑا گنہگار اگر اس کا خاتمہ بالخیر ہو گیا تو وہ جنتی ہوگا دیکھ لو: ابلیس کتنا بڑا عبادت گزار اور کس قدر مقرب بارگاہ تھا اور کیسے کیسے مراتب و درجات کے شرف سے سرفراز تھا مگر انجام کیا ہوا؟ اس کی ساری عبادتیں غارت و اکارت ہو گئیں اور وہ دونوں جہاں میں ملعون ہو کر عذاب جہنم کا حقدار بن گیا کیونکہ اس کو اپنی عبادتوں اور بلندی درجات پر غرور اور تکبر ہو گیا تھا مگر وہ اپنے انجام اور خاتمہ سے بالکل بے خبر تھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بندہ اہل جہنم کے اعمال کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے اور ایک بندہ اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے۔ انما الاعمال بالخواتیم۔ یعنی اعمال کا اعتبار خاتموں پر ہے۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر)

خداوند کریم ہر مسلمان کو خاتمہ بالخیر کی سعادت نصیب فرمائے اور برے انجام اور برے خاتمہ سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

(۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ عالم ہو یا جاہل، متقی ہو یا گنہگار ہر آدمی کو زندگی بھر شیطان کے وسوسوں سے ہوشیار اور اس کے دغدغوں سے بچتے رہنا چاہئے کیونکہ شیطان نے قسم کھا کر خدا کے حضور میں اعلان کر دیا ہے کہ میں آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے وسوسہ ڈال کر تیرے بندوں کو صراط مستقیم سے بہکا تا رہوں گا اور بہت سے بندوں کو خدا کا شکر گزار ہونے سے روک دوں گا۔

(۳) شیطان نے آگے پیچھے اور دائیں بائیں جانبوں سے انسانوں پر حملہ آور ہونے اور وسوسہ ڈالنے کا اعلان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اوپر اور نیچے ان دو جانبوں سے شیطان انسانوں پر کبھی حملہ آور نہیں ہوگا نہ اوپر اور نیچے کی جانب سے کوئی وسوسہ ڈال سکے گا لہٰذا اگر کوئی انسان اپنے اوپر یا نیچے کی طرف سے کوئی روشنی پائے تو یہ ابلیس کا وسوسہ نہیں ہے بلکہ اس کو خیر سمجھ کر اس کی جانب متوجہ ہو اور خداوند قدوس کی طرف سے خیر اور بھلائی کی امید رکھے۔ یعنی نیچے سر جھکا کر سجدہ کرے اور اوپر ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

Scanned with CamScanner

(۶)

جاہل سخی، بخیل عابد سے اللہ کو زیادہ محبوب ہے

حاتم طائی کی بیوی ماویہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہولناک قحط پڑا جس کی بنا پر زمین سکڑ گئی، آسمان کے اطراف میں غبار ہی غبار دکھائی دینے لگا۔ آیاؤں نے بچوں کو دودھ پلانا چھوڑ دیا، کیونکہ دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں اترتا تھا۔ خشک سالی نے مال بیکار کر دیا اور ہمیں ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ بخدا! سردیوں کی ایک طویل رات تھی' ہمارے بچے عبداللہ، عدی اور سفانہ بھوک کے مارے چیخ رہے تھے۔ حاتم نے دو بچوں کو سنبھال لیا اور میں نے بچی کو اٹھا لیا۔ حاتم مجھے باتوں سے بہلانے لگے میں نے ان کا مقصد سمجھتے ہوئے سونے کی کوشش شروع کر دی۔

جب ستارے ڈوب گئے تو اچانک کسی نے گھر کا پردہ اٹھایا اور چھوڑ دیا۔ حاتم نے پوچھا کون ہے؟ ایک عورت کی آواز آئی کہ میں آپ کی فلاں پڑوسن ہوں۔ میں اپنے بچوں کو بھیڑیوں کی طرح چلاتے ہوئے چھوڑ کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ اے ابو عدی! مجھے آپ کے سوا کوئی قابل اعتماد آدمی نظر نہیں آیا۔ حاتم نے کہا انہیں جلدی لے آ، اللہ تعالیٰ نے تیری اور ان کی خوراک کا انتظام کر دیا ہے۔ چند لمحوں میں وہ بچوں کو لے آئی۔ دو اس نے گود میں اٹھائے ہوئے تھے اور چار اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ یوں دکھائی دیتی تھی جیسے وہ شتر مرغ ہو اور اس کے بچے اس کے اردگرد چل رہے۔

حاتم نے اٹھ کر اپنے گھوڑے کی گردن پر چھری چلا دی اور وہ گر گیا پھر اس کی کھال

اتار کر چھری عورت کو تھما دی اور اسے کہا، اب تم جانو اور تمہارا کام۔ ہم سب مل جل کر گوشت بھوننے اور کھانے لگے۔ حاتم قبیلے کے ایک ایک گھر گئے اور کہنے لگے، لوگو! آؤ اور دعوت کے مزے لوٹو۔ سب لوگ جمع ہو گئے اور حاتم کپڑے میں لپٹ کر ایک طرف بیٹھ گئے اور ہمیں دیکھنے لگے۔ خدا کی قسم! انہوں نے ایک بوٹی بھی نہیں کھائی، حالانکہ انہیں ہم سے زیادہ گوشت کی حاجت تھی۔ صبح ہوئی تو زمین پر گھوڑے کی ہڈیوں اور کھروں کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ حاتم اپنی اس کارروائی پر بڑے مسرور تھے۔

انہوں نے مسرت کے عالم میں کہا:

اَمَاوِیُّ اِنَّ الْمَالَ غَادٍ وَّرَائِحٌ
وَیَبْقٰی مِنَ الْمَالِ الْاَحَادِیْثُ وَالذِّکْرُ

ماویہ! مال آنے جانے والی چیز ہے، مال کے بدلے باتیں اور یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔

اَیَا ابْنَۃَ عَبْدِاللّٰہِ وَابْنَۃَ مَالِکٍ — وَیَا ابْنَۃَ ذِی الْبُرْدَیْنِ وَالْفَرَسِ الْوَرْدِ
اِذَا مَا طَلَبْتِ الزَّادَ فَالْتَمِسِیْ لَہٗ — اَکِیْلًا فَاِنِّیْ لَسْتُ آکُلُہٗ وَحْدِیْ
اَخًا طَارِقًا اَوْجَا رَبَیْتٍ فَاِنَّنِیْ — اَخَافُ مَغَبَّاتِ الْاَحَادِیْثِ مِنْ بَعْدِیْ
وَاِنِّیْ لَعَبْدُ الضَّیْفِ مَا دَامَ ثَاوِیًا — وَمَا فِیَّ اِلَّا تِلْکَ مِنْ شِیْمَۃِ الْعَبْدِ

○ اے عبداللہ اور مالک کی بیٹی! اور اے دو چادروں والے اور سرخ گھوڑے والے کی بیٹی!

○ جب تو زادِ راہ تلاش کرے تو اسے کھانے والا بھی ڈھونڈ، کیونکہ میں اسے اکیلا نہیں کھاؤں گا۔

○ کوئی رات کو آنے والا بھائی یا پڑوسی تلاش کر، کیونکہ میں بعد میں بنائی جانے والی باتوں سے ڈرتا ہوں۔

○ مہمان جب تک قیام کرے میں اس کا غلام ہوں، اور مجھ میں غلاموں والی یہی ایک خصلت ہے۔ (من نسمات الخلود للغفور)

Scanned with CamScanner

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَجَاهِلٌ سَخِيٌّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ ۔

''اللہ تعالیٰ کو جاہل سخی، بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔''

(یہ حدیث امام ترمذی نے باب ماجاء فی السخاء میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ امام بیہقی نے حضرت جابرؓ سے شعب الایمان میں اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ضعیف سندوں سے روایت کی۔ تاہم یہ سندیں ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ حدیث معنوی اعتبار سے صحیح ہے۔ (ایضاً)

(۷)

حکام کا محاسبہ

خلیفۂ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو عدی سے تھا۔ ان کا نسب نبی ﷺ کی آٹھویں پشت میں کعب بن لوی پر جا ملتا ہے۔ انہوں نے 6 نبوی میں چھبیس یا ستائیس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اپنی ممتاز بیٹی ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے ابو حفص کنیت اختیار کی۔ دور جاہلیت میں انہوں نے عراق و شام وغیرہ کے بکثرت سفر کیے تھے اور وہاں کے حکمرانوں سے ملاقاتیں کی تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 13ھ تا 23ھ ایسے عمدہ طریقے سے حکومت کی کہ ان کے بعد اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کے عہد میں اسلامی لشکروں نے ساسانی اور بازنطینی سلطنتوں کو فتح کیا اور 22 لاکھ مربع میل پر محیط علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ فارسی نژاد ابولؤلؤ فیروز نے 27 ذی الحجہ کو انہیں مسجد میں زہر میں بجھے خنجر سے زخمی کر دیا اور یکم محرم 24ھ کو زخموں کی تاب نہ لا کر وہ شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

(اٹلس سیرت نبوی ص 353-354)

ایک دفعہ آپ مسجد نبوی شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ

(وَيْلٌ لَّكَ يَا عُمَرُ مِنَ النَّارِ)

''اے عمر! تمہارے لیے جہنم کا ویل ہے۔''

امیر المومنین نے حاضرین سے فرمایا: اس آدمی کو میرے پاس لاؤ۔

جب وہ آیا تو آپ نے پوچھا: تم نے یہ بات کیوں کہی ہے؟

وہ کہنے لگا: آپ اپنے حکام کو مقرر کرتے وقت ان سے شرائط قبول تو کرواتے ہیں مگر ان کا محاسبہ نہیں کرتے کہ انہوں نے شرائط پوری کی ہیں یا نہیں؟

امیر المومنین نے پوچھا: بات کیا ہے؟

وہ کہنے لگا: مصر میں آپ کا جو حاکم ہے، اس نے آپ کی شرائط کو فراموش کر کے ان باتوں کا ارتکاب کیا ہے جن سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

اس طرح اس نے امیر المومنین کو مصر کے حاکم کی خلاف ورزیوں کے متعلق بہت کچھ بتایا۔

یہ شکایات سننے کے بعد امیر المومنین نے قبیلہ انصار کے دو آدمیوں کو بغرض تفتیش مصر روانہ کیا اور ان سے فرمایا: تم دونوں مصر جاؤ اور حاکم کے متعلق وہاں کے لوگوں سے استفسار کرو، اگر اس آدمی نے مجھے غلط رپورٹ دی ہو تو آگاہ کرنا، اور اگر اس کی رپورٹ صحیح ہے اور حاکم واقعی اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرتا ہے تو وقت ضائع کیے بغیر اسے لے کر میری خدمت میں پہنچو۔

دونوں انصاری امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں مصر روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر لوگوں سے حاکم مصر کے متعلق حقیقت جاننی چاہی۔ انہیں وہاں وہی رپورٹ ملی جیسے مذکورہ شخص نے امیر المومنین سے شکایت کی تھی، چنانچہ ان دونوں نے حاکم کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ دربان نے جواب دیا:

(اِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ الْيَوْمَ اِذْنٌ) ''آج حاکم سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔''

دونوں انصاریوں نے کہا: (لَيَخْرُجَنَّ عَلَيْنَا اَوْ لَنُحْرِقَنَّ بَابَهُ)

''حاکم کو ہمارے سامنے ضرور نکلنا پڑے گا ورنہ ہم ابھی اس کا دروازہ پھونک دیں گے۔''

اتنے میں ایک انصاری جلدی سے کہیں سے آگ کا شعلہ بھی لے کر آ گیا۔

دربان اندر داخل ہوا اور حاکم مصر کو اس کی خبر دی۔ حاکم گھر سے باہر نکلا تو ان دونوں

نے کہا: ہم امیر المومنین کا پیغام لے کر آئے ہیں، تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔

حاکم نے کہا: میری ایک ضرورت ہے، تھوڑی دیر کے لیے مہلت دو تاکہ تیاری کر لوں۔ انہوں نے کہا: امیر المومنین نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تمہیں ایک پل کی بھی مہلت نہ دی جائے۔

جب وہ دونوں حاکم مصر کو لے کر مدینہ منورہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو اس نے سلام کیا مگر امیر المومنین نے اسے نہیں پہچانا کیونکہ اس کی ہیئت پہلے سے بہت بدل چکی تھی۔ وہ مصر کا حاکم بن کر جانے سے قبل گندمی رنگ کا انسان تھا مگر جب مصر کی سرسبزی و شادابی اس کو راس آئی تو وہ گورا چٹا اور بھاری بھرکم انسان بن چکا تھا، اس لیے امیر المومنین نے تعجب سے پوچھا: تم کون ہو؟

اس نے عرض کیا: میں فلاں آدمی ہوں جس کو آپ نے مصر کا حاکم مقرر کیا تھا۔

امیر المومنین نے فرمایا:

(وَيْحَكَ! رَكِبْتَ مَا نُهِيْتَ عَنْهُ وَ تَرَكْتَ مَا اُمِرْتَ بِهِ، وَاللهِ! لَاُعَاقِبَنَّكَ عُقُوْبَةً اُبْلِغُ اِلَيْكَ فِيْهَا)

''تیرا ناس ہو! جس بات سے تجھے منع کیا گیا تھا اس کو تو نے گلے لگا لیا مگر جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس کو فراموش کر بیٹھا۔ اللہ کی قسم! میں تجھے ضرور عبرتناک سزا دوں گا۔''

پھر امیر المومنین نے اون کا ایک پھٹا ہوا لباس، ایک لاٹھی اور صدقے میں آئی ہوئی تین سو بکریاں منگوائیں اور اس (حاکم مصر) سے فرمایا: یہ لباس زیب تن کرو، میں نے تمہارے باپ کو اس سے بھی ردی لباس پہنے ہوئے دیکھا۔ یہ لاٹھی اٹھاؤ جو تمہارے باپ کی لاٹھی سے کہیں بہتر ہے اور فلاں چراگاہ میں جا کر ان بکریوں کو چراؤ۔ اس وقت سخت گرمی کا زمانہ تھا۔ امیر المومنین نے مزید فرمایا:

(وَلَا تَمْنَعُ السَّابِلَةَ مِنْ اَلْبَانِهَا شَيْئًا اِلَّا آلَ عُمَرَ، فَاِنِّيْ لَا اَعْلَمُ اَحَدًا مِّنْ آلِ عُمَرَ اَصَابَ مِنْ اَلْبَانِ غَنَمِ الصَّدَقَةِ وَلُحُوْمِهَا شَيْئًا)

''اور تم راہ گزرنے والوں کو ان بکریوں کا دودھ پینے سے مت روکو، صرف عمر کے گھرانے والوں کو روکنا، کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ عمر کے گھرانے والوں نے کبھی صدقے کی بکریوں کے دودھ یا گوشت میں سے کچھ استعمال کیا ہو۔''

جب وہ آدمی (حاکم مصر) واپس ہوا تو امیر المومنین نے اسے بلایا اور پوچھا: جو کچھ میں نے کہا ہے، سمجھے یا نہیں؟ وہ فوراً زمین پر گر گیا اور کہنے لگا:

(يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! لَا اَسْتَطِيْعُ هٰذَا، فَاِنْ شِئْتَ فَاضْرِبْ عُنُقِيْ)

''اے امیر المومنین! یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا، چاہے آپ میری گردن اڑا دیں۔''

امیر المومنین نے فرمایا: (فَاِنْ رَدَدْتُكَ فَاَيَّ رَجُلٍ تَكُوْنُ؟)

''اگر میں نے تمہیں گزشتہ منصب پر بحال کر دیا تو پھر تم کس طرح کے آدمی ہو گے؟''

وہ کہنے لگا: (وَاللّٰهِ! لَا يَبْلُغُكَ بَعْدَهَا اِلَّا مَا تُحِبُّ)

''اللہ کی قسم! اب اس کے بعد آپ کو وہی رپورٹ پہنچے گی جو آپ پسند کریں گے۔''

پھر امیر المومنین نے اسے اس کے سابقہ عہدے پر فائز کر دیا، چنانچہ اس کے بعد وہ آدمی مصر کا ایک مثالی حاکم ہو گیا اور اپنی ذمہ داریاں خوف و تقویٰ اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ انجام دینے لگا۔ (قصص العرب: ۱۶/۳، ابن ابی الحدید ۹۸/۳)

(۸)

دنیا و آخرت کی پسندیدہ چیزیں

حضرت سیّدنا محمد بن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میرے سامنے شام کے ایک پہاڑ میں رہنے والے عابد کی تعریف کی گئی تو میں اس کے پاس چلا گیا اور سلام پیش کیا، اس نے سلام کا جواب دینے کے بعد مجھ سے پوچھا: ''اے ابن سماک! آپ کو اس جگہ کون لے کر آیا؟'' میں نے عرض کی: ''میں نے آپ کی تعریف سنی اور زیارت کے لئے حاضر ہو گیا۔'' یہ سن کر اس عابد نے کہا: ''آپ کو میرے متعلق بتانے والے نے دھوکہ دیا ہے، میں تو اپنے نفس کو غیر خدا میں معلق سمجھتا ہوں۔ اے ابن سماک! عقلمند تو وہ ہے جو ہلاکت سے پہلے خلاصی پانے اور نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔'' جب میں نے اس کا کلام سنا تو بے اختیار رو پڑا۔ جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو پوچھا: ''آپ کی کوئی حاجت ہو تو فرمائیے؟'' اس نے کہا: ''جو ایسے ویرانے میں رہتا ہو، اسے کسی انسان سے کوئی حاجت نہیں ہو سکتی۔'' پھر وہ کہنے لگا: ''اے ابن سماک! اگر تمہیں کسی قسم کی حاجت ہو تو بتائیے؟'' میں نے کہا: ''میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ جو میں پوچھوں، آپ اس کا جواب دیں گے۔ آپ کو دنیا و آخرت کی کون سی چیز پسند ہے؟'' تو اس نے روتے ہوئے کہا: ''اگر آپ اللہ تعالیٰ کی قسم نہ دیتے تو میں کبھی بھی نہ بتاتا، مجھے دنیا کی یہ چیزیں پسند ہیں: اطاعت و عبادت پر قوت، زہد، قناعت، خواہشات سے دور رہنے والا نفس اور خوف خدا سے لبریز دل اور آخرت میں مجھے یہ پسند ہے کہ میں بارگاہ خداوندی عزوجل سے یہ اعلان سنوں کہ جا، تجھے بخش دیا گیا۔''

Scanned with CamScanner

پھر اس نے ایک آہ سرد دل پر درد سے کھینچی اور زمین پر تشریف لے آیا اور سفر آخرت پر روانہ ہوگیا۔ مجھے اس کے حال اور معاملے سے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے اس کو غسل و کفن دینے کا ارادہ کیا تو اپنے پیچھے سے ہاتف غیبی کی آواز سنی: ''اے ابن سماک! فکر نہ کر، کیونکہ اس کا معاملہ تیرے سپرد نہیں۔'' پھر اس کا جسم میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اور اس کو غسل دیئے جانے کی آواز سنائی دی، لیکن کوئی دکھائی نہ دیا، اور میں نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا: ''اے اللہ تعالیٰ کے دوست! تجھے مبارک ہو، قیامت کے دن تجھے خوف سے امن عطا کر دیا گیا ہے۔'' (الروض)

امتحاں کے کہاں قابل ہوں میں پیارے اللہ!
بے سبب بخش دے مولیٰ تیرا کیا جاتا ہے

(۹)

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے قرآنی معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ (بنی اسرائیل) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو واضح نشانیاں عطا فرمائیں۔ ان نشانیوں سے مفسرین نے ان کے معجزات مراد لیے ہیں۔ ان میں سے کچھ کا ذکر قرآن مجید میں ہے، مثلاً

☆......آپ کی وہ مقدس لاٹھی جس کو ''عصاء موسوی'' کہتے ہیں اس کے ذریعہ آپ کے بہت سے ان معجزات کا ظہور ہوا جن کو قرآن مجید نے مختلف عنوانوں کے ساتھ بار بار بیان فرمایا ہے۔

اس مقدس لاٹھی کی تاریخ بہت قدیم ہے جو اپنے دامن میں سینکڑوں ان تاریخی واقعات کو سمیٹے ہوئے ہے۔ جن میں عبرتوں اور نصیحتوں کے ہزاروں نشانات ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں جن سے اہل نظر کو بصیرت کی روشنی اور ہدایت کا نور ملتا ہے۔

یہ لاٹھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قد برابر دس ہاتھ لمبی تھی اور اس کے سر پر دو شاخیں تھیں جو رات میں مشعل کی طرح روشن ہو جایا کرتی تھیں۔ یہ جنت کے درخت پیلو کی لکڑی سے بنائی گئی تھی، اور اس کو حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ چنانچہ حضرت سیدی علی اجہوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وَ اٰدَمُ مَعَهٗ اُنْزِلَ الْعُوْدُ وَالْعَصَا لِمُوْسٰى مِنَ الْاٰسِ النَّبَاتِ الْمُكَرَّمِ
وَاَوْرَاقُ تِيْنٍ وَّالْيَمِيْنُ بِمَكَّةَ وَخَتْمُ سُلَيْمَانُ النَّبِيِّ الْمُعَظَّمِ

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ عود (خوشبودار لکڑی) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو عزت والی پیلو کی لکڑی کا تھا اور انجیر کی پتیاں اور حجر اسود جو مکہ معظمہ میں ہے اور نبی معظم حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی۔ یہ پانچوں چیزیں جنت سے اتاری گئیں۔ (صاوی ج ا ص ۳۲)

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ مقدس عصا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یکے بعد دیگرے بطور میراث کے ملتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو ملا جو ''قوم مدین'' کے نبی تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت فرما کر مدین تشریف لے گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی حضرت بی بی صفوراء رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح فرما دیا اور آپ دس برس تک حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہ کر آپ کی بکریاں چراتے رہے۔ اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق آپ کو یہ مقدس عصا عطا فرمایا۔

پھر جب آپ اپنی زوجہ محترمہ کو ساتھ لے کر مدین سے مصر اپنے وطن کے لئے روانہ ہوئے اور وادی مقدس مقام ''طویٰ'' میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی سے آپ کو سرفراز فرما کر منصب رسالت کے شرف سے سربلند فرمایا۔ اس وقت حضرت حق جل مجدہ نے آپ سے جس طرح کلام فرمایا قرآن مجید نے اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ (سورۂ طٰہٰ رکوع ۱)

اور اے موسیٰ! آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو آپ نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میرے دوسرے کام بھی نکلتے ہیں۔

مَاٰرِبُ اُخْرٰی (دوسرے کاموں) کی تفسیر میں حضرت علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: مثلاً

(۱) اس کو ہاتھ میں لے کر اس کے سہارے چلنا۔

(۲) اس سے بات چیت کر کے دل بہلانا۔

(۳) دن میں اس کا درخت بن کر آپ پر سایہ کرنا۔

(۴) رات میں اس کی دونوں شاخوں کا روشن ہو کر آپ کو روشنی دینا۔

(۵) اس سے دشمنوں، درندوں اور سانپوں، بچھوؤں کو مارنا۔

(۶) کنوئیں سے پانی بھرنے کے وقت اس کا رسّی بن جانا اور اس کی دونوں شاخوں کا ڈول بن جانا۔

(۷) بوقت ضرورت اس کا درخت بن کر حسب خواہش پھل دینا۔

(۸) اس کو زمین میں گاڑ دینے سے پانی نکل پڑنا وغیرہ۔

(تفسیر مدارک التنزیل ج ۳ ص ۵۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مقدس لاٹھی سے مذکورہ بالا کام نکالتے رہے، مگر جب آپ فرعون کے دربار میں ہدایت فرمانے کی غرض سے تشریف لے گئے اور اس نے آپ کو جادوگر کہہ کر جھٹلایا تو آپ کے اس عصا کے ذریعہ بڑے بڑے معجزات کا ظہور شروع ہو گیا۔ جن میں سے تین معجزات کا تذکرہ قرآن مجید نے بار بار فرمایا، جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) فرعون نے ایک میلہ لگوایا اور اپنی پوری سلطنت کے جادوگروں کو جمع کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کے لئے مقابلہ پر لگا دیا اور اس میلہ کے اژدہام میں جہاں لاکھوں انسانوں کا مجمع تھا ایک طرف جادوگروں کا ہجوم اپنی جادوگری کا سامان لے کر جمع ہو گیا اور ان جادوگروں کی فوج کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہا ڈٹ گئے۔ جادوگروں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر اپنے جادو کی لاٹھیوں اور رسیوں کو پھینکا تو ایک دم وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر پورے میدان میں ہر طرف پھنکار مار مار کر دوڑنے لگیں اور پورا مجمع خوف و ہراس میں بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگا اور فرعون اور اس کے تمام جادوگر اس کرتب کو دکھا کر اپنی فتح کے گھمنڈ اور غرور کے نشہ میں بدمست ہو گئے اور جوش شادمانی میں تالیاں بجا بجا کر اپنی مسرت کا اظہار کرنے لگے کہ اتنے میں ناگہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنی مقدس لاٹھی کو ان سانپوں کے ہجوم میں ڈال دیا تو یہ لاٹھی ایک بہت بڑا اور نہایت ہیبت ناک اژدہا بن کر جادو کے تمام سانپوں کو نگل گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر تمام جادوگر اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے اور بہ آواز بلند یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ

هٰـرُوْنَ وَ مُوْسٰـی یعنی ہم سب حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لائے۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ○ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ○ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ○ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ○ (طٰہٰ رکوع ۳)

جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ آپ اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں تو آپ نے فرمایا: بلکہ تم ہی ڈالو تو یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کی نظر بندی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے سانپ دوڑ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں تھوڑا خوف سا ہوا تو ہم نے فرمایا: تم ڈرو نہیں۔ تم ہی غالب رہو گے اور تمہارے ہاتھ میں جو عصا ہے اس کو ڈال دو تو ان لوگوں نے جو سوانگ بنایا ہے یہ عصا ان سب کو نگل جائے گا اور جادوگر معجزات کے مقابلہ میں جہاں بھی وہ آئے کامیاب نہیں ہوتا، تو تمام جادوگر سجدہ میں گر کر کہنے لگے کہ ہم حضرت ہارون و حضرت موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

(۲) بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے دور حکومت میں یہ لوگ مصر میں آ کر آباد ہو گئے اور ملک شام پر قوم عمالقہ کا تسلط اور قبضہ ہو گیا جو بدترین قسم کے کفار تھے جب فرعون دریائے نیل میں غرق ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے خطرات سے اطمینان ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قوم عمالقہ سے جہاد کر کے ملک شام کو ان کے قبضہ و تسلط سے آزاد کرائیں۔ چنانچہ آپ چھ لاکھ بنی اسرائیل کی فوج لے کر جہاد کے لئے روانہ ہو گئے، مگر ملک شام کی حدود میں پہنچ کر بنی اسرائیل پر قوم عمالقہ کا ایسا خوف سوار

ہو گیا کہ بنی اسرائیل ہمت ہار گئے اور جہاد سے منہ پھیر لیا۔ اس نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ سزا دی کہ یہ لوگ چالیس برس تک "میدان تیہ" میں بھٹکتے اور گھومتے پھرے اور اس میدان سے باہر نہ نکل سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان لوگوں کے ساتھ میدان تیہ میں تشریف فرما تھے۔ جب بنی اسرائیل اس بے آب و گیاہ میدان میں بھوک و پیاس کی شدت سے بے قرار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان لوگوں کے کھانے کے لئے "من و سلویٰ" آسمان سے اتارا۔ من شہد کی طرح ایک قسم کا حلوہ تھا اور سلویٰ بھنی ہوئی بٹیریں تھیں۔ کھانے کے بعد جب یہ لوگ پیاس سے بے تاب ہونے لگے اور پانی مانگنے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا عصا مار دیا تو اس پتھر میں بارہ چشموں کی ٹوٹیاں پھوٹ کے بہنے لگیں اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندان اپنی اپنی ایک ایک ٹوٹی سے پانی لے کر خود پینے لگے اور اپنے جانوروں کو بھی پلانے لگے اور پورے چالیس برس تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جو عصا اور پتھر کے ذریعے ظہور میں آیا۔

قرآن مجید نے اس واقعہ اور معجزہ کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

(بقرہ رکوع ۷)

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا کہ تم اپنی لاٹھی سے پتھر کو مار دو تو اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ کر بہنے لگے اور ہر آدمی کو اپنے اپنے پینے کے چشمے کا علم ہو گیا۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مدت دراز تک فرعون کو ہدایت فرماتے رہے اور آیات و معجزات دکھاتے رہے، مگر اس نے حق کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ اور زیادہ اس کی شرارت و سرکشی بڑھتی رہی اور بنی اسرائیل نے چونکہ اس کی خدائی کو تسلیم نہیں کیا اس لئے اس نے ان مومنین کو بہت زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ اسی دوران ایک دم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ وحی اتری کہ آپ اپنی قوم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر رات میں مصر سے ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ

Scanned with CamScanner

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات میں مصر سے روانہ ہو گئے۔ جب فرعون کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنے لشکروں کو ساتھ لے کر بنی اسرائیل کی گرفتاری کے لئے چل پڑا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تو بنی اسرائیل فرعون کے خوف سے چیخ پڑے کہ اب تو ہم فرعون کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کی پوزیشن بہت نازک ہو گئی کیونکہ ان کے پیچھے فرعون کا خونخوار لشکر تھا اور آگے موجیں مارتا ہوا دریا تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مطمئن تھے اور بنی اسرائیل کو تسلی دے رہے تھے جب دریا کے پاس پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا: تم اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔ چنانچہ جوں ہی آپ نے دریا پر لاٹھی ماری تو فوراً ہی دریا میں بارہ سڑکیں بن گئیں اور بنی اسرائیل ان سڑکوں پر چل کر سلامتی کے ساتھ دریا سے پار نکل گئے۔ فرعون جب دریا کے قریب پہنچا اور اس نے دریا کی سڑکوں کو دیکھا تو وہ بھی اپنے لشکروں کے ساتھ ان سڑکوں پر چل پڑا، مگر جب فرعون اور اس کا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو اچانک دریا موجیں مارنے لگا اور سب سڑکیں ختم ہو گئیں اور فرعون مع اپنے لشکروں کے دریا میں غرق ہو گیا اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا:

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ۝ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

(شعراء، رکوع ۴، پ ۱۹)

جب دونوں جماعتیں (لشکر فرعون و اصحاب موسیٰ) ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو اصحاب موسیٰ نے کہا: ہم بالیقین گرفتار ہو جائیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ عنقریب مجھے اس سے نکلنے کا راستہ بتا دے گا۔ پھر ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا

کو دریا پر مارو (چنانچہ انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے دریا پھٹ گیا) تو ہر حصہ اس کا ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس جگہ کے قریب پہنچا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے سب ساتھیوں کو بچا لیا پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔ یقیناً اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار میں سے اکثر ایمان نہیں لائے۔

یہ ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مقدس لاٹھی کے ذریعہ ظاہر ہونے والے وہ تینوں عظیم الشان معجزات جن کو قرآن کریم نے مختلف الفاظ اور متعدد عنوانوں کے ساتھ بار بار بیان فرما کر لوگوں کے لئے عبرت اور ہدایت کا سامان بنا دیا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

☆......دوڑنے والا پتھر

یہ ایک ہاتھ لمبا ایک ہاتھ چوڑا چوکور پتھر تھا جو ہمیشہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس رہتا تھا۔ اس مبارک پتھر کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزات کا ظہور ہوا جن کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے۔

اس پتھر کا پہلا عجیب کارنامہ جو درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا وہ اس پتھر کی دانشمندانہ لمبی دوڑ ہے اور یہی معجزہ اس پتھر کے ملنے کی تاریخ ہے۔

اس کا مفصل واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ عام دستور تھا کہ وہ بالکل ننگے بدن ہو کر مجمع عام میں غسل کیا کرتے تھے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام گو کہ اسی قوم کے ایک فرد تھے اور اسی ماحول میں پلے بڑھے تھے لیکن خداوند قدوس نے ان کو نبوت و رسالت کی عظمت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس لئے آپ کی عصمت نبوت بھلا اس حیا سوز بے غیرتی کو کب گوارا کر سکتی تھی؟ آپ بنی اسرائیل کی اس بے حیائی پر سخت نالاں اور انتہائی بیزار تھے۔ اس لئے آپ ہمیشہ یا تو تنہائی میں یا تہ بند پہن کر غسل فرمایا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا کہ آپ کبھی بھی ننگے ہو کر غسل نہیں فرماتے تو ظالموں نے آپ پر بہتان لگا دیا کہ آپ کے بدن کے اندرونی حصہ میں یا تو برص کا سفید داغ، یا کوئی ایسا عیب ضرور ہے جس کو چھپانے کے لئے یہ کبھی برہنہ نہیں ہوتے اور ظالموں نے اس تہمت کا اس قدر اعلان اور

Scanned with CamScanner

چرچا کیا کہ ہر کوچہ و بازار میں اس کا پروپیگنڈہ پھیل گیا۔ اس مکروہ تہمت کی شورش کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب نازک پر بڑا صدمہ و رنج گزرا اور آپ بڑی کوفت اور اذیت میں پڑ گئے' تو خداوند قدوس اپنے کلیم کے رنج و غم کو بھلا کب گوارا فرماتا؟ اور اپنے ایک برگزیدہ رسول پر ایک عیب کی تہمت بھلا خلاق عالم کو کب اور کیونکر اور کس طرح پسند ہو سکتی تھی۔ ارحم الراحمین نے آپ کی برات اور بے عیبی ظاہر کر دینے کا ایک ایسا ذریعہ پیدا فرما دیا کہ دم زدن میں بنی اسرائیل کے پروپیگنڈہ اور ان کے شکوک و شبہات کے بادل چھٹ گئے اور آپ کی برأت اور بے عیبی کا سورج آفتاب عالم تاب سے زیادہ روشن و آشکارا ہو گیا۔

اور وہ یوں ہوا کہ ایک دن آپ پہاڑوں کے دامنوں میں چھپے ہوئے ایک چشمہ پر غسل کے لئے تشریف لے گئے اور یہ دیکھ کر کہ یہاں دور دور تک کسی انسان کا نام و نشان نہیں ہے اس لئے آپ اپنے تمام کپڑوں کو ایک پتھر پر رکھ کر اور بالکل برہنہ بدن ہو کر غسل فرمانے لگے، غسل کے بعد جب آپ لباس پہننے کے لئے پتھر کے پاس پہنچے تو کیا دیکھا کہ وہ پتھر آپ کے کپڑوں کو لئے ہوئے سرپٹ بھاگا چلا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس پتھر کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے اور فرمانے لگے: ثوبی حجر، ثوبی حجر۔ یعنی اے پتھر میرے کپڑے، اے پتھر میرے کپڑے' مگر یہ پتھر برابر بھاگتا رہا یہاں تک کہ شہر کی بڑی بڑی سڑکوں سے گزرتا ہوا گلی کوچوں میں پہنچ گیا اور آپ بھی برہنہ بدن ہونے کی حالت میں برابر پتھر کو دوڑاتے چلے گئے۔ اس طرح بنی اسرائیل کے ہر چھوٹے بڑے نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سر سے پاؤں تک آپ کے مقدس بدن میں کہیں بھی کوئی عیب نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے جسم اقدس کا ہر حصہ حسن و جمال میں اس قدر نقطہ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ عام انسانوں میں اس کی مثال تقریباً محال ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے ہر فرد کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ وَاللهِ مَا بِمُوْسٰی مِنْ بَاسٍ یعنی خدا کی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالکل ہی بے عیب ہیں۔ جب یہ پتھر پوری طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت کا اعلان کر چکا تو خود بخود ٹھہر گیا۔ آپ نے جلدی سے اپنا لباس پہن لیا اور اس پتھر کو اٹھا کر اپنے تھیلے میں رکھ لیا؟

(بخاری ج ا ص ۴۸۳ و صاوی ج ا ص ۳۲ و روح البیان ج ص ۱۴۶)

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْاؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًاؕ (احزاب رکوع ۹)

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے (تہمت لگا کر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان لوگوں کی بکواس سے بری فرما دیا تھا اور وہ اللہ کے نزدیک بہت آبرو والے ہیں!

''میدان تیہ'' میں اسی پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مارا تو اس میں سے بارہ چشموں کی ٹوٹیاں جاری ہو گئی تھیں جس کے پانی کو چالیس برس تک بنی اسرائیل میدان تیہ میں استعمال کرتے رہے۔ جس کا پورا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ قرآن مجید کی آیت فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَؕ میں ''پتھر'' سے یہی پتھر مراد ہے!

معجزات کے منکرین جو ہر چیز کو اپنی ناقص عقل کی عینک ہی سے دیکھا کرتے ہیں اس پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا محال قرار دے کر اس معجزہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری عقل اس کو قبول نہیں کر سکتی کہ اتنے چھوٹے سے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ حالانکہ یہ منکرین اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بعض پتھروں میں خداوند تعالیٰ نے یہ تاثیر پیدا فرما دی ہے کہ وہ بال مونڈ دیتے ہیں۔ بعض پتھروں کا یہ اثر ہے کہ وہ سرکہ کو تیز اور ترش بنا دیتے ہیں۔ بعض پتھروں کی یہ خاصیت ہے کہ وہ لوہے کو دور سے کھینچ لیتے ہیں۔ بعض پتھروں سے موذی جانور بھاگ جاتے ہیں۔ بعض پتھروں سے جانوروں کا زہر اتر جاتا ہے۔ بعض پتھر دل کی دھڑکن کے لئے تریاق ہیں۔ بعض پتھروں کو نہ آگ جلا سکتی ہے نہ گرم کر سکتی ہے۔ بعض پتھروں سے آگ نکل پڑتی ہے۔ بعض پتھروں سے آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے تو جب خداوند قدوس نے پتھروں میں قسم قسم کے اثرات پیدا فرما دیئے ہیں تو پھر اس میں کون سی خلاف عقل اور محال بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پتھر میں اللہ تعالیٰ نے یہ اثر بخش دیا اور اس میں یہ خاصیت عطا فرما دی ہے کہ وہ زمین کے اندر سے پانی جذب کر کے ٹوٹیوں کی شکل میں باہر نکالتا رہے یا اس پتھر میں یہ تاثیر ہو کہ جو ہوا اس پتھر سے

ٹکراتی ہو وہ پانی بن کر مسلسل بہتی رہے۔ یہ خداوند قادر وقدیر کی قدرت سے ہرگز ہرگز نہ بعید ہے نہ محال اور نہ خلاف عقل، لہٰذا اس معجزہ پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا انکار کفر ہے قرآن مجید میں ہے۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

(بقرہ، رکوع ۹)

اور بیشک پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

بہرحال پتھروں سے پانی نکلنا یہ روزانہ کا چشم دید مشاہدہ ہے تو پھر بھلا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہو جانا کیونکر خلاف عقل اور محال قرار دیا جا سکتا ہے؟

جب فرعون دریائے نیل میں غرق ہو گیا اور تمام بنی اسرائیل مسلمان ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان نصیب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ بنی اسرائیل کا لشکر لے کر ارض مقدس (بیت المقدس) میں داخل ہو جائیں اس وقت بیت المقدس پر عمالقہ قوم کا قبضہ تھا جو بدترین کفار تھے اور بہت طاقتور جنگجو اور نہایت ہی ظالم لوگ تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر قوم عمالقہ سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے مگر جب بنی اسرائیل بیت المقدس کے قریب پہنچے تو ایک دم بزدل ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس شہر میں ''جبارین'' (عمالقہ) ہیں جو بہت ہی زور آور اور زبردست ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ لوگ شہر میں رہیں گے ہم ہرگز ہرگز شہر میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہاں تک کہہ دیا کہ اے موسیٰ! آپ اور آپ کا خدا جا کر اس زبردست قوم سے جنگ کریں۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بنی اسرائیل کی زبان سے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا رنج وصدمہ ہوا اور آپ نے باری تعالیٰ کے دربار میں یہ عرض کیا

کہ۔

رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ (مائدہ، رکوع ۴، پارہ ۶)

اے میرے پروردگار! مجھے اپنے اوپر اور میرے بھائی پر اختیار ہے۔ لہٰذا تو ہم کو ان نافرمانوں سے الگ رکھ۔

اس دعا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب وجلال کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ (مائدہ، رکوع ۴، پارہ ۶)

وہ مقدس زمین ان لوگوں پر چالیس برس تک حرام ہے۔ یہ لوگ زمین میں بھٹکتے پھریں گے لہٰذا آپ ان نافرمانوں کا غم نہ کھائیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ چھ لاکھ بنی اسرائیل ایک میدان میں چالیس برس تک بھٹکتے رہے، مگر اس میدان سے باہر نہ نکل سکے۔ اسی میدان کا نام ''میدان تیہ'' ہے۔ اس میدان میں بنی اسرائیل کے کھانے کے لئے ''من وسلویٰ'' نازل ہوا اور پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مار دیا تو پتھر میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اس واقعہ کو قرآن مجید نے بار بار مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے جس میں سے سورۂ مائدہ میں یہ واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ مذکور ہوا ہے جو بلاشبہ ایک عجیب الشان واقعہ ہے۔ جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی تعجب خیز اور حیرت انگیز داستان ہے مگر اس کے باوجود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت وشفقت بنی اسرائیل پر ہمیشہ رہی کہ جب یہ لوگ میدان تیہ میں بھوکے پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگ کر ان لوگوں کے کھانے کے لئے من وسلویٰ نازل کرایا اور پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کرا دیئے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر اور آپ کے حلم اور تحمل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

☆......حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہدایت کے لئے اس کے دربار میں بھیجا تو دو معجزات آپ کو عطا فرما کر بھیجا۔ ایک ''عصا'' دوسرا ''ید بیضاء'' (روشن

Scanned with CamScanner

ہاتھ) حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتے تھے تو ایک دم آپ کا ہاتھ روشن ہو کر چمکنے لگتا تھا پھر جب آپ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال دیتے تو وہ اپنی اصلی حالت میں ہو جایا کرتا تھا۔ اس معجزہ کو قرآن عظیم نے مختلف سورتوں میں بار بار ذکر فرمایا ہے۔
چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا:

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ۝ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ۝ (طٰہٰ رکوع ۱ پارہ ۱۶)

اور (اے موسیٰ) اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملاؤ تو خوب سپید نکلے گا بغیر کسی مرض کے۔ یہ ایک دوسرا معجزہ ہے تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔

اسی معجزہ کا نام ''ید بیضاء'' ہے جو ایک عجیب اور عظیم معجزہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے رات اور دن میں آفتاب کی طرح نور نکلتا تھا۔ (خزائن العرفان ص ۴۵۲)

☆...... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کے افراد کے ساتھ میدان تیہ میں مقیم تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے کھانے کے لئے آسمان سے دو طرح کا کھانا اتارا تھا۔ ایک کا نام ''من'' اور دوسرے کا نام ''سلویٰ'' تھا۔ من بالکل سفید شہد کی طرح ایک حلوہ تھا یا سفید رنگ کی شہد ہی تھی جو روزانہ آسمان سے بارش کی طرح برستی تھی اور سلویٰ پکی ہوئی بٹیریں تھیں جو دکھنی ہوا کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا کرتی تھیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا شمار کراتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ط

(اے بنی اسرائیل) ہم نے میدان تیہ میں تم لوگوں پر من و سلویٰ اتارا۔

اس من و سلویٰ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم تھا کہ روزانہ تم لوگ اس کو کھا لیا کرو اور کل کے لئے ہرگز ہرگز اس کا ذخیرہ مت کرنا، مگر بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں کو یہ دغدغہ ہونے لگا کہ اگر کسی دن من و سلویٰ نہ اترا تو ہم لوگ اس بے آب و گیاہ چٹیل میدان میں بھوکے مر جائیں گے چنانچہ ان لوگوں نے کچھ چھپا کر کل کے لئے رکھ لیا تو نبی کی

نافرمانی سے ایسی نحوست پھیل گئی کہ جو کچھ لوگوں نے کل کے لئے جمع کیا تھا وہ سڑ گیا اور آئندہ کے لئے اترنا بند ہو گیا اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل نہ چھپاتے تو نہ کھانا کبھی خراب ہوتا اور نہ گوشت سڑتا۔ کھانے کا خراب ہونا اور گوشت کا سڑنا اسی تاریخ سے شروع ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے نہ کھانا بگڑتا تھا نہ گوشت سڑتا تھا۔

(تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۱۴۲ مصری)

(۱۰)

چاہ زمزم کی کھدائی کا قصہ

حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کہتے ہیں: میں حطیم کعبہ میں سو رہا تھا ایک شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا، طیبہ کی کھدائی کرو۔ میں نے پوچھا طیبہ کیا ہے؟ وہ جواب دیئے بغیر چلا گیا۔ دوسرے دن میں پھر اسی جگہ جا کر سو گیا۔ وہی شخص آ کر کہنے لگا، برہ کی کھدائی کرو۔ میں نے کہا، برہ کیا ہے؟ تو وہ پھر جواب دیئے بغیر چلا گیا۔ تیسرے دن میں پھر اسی جگہ جا کر سو گیا۔ وہ پھر آیا اور کہنے لگا، زمزم کی کھدائی کرو، اگر اس کی کھدائی کرو گے تو تمہیں ندامت نہیں ہوگی۔ میں نے پوچھا زمزم کیا ہے؟ اس نے کہا وہ ایسا کنواں ہے جو کبھی خشک نہیں ہوگا اور نہ ہی کبھی اس کی برائی کی جائے گی۔ وہ عظمت والے حاجیوں کو سیراب کرے گا۔ وہ ان مقامات کے درمیان ہے:

(۱) فرث (۲) دم (۳) نقرۃ الغراب الاعصم (۴) قریۃ النمل

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب خواب میں دکھائی دینے والے شخص نے حضرت عبدالمطلب کو اس کنوئیں کی اہمیت سے آگاہ کر دیا اور اس کی جگہ کی نشاندہی کر دی اور انہیں احساس ہو گیا کہ اس نے سچ کہا ہے تو دوسرے دن کدال لے کر پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ان کے بیٹے حارث بن عبدالمطلب بھی تھے۔ اس دن ان کے ساتھ حارث کے علاوہ کوئی دوسرا بیٹا ساتھ نہ تھا۔ انہوں نے کھدائی شروع کر دی۔

جب کنوئیں کی منڈیر دکھائی دی تو انہوں نے مسرت سے سرشار ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ قبیلہ، قریش کے افراد کو پتہ چل گیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ سب

اکٹھے ہو کر آئے، اور کہنے لگے، عبدالمطلب! یہ ہمارے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ اس میں ہمیں بھی شریک کیجئے! انہوں نے کہا، یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ یہ خصوصیت تمہیں نہیں، صرف مجھے حاصل ہوئی ہے اور یہ کنواں صرف مجھے دیا گیا ہے۔ کہنے لگے، آپ انصاف سے کام لیجئے! ہم آپ کو چھوڑیں گے نہیں، ہم اس سلسلے میں مقدمہ لڑیں گے۔ عبدالمطلب کہنے لگے، تم کسی کو فیصل مقرر کر لو، میں اپنا موقف اس کے سامنے پیش کروں گا۔ انہوں نے ملک شام میں رہنے والی بنو سعد کی کاہنہ کا نام تجویز کیا۔ عبدالمطلب نے کہا مجھے منظور ہے۔

حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر چل پڑے، ان کے ساتھ بنو امیہ اور بنو عبد مناف کے چند افراد تھے۔ قریش کے ہر قبیلے کے چند افراد بھی ساتھ ہو لیے۔ راستے میں بے آب و گیاہ جنگلات تھے۔ چلتے چلتے حجاز اور شام کے درمیان ایک لق و دق صحراء میں پہنچے ہی تھے کہ عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا۔ پیاس کی شدت کا یہ حال تھا کہ موت سامنے ناچتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ انہوں نے اپنے ہم سفر قریش کے قبیلوں سے پینے کے لیے پانی مانگا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگے، ہم خود اس وقت بے آباد جنگل میں ہیں، اور ہماری جانوں کو بھی اسی مصیبت کا خطرہ ہے جو تمہیں درپیش ہے۔

حضرت عبدالمطلب نے جب ان کا رویہ دیکھا اور اس خطرے کا جائزہ لیا جو انہیں اور ان کے ساتھیوں کو درپیش تھا تو اپنے ساتھیوں کو کہنے لگے، تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا، ہمارا خیال وہی ہے جو آپ کا ہے، آپ جو مناسب سمجھیں، ہمیں حکم دیں۔ عبدالمطلب نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص اپنی پوری طاقت صرف کر کے اپنے لیے گڑھا کھود لے۔ جب کسی شخص کا آخری وقت آ جائے تو اس کے ساتھی اسے اس گڑھے میں ڈال کر دفن کر دیں۔ یہاں تک کہ آخر میں ایک شخص باقی رہ جائے۔ پوری جماعت کے ضائع ہونے سے ایک شخص کا ضائع ہونا اور بے گور و کفن رہ جانا آسان ہے۔ سب نے اس تجویز کو صحیح قرار دیا اور ہر شخص اپنے لئے گڑھا کھود کر اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ پیاس کے ہاتھوں سب سے پہلے کس کی زندگی کا چراغ گل ہوتا ہے؟

Scanned with CamScanner

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ہمارا موت کے سامنے یوں ہتھیار ڈال دینا، سفر ملتوی کر دینا، اور اپنے لئے کچھ بھی تلاش نہ کرنا، بے بسی کی انتہا ہے۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں کسی شہر میں پانی عطا فرما دے۔ اس لئے کجاوے کس لو اور یہاں سے چل دو، تمام ساتھی تیار ہو گئے۔ قریش کے قبیلوں کے ہم سفر ساتھی دیکھ رہے تھے کہ یہ کیا کرنے والے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب آگے بڑھے اور اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔ جب سواری انہیں لے کر اٹھی، تو اس کے پاؤں کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر انہوں نے اتر کر ساتھیوں سمیت پانی پیا اور مشکیزے بھر لئے۔

انہوں نے قریش کے قبیلوں کو بلا کر کہا: آؤ! اور دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں پانی عطا کر دیا ہے۔ تم بھی پیو اور مشکیزے بھر لو۔ سب نے دل کھول کر پانی پیا اور اپنے مشکیزے بھر لئے۔ پھر بیک زبان بولے حضرت عبدالمطلب، اللہ کی قسم! تمہارے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ خدا کی قسم! ہم تم سے زمزم کے مسئلے پر کبھی جھگڑا نہیں کریں گے۔ جس ذات کریم نے اس جنگل میں تمہیں یہ پانی عطا کیا ہے، اسی نے تمہیں زمزم عطا کیا ہے۔ آپ مطمئن ہو کر واپس چلیں آپ ہی زمزم کے متولی ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب اور دوسرے تمام لوگ کاہنہ سے ملاقات کئے بغیر لوٹ گئے، اور چاہ زمزم بالاتفاق ان کے سپرد کر دیا۔

مسجد حرام میں واقع کنوئیں کے تین نام ہیں زمزم، طیبہ، برہ (سمات الخلو دللفوز)

(۱۱)

شہنشاہ معظم کے خلاف فیصلہ

ہشام خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بیٹوں میں سے چوتھا بیٹا تھا جو یزید بن عبدالملک کے بعد منصف خلافت پر فائز ہوا۔ اس کے عہد میں ترکوں نے بار بار بغاوتیں کیں۔ ہشام نے نصر بن سیار کو خراسان کا گورنر مقرر کیا تو اس نے نومسلموں سے جزیہ لینا موقوف کر دیا جس کے نتیجے میں ترکوں میں اسلام بڑی سرعت سے پھیلنے لگا۔ ہشام کے جرنیل سعید حریشی نے خزر اور آذربائیجان کے ترکوں کو بار بار شکستیں دیں۔ رومیوں کے خلاف بھی کئی فتوحات حاصل ہوئیں۔ ہشام کے عہد میں زید بن علی زین العابدین نے کوفہ میں خروج کیا مگر جب موقع آیا تو اہل کوفہ ساتھ چھوڑ گئے، چنانچہ زید بن علی نے انہیں ''رافضی'' کا خطاب دیا۔ آخری معرکے میں زید پیشانی میں تیر لگنے سے انتقال کر گئے۔ ہشام نے ساڑھے انیس برس خلافت کرنے کے بعد 125ھ/742ء میں وفات پائی۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج1 ص802-788)

شعبی کہتے ہیں کہ میں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک (105ھ تا 125ھ) کے قاضی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں قاضی کی عدالت میں دو آدمی حاضر ہوئے۔ ایک ابراہیم بن محمد بن طلحہ اور دوسرا خلیفہ ہشام کا درباری سپاہی۔ دونوں عدالت میں پہنچ کر قاضی صاحب کے سامنے بیٹھ گئے۔

درباری سپاہی گویا ہوا: قاضی صاحب! امیر المؤمنین اور ابراہیم کے درمیان ایک

Scanned with CamScanner

تنازع ہے۔ امیر المؤمنین نے مجھے اپنی جانب سے نیابت کے لیے بھیجا ہے۔

قاضی: تمہاری نیابت پر دو گواہ مطلوب ہیں۔

درباری سپاہی: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین کی طرف سے کچھ جھوٹ بولوں گا، حالانکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی دور کا فاصلہ نہیں ہے، میں ان کا قریبی سپاہی ہوں۔

قاضی: بغیر شہادت کے نہ تمہارے حق میں مقدمہ ثابت ہو سکتا ہے اور نہ تمہارے خلاف۔

قاضی کا دوٹوک کلام سن کر درباری سپاہی عدالت سے نکل کر خلیفہ کی خدمت میں پہنچا اور اسے پوری داستان کہہ سنائی۔ خلیفہ سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ عدالت کے باہر موجود تھا۔ عدالت کا دروازہ کھلتے ہی درباری سپاہی آگے بڑھا اور گویا ہوا: قاضی صاحب! یہ دیکھیں امیر المؤمنین حاضر ہو گئے۔

خلیفہ ہشام کو دیکھتے ہی قاضی صاحب استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے مگر خلیفہ نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی نے ایک مصلیٰ بچھایا، اس پر خلیفہ اور اس کا مقابل ابراہیم بن محمد ایک ساتھ بیٹھ گئے۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ ہم حاضرین اس قضیے سے متعلق ان کے درمیان ہونے والی گفتگو صاف صاف نہیں سن رہے تھے، البتہ کچھ باتیں ہمیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ دونوں مدعیوں نے اپنے اپنے دلائل بیان کیے۔ قاضی نے دونوں کی مفصل گفتگو سننے کے بعد خلیفہ ہشام کے خلاف فیصلہ دیا۔ ابراہیم بن محمد نے اپنے حق میں فیصلہ سن کر خلیفہ کی شان میں چند گستاخی آمیز کلمات کہہ دیے، مزید یہ بھی کہا:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَبَانَ لِلنَّاسِ ظُلْمَكَ!)

''تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے لوگوں کے روبرو تیرا ظلم ظاہر کر دیا!''

یہ سن کر خلیفہ طیش میں آ گیا اور کہنے لگا:

(لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَضْرِبَ عُنُقَكَ ضَرْبَةً يَنْتَثِرُ مِنْهَا لَحْمُكَ عَنْ عَظْمِكَ)

''جی چاہتا ہے کہ تیری گردن پر ایسی ضرب لگاؤں جس سے تیری ہڈی سے تیرا گوشت الگ ہو جائے۔''

ابراہیم بن محمد نے کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کیا تو ایک عمر دراز اور حق قرابت رکھنے والے کے ساتھ یہ غیر مناسب سلوک ہوگا۔

خلیفہ ہشام نے کہا: ''ابراہیم! اس قضیے کو صیغۂ راز ہی میں رہنے دو۔''

ابراہیم نے جواب دیا:

(لَا سَتَرَ اللّٰهُ عَلَیَّ ذَنْبِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنْ سَتَرْتُهَا)

''اگر میں نے اس مقدمہ کو صیغۂ راز میں رکھا تو اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ کو قیامت کے دن پوشیدہ نہ رکھے (یعنی میں ضرور لوگوں کو بتاؤں گا)''

خلیفہ کہنے لگا: میں اس مقدمے کو چھپانے کے لیے تمہیں ایک لاکھ درہم عنایت کروں گا۔

جب خلیفہ کی وفات ہوگئی تو ابراہیم بن محمد کی زبان سے لوگ یہ کلمات سنا کرتے تھے:

(فَسَتَرْتُهَا عَلَيْهِ طُوْلَ حَيَاتِهِ ثَمَنًا لِمَا أَخَذْتُ مِنْهُ، وَ أَذَعْتُهَا بَعْدَ مَمَاتِهِ تَزْيِيْنًا لَهُ)

''چنانچہ میں نے خلیفہ کی حیات میں اس مقدمے کو اس کی عطا کردہ قیمت کے عوض چھپائے رکھا اور جب اس کی وفات ہوگئی تو اس کی خوبی کے اظہار کے لیے اس راز کو فاش کر دیا۔'' (قصص العرب: 47/3، العقد الفرید: 447/4)

Scanned with CamScanner

(۱۲)

شراب خانہ اور صدائے حق

حضرت سیّدنا منصور بن عمار علیہ الرحمۃ جو عراق کے مشہور مبلغ تھے، فرماتے ہیں: ''ایک رات عالم خواب میں میں نے آسمان میں ایک کھلا ہوا دروازہ دیکھا، اس سے ایک انتہائی نورانی فرشتہ اترا اور مجھ سے کہنے لگا: ''اے ابن عمار! خدائے جبار وقہار، دن رات کا خالق تمہیں سلام فرماتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ کل اپنا منبر شراب خانے میں رکھ کر وہیں دل سے نصیحت بھرا بیان کرنا کہ اس میں ہمارے بہت سے راز پوشیدہ ہیں اور ہم تمہیں اپنی عجیب نشانیاں دکھائیں گے۔'' چنانچہ، میں گھبرا کر نیند سے بیدار ہوا اور سوچا کہ یہ عجیب معاملہ ہے، شاید! میرا وہم ہو۔ میں نے ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھا اور سوچنے لگا کہ صحیح احادیث نااہلوں کے سامنے کیسے بیان کی جائیں؟ اور شراب کے مٹکوں اور پیالوں کے درمیان کس طرح قرآن کریم کی تلاوت کی جائے؟ نصیحتوں اور آیات مقدسہ کو شرابیوں کے سامنے اور وہ بھی شراب خانے میں کیسے پیش کیا جائے؟ چنانچہ، میں نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر دوبارہ سو گیا۔ وہی فرشتہ خواب میں دوبارہ نظر آیا اور کہنے لگا:

''اے منصور! میں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آیا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم اٹھو اور شراب خانے میں بیان کرو، تمہاری حفاظت ہمارے ذمۂ کرم پر ہے۔''

چنانچہ، میں نیند سے بیدار ہوا، مجھے اس معاملے سے بڑا تعجب ہوا، سوچ وبچار

کے بعد میں نے دل میں کہا: ''منبر اٹھانے کے لئے کسی کو لاتا ہوں۔''

یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے پوچھا: ''کون؟'' جواب آیا: ''اے میرے محترم! میں منبر اٹھانے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ چاہیں تو آپ کے لئے شراب خانے کے درمیان منبر رکھ دوں یا مٹکوں کے درمیان؟'' میں نے پوچھا: ''تجھ پر یہ راز کیسے منکشف (ظاہر) ہوا؟'' اس نے بتایا: ''یہ مجھ پر اسی نے ظاہر کیا ہے جو کسی شے کو ''کُن'' (ہو جا) فرماتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ حضور! جو فرشتہ آج رات آپ کے پاس آیا تھا، وہی آپ کے بعد میرے پاس بھی آیا تھا اور مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے لئے شراب خانے میں منبر بچھا دوں۔'' میں نے کہا: ''اے میرے دوست! اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسے تم کہہ رہے ہو تو وہی کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔'' جب صبح خوب روشن ہو گئی، تو میں نے حکم کی بجا آوری میں جلدی کی، میں نے دیکھا کہ تمام شرابی حلقہ بنائے انتظار میں بیٹھے ہیں، بہرحال میں منبر پر بیٹھ گیا اور کچھ دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر میں نے اپنا سر اٹھایا اور نصیحت بھرا بیان شروع کر دیا:

''اَلحمد للہ! سب خوبیاں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے محبوب بندوں کے دلوں کو اپنے قرب کی لذت عطا فرمائی اور انہیں اپنے مئے خانہ وصال میں داخل کیا اور اپنی شراب طہور سے سیراب کر کے اپنے غیر سے بے خبر کر دیا اور محبّ اپنے محبوب کے علاوہ کسی شئے میں مشغول نہیں ہوتا۔ جب اس رب جلیل نے ان پر تجلّی فرمائی تو جمال قدرت کے مشاہدے کے وقت ان کے ہوش اڑ گئے۔ اے خواہشات کی شراب میں بدمست ہونے والو! اگر تم محبت الٰہی کے مئے خانے میں داخل ہو جاؤ اور شراب کے مٹکوں کے بجائے قرب کے گھڑوں کا مشاہدہ کرو، بخشنے والے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں صاحب وقار مردوں کو دیکھو کہ ان پر خوشی ومسرت کے جام گردش کر رہے ہیں، خالص شراب طہور کے پیالوں نے ان کو دنیا کی شراب سے بے پرواہ کر دیا ہے، ان کے پیالے ان کی خوشی ومسرت ہے۔ ان کی شراب ذکر الٰہی ہے۔ ان کی خوشبو ان کا قرآن ہے۔ ان کی شمع ان کی سماعت ہے۔ ان کے نغمے توبہ

Scanned with CamScanner

استغفار ہیں۔ جب رات تاریک ہوتی ہے اور سب لوگ سو جاتے ہیں تو رب کائنات ان پر تجلی فرماتا اور پردے اٹھا دیتا ہے، اور اس کے محبوب بندے ایسے جہاں کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس کا تصور کسی کی عقل میں آیا، نہ کسی کے ذہن میں اس کا خیال گزرا۔

اے عقل مندو! ذرا غور تو کرو کہ اخروٹ اور اس کے چھلکے کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا ہے، دلوں کی ٹہنیوں کو حرکت دینے والے اور حضرت سیدنا یعقوب و یوسف علٰی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کو ملانے والے نے مجھے یہاں بیٹھنے کا اس لئے حکم فرمایا ہے تاکہ وہ تمہارے گناہوں اور نافرمانیوں کو بخش دے اور عفو و رضا کی دولت کا تاج تمہارے سر پر رکھ دے، ماضی کے گناہوں کو مٹا دے، مجرموں سے درگزر فرمائے اور دھتکارے ہوؤں اور نافرمانوں کی توبہ قبول فرمائے۔ (ارے! غور کرو کہ) محبوب حقیقی موجود ہے، اس کی رضا کی آنکھ تمہیں دیکھ رہی ہے، اور مصیبت تم سے ٹال دی گئی ہے، تو کیا تم میں توبہ کا عزم مصمم کرنے والا کوئی نہیں؟ بے شک صلح کے جام تمہارے اردگرد گھوم رہے ہیں اور تم پر سخاوت کی ہوائیں چل رہی ہیں۔''

حضرت سیدنا منصور بن عمار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''میرا کلام و بیان ابھی مکمل نہ ہوا تھا کہ نشے میں مدہوش و مجنون ایک نوجوان ہاتھ میں شراب سے بھرا پیالہ لئے میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: ''اے ابن عمار! بتائیے، کیا اللہ مجھے اس حالت میں بھی قبول فرمالے گا؟'' میں نے کہا: ''اے میرے دوست! کیسے نہیں قبول فرمائے گا حالانکہ وہ خود قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (پ۲۵، الشوریٰ: ۲۵)

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا۔

یہ سن کر اس نوجوان نے پیالہ اپنے ہاتھ سے پھینکا اور حیران و سرگرداں باہر نکل گیا اور اپنی غفلت کی نیند سے بیدار ہو گیا۔ اس کے بعد نشے میں چور ایک بوڑھا شخص ہاتھ میں طنبورہ (ایک قسم کا باجا) لئے کھڑا ہو کر کہنے لگا: ''اے ابن عمار! کیا اللہ اس شخص کی توبہ قبول فرمائے

گا جس کی تمام عمر نافرمانی اور گناہوں میں ضائع ہو گئی ہے؟'' میں نے کہا: ''اے محترم! وہ کیسے نہ بخشے گا، حالانکہ وہ خود فرماتا ہے:

''وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ''۔ (پ۱۶، طٰہٰ: ۸۲)

اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں۔''

اس نے توبہ کرنے والوں کو خوشخبری دی ہے اور ان کے لئے رحم و کرم کا دروازہ کھول دیا ہے۔''

جب اس بوڑھے نے میرا کلام سنا تو طنبورہ پھینک دیا، اور غمگین حالت میں جدھر رخ تھا ادھر نکل گیا۔ پھر میرے سامنے شراب سے کھیلتا ہوا ایک نوجوان کھڑا ہوا جس پر وجد اور مستی چھائی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا: ''اے منصور! اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ مجھ سے عہد لو، اب تو عہد کا زمانہ گزر چکا ہے اور وعدہ پورا ہونے والا ہے اور مطلوب و مقصود کے حصول کا وقت آ چکا ہے۔'' میں نے پوچھا: ''اے نوجوان! تمہیں اس مقام قرب پر کس نے فائز کیا؟'' اس نے جواب دیا: ''میری ہی وجہ سے خواب میں آپ کو وعظ کا حکم دیا گیا اور آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ آیا۔'' میں نے کہا: ''اے میرے دوست! یہ تو بتاؤ کہ تم پر یہ راز کس نے منکشف کیا؟'' اس نے جواب میں یہ آیت مبارکہ تلاوت کی:

یَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ۝ (پ۲۴، المؤمن: ۱۹)

اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔

پھر کہنے لگا: ''اے منصور! جس پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی خوشگوار ہوائیں چلتی ہیں وہ صاحب کشف بن جاتا ہے۔'' میں نے پھر دریافت کیا: ''اے محترم! لطف و کرم کی یہ خوشگوار ہوائیں تم پر کب چلیں؟'' وہ بولا: ''آج رات، جبکہ آپ سو رہے تھے۔'' پھر کہنے لگا: ''اے ابن عمار! آپ میری رہنمائی اور اس کی بارگاہ میں قرب کا سبب بنے ہیں، تو کیا اس کی بارگاہ میں آپ کو کسی قسم کی کوئی حاجت ہے؟'' میں نے پوچھا: ''تمہاری مراد کیا ہے؟'' کہنے لگا: ''اے منصور! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قرب میں، ایسے دوستوں کے درمیان جن

Scanned with CamScanner

پر محبت و انس کے پیالے گردش کرتے ہیں، اور حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں، اگر آپ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں تو کل وہاں مجھ سے ملاقات کیجئے گا۔'' وہ ہوا میں اڑتا ہوا میری نگاہوں سے غائب ہوگیا، اور میں اسے دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے اسے چند اشعار پڑھتے سنا، جن کا مفہوم یہ ہے:

''میرے محبوب حقیقی نے مجھے پکارا ہے، اس سے وصال کی گھڑیاں قریب آ گئی ہیں۔ اب اگر اس نے پوچھا: تو کیا چاہتا ہے تو میں کہہ دوں گا: تیری محبت کا ایسا جام کہ جس کے نشے میں عرصۂ دراز تک حیران و سرگرداں رہوں۔ اے میری آنکھوں کے نور! میں تجھ کو ایسی نظر سے دیکھنا چاہتا ہوں جس میں دوری کی بجائے صرف قرب ہو کہ اب اس شوق میں تو میری عقل ختم ہو چکی ہے۔ اے میرے محبوب! میری زبان پر سوائے تیرے ذکر کے کچھ نہیں اور جب سے تو نے مجھے وصال کی خوشخبری دی ہے اور میں نے اس پر لبیک کہا ہے تو اس کے بعد کبھی بھی حاضر ہونے میں سستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ حالانکہ میری حالت تو یہ تھی کہ لگاتار گناہوں میں ڈوبا ہوا تھا لیکن تو نے مجھ پر کرم کیا اور میرے دل کی بیماریوں کا علاج اپنے وصال سے کیا۔ مجھے اپنی بارگاہ سے دور نہ کیا۔ میں گناہوں کے گڑھے کے کنارے پر تھا لیکن تو نے مجھے اس میں گرنے سے بچا لیا اور مجھے اس راستے کی پہچان کروا دی جو تیری بارگاہ تک پہنچانے والا ہے۔ اب میں اس پر چل کر یقیناً اپنا مقصود پا لوں گا۔ (الروض الفائق)

رہوں مست و بے خود میں تیری ولا میں
پلا جام ایسا پلا یا الٰہی!

وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیّدنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین

(۱۳)

بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب

جب میدان ''تیہ'' میں بنی اسرائیل نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم زمین سے اگنے والے غلے اور ترکاریاں کھائیں گے تو ان لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم لوگ ''من و سلویٰ'' کے نفیس کھانے کو چھوڑ کر گیہوں، دال اور ترکاریوں جیسی خسیس اور گھٹیا غذائیں کیوں طلب کر رہے ہو؟ مگر جب بنی اسرائیل اپنی ضد پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم لوگ میدان تیہ سے نکل کر شہر بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ اور وہاں بے روک ٹوک اپنی پسند کی اور من بھاتی غذائیں کھاؤ' مگر یہ ضروری ہے کہ تم لوگ بیت المقدس کے دروازے میں کمال ادب و احترام کے ساتھ جھک کر داخل ہونا اور داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگتے رہنا کہ یا اللہ! تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے تو ہم تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے' مگر بنی اسرائیل جو ہمیشہ سے سرکشی اور شرارتوں کے عادی اور خدا کی نافرمانیوں کے خوگر تھے۔ بیت المقدس کے قریب پہنچ کر ایک دم ان لوگوں کی رگ شرارت پھڑک اٹھی اور یہ نافرمان لوگ بجائے جھک کر داخل ہونے کے اپنے سرینوں پر گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے اور حطۃ (معافی کی دعا مانگتے ہیں) کے بدلے حَبَّۃٌ فِیْ شَعْرَۃٍ (ایک دانہ ہے ایک بال میں) کہتے ہوئے اور مذاق و تمسخر کرتے ہوئے بیت المقدس کے دروازے میں گھستے چلے گئے۔ فرمان ربانی کی اس نافرمانی اور حکم الٰہی کے ساتھ تمسخر کی وجہ سے ان لوگوں پر قہر خداوندی بصورت عذاب نازل ہوگیا کہ اچانک ان لوگوں میں طاعون کی بیماری

Scanned with CamScanner

وبائی شکل میں پھیل گئی اور گھنٹہ بھر میں ستر ہزار بنی اسرائیل درد وکرب سے مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

(صاوی ج ۱ ص ۳۱ وجلالین)

یاد رہے: طاعون ایک مہلک وبائی بیماری ہے جس کو ڈاکٹر "پلیگ" کہتے ہیں۔ اس بیماری میں گردن اور بغلوں اور کنج ران میں آم کی گٹھلی کے برابر گلٹیاں نکل آتی ہیں جن میں بے پناہ درد اور ناقابل برداشت سوزش ہوتی ہے اور شدید بخار چڑھ جاتا ہے اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور دردناک جلن سے شعلہ کی طرح جلنے لگتی ہیں اور مریض شدت درد اور شدید بے چینی و بے قراری میں تڑپ تڑپ کر بہت جلد مر جاتا ہے اور جس بستی میں یہ وباء پھیل جاتی ہے اس بستی کی اکثر آبادی موت کے گھاٹ اتر جاتی ہے اور ہر طرف ویرانی اور خوف وہراس کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

(بقرہ: رکوع ۶)

اور جب ہم نے فرمایا: تم اس بستی (بیت المقدس) میں جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں جھکتے ہوئے داخل ہو اور یہ کہو کہ ہمارے گناہ معاف ہوں تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے تو ظالموں نے وہ بات بدل دی جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب (طاعون) اتار دیا ان کے فسق اور بے حکمی کا بدلہ دینے کے لیے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی نافرمانی اور احکام ربانی کے ساتھ تمسخرو مذاق کرنے کا کتنا بھیانک اور کس قدر ہولناک انجام ہوتا ہے کہ آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ برقرار ہی ہے دنیا ہی میں قہر الٰہی بصورت عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ جس سے لوگ ہلاک ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں اور بستیاں ویران ہو جاتی ہیں۔ معاذ اللہ۔

یہ بھی یاد رہے کہ...... طاعون، بنی اسرائیل کے حق میں عذاب تھا مگر اس خیر الامم یعنی خاتم الانبیاء ﷺ کی امت کے حق میں یہ بیماری رحمت ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہوتا ہے۔ (صاوی ج ۱ ص ۳۲)

مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں طاعون کی وباء پھیلی ہو وہاں جانا نہیں چاہئے اور اگر اپنی بستی میں طاعون آجائے تو بستی چھوڑ کر دوسری جگہ بھاگنا نہیں چاہئے بلکہ طاعون کی وباء میں اپنی بستی کے اندر خدا پر توکل کر کے صبر کے ساتھ رہنا چاہئے اگر اس بیماری میں مر گیا تو شہید ہوگا اور طاعون کے ڈر سے بستی چھوڑ کر بھاگنے والے پر اتنا بڑا گناہ ہوتا ہے جتنا کہ جہاد کے دن میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں پر گناہ ہوتا ہے اس لئے ہرگز ہرگز بھاگنا نہیں چاہئے بلکہ اس بیماری میں صبر کے ساتھ اپنی بستی ہی میں مقیم رہنا چاہئے کہ اس پر خداوند تعالیٰ نے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

Scanned with CamScanner

(۱۴)

بھرے دربار میں نعرۂ حق کی صدائے دلنواز

قاضی عمر بن حبیب اپنی زندگی کا عجیب واقعہ بزبان خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں ہارون الرشید کی محفل میں حاضر ہوا۔ وہاں ہارون کے رشتے داروں اور حاشیہ برداروں کا ہجوم تھا۔ وہ بلند آواز سے ایک مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے، شور اور غوغا کا یہ عالم تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہر شخص غالب آنے کی فکر میں تھا۔ دونوں طرف سے دلائل و براہین پیش کئے جا رہے تھے۔ ہارون الرشید خاموشی سے سر جھکائے ان کی گفتگو اور بحث مباحثہ سن رہا تھا۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث پیش کی۔ اس کا مدمقابل راضی نہ ہوا، اس نے نہ صرف حدیث پر اعتراض کیا بلکہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بحث شدت اختیار کر گئی۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا، ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث قابل اعتماد اور لائق قبول نہیں ہے۔ ایک دوسرے شخص نے کہا، بلکہ مردود ہے۔ پھر کیا تھا، انہوں نے حدیث اور اس کے راوی کی کھلے بندوں تکذیب شروع کر دی۔

میں نے دیکھا کہ حدیث کا انکار کرنے اور اس پر طعن کرنے میں ہارون الرشید نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دیا اور ان ہی کی تائید کی۔ ظاہر ہے کہ اعتراض کرنے والوں کی دلیل کو قوت حاصل ہوگئی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی حدیث کی حمایت کرنے والوں کا پلڑا جھک گیا۔

بخدا! جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور آپ کے صحابہ پر طعن و تشنیع سنی تو مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہو سکا۔ مجھے کچھ یاد نہ رہا کہ میں کون ہوں؟ ہارون الرشید کون ہے اور اس کی سلطنت اور گرفت کیا ہے؟ مجھ پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور آپ کے صحابۂ کرام کی غیرت چھا گئی۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا، مجھے پتہ نہیں کہ میں کس طرح کھڑا ہوا؟ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک آسمانی طاقت میرے جسم میں حلول کر گئی ہے اور اس نے مجھے نئی روح بخش دی ہے۔

میں نے اونچی آواز میں گفتگو کا آغاز کیا، میری آواز میں خوف اور بزدلی کی ہلکی سی جھلک بھی نہ تھی۔ میں نے کہا:

رسول اللہ ﷺ کی حدیث صحیح ہے اور حضور ﷺ کے صحابی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ معتبر راوی ہیں۔ وہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث روایت کرنے میں سچے ہیں اور ان کا بیان صحیح ہے۔

میری گفتگو کے مکمل ہونے سے پہلے ہی ہارون الرشید نے مجھے غضبناک نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں دھمکی تھی اور اس کی آنکھوں سے انتقام اور سزا کے شعلے لپک رہے تھے۔ حاضرین میں سے ہر شخص اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ عمر بن حبیب نے خلیفہ کے غضب کو چیلنج کیا ہے۔ لہٰذا آج خلیفہ کے انتقام اور اس کی سخت گیری سے بچ نہیں سکے گا۔ آج اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔

مجلس برخاست ہوگئی اور میں اٹھ کر اپنے گھر آ گیا۔ میں نے ہارون الرشید سے ہونے والی گفتگو پر غور کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کی نصرت و حمایت کی توفیق عطا فرمائی۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک غلام نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا، عمر بن حبیب! امیر المومنین آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ آپ کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں، آپ کفن پہن لیں اور مردوں کو لگائی جانے والی خوشبو لگا لیں۔ رب کعبہ کی قسم! میں آپ کا خیر خواہ ہوں، جاتے ہوئے وصیت بھی کرتے جائیں۔

Scanned with CamScanner

قاضی عمر نے غلام کی بات سنی تو ان کے دل میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ انہوں نے ذرہ برابر خوف یا گھبراہٹ محسوس نہ کی۔ بلکہ آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا کر، اپنے رب کی بارگاہ میں یوں عرض گزار ہوئے:

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے نبی کے صحابی کا دفاع کیا ہے۔ میں نے اعلان کیا ہے کہ تیرے نبی ﷺ کی شان اتنی بلند ہے کہ ان کے صحابۂ کرام کے خلاف، زبان طعن دراز نہیں کی جاسکتی۔ میں نے تیری رضا کے لئے ان کی نصرت وحمایت کی ہے تو ہی مجھے بادشاہ وقت سے محفوظ رکھ اور مجھے اپنی حفاظت وعنایت کا سایہ عطا فرما۔

دعا مانگنے کی دیر تھی کہ ایک روحانی جھونکا قاضی کے دل میں اتر گیا اور انہیں اطمینان و سکون بخش گیا۔ خوف وہراس کا نام ونشان نہ تھا۔ قاضی کہتے ہیں کہ جب مجھے ہارون الرشید کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ غیظ وغضب سے بھرا ہوا، آستین چڑھائے ہوئے، تخت شاہی پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور سامنے چمڑے کا فرش بچھا ہوا تھا، جس پر مجرموں کا سر قلم کیا جاتا تھا۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو اس کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ قریب تھا کہ غصے کی شدت کی بنا پر پھٹ جائے۔ اس نے میری طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جن سے غضب اور انتقام کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ کہنے لگا، عمر بن حبیب! آج تم نے جس طرح میری بات کا رد کیا ہے کسی کو اس کی جرأت نہیں ہوسکی۔ تم نے بھرے مجمع میں میرے آگے بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے۔

اس کا غیظ وغضب اور اس کی دھمکی میرے عزم کا کچھ نہ بگاڑ سکی بلکہ میری طاقت اور صاف گوئی میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا، امیر المومنین! جو بات آپ نے کہی، اس کی طرف آپ نے میلان ظاہر کیا اور اس میں حاضرین سے موافقت کی یہاں تک کہ اعتراض کرنے والوں کا پلڑا بھاری ہوگیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کے مقام کے لائق نہیں ہے۔

اگر نبی اکرم ﷺ کے صحابہ اور آپ کی حدیث کے روایت کرنے والے جھوٹے

ہوں، جیسے کہ ان لوگوں نے کہا تو خدا کی پناہ! شریعت باطل قرار پائے گی۔ فرائض، نماز، روزے، نکاح، طلاق اور حدود کے احکام مردود اور نامقبول ٹھہریں گے۔

ہارون الرشید سر جھکائے سن رہا تھا، اس پر حق کی ہیبت چھا گئی اور وہ پرسکون ہوگیا۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ وہ پہلے والا ہارون الرشید نہیں رہا۔ میں نے مزید اونچی آواز میں کہا، امیر المومنین! اللہ تعالیٰ سے ڈریئے! اس بات کو تسلیم کرنا تو کجا، اسے سننا بھی گوارا نہ کیجئے! رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کے بارے میں غیرت پر سب لوگوں سے زیادہ آپ کا حق ہے۔

ہارون الرشید نے قاضی عمر کی گفتگو سنی تو یوں معلوم ہوا کہ ایک معظم فرشتے کی روح اس میں حلول کر گئی ہے، جس نے اس کے شیطان کو بھگا دیا ہے۔ اسے انجانی قوت نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ سوچنے پر مجبور ہوگیا اور اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا۔ بہتے ہوئے آنسوؤں میں کہنے لگا اور تین بار یہ الفاظ کہے:

عمر بن حبیب! تم نے مجھے نئی زندگی عطا کی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے۔

خدا کی قسم! اگر میں اپنے فیصلے پر عمل درآمد کر بیٹھتا تو برباد ہو جاتا۔ کل میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کو کیا جواب دیتا؟ ہارون الرشید کے حکم پر انہیں دس ہزار درہم بطور انعام دیئے گئے۔ قاضی عمر کامیابی کے پھریرے لہراتے ہوئے واپس آئے۔ انہوں نے کلمہ حق کہنے اور پرچم شریعت بلند کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد اسی طرح ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات پر توکل کرنے والے کو ایسی روح عطا کرتا ہے جس پر خوف اور بزدلی کا سایہ بھی نہیں پڑتا۔ وہ بندۂ خدا ہر جگہ کسی ڈر اور خوف کے بغیر، ڈنکے کی چوٹ پر کلمۂ حق بلند کر دیتا ہے۔ اس کی نگاہوں میں دنیا اور مال و جاہ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ اس کی نظر میں صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہوتا ہے جو مخلوق کے دلوں کو اپنی مشیت اور پسند کے مطابق پھیر دیتا ہے۔ وہ اللہ والا، خلیفۂ وقت کو بھی شریعت کے اوامر ونواہی سنانے سے نہیں گھبراتا۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

Scanned with CamScanner

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ تو رزق کے لئے رکاوٹ بنتے ہیں اور نہ ہی موت کو وقت سے پہلے لے آتے ہیں۔

(اس حدیث کو امام اصبہانی نے روایت کیا اور یہ ایک ضعیف حدیث کا حصہ ہے۔ جیسے کہ امام منذری نے الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۱ میں بیان کیا۔ میں کہتا ہوں کہ علماء کے نزدیک یہ طے شدہ امر ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جاتا ہے۔ البتہ احکام کے ثابت کرنے اور حلال وحرام میں معتبر نہیں ہوتی۔ (الشیخ محمد صالح فرفور)

(۱۵)

تاریخ عدل وانصاف کا ایک سنہری واقعہ

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو آپ کی زوجیت میں دے کر آپ کو داماد کے رشتہ سے بھی مشرف کیا۔ آپ کے بھائیوں میں عقیل اور جعفر رضی اللہ عنہما تھے جو آپ سے بڑے تھے۔ آپ تینوں بھائیوں کی عمروں میں دس دس سال کا فاصلہ تھا۔ آپ کی دو بہنیں تھیں جن کا نام ام ہانی اور جمانہ تھا۔ یہ تمام اولادیں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم ہیں، آپ نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی مسلمان ہوئے۔

اور ابوامیہ شریح بن حارث بن قیس بن جہم الکندی ابتدائے اسلام کے مشہور فقیہ قاضیوں میں سے ہیں، آپ یمن کے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں قضا کے عہدے پر فائز رہے۔ قاضی شریح قضا کے معاملہ میں ثقہ، امانت دار اور دور اندیش تھے۔ آپ طویل عمر سے نوازے گئے اور ایک سو آٹھ (108) سال کی عمر پا کر سرزمین کوفہ میں 87 ہجری میں داغ مفارقت دے گئے۔

(وفیات الاعیان ج 2 ص 463-460)

بہر حال! حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زرہ کھو گئی، آپ نے وہ زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی۔ آپ نے یہودی سے فرمایا (ان دنوں آپ خلافت کے عہدے پر فائز

تھے):اے یہودی! یہ زرہ جو تمہارے پاس ہے میری ہے، فلاں روز مجھ سے کھو گئی تھی۔

یہودی کہنے لگا: میرے قبضے میں موجود زرہ کے بارے میں آپ کیسی بات کر رہے ہیں؟ اگر آپ میری زرہ پر اپنا دعویٰ کرتے ہیں تو اب یہی ایک چارہ ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان مسلمانوں کا قاضی فیصلہ کرے۔

چنانچہ حضرت علی ؓ اور وہ یہودی دونوں فیصلے کے لیے قاضی شریح کی عدالت میں پہنچے۔ جب قاضی شریح کی نگاہ امیر المومنین پر پڑی تو اپنی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

حضرت علی بن ابی طالب ؓ نے فرمایا: بیٹھے رہیں۔ قاضی شریح بیٹھ گئے۔

پھر فرمایا: میری زرہ کھو گئی تھی۔ میں نے اسے اس یہودی کے پاس دیکھا ہے۔

قاضی شریح نے یہودی سے پوچھا: تمہیں کچھ کہنا ہے؟

یہودی نے کہا: یہ زرہ میرے قبضے میں ہے اور میری ملکیت ہے۔

قاضی شریح نے زرہ دیکھی اور یوں گویا ہوئے: اللہ کی قسم اے امیر المؤمنین! آپ کا دعویٰ بالکل سچا ہے، یہ آپ ہی کی زرہ ہے لیکن قانون کے مطابق آپ کے لیے گواہ پیش کرنا واجب ہے۔

حضرت علی ؓ نے بطور گواہ اپنے غلام قنبر کو پیش کیا، اس نے آپ کے حق میں گواہی دی، پھر آپ نے حضرات حسن اور حسین ؓما کو عدالت میں پیش کیا، ان دونوں نے بھی آپ کے حق میں گواہی دی۔

قاضی شریح نے کہا: آپ کے غلام کی گواہی تو میں قبول کرتا ہوں لیکن ایک گواہ مزید درکار ہے اور آپ کے دونوں صاحبزادوں میں سے کسی کی گواہی قبول نہیں کر سکتا۔

پھر حضرت علی ؓ نے کہا: قسم اللہ کی! میں نے عمر بن خطاب ؓ کو رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے:

(إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ)

”حسن اور حسین نوجوانان اہل جنت کے سردار ہیں۔“

قاضی شریح نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بالکل حق ہے۔

حضرت علی ؓ نے فرمایا: ”پھر آپ نوجوانان اہل جنت کے سرداروں کی گواہی کیوں قبول نہیں کریں گے؟!

قاضی شریح نے کہا: یہ دونوں آپ کے صاحبزادے ہیں اور باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی مقبول نہیں۔

یہ کہہ کر قاضی شریح نے حضرت علی ؓ کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا اور زرہ یہودی کے حوالے کر دی۔

یہودی نے تعجب سے کہا: مسلمانوں کا امیر مجھے اپنے قاضی کی عدالت میں لایا اور قاضی نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ صادر فرمایا اور امیر المؤمنین نے اس کا فیصلہ بلا چون و چرا قبول بھی کر لیا!!

پھر یہودی نے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ؓ کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہنے لگا: امیر المؤمنین! آپ کا دعویٰ سچ ہے۔ یہ زرہ یقیناً آپ ہی کی ہے، فلاں دن یہ آپ سے گر گئی تھی تو میں نے اسے اٹھا لیا تھا، لہٰذا یہ آپ ہی کی ملکیت ہے، آپ لے لیں۔ پھر کلمہ شہادت پڑھ لیا:

(أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ)

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“

حضرت علی ؓ نے فرمایا: میری یہ زرہ بھی اور یہ گھوڑا بھی تمہارا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء لابن الجوزی، کنز العمال رقم 17790 میں بھی یہ واقعہ مختصر طور پر وارد ہے)

Scanned with CamScanner

(۱۶)

ایک کامیاب نو مسلم

الروض الفائق میں ہے: حضرت سیّدنا عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم فقراء کے ایک قافلے کی معیت میں سمندر کے سفر پر نکلے، تیز ہوا چلی اور ہمیں سمندر کے ایک جزیرے کی طرف بہا کر لے گئی۔ ہم نے وہاں ایک شخص کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھا۔ ہم نے اس سے پوچھا: ''تم کس کی عبادت کر رہے ہو؟'' اس نے اپنی انگلی سے بت کی طرف اشارہ کیا۔ ہم نے کہا: ''اے مسکین! ہمارے ساتھ کشتی میں ایک رفیق ہے جو اس طرح کی چیزوں کا بہت اچھا کاریگر ہے اور یہ بت اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔'' تو وہ کہنے لگا: ''پھر تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو؟'' ہم نے جواب دیا: ''ہم تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔'' اس نے پوچھا: ''اللہ کون ہے؟'' ہم نے کہا: ''جس کا عرش آسمان پر ہے، جس کی سلطنت زمین میں ہے، جو سمندر کو راستہ بنا دیتا ہے، زندوں اور مردوں میں اسی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے۔'' اس نے پھر پوچھا: ''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' ہم نے کہا: ''اس نے ہماری طرف اپنا ایک رسول بھیجا جس نے ہمیں یہ سب کچھ بتایا۔'' اس نے پھر پوچھا: ''رسول نے کیا کیا؟'' ہم نے جواب دیا: ''جب اس نے بادشاہ حقیقی کا پیغام مکمل طور پر پہنچا دیا تو اس نے اپنے رسول کو اپنے پاس واپس بلا لیا۔'' اس نے پھر پوچھا: ''کیا اس رسول نے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی بھی چھوڑی ہے؟'' ہم نے کہا: ''کیوں نہیں، ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔'' اس نے کہا: ''تو پھر مجھے دکھاؤ

کیونکہ بادشاہوں کی کتابیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔''

ہم مصحف شریف لائے تو اس نے کہا: ''میں پڑھنا نہیں جانتا۔'' ہم نے ایک سورت پڑھ کر سنائی تو وہ رونے لگا حتیٰ کہ سورت ختم ہوگئی۔ پھر وہ بولا: ''ایسے کلام والے ہی کے لئے زیبا ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔'' چنانچہ، وہ اسلام کی دولت سے سرفراز ہوگیا، ہم نے اس کو اپنے ساتھ سوار کر لیا اور اسے احکام شریعت اور قرآن کریم کی کچھ آیات سکھائیں۔ جب رات ہوئی تو ہم نماز عشاء پڑھ کر سونے کے لئے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے، اس نے پوچھا: ''اے لوگو! جس معبود کی طرف تم نے میری رہنمائی کی ہے، کیا وہ سوتا ہے؟'' ہم نے کہا: ''نہیں، وہ زندہ ہے، قیوم ہے، اسے نہ اونگھ آتی ہے، نہ نیند۔'' اس نے کہا: ''تم کتنے برے لوگ ہو کہ تم سوتے ہو اور تمہارا مالک نہیں سوتا۔'' ہمیں اس کی بات بڑی پسند آئی۔ پھر جب ہم آبادی تک پہنچ گئے اور جدا ہونے کا ارادہ کیا تو ہم نے چند درہم اکٹھے کر کے اسے دیئے اور کہا: ''یہ رکھ لیں، ضرورت کے وقت خرچ کر لیجئے گا۔'' تو اس نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہنے لگا: ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم نے جس راستے کی طرف میری رہنمائی کی خود اس پر نہیں چلتے۔ میں سمندر کے ایک جزیرے میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بت کی عبادت کرتا تھا، اس وقت اس نے مجھے ہلاکت میں نہ ڈالا تو اب کہاں ڈالے گا؟ اب تو مجھے اس کی معرفت بھی حاصل ہو چکی ہے۔'' ہم نے اسے چھوڑ دیا، اور وہ چلا گیا۔

حضرت سیّدنا عبدالواحد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''چند دن بعد کسی نے مجھے اس کے متعلق بتایا کہ وہ فلاں جگہ موت کی سختیوں سے دوچار ہے۔'' چنانچہ، میں اس کے پاس گیا اور پوچھا: ''آپ کو کسی قسم کی حاجت ہو تو فرمایئے؟'' اس نے جواب دیا: ''میری سب حاجتیں اس نے پوری کر دی ہیں جس کی میں نے معرفت حاصل کی ہے۔'' میں اس سے گفتگو کر رہا تھا کہ اسی دوران مجھ پر نیند کا غلبہ ہوگیا۔ میں نے خواب میں ایک باغ دیکھا، جس میں ایک قبہ ہے، اور اس میں ایک ایسا تخت ہے جس پر سورج و چاند سے بھی زیادہ خوبصورت چہرے والی حور بیٹھی کہہ رہی ہے: ''میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتی ہوں کہ اسے جلدی سے میرے پاس بھیج

Scanned with CamScanner

دو۔“ میں بیدار ہوا اور دیکھا تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ میں نے اس کو کفن دے کر قبر میں دفن کر دیا اور جب میں سویا تو خواب میں اسی قبہ کو دیکھا جس کو پہلے دیکھا تھا۔ وہ نومسلم بھی اس قبہ میں تھا۔ حور اس کی ایک جانب کھڑی ہوئی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان کی تلاوت کر رہا تھا:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (پ۱۳، الرعد: ۲۳-۲۴)

اور فرشتے ہر دروازے سے ان پر یہ کہتے آئیں گے سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔

مسلمانو! فقر کی پوشاک زیب تن کیے رکھو، کیونکہ اس پر عزت و وقار کے انوار ہیں۔

حضور ﷺ کا فرمان عالیشان ہے: ”بہت سے پراگندہ سر اور غبار آلود ایسے ہیں جنہیں کوئی حیثیت نہیں دی جاتی، اگر وہ اللہ تعالیٰ پر (کسی بات کی) قسم کھالیں تو وہ ان کی قسم پوری فرما دے۔“

(جامع الترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب البراء بن مالک، الحدیث ۳۸۵۴، ص ۲۰۴۷)

بکھرے بال، آزردہ صورت ہوتے ہیں کچھ اہل محبت
بدر مگر یہ شان ہے ان کی بات نہ ٹالے رب العزت

(۱۷)

بارہ ہزار یہودی بندر ہو گئے

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم کے ستر ہزار آدمی ”عقبہ“ کے پاس سمندر کے کنارے ”ایلہ“ نامی گاؤں میں رہتے تھے اور یہ لوگ بڑی فراخی اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا اس طرح امتحان لیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان لوگوں پر حرام فرما دیا اور ہفتہ کے باقی دنوں میں شکار حلال فرما دیا، مگر اس طرح ان لوگوں کو آزمائش میں مبتلا فرما دیا کہ ہفتہ کے دن بے شمار مچھلیاں آتی تھیں اور دوسرے دنوں میں نہیں آتی تھیں تو شیطان نے ان لوگوں کو یہ حیلہ بتا دیا کہ سمندر سے کچھ نالیاں نکال کر خشکی میں چند حوض بنالو اور جب ہفتہ کے دن ان نالیوں کے ذریعہ مچھلیاں حوض میں آجائیں تو نالیوں کا منہ بند کر دو اور اس دن شکار نہ کرو بلکہ دوسرے دن آسانی کے ساتھ ان مچھلیوں کو پکڑ لو۔ ان لوگوں کو یہ شیطانی حیلہ بازی پسند آگئی اور ان لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ جب مچھلیاں نالیوں اور حوض میں مقید ہو گئیں تو یہی ان کا شکار ہو گیا تو ہفتہ ہی کے دن شکار کرنا پایا گیا جو ان کے لئے حرام تھا۔

اس موقع پر ان یہودیوں کے تین گروہ ہو گئے۔

(۱) کچھ لوگ ایسے تھے جو شکار کے اس شیطانی حیلہ سے منع کرتے رہے اور ناراض و بیزار ہو کر شکار سے باز رہے۔

(۲) کچھ لوگ اس کام کو دل سے برا جان کر خاموش رہے دوسرے کو منع نہ کرتے تھے

بلکہ منع کرنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ تم لوگ ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے۔

(۳) اور کچھ وہ سرکش و نافرمان لوگ تھے جنہوں نے حکم خداوندی کی اعلانیہ مخالفت کی اور شیطان کی حیلہ بازی کو مان کر ہفتہ کے دن شکار کر لیا اور ان مچھلیوں کو کھایا اور بیچا بھی لیا۔

جب نافرمانوں نے منع کرنے کے باوجود شکار کر لیا تو منع کرنے والی جماعت نے کہا: اب ہم ان معصیت کاروں سے کوئی میل ملاپ نہ رکھیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے گاؤں کو تقسیم کر کے درمیان میں ایک دیوار بنالی اور آمد و رفت کا ایک الگ دروازہ بھی بنا لیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے غضب ناک ہو کر شکار کرنے والوں پر لعنت فرما دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک دن خطا کاروں میں سے کوئی باہر نہیں نکلا تو انہیں دیکھنے کے لئے کچھ لوگ دیوار پر چڑھ گئے تو کیا دیکھا کہ وہ سب بندروں کی صورت میں مسخ ہو گئے ہیں۔ اب لوگ ان مجرموں کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو وہ بندر اپنے رشتہ داروں کو پہچانتے تھے اور ان کے پاس آ کر ان کے کپڑوں کو سونگھتے تھے اور زار زار روتے تھے، مگر لوگ ان بندر بن جانے والوں کو نہیں پہچانتے تھے۔ ان بندر بن جانے والوں کی تعداد بارہ ہزار تھی یہ سب تین دن تک زندہ رہے اور اس دوران کچھ بھی کھا پی نہ سکے۔ بلکہ یوں ہی بھوکے پیاسے سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ شکار سے منع کرنے والا گروہ ہلاکت سے سلامت رہا اور صحیح قول یہ ہے کہ دل سے برا جان کر خاموش رہنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاکت سے بچا لیا۔ (صاوی ج ۱ ص ۳۵)

اس واقعہ کا اجمالی بیان تو سورہ بقرہ کی اس آیت میں ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ○ (البقرہ رکوع ۸)

اور بیشک تم ان لوگوں کو جانتے ہو جو تم میں سے ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے تھے تو ہم نے کہہ دیا کہ تم لوگ دھتکارے ہوئے بندر ہو جاؤ!

اور مفصل واقعہ سورۂ اعراف میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

(اے رسول) ان (یہود) سے حال پوچھو اس بستی کا جو دریا کے کنارے تھی جب وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھتے۔ جب ہفتہ کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی ان کے سامنے آئیں اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا تو نہ آئیں اسی طرح ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے ان کی نافرمانی کے سبب سے اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے تو وہ لوگ بولے: تمہارے رب کے حضور عذر کرنے کے لئے اور اس لئے بھی کہ شاید یہ ڈر جائیں۔ پھر جب بھلا بیٹھے جو نصیحت انہیں ہوئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو بڑے عذاب میں گرفتار کر لیا۔ ان کی نافرمانیوں کا بدلہ دینے کے لئے پھر جب انہوں نے ممانعت کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے فرما دیا کہ تم لوگ دھتکارے ہوئے بندر ہو جاؤ۔

(الاعراف رکوع ۲۱)

معلوم ہوا کہ شیطانی حیلہ بازیوں میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانیوں کا انجام کتنا برا اور کس قدر خطرناک ہوتا ہے؟ اور خدا کے نبی جن بدنصیبوں پر لعنت فرما دیں وہ کیسے ہولناک عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر دنیا سے نیست و نابود ہو کر عذاب نار میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ)

اصحاب ایلہ کے اس دل دہلا دینے والے واقعہ میں ہر مسلمان کے لئے بہت بڑی عبرتوں اور نصیحتوں کا سامان ہے۔ کاش اس واقعہ سے مسلمانوں کے قلوب میں خوف خداوندی کی لہر پیدا ہو جائے اور وہ اللہ و رسول کی نافرمانیوں کی پگڈنڈیوں میں بھٹکنے سے منہ موڑ کر صراط مستقیم کی شاہراہ پر چل پڑیں اور دونوں جہان کی سربلندیوں سے سرفراز ہو کر اعزاز و اکرام کی سلطنت کے تاجدار بن جائیں۔

Scanned with CamScanner

(۱۸)

انوکھا شہسوار

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ماں کا سر چوما اور دشمن پر حملہ کی اجازت طلب کی۔ ماں نے بیٹے کو گلے لگایا تو زرہ پر ہاتھ لگا۔ ماں نے زرہ اتارنے اور معمولی کپڑے پہن کر لڑائی پر جانے کے لئے کہا۔ بیٹے نے زرہ وہیں پھینک دی اور آستین چڑھا کر ہاتھ میں تلوار لے کر دشمن کی صفوں پر حملہ کر دیا۔ شامی فوج کے کئی افراد مارے گئے مگر کسی کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مقابلے کی جرأت نہ ہوئی حجاج بذات خود لڑائی کے لئے آگے آیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے علم بردار کو گھیرے میں لے لیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دشمنوں کو پیچھے دھکیل دیا اور علم بردار کو آزاد کرا لیا پھر خانہ کعبہ کے روبرو مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی۔ شامی فوج نے خانہ کعبہ کے تمام دروازوں اور صفا مروہ پر قبضہ کر لیا تھا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے نماز ادا کرنے کے بعد صفا کی جانب حملہ کیا اور کئی افراد کو قتل کیا ان کے تمام ساتھی ختم ہو چکے تھے۔ وہ خود بھی زخمی تھے ان کے جسم پر بے شمار زخم تھے۔ آخر ماہ جمادی ثانیہ ۷۳ھ حضرت ابوبکر کا نواسہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھانجا، آں حضرت کا نوعمر صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا بیٹا اس زمانے کا عظیم بہادر شہید کر دیا گیا۔ شامیوں نے ان کا سر کاٹ لیا جو خلیفہ عبدالملک بن مروان کو بھیج دیا گیا۔ لاش کو مقام حجون سولی پر لٹکا دیا گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ان کے سر کو خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔ حضرت اسماء نے بیٹے کی لاش دفن کرنے کی اجازت مانگی مگر حجاج بن یوسف نے انکار کر دیا ایک دن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا گزر مقام حجون میں سے ہوا تو فرمانے لگیں ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اترا پھر خلیفہ عبدالملک بن مروان نے لاش دفن کرنے کی اجازت دے دی جس کے چند دن بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی فوت ہو گئیں۔

(نوائے وقت شمارہ یکم مارچ ۱۹۸۶ء ــــ زندہ جاوید خوشبوئیں ص ۵۴)

(۱۹)

اللہ کہاں ہے؟

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلۂ بنو سلیم سے تھا، یہ مدینہ میں رہتے تھے (بخاری)۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بنو سلیم کے علاقے میں سکونت پذیر تھے مگر مدینہ آتے جاتے رہتے تھے۔ ان سے بدشگونی لینے اور کہانت کے حرام ہونے والی حدیث بھی مروی ہے۔ ان کے بھائی علی بن حکم رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر عسقلانی جلد 6)

معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری ایک لونڈی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ (مدینہ کے قریب ایک بستی یا جگہ کا نام) کے اردگرد بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اتفاق سے ایک دن میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ دیکھا کہ بھیڑیا ایک بکری لے کر بھاگ چکا ہے۔ چونکہ میں بھی ایک انسان ہوں، آدم کی اولاد کی طرح مجھے بھی غصہ آنا ایک فطری عمل ہے، لہٰذا میں نے غصے میں آ کر اپنی اس لونڈی کو ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ جب میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے آگاہ کیا تو آپ کے انداز سے مجھے محسوس ہوا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، چنانچہ فوراً عرض کی:

(يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَفَلَا أُعْتِقُهَا؟)

''اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے آزاد نہ کر دوں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

Scanned with CamScanner

(ائْتِنِیْ بِھَا) ''اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔''

چنانچہ میں اپنی لونڈی کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

(أَیْنَ اللّٰہُ؟) ''اللہ کہاں ہے؟''

وہ کہنے لگی: (فِی السَّمَآءِ)

''آسمان میں''

رسول اکرم ﷺ نے پوچھا:

(مَنْ أَنَا؟) ''میں کون ہوں؟''

وہ کہنے لگی:

(أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ) ''آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا:

(أَعْتِقْھَا فَإِنَّھَا مُؤْمِنَةٌ) ''اسے آزاد کر دو، کیونکہ یہ مومنہ ہے۔''

(مسلم: کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، 537، ابوداؤد: 930)

(۲۰)

گدڑی میں لعل

حضرت سیّدنا محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں مسجد نبوی شریف علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں رات کے وقت ایک ستون کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ ایک سال اہل مدینہ قحط میں مبتلا ہو گئے بارش کے لئے دعا کرنے سب شہر سے باہر نکل پڑے لیکن پھر بھی بارش نہ ہوئی۔ جب رات ہوئی تو میں عشاء کی نماز کے بعد حسب عادت ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں ایک شخص جس کے چہرے پر زردی غالب تھی، چادر اوڑھے ہوئے ستون کی جانب بڑھا۔ میں اس ستون کے پیچھے ہو گیا اور اس کو خبر نہ ہوئی۔ اس نے دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد بیٹھ کر دعا مانگتے ہوئے عرض کی: ''یا اللہ! تیرے حبیب ﷺ کے حرم والے بارش کی دعا کے لئے نکلے لیکن بارش نہ ہوئی، اے مولیٰ! تجھے اپنے حبیب ﷺ کی عزت کا واسطہ! بارش برسا دے۔''

حضرت سیّدنا ابن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس نے ابھی اپنے ہاتھ نہ ہٹائے تھے کہ میں نے بجلی کے گرجنے کی آواز سنی اور ساتھ ہی آسمان سے بارش برسنے لگی حتیٰ کہ میرا گھر واپس لوٹنا بھی مشکل ہو گیا۔ جب اس کو بارش کا علم ہوا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثناء کی جیسی میں نے آج تک نہ سنی تھی۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا اور نماز پڑھتا رہا حتیٰ کہ فجر کا وقت قریب ہو گیا۔ پھر اس نے وتر ادا کئے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر نماز کی اقامت کہی گئی۔ لوگوں نے نماز ادا کی۔ اس نے بھی ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھی۔ جب امام صاحب نے سلام

Scanned with CamScanner

پھیرا تو وہ جلدی سے باہر کی طرف چل پڑا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہولیا یہاں تک کہ وہ مسجد کے دروازے تک پہنچ گیا اور چادر ہٹا کر بارش کے پانی میں غوطہ زن ہو گیا۔ میں اسے حسرت وچاہت کی نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔ معلوم نہیں کہ اس کے بعد وہ کہاں گیا۔"

مسلمانو! ہر مسافر حاجی نہیں ہوتا، نہ ہر گھر مکہ مکرمہ ہے، نہ ہر زادراہ مقصود تک پہنچاتا ہے، نہ ہر پہاڑ عرفات ہے اور نہ ہی عرفات میں ٹھہرنے والا ہر شخص وقوف عرفہ کرتا ہے۔

(الروض)

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

(۲۱)

دنیا کی سب سے قیمتی گائے

یہ بہت ہی اہم اور نہایت ہی شاندار قرآنی واقعہ ہے اور اسی واقعہ کی وجہ سے قرآن مجید کی سب سے بڑی اس سورۃ کا نام "سورۃ البقرہ" (گائے والی سورۃ) رکھا گیا ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت ہی نیک اور صالح بزرگ تھے اور ان کا ہی بچہ تھا جو نابالغ تھا اور اس کے پاس فقط ایک گائے کی بچھیا تھی۔ ان بزرگ نے اپنی وفات کے قریب اس بچھیا کو جنگل میں لے جا کر ایک جھاڑی کے پاس یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ یا اللہ! میں اس بچھیا کو اس وقت تک تیری امانت وحفاظت میں دیتا ہوں کہ میرا بچہ بالغ ہو جائے۔ اس کے بعد ان بزرگ کی وفات ہوگئی اور بچھیا چند دنوں میں بڑی ہو کر درمیانی عمر کی ہوگئی اور بچہ جوان ہو کر اپنی ماں کا بہت ہی فرماں بردار اور انتہائی نیکوکار رہا۔ اس نے اپنی رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ میں سوتا تھا اور ایک حصہ میں عبادت کرتا تھا اور ایک حصہ میں اپنی ماں کی خدمت کرتا تھا اور روزانہ صبح کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور ان کو فروخت کر کے ایک تہائی رقم صدقہ کر دیتا اور ایک تہائی اپنی ذات پر خرچ کرتا اور ایک تہائی رقم اپنی والدہ کو دے دیتا۔

ایک دن لڑکے کی ماں نے کہا: میرے پیارے بیٹے! تیرے باپ نے میراث میں ایک بچھیا چھوڑی تھی جس کو انہوں نے فلاں جھاڑی کے پاس جنگل میں خدا کی امانت میں سونپ دیا تھا۔ اب تم اس جھاڑی کے پاس جا کر یوں دعا مانگو کہ اے حضرت ابراہیم وحضرت

اسماعیل وحضرت اسحاق علیہم السلام کے خدا! تو میرے باپ کی سونپی ہوئی امانت مجھے واپس دے دے اور اس بچھیا کی نشانی یہ ہے کہ وہ پیلے رنگ کی ہے اور اس کی کھال اس طرح چمک رہی ہوگی کہ گویا سورج کی کرنیں اس میں سے نکل رہی ہیں۔ یہ سن کر لڑکا جنگل میں اس جھاڑی کے پاس گیا اور دعا مانگی تو فوراً ہی وہ گائے دوڑتی ہوئی آ کر اس کے پاس کھڑی ہوگئی اور یہ اس کو پکڑ کر گھر لایا تو اس کی ماں نے کہا: بیٹا! تم اس گائے کو لے جا کر بازار میں تین دینار میں فروخت کر ڈالو لیکن کسی گاہک کو بغیر میرے مشورہ کے مت دینا۔ ان دنوں بازار میں گائے کی قیمت تین دینار ہی تھی۔ بازار میں ایک گاہک آیا جو درحقیقت فرشتہ تھا۔ اس نے کہا: میں گائے کی قیمت تین دینار سے زیادہ دوں گا مگر تم ماں سے مشورہ کئے بغیر گائے میرے ہاتھ فروخت کر ڈالو۔ لڑکے نے کہا: تم خواہ کتنی بھی زیادہ قیمت دو مگر میں اپنی ماں سے مشورہ کئے بغیر ہرگز ہرگز اس گائے کو نہیں بیچوں گا۔ لڑکے نے سارا ماجرا بیان کیا تو ماں نے کہا: یہ گاہک شاید کوئی فرشتہ ہو تو اے بیٹا! تم اس سے مشورہ کرو کہ ہم اس گائے کو ابھی فروخت کریں یا نہ کریں۔ چنانچہ لڑکے نے بازار میں جب اس گاہک سے مشورہ کیا تو اس نے کہا: ابھی تم اس گائے کو فروخت نہ کرو۔ آئندہ اس گائے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لوگ خریدیں گے تو تم اس گائے کے چمڑے کے برابر سونا اس کی قیمت طلب کرنا تو وہ لوگ اتنی ہی قیمت دے کر خریدیں گے۔

چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد بنی اسرائیل کے ایک بہت مالدار آدمی کو جس کا نام عامیل تھا اس کے چچا کے دونوں لڑکوں نے قتل کر دیا اور اس کی لاش کو ایک ویرانے مین ڈال دیا۔ صبح کو قاتل کی تلاش شروع ہوئی، مگر جب کوئی سراغ نہ ملا تو کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قاتل کا پتہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: تم لوگ ایک گائے ذبح کرو اور اس کی زبان یا دم کی ہڈی سے لاش کو مارو تو وہ زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ یہ سن کر بنی اسرائیل نے گائے کے رنگ اس کی عمر وغیرہ کے بارے میں بحث و کرید شروع کر دی اور بالآخر جب وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ فلاں قسم کی گائے چاہئے تو ایسی گائے کی تلاش شروع کر دی یہاں تک کہ جب یہ لوگ اس لڑکے کی گائے کے پاس پہنچے تو

ہو بہو یہ ایسی ہی گائے تھی جس کی ان لوگوں کو ضرورت تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے گائے کو اس کے چمڑے میں بھر کر سونا اس کی قیمت دے کر خریدا اور ذبح کر کے اس کی زبان یا دم کی ہڈی سے مقتول کی لاش کو مارا تو وہ زندہ ہو کر بول اٹھا کہ میرے قاتل میرے چچا کے دونوں لڑکے ہیں۔ جنہوں نے میرے مال کے لالچ میں مجھ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ بتا کر پھر وہ مر گیا چنانچہ ان دونوں قاتلوں کو قصاص میں قتل کر دیا گیا اور مرد صالح کا لڑکا جو اپنی ماں کا فرماں بردار تھا کثیر دولت سے مالا مال ہو گیا۔

(جلالین۔ صاوی وغیرہ)

اس پورے مضمون کو قرآن مجید کی مقدس آیتوں میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے!

"اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو تو وہ لوگ بولے: کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: پناہ بخدا کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں، تو ان لوگوں نے کہا: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتا دے کہ کیسی گائے ہونی چاہئے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو بوڑھی ہو نہ بچھیا۔ بلکہ ان دونوں عمروں کے درمیان ہو، تو تم کرو جس کا تمہیں حکم ہوتا ہے وہ لوگ بولے: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتا دے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ ایک پیلی گائے ہو جس کی رنگت ڈہڈہاتی ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے وہ بولے: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں صاف صاف بیان کر دے کہ وہ کیسی گائے ہو؟ کیونکہ گایوں میں ہم کو شبہ پڑ گیا اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے آپ نے فرمایا: وہ ایسی گائے ہو جس سے زمین جوتنے کی خدمت نہ لی جاتی ہو اور نہ وہ کھیت میں پانی بھرتی ہو بے عیب ہو اور اس میں کوئی داغ بھی نہ ہو۔ یہ سن کر وہ لوگ بولے: اب آپ ٹھیک بات لائے پھر ان لوگوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے اور اے (بنی اسرائیل) جب تم لوگوں

Scanned with CamScanner

نے ایک خون کیا اور ایک دوسرے پر اس کی تہمت ڈالنے لگے اور اللہ کو ظاہر کر دینا تھا جس کو تم چھپاتے تھے۔ پھر ہم نے ان لوگوں سے فرمایا: تم لوگ مقتول کو اس گائے کے ایک ٹکڑے سے مارو۔ (انہوں نے مارا تو وہ زندہ ہو گیا) اور اللہ اسی طرح مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہ اپنی نشانیاں تم لوگوں کو دکھاتا ہے تاکہ تم لوگ اس بات کو سمجھ لو۔" (سورۃ البقرۃ ع ۸)

حیرت انگیز اور نصیحت خیز

اس واقعہ سے بہت سی حیرت انگیز اور نصیحت خیز باتیں اور احکام معلوم ہوئے ان میں سے چند یہ ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہیں!

۱- خدا کے نیک بندوں کے چھوڑے ہوئے مال میں بڑی خیر و برکت ہوتی ہے۔ دیکھ لو کہ اس مرد صالح نے صرف ایک بچھیا چھوڑ کر وفات پائی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ ان کے وارثوں کو ایک بچھیا کے ذریعے بے شمار دولت مل گئی!

۲- اس مرد صالح نے اولاد پر شفقت کرتے ہوئے بچھیا کو اللہ کی امانت میں سونپا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ اولاد پر شفقت رکھنا، اور اولاد کے لئے کچھ مال چھوڑ جانا یہ اللہ والوں کا طریقہ ہے۔

۳- ماں باپ کی فرماں برداری اور خدمت گزاری کرنے والوں کو خداوند کریم غیب سے بے شمار رزق کا سامان عطا فرما دیتا ہے۔ دیکھ لو کہ اس یتیم لڑکے کو ماں کی خدمت اور فرماں برداری کی بدولت اللہ تعالیٰ نے کس قدر صاحب مال اور خوش حال بنا دیا۔

۴- خداوند قدوس کے احکام میں بحث و کرید کرنا مصیبتوں کا سبب ہوا کرتا ہے۔ دیکھ لو بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کر دیتے تو فرض ادا ہو جاتا، مگر ان لوگوں نے جب بحث اور کرید شروع کر دی، کہ کیسی گائے ہو؟ کیسا رنگ ہو؟ کتنی عمر ہو؟ تو مصیبت میں پڑ گئے کہ انہیں ایک ایسی گائے ذبح کرنی پڑی جو بالکل نایاب تھی۔ اسی لئے اس کی قیمت اتنی زیادہ ادا کرنی پڑی کہ دنیا میں کسی گائے کی اتنی قیمت نہ ہوئی۔ نہ آئندہ ہونے کی امید ہے!

۵- جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی امانت میں سونپ دے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور اس میں بے حساب خیر و برکت عطا فرما دیتا ہے۔

۶- جو اپنے اہل و عیال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دے اللہ تعالیٰ اس کے اہل و عیال کی ایسی پرورش فرماتا ہے کہ جس کو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا!

۷- امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو پیلے رنگ کے چمڑے کا جوتا پہنے گا وہ ہمیشہ خوش رہے گا اور اس کو غم بہت کم ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیلی گائے کے لئے یہ فرمایا: "تسر الناظرین" کہ وہ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہے!

۸- اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا جانور جس قدر بھی زیادہ بے عیب اور خوبصورت اور قیمتی ہو اسی قدر زیادہ بہتر ہے! (واللہ تعالیٰ اعلم)

Scanned with CamScanner

(۲۲)

ایک فقیر کی بادشاہ کو نصیحت

حضرت فضیل بن عیاض (۱۰۵۔۱۸۷ھ = ۷۲۳۔۸۰۴ء) ابن مسعود تیمی یربوعی کی کنیت ابوعلی ہے، وہ حرم مکی کے شیخ اور اکابر اولیاء وعابدین میں سے تھے، حدیث میں معتبر تھے، ان سے کثیر مخلوق نے استفادہ کیا، ان میں سے امام شافعی بھی ہیں، سمرقند میں پیدا ہوئے، ابیورد میں پلے بڑھے، بڑی عمر میں کوفہ پہنچے، ان کے آباء کوفہ ہی سے تعلق رکھتے تھے، پھر مکہ معظمہ میں مقیم ہوگئے اور وہیں فوت ہوئے، ان کا مقولہ ہے: مَنْ عَرَفَ النَّاسَ اسْتَرَاحَ، جو لوگوں کو پہچان لیتا ہے وہ راحت میں رہتا ہے (یعنی دھوکہ نہیں کھاتا) الاعلام للزرکلی ۵/۱۵۳...... حضرت فضیل ڈاکوؤں کے سردار تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل نے یاوری کی تو ایک واقعہ ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر گیا، ہوا یہ کہ دیوار پھلانگ کر ایک گھر کے اندر جانا چاہتے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز آئی، قاری صاحب پڑھ رہے تھے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ. کیا مومنوں کے لئے وہ وقت قریب نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے خشوع (خشیت) سے معمور ہو جائیں؟

یہ آواز کیا تھی بجلی کا کڑکا تھا، جو دل کی دنیا کو تہ و بالا کر گیا، اسی وقت سچے دل سے رب کریم کی بارگاہ میں توبہ کی اور بعد ازاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں شامل ہو گئے اور اکابر شاگردوں میں شمار ہوئے۔

ایک دفعہ عظیم فرماں روا، خلیفۂ عباسی ہارون الرشید کا دل اس طرح رنج والم کا شکار ہوا کہ اس کی رات کی نیند اڑ گئی۔ اس غم واندوہ کے دور کرنے کے لئے کوئی طریقہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ہارون الرشید نے اپنے وزیر فضیل بن ربیع کو بلایا اور اسے کہا: میرے دل میں رنج و اضطراب کی ایک ایسی پھانس اٹک گئی ہے جو نکالے نہیں نکلتی اور اس نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔ تم کوئی روحانی معالج تلاش کرو جو نفسیات کا ماہر ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میرے دل کی بے چینی اور بے کلی کا علاج کر دے اور میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دے۔

وزیر نے سر تسلیم خم کیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ خلیفہ کو سراپا اخلاص علماء کے پاس لے جائے کیونکہ یہی لوگ روحوں کے معالج اور نفوس کے حکیم ہیں۔ وہ خلیفہ کو علم وزہد اور تقویٰ میں معروف تین بڑے علماء کے پاس لے گیا۔ انہوں نے خطابت کے جوہر دکھاتے ہوئے ترغیب وترہیب کے موضوع پر خلیفۂ وقت کو لیکچر دیئے لیکن اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ علم و فضل کے یہ اساطین اس کی ناقابل فہم بے چینی کو دور نہ کر سکے۔ ہارون الرشید نے انہیں انعام واکرام سے نوازا اور رخصت ہو گیا۔ وزیر کو کہنے لگا: ''بے شک یہ لوگ صدق واخلاص کے پیکر ہیں، لیکن مجھے ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ تم بھی محسوس کر سکتے ہو کہ میری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ روحانیت اور نفسیات کا کوئی ایسا عالم تلاش کرو جو میرے اضطراب کا مداوا کر سکے۔''

وزیر نے کہا: ''جناب! صرف ایک شخص باقی رہ گیا ہے۔ میرا گمان ہے کہ وہی آپ کا مطلوب شخص ہے اور آپ کو اسی کی تلاش ہے۔ وہی آپ کے سینے کی جلن دور کر سکے گا اور وہی آپ کے حزن وملال اور تکلیف کو دور کر سکے گا۔''

ہارون الرشید نے کہا: وہ کون سا شخص ہے؟ جس کی تعریف میں تم زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہو؟ تم نے تو مجھے ان کی زیارت کے لئے سراپا اشتیاق بنا دیا ہے۔

وزیر نے کہا: وہ متقی صوفی اور زاہد عالم ہے، جس نے دنیا کو اپنے دل سے نکال کر اپنے سامنے ڈال رکھا ہے۔ جو کسی جاہ وجلال اور درہم ودینار کو خاطر میں نہیں لاتا۔

ہارون الرشید نے کہا: چلئے ان کے پاس چلتے ہیں۔ ممکن ہے ہمیں ان کے پاس دل کی

Scanned with CamScanner

بے قراری کا علاج مل جائے۔

دونوں رات کے اندھیرے میں چلتے ہوئے حضرت فضیل بن عیاض کے گھر پہنچ گئے۔ ان کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کے اندر سے حضرت فضیل کی آواز سنائی دی۔ وہ خوف زدہ اور دردمند آواز میں قرآن پاک کی ایک ہی آیت بار بار پڑھ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی آہ وبکا کی دلدوز آواز آرہی تھی، جس نے ان کے حواس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

وزیر نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت فضیل نے کہا: کون؟ وزیر نے کہا دروازہ کھولئے، امیر المؤمنین رونق افروز ہیں اور ان کا وزیر حاضر ہے۔

حضرت فضیل کو خلیفۂ وقت اور اس کے وزیر کی آمد کا دکھ ہوا۔ ان کے دل کی آرزو یہ تھی کہ کوئی ان کے پاس نہ آئے کیونکہ وہ تسبیح، تلاوت اور نماز کے ذریعے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ سلاطین اور امراء کی صحبت یادالٰہی سے غافل کر دیتی ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بادیہ نشینی اختیار کرے اس کے مزاج میں سختی آ جاتی ہے۔ جو شکار کا پیچھا کرے وہ خود غفلت کا شکار ہو جاتا ہے اور جو سلطان وقت کے پاس حاضری دے وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ سند حسن)

یہ بجا کہ سلطان کی اطاعت رعایا پر لازم ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہے اور اگر وہ سرکشی اختیار کرے اور حدود سے تجاوز کر جائے تو خالق کی نافرمانی کرنے والی کسی مخلوق کی اطاعت لازم نہیں ہے۔ یہ تھی حضرت فضیل کی رائے اس لئے وہ سلاطین اور امراء سے دور ہی رہتے تھے۔ ان کے قرب اور میل جول پر تنہائی کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت فضیل صاحب ورع وتقویٰ صوفی تھے اور صوفیہ کے صحیح قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ وہ اعمال کو شریعت کے ترازو میں تولتے ہیں' اگر ان کا پلڑا بھاری ہو تو سبحان اللہ! ورنہ صوفیہ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

حضرت فضیل نے سوچا کہ خلیفہ بنفس نفیس میرے دروازے پر چل کر آیا ہے اور

دروازہ کھولنے کا حکم دے رہا ہے۔ اس میں معصیت اور گناہ کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ حضرت فضیل اسلامی شریعت کی مخالفت تو نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ ہی چراغ بجھا دیا اور خود حجرے کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ ان کا یہ طریقہ آج کے عمومی انداز سے بالکل مختلف تھا۔ لوگ تو آرزوئیں کرتے ہیں اور دیدۂ دل فرش راہ کرتے ہیں کہ کوئی صاحب اقتدار امیر یا وزیر ہمارے ہاں تشریف فرما ہو۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ بڑے کروفر اور خلق خدا کے بے تحاشا ہجوم کے ساتھ ان کا استقبال کرتے ہیں تا کہ ان کی ایک نگاہ التفات میسر آ سکے اور ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونے کی سعادت حاصل ہو سکے۔

لیکن حضرت فضیل بن عیاض نے ایسا استقبال کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ اس شخص کی طرف سے استقبال تھا جو دنیا کے مال و دولت، وقت کے حکمرانوں، اونچے عہدوں اور ان کی چمک دمک کو پرکاہ کی حیثیت نہیں دیتا تھا۔ جس کا تمام تر رخ آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف تھا۔ وہ حجرے کے ایک گوشے میں سمٹے ہوئے بیٹھے تھے اور سانس بھی آہستہ لے رہے تھے، تا کہ خلیفہ کو ان کا پتہ نہ چل جائے۔

ہارون الرشید گھپ اندھیرے میں داخل ہوا۔ وہاں استقبال کرنا تو کجا بات کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ اس نے حضرت فضیل کا نام لے لے کر پکارا، لیکن صدائے برنخاست۔ اندھیرے میں خلیفہ اور وزیر دیواروں کو ٹٹولتے اور حضرت فضیل کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اچانک رشید کا ہاتھ حضرت فضیل کے سر پر جا لگا۔ اس نے پکارا: فضیل! اس کے باوجود انہوں نے جواب نہیں دیا۔ البتہ اتنا ہوا کہ حضرت فضیل نے اپنا ہاتھ رشید کے ہاتھ پر رکھ دیا اور بڑی ملائمت کے ساتھ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر پھیرنے لگا۔ ہارون رشید خوش ہو گیا، اس نے واضح طور پر خیر و برکت کے آثار محسوس کئے اور جاگتے ہوئے دل و دماغ سے محسوس کیا کہ روحانی محبت کا ایک سیل رواں ہے جو حضرت فضیل کے ہاتھ سے بہتا ہوا اس کے غافل دل کی طرف موجزن ہے۔

اچانک حضرت فضیل نے وہ کلمات کہے جنہیں تاریخ نے سنہرے حروف کے ساتھ

اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا ہے۔ ان کلمات نے پیکر اخلاص علماء کا مقام بلند سے بلند تر کر دیا اور بادشاہوں کو اُن کے دروازوں پر اس حال میں لا کھڑا کیا کہ وہ ان علماء کے قرب کا خواب تو دیکھ سکتے ہیں، لیکن اسے حاصل نہیں کر سکتے۔ حدیث نبوی سچ ہے: ہماری امت کے بدترین علماء وہ ہیں جو حکمرانوں کے دروازوں پر جاتے ہیں اور ہماری امت کے بہترین حکمران وہ ہیں جو علماء کے در دولت پر حاضری دیتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ اس کی سند میں اگرچہ گفتگو ہے لیکن فضائل اعمال میں ایسی روایت معتبر ہوتی ہے)

ان کلمات نے ہارون رشید کا دل اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ اسے مادیت کے جہان سے جدا کر کے روحانیت کے جہان کی طرف محو پرواز کر دیا اور اسے حضرت فضیل کے سامنے ورطۂ حیرت میں ڈبو دیا۔ اسے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں اور کیا کہوں؟ وہ بری طرح تردد کی زد میں آ گیا۔ حضرت فضیل نے کہا: میرے اللہ! یہ ہاتھ کتنا نرم و نازک ہے؟ کاش یہ جہنم کی آگ سے بچ جائے۔ یہ کلمات ہارون رشید کے دل پر نقش ہو گئے۔ وہ چاہتا بھی تو ان کلمات کو بھلا نہیں سکتا تھا۔

ہارون رشید نے یہ انوکھے کلمات سنے تو اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا۔ اسے ایک انجانی قوت نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہارون رشید کو غائب کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مادیت کی محبت سے پاک دل سے صادر ہونے والی خالص نصیحت سلاطین اور حکمرانوں کے دلوں کو فتح کر لیتی ہے۔ ان میں نفسیاتی انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ ارباب اقتدار کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اُن کے دلوں کو کس طرح قابو کر لیا گیا ہے؟ ان کے نفوس کو کس طرح مسخر کر کے غلام بنا لیا گیا ہے اور ان کی ذات میں لچک کہاں سے آ گئی ہے اور وہ کس طرح ان سیدھے سادے لوگوں کے غلام بے دام بن گئے ہیں؟

پھر اندھیرے ہی میں حضرت فضیل کی آواز ابھرتی ہے:

ہارون! مجھے تیرے بارے میں اس دن کا شدید خوف ہے، جس دن پاؤں ڈگمگا جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے! (وزیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کیا اس وقت اس

جیسا کوئی ہمدرد تیرے ساتھ ہوگا؟ کیا اس جیسا تیرا کوئی مشیر ہوگا؟

ہارون الرشید پر رقت طاری ہو گئی اور وہ روتے روتے بیہوش ہو گیا۔ وزیر نے دیکھا کہ ہارون رشید رو رہا ہے اور اس کی گھگی بندھی ہوئی ہے تو وہ خوفزدہ ہو گیا۔

کہنے لگا: فضیل! امیر المؤمنین پر نرمی کریں۔ ان کے حال پر ترس کھائیں، ذرا دیکھیں ان کا کیا حال ہو گیا ہے؟

ہارون رشید دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ حضرت فضیل نے وزیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ربیع! تم اور تمہارے ساتھی اسے اپنی مجلسوں میں قتل کرتے ہو اور مجھ سے مطالبہ کرتے ہو کہ میں اس پر نرمی کروں؟ میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ اسے نصیحت کی اور کیوں نہ اس پر نرمی کی؟"

ہارون رشید کو رونے سے کچھ مہلت ملی، آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ اسی حالت میں اس نے آہستہ اور عاجزانہ آواز میں کہا: فضیل! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے مزید ارشاد فرمائیں۔ کچھ اور فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔

حضرت فضیل نے اسے بڑی بلیغ نصیحتیں فرمائیں جو اس کے دل میں اتر گئیں۔ اس نے بھی بڑی نیازمندی سے سنیں۔ ہارون رشید روحانی فرشتہ بن چکا تھا جو کانوں سے نہیں، بلکہ دل سے سن رہا تھا۔ اس کا نفس تخت حکومت سے اتر کر سعید اور طاہر غلامی کی دہلیزوں تک پہنچ چکا تھا۔

ہارون رشید ان مواعظ کو سن کر رو پڑا کیونکہ یہ ایسے پرخلوص اور سچے دل سے برآمد ہوئی تھیں، جو وعظ و نصیحت میں اپنے رب کریم کی رضا کے علاوہ کسی چیز کا طلب گار نہ تھا۔

ہارون رشید نے کہا: "فضیل کچھ مزید فرمائیں! کچھ اور فرمائیں!"

حضرت فضیل اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے مسکرائے اور یوں گویا ہوئے:

"اے حسین چہرے والے (ہارون رشید حسین و جمیل تھا اور اس کا رنگ بھی گورا تھا)

Scanned with CamScanner

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھ سے اس مخلوق کے بارے میں باز پرس فرمائے گا' اگر تو اس حسین چہرے کو آگ سے بچا سکتا ہے تو بچالے اور تو اس حال میں ہرگز صبح یا شام نہ کر کہ تیرے دل میں رعایا کے کسی فرد کی طرف سے کھوٹ ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس بندے کو اللہ تعالیٰ رعایا کا پاسبان مقرر فرمائے، اور وہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت رعایا سے کھوٹ رکھنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دے گا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ہر غدار کی پیٹھ کے پاس ایک جھنڈا ہوگا، جو اس کی غداری جتنا اونچا ہو گا۔ عامۃ الناس کا غدار حکمران سے بڑا کوئی غدار نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا۔

ہارون رشید پر بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا۔ اس کے سیاہ ماضی کی فلم اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا گئی۔ اس نے آرزو کی کہ کاش میں خلیفہ نہ ہوتا اور نہ ہی مجھ سے رعایا کے بارے میں باز پرس کی جاتی۔ کاش کہ میں زہد و تقویٰ اور دنیا سے دوری کے اعتبار سے حضرت فضیل کی چادر اوڑھ لیتا' تو میں بھی ان کی طرح ثواب و عقاب کے بغیر رہائی پا جاتا۔

ہارون رشید نے پوچھا: کیا آپ کے ذمہ کچھ قرض ہے؟ اس کا خیال تھا کہ یہ نادار اور مقروض ہوں گے لہٰذا ان کی امداد کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔

ہارون رشید خوش ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ میں ان کا قرض ادا کر دوں گا اور ان کی زندگی کو خوشحالی سے ہمکنار کر دوں گا کیونکہ حضرت فضیل ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! میری اصلاح فرما اور میرا فقر و فاقہ دور فرما۔ ہارون رشید نے پوچھا: کتنا قرض ہے؟

اس نے سوچا کہ ان پر دراہم و دنانیز کا قرض ہوگا۔ میں وہ ادا کر کے ان کو فقر و افلاس سے نجات دلا کر خوشحال زندگی سے آشنا کر دوں گا۔ حضرت فضیل نے اپنے ذمہ واجب الاداء قرض کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا: ہاں! مجھ پر میرے رب کا قرض ہے۔ جس پر اس نے میرا محاسبہ نہیں فرمایا' اگر اس نے تفتیش فرمائی تو میری تباہی ہے اور اگر دلیل میرے دل میں

القا نہ کی گئی تو میری ہلاکت ہے۔ ہارون رشید حضرت فضیل کی سچی اور روحانی پرواز کی بلندی دیکھ کر حیران رہ گیا جس میں مادی منفعت کا شائبہ تک نہ تھا۔ ہارون رشید کو یوں محسوس ہوا کہ میں کسی معصوم آسمانی فرشتے سے گفتگو کر رہا ہوں جو نہ تو دنیا کو پہچانتا ہے اور نہ ہی دنیا کے مال و دولت سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔

ہارون رشید نے پھر سوال کیا کہ میں بندوں کے قرض کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ حضرت فضیل نے جواب دیا اور ایک دفعہ پھر اسے روحانی عالم بالا کی طرف لوٹا دیا۔

حکمران دنیا پر فریفتہ ہوتے ہیں اور دنیا ان کی عاشق ہوتی ہے۔ وہ دنیا سے چمٹ جاتے ہیں، اور دنیا ان سے چمٹ جاتی ہے۔ اس لئے ان سے دنیا کے اثرات اسی وقت زائل ہو سکتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرنے والے عارف باللہ علماء و اولیاء کے سامنے اس قسم کی روحانی مجلسوں میں حاضر ہوں گے۔

حضرت فضیل نے فرمایا: ''ہارون! میرے رب نے مجھے دنیا کی فکر کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کے وعدے کی تصدیق کروں اور اس کا حکم بجا لاؤں۔ رب کریم کا ارشاد ہے: (ترجمہ) میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا، میں ان سے رزق بھی نہیں چاہتا، اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھلائیں، بے شک اللہ ہی بہت رزق دینے والا، قوت والا، زبردست ہے۔''

ہارون رشید پر حیرت چھا گئی۔ وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اس مضبوط اور پرخلوص ایمان اور یقین راسخ کے آگے کیا کرے؟ اس نے کہا: ''فضیل! یہ ایک ہزار دینار لے لیجئے، انہیں اپنے اہل و عیال پر خرچ کیجئے اور کھا پی کر عبادت کرنے کی طاقت حاصل کیجئے! اس کا خیال تھا کہ حضرت فضیل قبول کر لیں گے اور بڑے خوش ہو جائیں گے کیونکہ میں نے انہیں معقول بات کہی ہے اور واجب شرعی کا حوالہ دیا ہے۔ اس لئے کہ اہل و عیال کا خرچ شرعاً بھی واجب ہے اور عقلاً بھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی قوت حاصل کرنا بھی آدمی پر واجب ہے۔

لیکن حضرت فضیل یہ ہدیہ قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے سلاطین اور

Scanned with CamScanner

حکمرانوں کے تحائف کو رشوت اور مشکوک قرار دیا۔ یہ لوگ کسی کو دنیا کا کچھ حصہ دیتے ہیں تو اس سے زیادہ اس کے دین کا حصہ لے لیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے: ''ہماری امت کے کچھ لوگ دین کی سمجھ حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہم حکمرانوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کی دنیا کا ایک حصہ حاصل کرتے ہیں لیکن ہم اپنا دین بچا کر رکھیں گے۔ (سرکار دو عالم ﷺ نے) فرمایا: جس طرح پٹھ کنڈے سے سوائے کانٹوں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح حکمرانوں (اور امراء) کے قرب سے گناہوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔'' (رواہ ابن ماجہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما بسند صحیح)

چنانچہ حضرت فضیل نے معذرت کی اور یہ کہتے ہوئے ہدیہ واپس کردیا:

''سبحان اللہ! میں تمہیں نجات کا راستہ بتاتا ہوں اور تم اس کے بدلے مجھے ایسی چیز دیتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور توفیق خیر عطا فرمائے۔''

اس کے بعد حضرت فضیل نے چپ سادھ لی اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ ان دونوں نے سمجھ لیا کہ یہ خلوت اور رخصت چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں چلے آئے۔ ہاں چلے تو آئے، لیکن حضرت فضیل کا کلام ان کی روح میں اتر گیا اور ان میں ایسا نفسیاتی انقلاب برپا کرگیا جس نے ان کی زندگی کا دھارا بدل دیا۔ ہارون رشید پر چھائی ہوئی غم و الم کی دھند دور ہو گئی۔ اس نے اپنے دل میں روحانی محبت محسوس کی جس نے اس کے ایمان ویقین کو نئی جلا بخش دی۔ حضرت فضیل کے پاس یہ مبارک نشست اس کی آئندہ زندگی کے لئے نقطۂ انقلاب ثابت ہوئی، یہاں تک کہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوگیا۔

پس جب خشیت الٰہی سے آباد دل سے پاکیزہ کلام نکلتا ہے تو وہ براہ راست دلوں میں اتر جاتا ہے۔

☆ شیخ الحدیث علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تاریخ اسلام کے دور اوّل میں اس شان کے حامل عالم اور زاہد تھے جن کے دروازوں پر سلاطین اور حکمران چل کر آتے تھے۔ ان کی دین داری کی گواہی دیتے تھے اور ان کی

نصیحت پر عمل پیرا ہوتے تھے اور ان کا قرب حاصل کرنے کے مقاصد صرف یہ تھے:

(۱) خالص نصیحت

(۲) اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوشش

(۳) امت مسلمہ کا فائدہ۔

سلاطین اور امراء اس قسم کے سراپا اخلاص علماء کو اپنے خصوصی مشیر بناتے تھے تاکہ اگر ان کے قدم پھسل جائیں تو یہ لوگ ان کی بے راہروی کی اصلاح کردیں۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کاموں میں واقع نہ ہو جائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ جب ہم بھول جائیں تو یہ حضرات ہمیں یاد دلائیں اور جب راہ راست سے بھٹک جائیں تو یہ ہمیں سیدھے راستے پر چلائیں۔) (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۲۴)

حاکم وقت کی گواہی رد کردی گئی

امیر حکم اول بن ہشام (180ھ تا 206ھ) امویان اندلس کا تیسرا حکمران تھا۔ وہ ہارون الرشید اور شاہ فرانس شارلیمین کا ہم عصر تھا۔ حکم ایک عادل، علم وادب کا دلدادہ اور بیدار مغز حکمران تھا۔ 200ھ-203ھ میں اس کے جرنیل عبدالکریم نے فرانس میں دور تک فتوحات حاصل کیں اور تین سال بعد سالماً غانماً لوٹا۔

(تاریخ اسلام ج2 ص114-99)

سعید بن عبدالرحمٰن الداخل نے قاضی ابن بشیر کی خدمت میں ایک مقدمہ میں اپنی طرف سے ایک آدمی کو نائب بنا کر بھیجا۔ دراصل سعید بن عبدالرحمٰن کے قبضہ میں ایک تحریر تھی جس میں چند صاحب اثر لوگوں کے دستخط تھے۔ دستخط کنندگان میں سے سارے لوگوں کی وفات ہو چکی تھی۔ صرف امیر المؤمنین حکم اور ایک اور آدمی زندہ تھے۔ یہ دوسرا آدمی سعید بن عبدالرحمٰن کے حق میں لکھی گئی تحریر کی گواہی تو دیتا تھا مگر کچھ دنوں بعد اس کی بھی موت واقع ہوگئی۔ ادھر تحریر سے متعلقہ مقدمہ وقت کے ساتھ ساتھ پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔

ایک دن سعید بن عبدالرحمٰن یہ نوشتہ لے کر امیر حکم کے پاس گیا اور اس میں امیر کے دستخط دکھلائے جو اس نے اپنی خلافت سے پہلے اپنے باپ کے عہد حکومت میں کیے تھے۔ سعید بن عبدالرحمٰن نے امیر کو یہ نوشتہ بطور یاددہانی دکھلایا تا کہ قاضی کے پاس جب نوشتہ جائے تو وہ اسے نافذ کرے اور اس کو باطل قرار دینے سے گریز کرے۔

امیر حکم اپنے چچا سعید بن عبدالرحمٰن کی بے انتہا تعظیم و توقیر کرتا اور ان کی باتیں قبول کرتا تھا۔ اس نے جب وہ نوشتہ دیکھا تو کہنے لگا: چچا جان! ہم اب شہادت دینے کے قابل نہیں رہے۔ ہم دنیوی جاہت میں جس طرح سے ٹوٹ پڑے ہیں اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر قاضی کے سامنے ذلت و رسوائی کا موقف اختیار کرنا پڑا تو ہمیں اپنی سلطنت کا سودا کرنا پڑ سکتا ہے، اس لیے میرا مشورہ ہے کہ براہ کرم آپ قاضی کا فیصلہ قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں، اور اس مقدمہ میں حق جس مقام پر آپ کو لا کھڑا کرے بلا چون و چرا اسے تسلیم کرلیں۔ ہاں البتہ اس فیصلے سے آپ کو جو کچھ بھی کمی محسوس ہوگی اسے ہم بخوشی پورا کرنے کو تیار ہیں۔

سعید بن عبدالرحمٰن نے امیر حکم کی تجویز قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہنے لگا: سبحان اللہ! بھلا قاضی کی کیا مجال کہ وہ آپ کی شہادت میں کچھ کہنے کی جرأت کر سکے۔ آپ ہی نے تو اسے منصب قضا تک پہنچایا ہے اور یہ منصب اس پر آپ کا ایک عظیم احسان ہے۔ آپ جو کچھ میرے نوشتہ کے بارے میں جانتے ہیں، اس سلسلے میں قاضی کے سامنے ضرور گواہی دیں اور آپ حقیقت ہرگز ہرگز نہ چھپائیں، کیونکہ سچی شہادت دینا اور اسے نہ چھپانا اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا عہد و پیمان لیا ہے۔

امیر نے جواباً عرض کیا: چچا جان! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہ آپ کا حق ہے، مگر آپ اس قضیے میں ہمیں مداخلت پر مجبور کر رہے ہیں اگر آپ ہمیں اس قضیے سے سبکدوش کردیں تو یہ ہمیں زیادہ محبوب ہے اور اگر آپ ہمیں مجبور کرتے ہیں تو ہم آپ کا حکم بجالائیں گے، آپ کی نافرمانی کی ہم میں طاقت نہیں۔

سعید بن عبدالرحمٰن نے امیر کو پورے عزم کے ساتھ یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ چونکہ نوشتہ میرے پاس ہے اور اس پر بااثر شخصیات کے دستخط بھی ثبت ہیں، اس لیے بہر حال مقدمہ کا فیصلہ تو میرے ہی حق میں صادر ہونے والا ہے۔

غرض چچا کا اصرار دیکھ کر امیر حکم نے قاضی کے سامنے شہادت دینے کا وعدہ کرلیا، چنانچہ اس نے مشہور زمانہ دو فقیہوں کو بلایا، ایک کاغذ پر اپنی شہادت کا مضمون قلمبند کیا اور

اس پر مہر لگا کر فقیہوں کو دے دیا۔ پھر گویا ہوا: آپ دونوں میرا یہ نوشتہ لے کر قاضی کی خدمت میں جائیں۔

دونوں فقیہ حکم کی تعمیل میں قاضی کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب وہ عدالت کی کرسی پر گواہوں کے بیانات سننے کے لیے جلوہ افروز ہوا۔ جب انہوں نے خلیفہ کا خط قاضی کے ہاتھ میں دیا تو اس نے خط کا مضمون پڑھا اور پھر فقیہوں کی بات سن کر گویا ہوا:

”میں نے آپ دونوں کا مقصد سن لیا۔ اب آپ لوگ بخیر و عافیت اللہ کی حفظ و امان میں واپس جا سکتے ہیں۔“

اتنے میں سعید بن عبدالرحمٰن کا نائب حاضر ہوا اور پورے اعتماد کے ساتھ قاضی سے یوں مخاطب ہوا: آپ کے پاس امیر کی شہادت بھی پہنچ چکی ہے، اب اس سلسلے میں آپ کیا کہیں گے؟ قاضی نے نائب سے وہ نوشتہ لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کہا: (هٰذِهٖ شَهَادَةٌ لَا تُقْبَلُ عِنْدِيْ فَجِئْنِيْ بِشَاهِدٍ عَدْلٍ)

”میرے نزدیک یہ شہادت نا قابل قبول ہے۔ میرے پاس کوئی عادل شاہد لے کر آؤ۔“

یہ فیصلہ سنتے ہی نائب گھبرا سا گیا اور جلدی سے سعید بن عبدالرحمٰن کی خدمت میں پہنچا اور حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ جب سعید بن عبدالرحمٰن کے کانوں سے قاضی کا فیصلہ ٹکرایا تو گویا کہ اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ فوراً سواری پر بیٹھا اور امیر حکم کی خدمت میں پہنچ کر یہ واویلا کرنے لگا:

(ذَهَبَ سُلْطَانُنَا وَ أُزِيْلَ بَهَاؤُنَا، أَوَ يَجْتَرِئُ هٰذَا الْقَاضِيْ عَلٰى رَدِّ شَهَادَتِكَ)

”ہماری سلطنت چلی گئی، ہمارا رعب و دبدبہ زائل ہو گیا۔ اس قاضی کی یہ مجال کہ آپ کی شہادت کو بھی ردی کی ٹوکری میں ڈال دے؟“

سعید نے امیر کو مزید اکساتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکومت سونپی ہے اور اپنے بندوں کے امیر کے طور پر آپ کو منتخب فرمایا ہے اور مسلمانوں کے جان و مال کا نگہبان

بنایا ہے۔ یہ قاضی اس لائق نہیں ہے کہ اسے آپ یہ اہم منصب سونپیں۔

یوں طرح طرح کی باتوں سے سعید امیر حکم کو قاضی کے خلاف ابھارتا رہا، اسے منصب قضا سے سبکدوش کرنے پر اکساتا رہا۔ سعید کا طویل کلام سن کر امیر حکم گویا ہوا:

(وَهَلْ شَكَكْتُ أَنَا فِيْ هٰذَا يَا عَمِّ! الْقَاضِيْ رَجُلٌ صَالِحٌ لَا تَأْخُذُهُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ، فَعَلَ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ وَ يَلْزَمُهُ، وَ سَدَّ دُوْنَهٗ بَابًا كَانَ يَصْعَبُ عَلَيْهِ الدُّخُوْلُ مِنْهُ فَأَحْسَنَ اللّٰهُ جَزَاءَهٗ)

”چچا جان! کیا میں نے اس قضیے میں کسی شک کا اظہار کیا ہے؟ قاضی ایک نیک و صالح آدمی ہے، اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اس کو حق بات سے نہیں پھیر سکتی۔ جو اس پر واجب تھا اس نے کیا، اور وہ چور دروازہ بند کر دیا جس سے بمشکل داخل ہوا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ قاضی کو جزائے خیر سے نوازے۔“

یہ سن کر سعید کو غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگا: میرے حق میں آپ کی طرف سے یہی کچھ کہنے کو رہ گیا ہے۔ امیر نے جواب دیا:

(نَعَمْ! قَدْ قَضَيْتُ الَّذِيْ كَانَ لَكَ عَلَيَّ وَلَسْتُ وَاللّٰهِ! أُعَارِضُ الْقَاضِيَ فِيْمَا احْتَاطَ لِنَفْسِهٖ وَلَا أَخُوْنُ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ قَبْضِ يَدِ مِثْلِهٖ)

”ہاں، میرے اوپر جو آپ کا حق بنتا تھا اسے میں نے پورا کر دیا، اور اللہ کی قسم! قاضی نے اپنے آپ کو جس احتیاط سے محفوظ رکھا ہے میں اس کے بارے میں اس کے آڑے نہیں آؤں گا اور نہ اس قسم کے (خوددار اور اچھے) لوگوں کو (حق بات سے) روک کر مسلمانوں کے حق میں خیانت کا مرتکب ہوں گا۔“

(قصص العرب: 3/96، 97، نفح الطیب: 1/391)

Scanned with CamScanner

(۲۴)

ایک جنتی نوجوان

حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ایک سال میں نے بیت اللہ شریف کا حج کیا، وقوف عرفہ کے دوران میں نے ایک نوجوان کو دیکھا، جس پر زردی، لاغری، پریشانی اور افسردگی کے آثار نمایاں تھے۔ میں سمجھ گیا کہ اسے محبت الٰہی کا کچھ حصہ عطا کیا گیا ہے۔ میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''میں تیری بارگاہ میں کیسے حاضری دوں؟ کیا نافرمان زبان لے کر آؤں یا ایسا دل لے کر آؤں جو تیری بارگاہ سے دور ہے؟ یا اللہ! یہ لمحات کتنے حسین ہیں جبکہ تو میرے ساتھ محوِ کلام ہے اور اس جگہ تو مجھے پکار رہا ہے۔''

حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں اس کی طرف بڑھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا: ''مرحبا! اے ذوالنون!'' میں نے پوچھا: ''آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا؟'' اس نے جواب دیا: ''آپ کے متعلق مجھے اس ذات نے خبر دی ہے جو مجھے پہچانتی اور مجھ سے محبت کرتی ہے۔'' پھر کہنے لگا: ''اے ذوالنون! اس کی محبت نے مجھے لاغر کر دیا ہے، معلوم نہیں، میں اس کا قرب حاصل کرنے میں کب کامیاب ہوں گا؟ اور کب محبوب حقیقی جود و کرم کرتے ہوئے پردے اٹھائے گا؟'' میں نے کہا: ''آپ کہاں سے آئے ہیں؟'' تو اس نے جواب دیا: ''دل کے شہر سے آیا ہوں اور بارگاہ رب العزت میں حاضری کا ارادہ ہے۔'' میں نے پوچھا: ''آپ کے پاس کوئی زاد راہ ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''جی ہاں، اس کی شراب انس و محبت کا ایک قطرہ ہے، مجھے امید ہے کہ میں اس سے مقدس

بارگاہ میں پہنچ جاؤں گا۔'' میں نے پوچھا: ''آپ کے پاس کوئی سواری ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''جی ہاں! نیت کی صفائی، دنیا سے مکمل بے رغبتی اور محبوب حقیقی کی پاکی و تسبیح کی سواری میرے پاس ہے۔'' پھر کہنے لگا: ''اے ذوالنون! مجھ سے دور ہو جائیں، وہ گھڑی کتنی بری ہے جو اس کی اطاعت کے بغیر گزرے۔'' پھر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ جب میں منیٰ میں پہنچا تو میں نے اس کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو اپنے جانوروں کی قربانیاں کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں، اس کے خوف و خشیت الٰہی عزوجل میں اضافہ ہو گیا تو وہ عرض گزار ہوا: ''یا الٰہی عزوجل! تیرا قرب حاصل کرنے کے لئے لوگ اپنی اپنی قربانیاں پیش کر رہے ہیں، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں، ایک نافرمان غافل جان ہے، تیرا قرب حاصل کرنے کے لئے اسی کو میں تیری بارگاہ میں بطور نذرانہ پیش کرتا ہوں، اگر تو اس کو قبول فرما لے تو اس کو جلد از جلد اٹھا لے۔'' پھر اس نے چیخ ماری اور ایک آہ سرد دل پر درد سے کھینچی اور زمین پر تشریف لے آیا۔ پھر میں نے ہاتف غیبی کی آواز سنی: ''تعجب ہے! اس نوجوان کو جنت الفردوس جانے کی کتنی جلدی ہے۔''

حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''میں اس کے سرہانے کھڑا سوچ و بچار کر رہا تھا کہ اچانک ایک بڑھیا دکھائی دی کہ اس نے خود کو اس کے قریب گرا دیا، اور رنج و غم سے نڈھال ہو کر آنسو بہاتے ہوئے کہنے لگی: ''تجھے مبارک ہو! اے وہ شخص جس کی عادت قربانی دینا اور وفاداری کرنا تھی! جو اپنے مالک عزوجل کی بارگاہ سے کبھی غافل نہ رہا اور جو اطاعت کی چادر اوڑھ کر راتوں میں طویل قیام کرتا رہا، جو شام افسردگی میں گزارتا اور صبح بیماری میں۔'' حضرت سیّدنا ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے اس سے پوچھا: ''اس نوجوان سے آپ کا کیا تعلق ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''یہ میرا بیٹا ہے، جنگلات میں زندگی کے ایام گزارتا، ہر سال یہاں میقات میں ہم ایک دوسرے سے ملاقات کرتے، پھر میں اگلے سال تک اس کو دیکھنے کے لئے واپس نہ آتی، اس مرتبہ جب میں عرفات میں ٹھہری اور حسب معمول اس کو تلاش کیا تو ہاتف غیبی نے آواز دی: ''تیرے بیٹے کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کی روح کو اعلیٰ درجات پہ پہنچا دیا گیا ہے۔'' اس کے بعد اس بوڑھی عورت نے دعا کی: ''اے

میرے مالک ومولیٰ عزوجل! اس تعلق کی قسم جو تیرے اور میرے درمیان تنہائی میں طے ہوا! اور تیری اس محبت کی قسم جو تو نے میرے دل میں ڈال رکھی ہے! میری نافرمان جان کو اس دارفانی سے نجات دے کر اپنے بیٹے کے ساتھ باقی رہنے والے گھر میں پہنچا دے۔'' حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: پھر اس نے ایک لمبا سانس لیا اور اپنے بیٹے کے پہلو میں گر گئی اور اس کی روح بھی خالق حقیقی سے جا ملی۔ (الروض)

(۲۵)

اللہ کی نشانیاں

صفا اور مروہ یہ چھوٹی چھوٹی دو پہاڑیاں ہیں جو حرم کعبہ مکرمہ کے بالکل قریب ہی ہیں اور آج کل تو بلند عمارتوں اور اونچی سڑکوں اور یہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان چھت بن جانے اور تعمیرات کے ردوبدل سے دونوں پہاڑیاں برائے نام ہی کچھ بلندی رکھتی ہیں۔ انہیں دونوں پہاڑیوں پر چڑھ کر اور چکر لگا کر حضرت بی بی ہاجرہ نے اس وقت پانی کی جستجو اور تلاش کی تھی جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام شیرخوار بچے تھے اور پیاس کی شدت سے بے قرار ہوگئے تھے۔ اسی لئے زمانہ قدیم سے یہ دونوں پہاڑیاں بہت مقدس مانی جاتی تھیں اور حجاج کرام ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھ کر بڑے احترام اور جذبہ عقیدت کے ساتھ طواف کرتے اور دعائیں مانگا کرتے تھے۔

مگر زمانہ جاہلیت میں ایک مرد جس کا نام ''اساف'' تھا اور ایک عورت جس کا نام ''نائلہ'' تھا۔ ان دونوں خبیثوں نے خانہ کعبہ کے اندر زناکاری کرلی تو ان دونوں پر یہ قہر الٰہی نازل ہوگیا کہ یہ دونوں مسخ ہوکر پتھر کی مورت اور بت بن گئے۔ پھر زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں نے ان دونوں مجسموں کو کعبہ سے اٹھا کر صفا ومروہ کی دونوں پہاڑیوں پر رکھ دیا اور ان دونوں بتوں کی پوجا کرنے لگے۔

پھر جب عرب میں اسلام پھیل گیا تو مسلمان ''اساف ونائلہ'' دونوں بتوں کی وجہ سے ان دونوں پہاڑیوں پر جانے کو گناہ سمجھنے لگے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ

حکم نازل فرمایا: صفا ومروہ کے طواف اوران دونوں کی زیارت میں کوئی حرج وگناہ نہیں بلکہ حج وعمرہ دونوں عبادتوں میں صفا ومروہ کا طواف ضروری ہے۔(صاوی ج ۱ص ۶۵)

فتح مکہ کے دن حضور نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں پہاڑیوں پر سے ''اساف ونائلہ'' دونوں بتوں کو توڑ پھوڑ کر نیست ونابود کر دیا اوران دونوں پہاڑیوں کو حسب دستور سابق مقدس ومعظم قرار دے کر ان دونوں کا طواف حج وعمرہ میں ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝ (البقرہ، رکوع ۱۹)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کے دین کے نشانوں میں سے ہیں تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو کوئی اپنی طرف سے اچھی بات کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا اور سب کی خبر رکھنے والا ہے۔

صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں پر حضرت ہاجرہ نے دوڑ کر پانی تلاش کیا تو ایک نبی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی اور ایک نبی یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں حضرت بی بی ہاجرہ کے قدم ان پہاڑیوں پر پڑ جانے سے ان دونوں پہاڑیوں کو یہ عزت وعظمت مل گئی کہ حضرت بی بی ہاجرہ کی ایک مقدس یادگار بن جانے کا ان دونوں پہاڑیوں کو اعزاز وشرف مل گیا اور یہ دونوں پہاڑیاں حج وعمرہ کرنے والوں کے لئے طواف وسعی کا ایک مقبول ومحترم مقام بن گئیں۔ اس سے یہ ہدایت کا سبق ملتا ہے کہ اللہ والوں اور اللہ والیوں سے اگر کسی جگہ کو کوئی خاص تعلق حاصل ہو جائے تو وہ جگہ بہت معزز ومعظم بن جاتی ہے اور ہر مسلمان کے لئے وہ جگہ قابل تعظیم ولائق احترام ہو جاتی ہے ورنہ مکہ معظمہ میں بہت سی پہاڑیاں اور چھوٹے بڑے بہت سے پہاڑ ہیں مگر صفا ومروہ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کو جو تقدس وعظمت حاصل ہے وہ کسی دوسرے پہاڑ کو حاصل نہیں اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں پہاڑیاں ایک

اللہ والی ہی کی ایک مبارک جدوجہد کی یادگار ہیں۔

اسی پر گنبد خضراء اور اولیاء اللہ کے روضوں اور ان حضرات کی عبادت گاہوں اور دوسرے مقدس مقامات کو قیاس کر لینا چاہئے کہ یہ سب خاصان خدا کی نسبت وتعلق کی وجہ سے معزز ومعظم اور قابل تقدس ولائق تعظیم واحترام ہیں اوران سب جگہوں کی تعظیم وتوقیر خداوند قدوس کی خوشنودی کا باعث اور ان سب مقامات کی بے ادبی وتحقیر قہر قہار وغضب جبار کا سبب ہے لہٰذا ان لوگوں کو جو گنبد خضراء اور مقابر اولیاء اللہ کی بے ادبی کرتے اور ان کو منہدم اور مسمار کرنے کا پلان بناتے رہتے ہیں۔ غور کرنا چاہیے کہ ان کو ختم کرنے کی بجائے ان حقائق کے ستاروں سے ہدایت کی روشنی حاصل کرنی چاہئے اور اپنی نحوستوں اور بدبختیوں سے تائب ہو کر صراط مستقیم کی راہ پر ثابت قدم ہو جانا چاہئے۔ خداوند قدوس اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل سب کو ہدایت کا نور عطا فرمائے اور صراط مستقیم کی شاہراہ پر چلائے۔ آمین۔

Scanned with CamScanner

(۲۶)

سب سے بڑا فتنہ

حضرت سعید بن میتب ؓ (یاء کے نیچے زیر) کی کنیت ابو محمد ہے، حضرت عمر فاروق ؓ کی خلافت کے آغاز کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ صاحب ہیبت و وقار تھے، امام التابعین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، جس طرح حکمرانوں سے اجازت لینے کے بعد ہی ان سے کوئی سوال کیا جا سکتا ہے، اسی طرح کسی کی جرأت نہ تھی کہ ان سے اجازت لئے بغیر ان سے سوال کرے، چوراسی سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (صفۃ الصفوۃ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

حضرت علی بن زید ؓ، امام التابعین حضرت سعید بن میتب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''شیطان جس شخص سے بھی مایوس ہوتا ہے، اس پر عورتوں کی طرف سے حملہ آور ہوتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہم نے مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔'' (بخاری باب النکاح، مسلم باب الذکر)

امام سعید بن میتب ؓ اپنے بڑھاپے اور تقویٰ کے باوجود اکثر اپنی ذات پر عورتوں کی طرف سے خائف رہتے تھے (کہیں ان کی طرف سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے) چوراسی سال کی عمر تھی۔ ایک آنکھ کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ صرف ایک آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اس عالم

میں بھی یہی کہتے تھے:

''میرے نزدیک کوئی چیز عورتوں سے زیادہ خطرناک نہیں ہے۔''

(بخاری باب الزکوٰۃ)

ان کا یہ ارشاد سرچشمۂ نبوت سے ماخوذ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

اے عورتوں کے گروہ! صدقہ دو۔ ہم نے آگ میں تمہاری اکثریت دیکھی ہے۔

(باب الحیض، عیدین، شہادات)

امام سعید بن میتب ؓ فرمایا کرتے تھے: بندوں کے پاس اپنی جانوں کو عزت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور اپنی جانوں کی توہین کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ مومنوں کے لئے نصرت خداوندی کا کرشمہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے دشمن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مصروف پائے۔ یہ بھی انہیں کا ارشاد ہے:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی بنا پر غنا حاصل کر لے، لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں۔'' یہ بھی انہیں کا مقولہ ہے:

''دنیا گھٹیا ہے۔ گھٹیا ہی کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے اور سب سے زیادہ گھٹیا وہ ہے جو ناجائز طور پر دنیا کو حاصل کرے اور اسے ناجائز ذریعے اور ناجائز طریقے سے طلب کرے۔''

شرف ملت، رومی وقت شیخ الحدیث علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ ان احادیث و آثار کے بعد ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

''ایک دفعہ شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ لاہور کے ایک پارک میں تقریر کر رہے تھے، پارک میں بارش کا پانی کھڑا تھا، کچھ خواتین پانی میں اینٹیں رکھ کر ان پر بیٹھی ہوئی تقریر سن رہی تھیں، اچانک علامہ صاحب کی ان پر نظر پڑ گئی، برجستہ فرمانے لگے: ''ان عورتوں کا بھی جواب نہیں ہے، برائی کے راستے پر چلیں تو سب سے آگے اور اگر نیکی کے راستے پر چلیں تو بھی سب سے آگے، یہ

Scanned with CamScanner

دیکھے پانی میں بیٹھی ہوئی وعظ سن رہی ہیں'' حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کی بے راہروی اور بے پردگی بہت بڑا فتنہ ہے، دین کے خادموں، علماء اور مشائخ کو خاص طور پر نامحرم عورتوں سے خلوت میں ملاقات نہیں کرنی چاہیے، شیخ سعدی فرماتے ہیں: چوگل بسیار شد پیلاں بلغزند، جب کیچڑ زیادہ ہو تو بڑے بڑے ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں، یہ مخالفین کو تہمت لگانے کا موقع فراہم کرنے والی بات ہے۔ اسی طرح مرد ڈاکٹروں کا تنہائی میں مریض خواتین کا چیک اپ کرنا بھی شرعاً ناجائز ہے۔'' (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۲۷)

اللہ کے رسول ﷺ کا فیصلہ

حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ کا نام ابن اسحٰق کے بقول عبد شمس تھا مگر نبی ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ بلی پالنے کی وجہ سے ان کا نام ابوہریرہ (بلی والا) رکھا گیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خیبر کے سال اسلام قبول کیا۔ وہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان سے آٹھ سو سے زیادہ صحابہ و تابعین نے احادیث روایت کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بحرین کا عامل مقرر کیا، پھر معزول کر دیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ 57ھ میں فوت ہوئے۔

(اسد الغابہ ج6 ص313-315)

اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہتے تھے۔ وہ حدیبیہ میں حاضر تھے اور فتح مکہ کے وقت قبیلہ جہینہ کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ مدینہ میں 78ھ میں فوت ہوئے۔

(اسد الغابہ ج2 ص355)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتنے میں دو آدمی رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ ایک نے عرض کی:

اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں۔

دوسرا شخص جو پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہوشیار تھا، اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ سنائیں اور مجھے معاملے کی نوعیت

Scanned with CamScanner

کی وضاحت کرنے دیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اپنی بات بیان کرو۔''

وہ کہنے لگا: بات دراصل یہ ہے کہ میرا بیٹا اس آدمی کے گھر محنت مزدوری کیا کرتا تھا (گھر میں اس کی آمد ورفت تھی) چنانچہ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے بدکاری کا ارتکاب کیا۔ میں نے معاملے کو رفع دفع کرنے کے لیے اپنے بیٹے کی جانب سے سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر اسے راضی کر لیا۔ پھر میں نے اس سلسلے میں اہل علم سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے مجھے شرعی سزا بتائی کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے ملک بدر کر دیا جائے گا جب کہ اس کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے ان کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا:

(وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! لَأَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰہِ، اَلْوَلِیْدَۃُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ عَلَیْکَ، وَعَلٰی ابْنِکَ جَلْدُ مِائَۃٍ وَّ تَغْرِیْبُ عَامٍ، وَاغْدُ یَا اُنَیْسُ اِلٰی امْرَأَۃِ ھٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْھَا)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تم واپس لے جاؤ، اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگا کر سال بھر کے لیے جلاوطن کیا جائے گا اور اے انیس! اس آدمی کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اعتراف کر لیتی ہے تو اسے سنگسار کر دو۔''

حضرت انیس رضی اللہ عنہ گئے اور پوچھا تو اس عورت نے اعتراف کر لیا۔ پھر رسول اکرم ﷺ کے حکم سے اسے سنگسار کر دیا گیا۔

(بخاری: کتاب الحدود: 6828، مسلم: 1697، نسائی: 241/8، موطأ: 167/2)

(۲۸)

حکومت کو لات مار کر فقیری کو اپنا لیا

حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ خراسان کے بادشاہ تھے، ایک دن اپنے لشکر کے درمیان گھوڑے پر سوار تھے کہ آپ نے گھوڑے کی زین سے کسی پکارنے والے کی ندا سنی: ''اے ابراہیم! ہمارے بندے اس لئے نہیں پیدا کئے گئے، اور نہ ہی ہم سے محبت کرنے والوں کو اس کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اپنی چاہت کو میری چاہت پر قربان کر دو، وگرنہ تم اہل عناد میں سے ہو جاؤ گے۔'' آپ فرماتے ہیں: ''اس آواز نے میرے دل میں تیر پیوست کر دیا، میں نے اپنے ملک وسلطنت اور اہل وعیال کو چھوڑا اور اسی کی طرف حیران وپریشان نکل گیا جس پر مجھے بھروسہ واعتماد ہے۔''

جب حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ اپنے ملک وسلطنت کو چھوڑ کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضری کے لئے سفر کرتے ہوئے ایک گاؤں میں داخل ہوئے، تو آپ غم سے نڈھال ہو چکے تھے۔ راستے میں اپنے رفیق سے بچھڑ گئے، سات دن تک نہ تو پانی کا گھونٹ پیا اور نہ ہی کوئی لقمہ کھایا۔ شیطان کو آپ کی صداقت پر غیرت آئی، کیونکہ وہ حقیقت کے بادشاہوں اور طریقت کے سلاطین، پر غیرت کرتا ہے اور اسے غیرت آنی بھی چاہئے کیونکہ انہوں نے وہ مبارک لباس پہن لیا جو شیطان سے اتار لیا گیا تھا، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کر لیا جس سے شیطان کو دھتکارا گیا تھا۔ چنانچہ، شیطان ایک نیک بزرگ کی شکل میں ظاہر ہوا اور کہنے لگا: ''اے ابراہیم! بات سنو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ محبوب

Scanned with CamScanner

جس کی وجہ سے تم نے سلطنت چھوڑ دی اور جس کی محبت میں تم نے مصائب و آفات اور ہلاکت کے گھوڑوں پر سواری کی، اس نے تو تمہارا نقصان کیا اور تمہیں موت کے قریب کر دیا۔'' تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''جب اپنے مقصود کے ضائع ہو جانے سے امان حاصل ہو جائے تو موت کے آنے میں کوئی نقصان نہیں۔''

حضرت سیّدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ ابھی اسی حیرانگی کے عالم میں تھے کہ ایک خوبصورت شخص آپ کے پاس آیا، جس کی خوشبو سب کو معطر کر رہی تھی اور کہنے لگا: ''اے ابراہیم! کیا آپ اسم اعظم سیکھنا چاہتے ہیں جس کی بدولت آپ کو پانی پلایا جائے اور کھانا بھی کھلایا جائے۔'' آپ نے فرمایا: ''جی ہاں۔'' تو اس نے آپ کو اسم اعظم سکھا دیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: ''آپ کون ہیں؟'' جواب دیا: ''میں آپ کا بھائی خضر (علٰی نبینا و علیہ الصلٰوۃ والسلام) ہوں۔'' پھر حضرت سیّدنا خضر علٰی نبینا و علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اگر آپ چاہیں تو میری صحبت اختیار کر سکتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' انہوں نے پوچھا: ''کیوں؟'' تو ارشاد فرمایا: ''اس لئے کہ صحبت، شرکت سے حاصل ہوتی ہے اور میں جس کی محبت میں گرفتار ہوں، اس میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا، اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی کی صحبت اختیار کرنا چاہتا ہوں اور میں کسی غیر کی صحبت اختیار کرنے میں اس سے ڈرتا ہوں کیونکہ وہ بہت زیادہ غیرت مند ہے، لہٰذا مجھے اس کی حاجت نہیں۔''

حضرت سیّدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ نے جب اپنی زوجۂ محترمہ کو چھوڑا تھا تو وہ حاملہ تھیں، ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام گھر والوں نے دادا کے نام پر رکھا۔ جب وہ بڑا ہوا اور جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو اپنی والدہ سے پوچھا: ''اے میری ماں! کیا میرے والد نہیں؟'' تو والدہ نے جواب دیا: ''کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! تمہارے والد ہیں۔'' اس نے پھر پوچھا: ''وہ کہاں چلے گئے؟'' ماں نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں۔'' نوجوان بیٹے نے عرض کی: ''اے میری والدۂ محترمہ! پھر آپ مجھے بھی جانے دیں، میں بھی اسی کو تلاش کرتا ہوں جسے میرے والد محترم تلاش کر رہے ہیں، شاید! میں اپنے مقصد

میں کامیاب ہو جاؤں۔'' ماں نے کہا: ''تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! اے میرے بیٹے! تیرے باپ کی جدائی سے میرا دل بہت جلا ہے، اب تو اپنے فراق سے میرے دل کو مزید نہ جلا۔'' چنانچہ وہ فرمانبردار بیٹا اپنی ماں کی خوشی کی خاطر رک گیا حتیٰ کہ ماں کا انتقال ہو گیا تو وہ بہت غمگین رہنے لگا، کیونکہ اب نہ اس کی ماں تھی، نہ اسے باپ کا پتہ تھا۔ پھر وہ نوجوان ننگے پاؤں گھر سے نکل پڑا، لوگوں سے ڈرتے ڈرتے ویران مساجد میں راتیں گزارتا، دروازوں سے کھانے کے لقموں کا سوال کرتا، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ حضرت سیّدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ طواف میں مشغول تھے، اور آپ کے کچھ مرید بھی آپ کے ساتھ طواف کر رہے تھے۔ جب آپ کی نظر ایک نوجوان لڑکے پر پڑی تو بے ساختہ آپ کی نگاہیں اس پر جم گئیں، آپ کے ارادت مندوں نے عرض کی: ''حضور! اس عظیم مقام اور بابرکت وقت میں یہ کیسی غفلت ہے کہ آپ ایک خوبصورت نوجوان لڑکے کو غور سے دیکھ رہے ہیں۔'' آپ رونے لگے اور ایک مرید سے فرمایا: ''اس کے پاس جاؤ اور پوچھو، یہ کون ہے؟'' مرید نے اس کے پاس جا کر سلام کیا، اور بعد سلام پوچھا: ''اے نوجوان! کہاں سے آئے ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''عجم کے شہر بلخ سے۔'' پھر پوچھا: ''کس کے بیٹے ہو؟'' جواب دیا: ''یہ تو مجھے معلوم نہیں، ہاں! میری والدۂ محترمہ نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے باپ کا نام ابراہیم بن ادہم ہے۔'' پھر اس کے رخسار پر موتیوں کی طرح آنسوؤں کی لڑی بن گئی۔

وہ مرید فرماتے ہیں: ''میں اپنے پیر و مرشد حضرت سیّدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ کے پاس لوٹا اور دیکھا کہ آپ بھی رو رہے ہیں حتیٰ کہ آپ بیہوش ہو گئے، تو میں آپ کے سر اقدس کے پاس بیٹھ گیا اور جب آپ کو افاقہ ہوا تو میں نے عرض کی: ''اے میرے مرشد! اللہ تعالیٰ آپ سے اس نوجوان بیٹے کا حق ضرور وصول کرے گا۔'' آپ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! یہ میرا بیٹا ہے، اس کو میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا تھا، اب میں اس کو واپس لینا نہیں چاہتا۔'' میں نے عرض کی: ''حضور! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس کے پاس چلئے۔'' چنانچہ، آپ تشریف لے گئے، اس نے پوچھا: ''آپ کون ہیں؟'' فرمایا: ''میں تمہارا باپ ابراہیم بن ادہم ہوں۔'' پھر آپ نے اس کو سینے سے لگا لیا اور بارگاہ رب

Scanned with CamScanner

العزت میں عرض گزار ہوئے: ''یا اللہ! یہ میرا بیٹا، میرے جگر کا ٹکڑا میری تلاش میں آیا ہے، اور تو جانتا ہے کہ میرے دل میں اس کے لئے کتنی جگہ ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ میں اس کے لئے وقت نہیں نکال سکتا، اور تو اپنے بندوں کی مصلحتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔'' اس کے بعد سات دن نہ گزرے تھے کہ آپ کے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو غسل دیا، پھر ایک موٹی چادر میں کفن دیا۔ جب آپ اس کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ظاہر ہو جاتے، اور جب پاؤں ڈھانپتے تو سر سے چادر کم پڑ جاتی۔ آپ فرما رہے تھے: ''اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اللہ تعالیٰ کی قسم! میری اور تمہاری ملاقات بروز محشر ہوگی۔''

(الروض الفائق)

(۲۹)

مردوں کا زندہ ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر چالیس دن کے لئے تشریف لے گئے تو سامری منافق نے چاندی سونے کے زیورات پگھلا کر ایک بچھڑے کی مورت بنا کر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں تلے کی مٹی اس مورت کے منہ میں ڈال دی تو وہ زندہ ہو کر بولنے لگا۔ پھر سامری نے مجمع عام میں یہ تقریر شروع کر دی کہ اے بنی اسرائیل! حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے باتیں کرنے کیلئے کوہ طور پر تشریف لے گئے ہیں لیکن خدا تو ہم لوگوں کے پاس آ گیا ہے اور بچھڑے کی طرف اشارہ کر کے بولا: یہی خدا ہے۔ سامری نے ایسی گمراہ کن تقریر کی کہ بنی اسرائیل کو بچھڑے کے خدا ہونے کا یقین آ گیا اور وہ اس بچھڑے کو پوجنے لگے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس تشریف لائے تو بنی اسرائیل کو بچھڑا پوجتے دیکھ کر بے حد ناراض ہوئے پھر غضب و جلال میں آ کر اس بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر برباد کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی ہے وہ لوگ بچھڑا پوجنے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ ستر ہزار بچھڑے کی پوجا کرنے والے قتل ہو گئے اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہ طور پر لے جائیں اور یہ سب لوگ بچھڑا پوجنے والوں کی طرف سے معذرت طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگیں کہ بچھڑا پوجنے والوں کے گناہ معاف ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چن چن کر اچھے اچھے ستر آدمیوں کو ساتھ لیا اور کوہ طور پر تشریف لے گئے جب لوگ کوہ طور پر طلب معذرت و

استغفار کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی:

اے بنی اسرائیل! میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، میں نے ہی تم لوگوں کو فرعون کے ظلم سے نجات دے کر تم لوگوں کو بچایا ہے لہٰذا تم لوگ فقط میری ہی عبادت کرو اور میرے سوا کسی کو مت پوجو۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سن کر یہ ستر آدمی ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم ہرگز ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ یہ ستر آدمی اپنی ضد پر بالکل اڑ گئے کہ ہم کو آپ خدا کا دیدار کرائیے ورنہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے کہ خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا مگر یہ شریر و سرکش لوگ اپنے مطالبہ پر اڑے رہ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و جلال کا اظہار اس طرح فرمایا: ایک فرشتہ آیا اور اس نے ایک ایسی خوفناک چیخ ماری کہ خوف و ہراس سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور یہ ستر آدمی مر گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند عالم سے کچھ گفتگو کی اور ان لوگوں کے زندہ ہو جانے کی دعا مانگی تو یہ لوگ زندہ ہو گئے۔

(صاوی ج ۱ ص ۳۰)

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (البقرہ، رکوع ۶)

اور جب تم (بنی اسرائیل) نے کہا: اے موسیٰ ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے یہاں تک کہ ہم علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تم کو ایک کڑک نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر مر جانے کے بعد تم لوگوں کو ہم نے زندہ کیا کہ تم ہمارا احسان مانو۔

☆ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے پیغمبر کی بات نہ مان کر اپنی ضد پر اڑے رہنا بڑی ہی خطرناک بات ہے پھر ان ستر آدمیوں کا مر کر زندہ ہو جانا یہ خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کا اظہار و اعلان ہے تا کہ لوگ ایمان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب مرے

ہوئے انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

☆ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا قانون یہ تھا کہ شرک کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے۔ پھر قوم کے نیک لوگ ان کے لئے طلب معذرت اور دعا مغفرت کریں تب ان شرک کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی تھی مگر ہمارے حضور سید الانبیاء وخاتم النبیین ﷺ کی شریعت چونکہ آسان شریعت ہے اس لئے اس کے قانون میں توبہ قبول ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ گناہ کرنے والا اگرچہ کفر و شرک کا گناہ کر لیا ہو سچے دل سے اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور شرمندہ ہو کر معافی طلب کرے اور اپنے دل میں یہ عہد و عزم کرے کہ پھر وہ یہ گناہ نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور اس کے گناہ کو معاف فرما دے گا توبہ قبول ہونے کے لئے گناہ کرنے والوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

سبحان اللہ! یہ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی رحمت کا صدقہ ہے کہ وہ اپنی امت پر رؤف و رحیم اور بے حد مہربان ہیں تو ان کے طفیل اللہ تعالیٰ بھی اپنے حبیب کی امت پر بہت زیادہ رحیم و کریم بلکہ ارحم الراحمین ہے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کا واقعہ

اسی طرح قرآن پاک میں حضرت حزقیل علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بیان ہوا اس میں بھی مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر ہے لہٰذا اس جگہ بیان کر دیا جاتا ہے لیکن پہلے یہ جان لیں کہ حزقیل علیہ السلام کون تھے تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ ہیں جو منصب نبوت پر سرفراز کئے گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اقدس کے بعد آپ کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی۔ ان کے بعد حضرت کالب بن یوحنا علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خلافت سے سرفراز ہو کر مرتبہ نبوت پر فائز ہوئے۔ پھر ان کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین اور نبی ہوئے۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کا لقب ابن العجوز (بڑھیا کے بیٹے) ہے اور آپ ذوالکفل بھی کہلاتے تھے۔ "ابن العجوز" کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس وقت پیدا ہوئے تھے جب کہ ان کی والدہ ماجدہ بہت بوڑھی

ہو چکی تھی اور آپ کا لقب ذوالکفل اس لئے ہوا کہ آپ نے اپنی کفالت میں لے کر ستر انبیاء کرام کو قتل سے بچالیا تھا۔ جن کے قتل پر یہودی قوم آمادہ ہوگئی تھی۔ پھر یہ خود بھی خدا کے فضل وکرم سے یہودیوں کی تلوار سے بچ گئے اور برسوں زندہ رہ کر اپنی قوم کو ہدایت فرماتے رہے۔

ان کا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت جو حضرت حزقیل علیہ السلام کے شہر میں رہتی تھی شہر میں طاعون کی وبا پھیل جانے سے ان لوگوں پر موت کا خوف سوار ہو گیا اور یہ لوگ موت کے ڈر سے سب کے سب شہر چھوڑ کر ایک جنگل میں بھاگ گئے اور وہیں رہنے لگے تو اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کی یہ حرکت بہت زیادہ ناپسند ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک عذاب کے فرشتہ کو اس جنگل میں بھیج دیا جس نے ایک پہاڑ کی آڑ میں چھپ کر ایک چیخ مار کر بلند آواز سے یہ کہہ دیا کہ ''موتو!'' یعنی تم سب مرجاؤ اور اس مہیب اور بھیانک چیخ کو سن کر بغیر کسی بیماری کے اچانک یہ سب کے سب مر گئے جن کی تعداد ستر ہزار تھی۔ ان مردوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ لوگ ان کے کفن ودفن کا کوئی انتظام نہیں کر سکے اور ان مردوں کی لاشیں کھلے میدان میں بے گوروکفن آٹھ دن تک پڑی پڑی سڑنے لگیں اور بے انتہا تعفن اور بدبو سے پورے جنگل بلکہ اس کے اطراف میں بدبو پیدا ہو گئی کچھ لوگوں نے ان کی لاشوں پر رحم کھا کر چاروں طرف سے دیوار اٹھا دی تا کہ یہ لاشیں درندوں سے محفوظ رہیں۔ کچھ دنوں بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا اس جنگل میں ان لاشوں کے پاس سے گزر ہوا تو اپنی قوم کے ستر ہزار انسانوں کو اس موت ناگہانی اور بے گوروکفن لاشوں کی فراوانی دیکھ کر رنج وغم سے ان کا دل بھر آیا۔ آبدیدہ ہو گئے اور باری تعالیٰ کے دربار میں دکھ بھرے دل سے گڑگڑا کر دعا مانگنے لگے کہ یا اللہ! یہ میری قوم کے افراد تھے جو اپنی نادانی سے یہ غلطی کر بیٹھے کہ موت کے ڈر سے شہر چھوڑ کر جنگل میں آ گئے۔ یہ سب میرے شہر کے باشندے ہیں ان لوگوں سے مجھے انس حاصل تھا اور یہ لوگ میرے دکھ سکھ میں شریک رہتے تھے۔ افسوس کہ میری قوم ہلاک ہو گئی اور میں بالکل اکیلا رہ گیا۔ اے میرے رب! یہ وہ قوم تھی جو تیری حمد کرتی تھی اور تیری توحید کا اعلان کرتی تھی اور تیری کبریائی کا خطبہ پڑھتی تھی۔ آپ بڑے

سوز دل کے ساتھ دعا میں مشغول تھے کہ اچانک آپ پر یہ وحی اتر پڑی کہ اے حزقیل! (علیہ السلام) آپ ان بکھری ہوئی ہڈیوں سے فرما دیجئے کہ اے ہڈیو! بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم اکٹھی ہو جاؤ۔ چنانچہ ان کی آواز سن کر بکھری ہوئی ہڈیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور ہر آدمی کی ہڈیاں جمع ہو کر ہڈیوں کے ڈھانچے بن گئے پھر یہ وحی آئی کہ اے حزقیل! آپ یہ فرما دیجئے کہ اے ہڈیو! تم کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ تم گوشت پہن لو۔ یہ کلام سنتے ہی فوراً ہڈیوں کے ڈھانچوں پر گوشت پوست چڑھ گئے۔ پھر تیسری بار یہ وحی آئی کہ اے حزقیل! اب یہ کہہ دو کہ اے مردو! خدا کے حکم سے تم سب اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ فرمادیا تو آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلتے ہی ستر ہزار لاشیں دم زدن میں ناگہاں یہ پڑھتے ہوئے کھڑی ہو گئیں سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ پھر یہ سب لوگ جنگل سے روانہ ہو کر اپنے شہر میں آ کر دوبارہ آباد ہو گئے اور اپنی عمروں کی مدت بھر زندہ رہے لیکن ان لوگوں پر اس موت کا اتنا نشان باقی رہ گیا کہ ان کے اور ان کی اولاد کے جسموں سے سڑی ہوئی لاش کی بدبو برابر آتی رہی اور یہ لوگ جو کپڑا بھی پہنتے تھے وہ کفن کی صورت میں ہو جاتا تھا اور قبر میں جس طرح کفن میلا ہو جاتا ہے ایسا ہی میلا پن ان کے کپڑوں پر نمودار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ یہ اثرات آج تک ان یہودیوں میں پائے جاتے ہیں جو ان لوگوں کی نسل سے باقی رہ گئے ہیں۔ (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۰۱ اور روح البیان ج ۲ ص ۳۷۷)

یہ عجیب وغریب واقعہ قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں خداوند قدوس نے اس طرح بیان فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

اے محبوب! کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے نکل بھاگے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ فرمایا: ''تم سب مرجاؤ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرما دیا بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

Scanned with CamScanner

بنی اسرائیل کے اس محیر العقول واقعہ سے مندرجہ ذیل ہدایات ملتی ہیں۔

۱- آدمی موت کے ڈر سے بھاگ کر اپنی جان نہیں بچا سکتا۔ لہٰذا موت سے بھاگنا بالکل ہی بے کار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو موت مقدر فرما دی ہے وہ اپنے وقت پر ضرور آئے گی نہ ایک سیکنڈ اپنے وقت سے پہلے آ سکتی ہے نہ ایک سیکنڈ بعد آئے گی۔ لہٰذا بندوں کو لازم ہے کہ رضا الٰہی پر راضی رہ کر صابر و شاکر رہیں اور خواہ کتنی ہی وبا پھیلے یا گھمسان کا رن پڑے اطمینان و سکون کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور یہ یقین رکھیں کہ جب تک میری موت نہ آئے گی نہ مجھے کوئی مار سکتا ہے نہ ہرگز ہرگز میں مر سکتا ہوں اور جب میری موت آ جائے گی تو میں کچھ بھی کروں کہیں بھی چلا جاؤں بھاگ جاؤں یا ڈٹ کر کھڑا رہوں میں کسی حال میں نہیں بچ سکتا!

۲- اس آیت میں خاص طور پر مجاہدین کو ہدایت کی گئی ہے کہ جہاد سے بیٹھ رہنا، یا میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ جانا ہرگز ہرگز موت کو دفع نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مجاہدین کو میدان جنگ میں دل مضبوط کر کے ڈٹے رہنا چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ میں ہرگز ہرگز موت کے وقت سے پہلے نہ مر سکتا ہوں نہ کوئی مجھے مار سکتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھنے والا اس قدر بہادر اور شیر دل ہو جاتا ہے کہ خوف اور بزدلی کبھی اس کے قریب نہیں آ سکتی اور اس کے پائے استقلال میں کبھی بال برابر بھی کوئی لغزش نہیں آ سکتی۔ اسلام کا بخشا ہوا یہی وہ مقدس عقیدہ ہے کہ جس کی بدولت مجاہدین اسلام ہزاروں کفار کے مقابلہ میں تنہا پہاڑ کی طرح جم کر جنگ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ فتح مبین ان کے قدموں کا بوسہ لیتی تھی اور وہ ہر جنگ میں مظفر و منصور ہو کر اجر عظیم اور مال غنیمت کی دولتوں سے مالا مال ہو کر اپنے گھروں میں اس حال میں واپس آتے تھے کہ ان کے جسموں پر زخموں کی کوئی خراش بھی نہیں ہوا کرتی تھی اور وہ کفار کی صفوں کا صفایا کر دیتے تھے۔ شاعر مشرق نے اس منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے کسی مجاہد اسلام کی زبان سے یہ ترانہ سنایا ہے:

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے

حق سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

منقول ہے کہ بنو امیہ کا بادشاہ عبدالملک بن مروان جب ملک شام میں طاعون کی وبا پھیلی تو موت کے ڈر سے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے شہر سے بھاگ نکلا اور ساتھ میں اپنے خاص غلام اور کچھ فوج کو بھی لے لیا اور وہ طاعون کے ڈر سے اس قدر خائف اور ہراساں تھا کہ زمین پر پاؤں نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ گھوڑے کی پشت پر ہی سویا کرتا تھا دوران سفر ایک رات اس کو نیند نہیں آئی تو اس نے اپنے غلام سے کہا: تم مجھے کوئی قصہ سناؤ۔ ہوشیار غلام نے بادشاہ کو نصیحت کرنے کا موقع پا کر یہ قصہ سنایا کہ ایک لومڑی اپنی جان کی حفاظت کے لئے ایک شیر کی خدمت گزاری کیا کرتی تھی۔ کوئی درندہ شیر کی ہیبت کی وجہ سے لومڑی کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا اور لومڑی نہایت ہی بے خوفی اور اطمینان کے ساتھ ساتھ خدمت میں زندگی بسر کرتی تھی۔ اچانک ایک دن ایک عقاب لومڑی پر جھپٹا اور لومڑی کو شیر کی پیٹھ پر سے اپنے چنگل میں دبا کر اڑ گیا۔ لومڑی چلا چلا کر شیر سے فریاد کرنے لگی۔ شیر نے کہا: اے لومڑی! میں زمین پر رہنے والے درندوں سے تیری حفاظت کر سکتا ہوں، لیکن آسمان کی طرف سے حملہ کرنے والوں سے میں تجھے نہیں بچا سکتا۔ یہ قصہ سن کر عبدالملک بادشاہ کو بڑی عبرت حاصل ہوئی اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ میری فوج ان دشمنوں سے تو میری حفاظت کر سکتی ہے جو زمین پر رہتے ہیں مگر جو بلائیں اور وبائیں آسمان کی طرف سے مجھ پر حملہ آور ہوں ان سے مجھ کو نہ میری بادشاہی بچا سکتی ہے نہ میرا خزانہ اور نہ میرا لشکر میری حفاظت کر سکتا ہے۔ آسمانی بلاؤں سے بچانے والا تو بجز خدا کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ سوچ کر عبدالملک بادشاہ کے دل سے طاعون کا خوف جاتا رہا اور وہ رضا الٰہی پر راضی رہ کر سکون و اطمینان کے ساتھ شاہی محل میں رہنے لگا۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۷۸)

Scanned with CamScanner

عزیر علیہ السلام اور بخت نصر

ماقبل کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے یہ واقعہ بھی یہاں بیان ہو رہا ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ واقعہ حضرت عزیر بن شرخیا علیہ السلام کا ہے جو بنی اسرائیل کے ایک نبی ہیں۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں تو ان پر خدا کی طرف سے یہ عذاب آیا کہ بخت نصر بابلی ایک کافر بادشاہ نے بہت بڑی فوج کے ساتھ بیت المقدس پر حملہ کر دیا اور شہر کے ایک لاکھ باشندوں کو قتل کر دیا اور ایک لاکھ کو ملک شام میں ادھر ادھر بکھیر کر آباد کر دیا اور ایک لاکھ کو گرفتار کر کے لونڈی غلام بنالیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام بھی انہیں قیدیوں میں تھے۔ اس کے بعد اس کافر بادشاہ نے پورے شہر بیت المقدس کو توڑ پھوڑ کر مسمار کر دیا اور بالکل ویرانہ بناڈالا۔

قوم عمالقہ کا ایک لڑکا ان کے بت ''نصر'' کے پاس لاوارث پڑا ہوا ملا۔ چونکہ اس کے باپ کا نام کسی کو نہیں معلوم تھا اس لئے لوگوں نے اس کا نام بخت نصر (نصر کا بیٹا) رکھ دیا۔ خدا کی شان یہ لڑکا بڑا ہو کر کہراسف بادشاہ کی طرف سے سلطنت بابل پر گورنر مقرر ہو گیا۔ پھر یہ خود دنیا کا بہت بڑا بادشاہ ہو گیا۔ (جمل علی الجلالین ج۱ص۲۱۲)

کچھ دنوں کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام جب کسی طرح ''بخت نصر'' کی قید سے رہا ہوئے تو ایک گدھے پر سوار ہو کر اپنے شہر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اپنے شہر کی ویرانی اور بربادی دیکھ کر ان کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑے۔ چاروں طرف چکر لگایا مگر انہیں کسی انسان کی شکل نظر نہیں آئی۔ ہاں یہ دیکھا کہ وہاں کے درختوں پر خوب زیادہ پھل آئے ہیں جو پک کر تیار ہو چکے ہیں، مگر کوئی ان پھلوں کو توڑنے والا نہیں ہے۔ یہ منظر دیکھ کر نہایت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ بے اختیار آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکل پڑا اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا یعنی اس شہر کی ایسی بربادی اور ویرانی کے بعد بھلا کس طرح اللہ تعالیٰ پھر اس کو آباد کرے گا؟ پھر آپ نے کچھ پھلوں کو توڑ کر تناول فرمایا اور انگوروں کو نچوڑ کر اس کا شیرہ نوش فرمایا۔ پھر بچے ہوئے پھلوں کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور بچے ہوئے انگور کے شیرہ کو اپنی مشک میں بھر لیا اور اپنے گدھے کو ایک مضبوط رسی میں باندھ دیا اور پھر آپ ایک درخت

کے نیچے لیٹ کر سو گئے اور اسی نیند کی حالت میں آپ کی وفات ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے درندوں، پرندوں، چرندوں اور جن و انسان سب کی آنکھوں سے آپ کو اوجھل کر دیا کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکا۔ یہاں تک کہ ستر برس کا زمانہ گزر گیا تو ملک فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس کے اس ویرانے میں داخل ہوا اور بہت سے لوگوں کو یہاں لا کر بسایا اور شہر کو پھر دوبارہ آباد کر دیا اور بچے کھچے بنی اسرائیلی جو اطراف و جوانب میں بکھرے ہوئے تھے سب کو بلا بلا کر اس شہر میں آباد کر دیا اور ان لوگوں نے نئی نئی عمارتیں بنا بنا کر اور قسم قسم کے باغات لگا کر اس شہر کو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور بارونق بنا دیا۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام کو پورے ایک سو برس وفات کی حالت میں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ فرمایا تو آپ نے دیکھا کہ گدھا مر کر سڑ کر اس کی سفید سفید گلی سڑی ہڈیاں ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں مگر تھیلے میں رکھے ہوئے پھل اور مشک میں رکھا ہوا انگور کا شیرہ بالکل ہی خراب نہیں ہوا ہے۔ نہ پھلوں میں کوئی تغیر نہ شیرے میں کوئی بدبو یا بدمزگی پیدا ہوئی ہے اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اب بھی آپ کے سر اور داڑھی کے بال کالے ہی ہیں اور آپ کی عمر وہی چالیس برس کی اب بھی ہے۔ آپ حیران ہو کر سوچ و بچار میں پڑے ہوئے تھے کہ آپ پر وحی اتری اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے دریافت فرمایا: اے عزیر! آپ کتنے دنوں تک یہاں رہے؟ آپ نے یہ خیال کر کے کہ میں صبح کے وقت سویا تھا اور اب عصر کا وقت ہو گیا ہے یہ جواب دیا کہ میں دن بھر یا دن بھر سے کم سوتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں! اے عزیر! تم پورے ایک سو برس یہاں ٹھہرے رہے اب تم ہماری قدرت کا نظارہ کرنے کے لئے ذرا اپنے گدھے کو دیکھو اس کی ہڈیاں گل سڑ کر بکھر چکی ہیں اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں پر نظر ڈالو کہ ان میں کوئی خرابی اور بگاڑ نہیں پیدا ہوا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: اے عزیر! اب تم دیکھو کہ کس طرح ہم ان ہڈیوں کو اٹھا کر اور ان پر گوشت پوست چڑھا کر اس گدھے کو زندہ کرتے ہیں چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام نے دیکھا کہ اچانک بکھری ہوئی ہڈیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور ایک دم تمام ہڈیاں جمع ہو کر اپنے اپنے جوڑ سے مل کر گدھے کا ڈھانچہ بن گیا اور لمحہ بھر میں اس ڈھانچے پر گوشت پوست بھی چڑھ گیا اور گدھا زندہ ہو کر اپنی

Scanned with CamScanner

بولی بولنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام نے بلند آواز سے کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ○ یعنی میں یقین اور ایمان رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

اس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام شہر کا دورہ فرماتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں ایک سو برس پہلے آپ کا مکان تھا وہاں نہ کسی نے آپ کو پہچانا نہ آپ نے کسی کو پہچانا۔ ہاں البتہ یہ دیکھا کہ ایک بہت ہی بوڑھی اور اپاہج عورت مکان کے پاس بیٹھی ہوئی ہے، جس نے اپنے بچپن میں حضرت عزیر علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا یہی عزیر کا مکان ہے؟ تو اس نے کہا جی ہاں۔ پھر بڑھیا نے کہا: عزیر کا کیا ذکر ہے؟ ان کو تو سو برس ہو گئے کہ وہ بالکل ہی لاپتہ ہو چکے ہیں۔ یہ کہہ کر بڑھیا رونے لگی' تو آپ نے فرمایا: اے بڑھیا! میں ہی عزیر ہوں۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایک سو برس مردہ رکھا پھر مجھ کو زندہ فرما دیا ہے اور میں اپنے گھر آ گیا ہوں۔ بڑھیا نے کہا: حضرت عزیر تو ایسے باکمال تھے کہ ان کی ہر دعا مقبول ہوتی تھی اگر آپ واقعی حضرت عزیر ہیں تو میرے لئے دعا کر دیجئے کہ میری آنکھوں کی روشنی آ جائے اور میرا فالج اچھا ہو جائے۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے دعا کر دی تو بڑھیا انکھیاری ہو گئی اور اس کا فالج بھی اچھا ہو گیا پھر اس نے غور سے آپ کو دیکھا تو پہچان لیا اور بول اٹھی کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ آپ یقیناً حضرت عزیر علیہ السلام ہی ہیں۔ پھر وہ بڑھیا آپ کو لے کر بنی اسرائیل کے محلہ میں گئی۔ اتفاق سے وہ سب لوگ ایک مجلس میں جمع تھے اور آپ کے چند پوتے بھی تھے جو سب بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھیا نے مجلس میں شہادت دی اور اعلان کیا کہ اے لوگو! بلاشبہ یہ حضرت عزیر ہی ہیں مگر کسی نے بھی بڑھیا کی بات کو صحیح نہیں مانا۔ اتنے میں ان کے لڑکے نے کہا: میرے باپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک کالے رنگ کا مسہ تھا جو چاند کی شکل کا تھا چنانچہ آپ نے اپنا کرتا اتار کر دکھایا تو وہ مسہ موجود تھا۔ پھر لوگوں نے کہا: حضرت عزیر کو تو تورات زبانی یاد تھی' اگر آپ عزیر ہیں تو زبانی تورات پڑھ کر سنائیے۔ آپ نے بغیر کسی جھجک کے فوراً پوری تورات پڑھ کر سنا دی۔ بخت نصر بادشاہ نے بیت المقدس کو تباہ کرتے وقت چالیس ہزار تورات کے عالموں کو چن چن کر قتل کر دیا تھا اور تورات کی کوئی جلد بھی اس نے زمین پر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ

حضرت عزیر نے تورات صحیح پڑھی ہے یا نہیں؟ تو ایک آدمی نے کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ جس دن ہم لوگوں کو بخت نصر نے گرفتار کیا تھا اس دن ایک ویرانے میں ایک انگور کی بیل کی جڑ میں توریت کی ایک جلد دفن کر دی گئی تھی اگر تم لوگ میرے دادا کی بتائی ہوئی اس جگہ کی نشاندہی کر دو تو میں تورات کی ایک جلد برآمد کر دوں گا۔ اس وقت پتہ چل جائے گا کہ حضرت عزیر نے جو تورات پڑھی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ چنانچہ لوگوں نے تلاش کر کے اور زمین کھود کر تورات کی جلد نکال لی تو وہ حرف بہ حرف حضرت عزیر کی زبانی یاد کی ہوئی تورات کے مطابق تھی۔ یہ عجیب و غریب اور حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ بیشک حضرت عزیر علیہ السلام یہی ہیں اور یقیناً یہ خدا کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے یہ غلط اور مشرکانہ عقیدہ یہودیوں میں پھیل گیا کہ معاذ اللہ! حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ آج تک دنیا بھر کے یہودی اس باطل عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ (معاذ اللہ) (تفسیر جمل علی الجلالین ج ۱ ص ۲۱۲ تا ص ۲۱۵)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ○ (البقرہ رکوع ۳۵)

یا اس (حضرت عزیر) کی طرح جو ایک بستی (بیت المقدس) پر گزرے اور وہ اپنی چھتوں کے بل ڈھئی پڑی تھی۔ انہوں نے کہا: اس (بستی) کو اس کی موت کے بعد اللہ کیونکر جلائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سو برس تک مردہ رکھا۔ پھر ان کو زندہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم کتنے دن یہاں ٹھہرے؟ انہوں نے کہا: دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں! آپ تو ایک سو

Scanned with CamScanner

برس یہاں ٹھہرے رہے ہیں اور آپ اپنے کھانے اور پینے کی چیز کو دیکھ لیجئے کہ وہ سڑی نہیں ہے اور اپنے گدھے کو دیکھئے (جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں) اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے اللہ کی نشانی بنا دیں اور ان ہڈیوں کو دیکھو کہ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے ہیں۔ پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ ان پر ظاہر ہو گیا تو انہوں نے کہا: میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

ان آیتوں میں صاف صاف موجود ہے کہ ایک ہی جگہ پر ایک ہی آب و ہوا میں حضرت عزیر علیہ السلام کا گدھا تو مر کر گل سڑ گیا اور اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئیں مگر پھلوں اور شیرہ انگور، خود حضرت عزیر علیہ السلام کی ذات میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ سو برس میں ان کے بال بھی سفید نہیں ہوئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی قبرستان کے اندر ایک ہی آب و ہوا میں اگر بعض مردوں کی لاشیں گل سڑ کر فنا ہو جائیں اور بعض بزرگوں کی لاشیں سلامت رہ جائیں اور ان کے کفن بھی میلے نہ ہوں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ بلکہ بارہا ایسا ہوا ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کا یہ قرآنی واقعہ اس کی بہترین دلیل ہے۔

دوسرا یہ کہ بیت المقدس کی تباہی اور ویرانی دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام غم میں ڈوب گئے اور فکر مند ہو کر یہ کہہ دیا کہ اس شہر کی بربادی اور ویرانی کے بعد کیونکر اللہ تعالیٰ اس شہر کو دوبارہ آباد فرمائے گا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے وطن اور شہر سے محبت کرنا اور الفت رکھنا یہ صالحین اور اللہ والوں کا طریقہ ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۳۰)

صدائے نعرۂ تکبیر سے تھرا اٹھی وادی

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کے والد ازور کا نام مالک بن اوس ہے (ازور صیغۂ صفت ہے جس کا معنی ہے ترچھی نظر والا ہے) کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، ان کی وفات میں اختلاف ہے، واقدی کہتے ہیں کہ یمامہ میں شہید ہوئے، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، بڑے بہادر اور نڈر مجاہد تھے، جنگ یرموک اور فتح دمشق میں حاضر ہوئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دمشق میں فوت ہوئے، ہمارے ہاں دمشق میں شیخ ارسلان کے پہلو میں ایک جامع مسجد ہے، جسے جامع ضرار بن ازور کہا جاتا ہے، میں (شیخ فرفور) اس مسجد میں دو قبریں دیکھتا رہا ہوں، ممکن ہے وہی آپ کا مزار ہو۔ آپ کی بہن حضرت خولہ بنت ازور (رضی اللہ عنہا) بھی محیر العقول حد تک جانباز تھیں اور مردانہ لباس پہن کر اپنے بھائی کے دوش بدوش جنگ میں حصہ لیتی تھیں، فتوح الشام میں ان کے کئی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ جہاد میں پیش قدمی اور جنگوں میں شجاعت اور تجربے کے اعتبار سے بہت نمایاں مقام رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ (کمانڈر ان چیف) اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اجنادین میں انہیں دشمن کے مقابلے میں بھیجنے کے لئے منتخب کیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ضرار! میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ان پانچ ہزار جانبازوں کا کمانڈر بنا دوں، جنہوں نے اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے پاس بیچ دی ہیں اور دنیا پر

آخرت کو ترجیح دی ہے۔ یہ سربکف مجاہدین اس دشمن کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں جو خود چل کر ہمارے مدمقابل آیا ہے اگر آپ سمجھیں کہ ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے تو ان کے ساتھ جنگ کریں اور اگر آپ محسوس کریں کہ مقابلہ بس سے باہر ہے تو ہمیں پیغام بھیج دینا۔

حضرت ضرار نے سیّدنا خالد کی گفتگو سنی تو فرطِ مسرت سے اچھل پڑے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ہوا میں پرواز کر جائیں گے۔ بے ساختہ پکار اٹھے:

نعرۂ تکبیر۔ واہ واہ۔ سبحان اللہ! آپ نے دل خوش کر دیا۔ ابن ولید! اللہ کی قسم! اس سے بڑی خوشی مجھے زندگی میں کبھی نہیں ملی۔ مجھے اجازت دیجئے! میں تنہا دشمن کے مقابلے میں جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں شہادت حاصل کر لوں گا۔

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں بوڑھے ہوں یا جوان، عورتیں ہوں یا بچے سب کا ایک ہی مدعا تھا۔ شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتے تھے تو دنیا کی طرف اس حقارت سے دیکھتے تھے جس طرح ہم مردہ گدھے کو دیکھتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ گفتگو سنی تو مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: میری زندگی کے پالنہار کی قسم! آپ واقعی ضرار ہیں۔ آپ واقعی ضرار ہیں لیکن میری رائے میں احتیاط یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ اس لئے آپ اپنے ساتھی جیالوں کے ساتھ روانہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امداد فرمائے۔ ضرار! اپنے اوپر مہربانی کریں اور مجاہدین کے جمع ہونے کا انتظار کریں۔ حضرت ضرار نے فرمایا:

اللہ کی قسم! میں نہ تو ٹھہروں گا اور نہ ہی انتظار کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کو جس کی بھلائی منظور ہوگی وہ خود مجھ تک پہنچ جائے گا۔

انہوں نے زرہ پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کی طرف ایڑ لگا دی۔ کچھ آگے جا کر انہوں نے انتظار کیا، یہاں تک کہ مجاہدین ان کے پاس پہنچ گئے۔ سب سے آگے حضرت ضرار تھے۔

حضرت ضرار نے دیکھا کہ ہمارے مقابل بہت بڑا لشکر ہے اور وہ بکھرے ہوئے

ٹڈی دل کی طرح اتر رہا ہے۔ مزید برآں یہ کہ وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہے۔ حضرت ضرار کے ساتھیوں نے اس لشکر جرار کو دیکھا تو اس کی تعداد اور ساز و سامان کی کثرت کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ دشمن کا رعب ان پر بری طرح چھا گیا۔ کہنے لگے:

''ضرار! اللہ کی قسم! اس لشکر کا مقابلہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہمیں واپس جانے دیجئے! کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کامیاب ہو جائے اور ہم نقصان اٹھائیں۔''

حضرت ضرار نے یہ گفتگو سنی تو قید سے رہا ہونے والے شیر کی طرح چست ہو گئے۔ ان کی جرأت، قوت اور شجاعت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا کیونکہ انہیں اس بات کا یقین اور پختہ اعتقاد تھا کہ فتح و نصرت کثرت تعداد کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ان کے پیش نظر تھا:

''بہت سے چھوٹے گروہ اللہ کے اذن سے بڑے گروہ پر غالب آ گئے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ:۲/۲۴۹)

انہوں نے جواباً ایسی گفتگو کی جو اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد و توکل اور ایمان سے معمور دل سے برآمد ہوئی تھی۔ انہوں نے فرمایا:

''میرے مجاہد بھائیو! اللہ کی قسم! میں یہ تلوار اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلاتا رہوں گا۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے حضرات کے نقش قدم پر چلتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے پسپا ہوتے ہوئے نہیں دیکھے گا اور میں دشمن کو پیٹھ نہیں دکھاؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں تمہارا کافروں سے آمنا سامنا ہو جائے تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو، اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا، سوائے اس کے جو لڑائی کی چال چلتا ہو یا اپنی جماعت سے ملنا چاہتا ہو، تو بے شک وہ اللہ کا غضب لے کر پھرا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

(الانفال:۸/۱۵)

Scanned with CamScanner

حضرت ضرار نے ابھی گفتگو مکمل نہیں کی تھی کہ مجاہدین کے دلوں میں اس کا عظیم اثر رونما ہوا۔ ان کے کمزور عزائم یک دم چٹان کی طرح مضبوط ہو گئے اور عزم وہمت سے عاری دل زندگی کی حرارت سے لبریز ہو گئے۔

ان کے بعد رافع بن عمیرہ طائی کھڑے ہوئے۔ انہوں نے حضرت ضرار کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے اور جرأت وہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

برادران اسلام! ان عجمی کافروں سے ڈرنے کا کیا مطلب؟ کیا اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری امداد نہیں کی؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ فتح ونصرت صبر اور سچائی کے دوش بدوش ہے؟ ہمیشہ ہمارے چھوٹے چھوٹے لشکر بڑے بڑے لشکروں سے ٹکراتے رہے ہیں لہٰذا تم اہل ایمان کے راستے کی پیروی کرو۔ رب العالمین کی بارگاہ میں گڑگڑاؤ اور وہی دعا مانگو جو طالوت کی قوم نے جالوت کے مقابلے کے وقت مانگی تھی:

اے ہمارے رب! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے۔ ہمیں ثابت قدمی عطا فرما ۔ اور کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔ (البقرہ: ۲/ ۲۵۰)

رافع کی گفتگو کیا تھی؟ یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے دل کا ایک ٹکڑا اور ایمان کا ایک انگارہ نکال کر حاضرین کی ہتھیلی پر رکھ دیا ہے۔ ان کی گفتگو مکمل ہونے سے پہلے ہی ان کی پاکیزہ اور عظیم روح حاضرین پر چھا گئی۔ ان میں غیر شعوری حرکت پیدا ہوئی اور وہ غیر ارادی طور پر ان کی طرف جھکتے چلے گئے۔ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور خوشنودی کے لئے سراپا اشتیاق بن گئیں۔ ان کے دلوں کی مایوسی ختم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد نے مایوسی کی جگہ لے لی۔

سچے اور مخلص قائد کا یہی مقام ہے کہ اس کی روح، پھونک مار کر مردہ لشکروں کے دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ ان میں ملکوتی اور نفسیاتی انقلاب برپا کر دیتی ہے اور دنیا کی محبت کی نجاست کھرچ کر دلوں کو پاک کر دیتی ہے۔ تب ہر سپاہی ایک امت بن جاتا ہے اور پوری امت کا کردار ادا کرتا ہے۔

مجاہدین نے رافع کا خطاب سنا جو سچے اور ایمان سے بھرے ہوئے دل سے صادر ہوا

تھا۔ رافع کی تائید کرتے ہوئے دوسرے جانباز بھی پورے ذوق وشوق سے جنگ کے لئے آمادہ اور جہاد کی گرم بازاری میں چھلانگ لگانے پر تیار ہو گئے۔

حضرت ضرار نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے فضل سے مجاہدین کے دلوں کو بزدلی اور مایوسی سے نکال کر جرأت اور جنگ کی طرف پھیر دیا ہے۔ رافع اور ان کی تائید کرنے والے مجاہدین کی ستائش کی۔ حضرت ضرار نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس سے نہ صرف یہ کہ انہیں خوشی ہوئی، بلکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ تب انہوں نے بلند آواز سے اپنی قوم کو پکارا اور انہیں وہ وعدہ یاد دلایا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: کہنے لگے:

''اے مومنو! بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔'' (التوبہ: ۹/ ۱۱۱)

یہ جنت تمہارے سامنے ہے۔ قبضے کے بازار کی طرف اٹھو اور نہایت مہربان اور کرم گستر رب سے جنت وصول کر لو۔

حضرت ضرار نے زرہ تو کیا قمیص بھی اتار دی۔ ان کے جسم پر صرف زیر جامہ تھا جو ستر عورت کا کام دے رہا تھا اور بس۔ ان کے ہاتھ میں بغیر پھل کے طویل وردینی نیزہ تھا، یہی ان کا کل اسلحہ تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو صبر اور ثابت قدمی کی تلقین کر رہے تھے۔ وہ شوق شہادت سے اس عاشق کی طرح سرشار تھے جسے اپنے معشوق سے بچھڑے ہوئے طویل عرصہ گزر گیا ہو۔ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ موت پر گرتے ہیں یا موت ان پر گرتی ہے۔

اسی حالت میں تنہا میدان میں نکل آئے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ تمام مجاہدین نے بیک زبان ہو کر نعرۂ تکبیر لگایا۔ اس نعرے کو سن کر مشرکوں کے دل ان کے سینوں میں بیٹھ گئے۔ سب سے بڑا نعرہ جس سے میدان جنگ میں کافروں کے دل دہل جاتے ہیں یہی ہے (اللہ اکبر۔ اللہ اکبر) یہ کافروں کے دلوں پر بجلی کی طرح گرتا ہے۔

مشرکین حضرت ضرار کو اس حالت میں دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کے جسم پر صرف اتنا کپڑا تھا جو ستر عورت کا کام دے رہا تھا۔ ورنہ سر بھی ننگا اور باقی جسم بھی ننگا تھا۔ گویا وہ زبان

Scanned with CamScanner

حال سے کہہ رہے تھے کہ میرے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی تمہارے ہتھیاروں کی۔ تمہاری دنیا ہے میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت اور اس کی رضا حاصل ہوجائے۔

میدان جنگ میں مسلم اور غیر مسلم کا بنیادی فرق یہ ہے کہ مسلمان میدان جنگ میں اس یقین کی بنا پر پیش قدمی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوجانا تمام دنیا سے بہتر ہے۔ شہادت اسے ہر محبوب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ غیر مسلم کو اپنی جان کا خوف لاحق رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ چلی گئی تو پھر واپس نہیں آئے گی کیونکہ وہ موجودہ زندگی کے بدلے حیات جاودانی کا قائل ہی نہیں ہوتا۔ اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ قلت تعداد اور ساز و سامان کی کمی کے باوجود فتح سچے مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ مشرکین اپنی عددی برتری اور سامان جنگ کی فراوانی کے باوجود فتح سے محروم رہتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے؟

تَاَخَّرْتُ اَسْتَبْقِی الْحَیَاۃَ فَلَمْ اَجِدْ
لِنَفْسِیْ حَیَاۃً مِثْلَ اَنْ اَتَقَدَّمَا

''میں زندگی کو بچانے کے لئے پیچھے ہٹا، تو میں نے اپنے جیسے شخص کے لئے آگے بڑھنے جیسی زندگی نہیں پائی۔''

ہاں! حضرت ضرار کے برہنہ جسم کے منظر نے مشرکین پر سکتہ طاری کردیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ہمارا پورا جسم آہنی چادروں سے ڈھانپا ہوا ہے اور ان کے جسم پر ستر عورت کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں ہے۔ ان کے سچے اور ناقابل شکست عزائم کے سامنے ان کے عزائم ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ ان کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس سے ان کے دل بزدلی اور پسپائی کا شکار ہوگئے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ مرد میدان ایسی خوفناک جنگ میں کس طرح ننگے سر اور ننگے بدن پیش قدمی کررہا ہے؟ اسے یہ خوف ہی نہیں کہ اس کے جسم پر تلوار یا نیزے کا وار لگ سکتا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم نے تو اپنے شہسواروں میں بھی ایسی دلاوری نہیں دیکھی بلکہ ہم تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے۔

پھر مسلم مجاہدین نے یکبارگی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جنگ شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ نقطۂ

عروج کو پہنچ گئی اور پنڈلی کے ساتھ پنڈلی ٹکرانے لگی۔ حضرت ضرار نے زوردار حملہ کیا اور مشرکین کی صفیں الٹ دیں۔ وہ نیزے کے جوہر دکھاتے رہے اور کشتوں کے پشتے لگاتے چلے گئے۔ وہ مجاہدین کو صبر و استقامت کی اپیل کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ پڑھ رہے تھے۔

(ترجمہ): ''بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت فرماتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صفیں باندھ کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔''

(الصف:۶۱/۴)

حضرت ضرار مشرکوں کو بڑی چابکدستی سے جہنم رسید کررہے تھے۔ اچانک ان کی نگاہ شاہ روم کے بیٹے ہمدان پر پڑی جو اپنے گھوڑے کا رخ پھیر کر راہ فرار اختیار کررہا تھا۔ حضرت ضرار بجلی کے کوندے کی طرح اس کے سر پر پہنچ گئے۔ نیزے کا اتنا شدید وار کیا کہ اس کے سینے میں کھڑکی کھل گئی۔ جب نیزہ واپس کھینچا تو اس کا پھل (ہوسکتا ہے یہ دوسرا نیزہ ہو کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے ہاتھ میں پھل کے بغیر نیزہ تھا) کندھے کی ہڈی کے ساتھ ہی چپک کر رہ گیا۔ ان کے ہاتھ میں پھل کے بغیر صرف لکڑی کا نیزہ رہ گیا۔ وہ اسی کی نوک کو استعمال کرتے ہوئے جنگ کرتے رہے۔ رومیوں نے جب دیکھا کہ ان کے پاس بغیر پھل کے نیزہ ہے تو ان پر اجتماعی طور پر حملہ آور ہوگئے۔ انہیں زخموں سے چور کردیا۔ وہ پوری ہمت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، بالآخر ان کے قویٰ جواب دے گئے اور دشمن نے انہیں گرفتار کرلیا۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس میں کیا راز تھا؟

دنیائے جنگ کا یہ دستور ہے کہ جب کمانڈر گرفتار یا شہید ہوجائے تو فوجیں ہمت ہار بیٹھتی ہیں۔ وہ مایوسی اور بزدلی کا شکار ہوکر راہ فرار تلاش کرنے لگتی ہیں لیکن حضرت ضرار کے گرفتار ہونے سے ان کے ساتھیوں کا مورال تباہ نہیں ہوا۔ بلکہ ان کی جرأت و بسالت بام عروج پر پہنچ گئی۔ انہوں نے موت سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے قسم کھائی کہ یا تو اپنے کمانڈر کو دشمن کی قید سے چھڑائیں گے یا پھر ہم بھی جام شہادت نوش کرجائیں گے۔

عوام اور قائدین میں اگر محبت و اخلاص کا رشتہ قائم ہو تو عوام ایسی ہی جاں بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہلاکت ہے اس قوم کے لئے جس کے عوام اور قائدین کے درمیان

Scanned with CamScanner

مشرق و مغرب کا فاصلہ حائل ہو۔

حضرت ضرار کی گرفتاری کا مجاہدین کو سخت صدمہ تھا۔ رافع بن عمیر نے مجاہدین سے خطاب کیا۔ انہیں ثابت قدمی اور ڈٹ جانے کی اپیل کی اور انہیں بتایا کہ صبر اور سچائی ہی فتح کی معراج ہے۔ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے حاملان قرآن! کہاں جانا چاہتے ہو؟ تمہیں معلوم نہیں کہ جو شخص دشمن کے سامنے پیٹھ دکھائے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہے۔ جنت کے کچھ دروازے وہ ہیں جو صرف مجاہدین کے لئے کھلتے ہیں۔ ڈٹ جاؤ، ڈٹ جاؤ۔ اے قرآن کے پیروکارو! جنت حاصل کرلو، جنت لوٹ لو۔ بت پرست کافروں پر ٹوٹ پڑو۔

حضرت رافع پورے جوش وخروش کے ساتھ خطاب کررہے تھے اور مجاہدین کو جنگ پر ابھار رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی زبان نہیں، بلکہ روح بول رہی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے:

اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا کہ میں تمہیں کوئی آرڈر دوں اور خود الگ تھلگ رہوں۔ یہ دیکھو! میں تم سب سے آگے ہوں' اگر تمہارا بھائی قید یا شہید ہوگیا ہے' تو کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ تو زندہ وپائندہ ہے۔ وہ تمہیں ایسی آنکھ سے دیکھ رہا ہے جو سوتی نہیں۔ وہ اپنی نصرت واعانت کے ساتھ تمہارا پاسبان ہے۔ وہ بڑا ہی مہربان اور بڑا ہی کرم فرمانے والا ہے۔

تمام مجاہدین نے پوری جاں بازی کے ساتھ دشمن پر حملہ کردیا۔ ان میں سے ہر ایک کی آرزو یہ تھی کہ وہی حضرت ضرار کو دشمن کی قید سے چھڑائے۔

ادھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضرت ضرار کی گرفتاری کی اطلاع دی گئی تو وہ اپنے ساتھی مجاہدین کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے۔ جنگ پورے زوروں سے چھڑ گئی لیکن رومیوں نے حضرت ضرار کو ایک سو سواروں کی حراست میں دے کر شاہ روم کے پاس روانہ کردیا تاکہ وہ ان سے اپنے بیٹے ہمدان کا بدلہ لے سکے۔ مسلمانوں کو اس صورت حال کا علم ہوا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن عمیرہ کو مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا۔ جنہوں نے نہ صرف حضرت ضرار کو رہا کرایا بلکہ لے جانے والے تمام رومیوں کو

جہنم رسید بھی کردیا اور کامیاب وکامران واپس آئے۔

یہ تھے دور اول کے مجاہدین۔ ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے راستے میں جام شہادت نوش کرنے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے عمل کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان سراپا اطمینان جانوں کے لئے واحد نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی تھی۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

(فتوح الشام بحوالہ نسمات الخلود للشیخ الغرفور۔ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

Scanned with CamScanner

(۳۱)

قاضی صاحب کی ذہانت

قاضی ابوالحسین بن عقبہ کہتے ہیں کہ میرے چچا کی بیٹی نہایت دولت مند اور امیر تھی۔ میں نے اس سے شادی کر لی اور اس کے مال سے استفادہ کرنے لگا۔ مال کی بدولت میں نے خفیہ طور پر ایک اور شادی کر لی۔ ادھر کسی شخص نے میری پہلی بیوی کو بتا دیا کہ میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔

بس پھر کیا تھا، گھر میں طوفان آ گیا۔ میری بیوی سخت ناراض ہوئی۔ اس نے مجھ سے کہا: دیکھو تم میری دولت استعمال کرتے تھے، آج کے بعد تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ میں تمہارے گھر نہیں رہنا چاہتی۔ تمہارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ یا مجھے رکھو یا اس دوسری بیوی کو۔ مجھے رکھنا چاہتے ہو تو اسے فوراً طلاق دو۔ گھر میں یہ جھگڑا چلتا رہا۔ میں نے اپنی بیوی کو سمجھایا کہ میری کوئی دوسری بیوی نہیں ہے، تو اس نے کہا: اگر تم سچے ہو تو یوں کہو: میں تمہارے سوا تمام بیویوں کو طلاق دیتا ہوں۔ ادھر میں نے جس نوجوان لڑکی سے شادی کی تھی وہ خوبصورت ہونے کے علاوہ نہایت سمجھدار بھی تھی۔ اب میں دو کشتیوں کا سوار تھا، پہلی بیوی میری چچا زاد اور نہایت امیر تھی، مگر مجھ کو پسند نہ تھی اور دوسری بیوی غریب مگر سمجھدار تھی۔ میں گھر میں لڑائی نہیں چاہتا تھا، پہلی بیوی نے میرا خرچہ بند کر دیا تھا۔ اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کروں کہ میری پہلی بیوی بھی راضی ہو جائے اور اس کو تسلی ہو جائے کہ میں نے کوئی شادی نہیں کی، اور دوسری بیوی کو طلاق بھی نہ دینی پڑے۔

خاصے سوچ بچار کے بعد میں اپنی دوسری بیوی کے پاس گیا، اور اس سے کہا: تم اپنے ہمسایوں کے پاس جاؤ، ان سے ایک عمدہ اور خوبصورت لباس عاریتاً لے لو، اور پھر خوب بن

سنور کر خوشبو لگا کر پہلی بیوی کے پاس جاؤ، تاکہ اسے احساس ہو جائے کہ تم نہایت امیر اور مالدار عورت ہو۔ ملاقات کے وقت خوب رو رو کر آنسو بہانا اور اس کے حق میں خوب دعائیں کرنا۔ جب وہ تمہاری کثرت گریہ وزاری سے متاثر ہو جائے گی تو یقیناً تم سے پوچھے گی کہ تمہاری مشکل اور پریشانی کیا ہے؟ اب تم اس کو بتانا کہ میرے چچا زاد نے مجھ سے شادی کی ہے اور مجھے بتائے بغیر ایک اور شادی بھی کر لی ہے اور میرا مال اپنی دوسری بیوی پر خرچ کرتا ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ چونکہ تمہارا خاوند قاضی ہے، اس سے میری مشکل اور پریشانی بیان کرو۔ میری سفارش کرو کہ میرے ساتھ انصاف کرے اور میرے شوہر کو عدالت میں بلا کر اس سے پوچھ گچھ کرے۔ جب وہ تمہاری بات سن کر تمہیں میرے پاس لے کر آئے گی، تو باقی معاملہ میں خود سنبھال لوں گا۔

میری تدبیر نہایت کامیاب رہی۔ میری ہدایت کے مطابق میری نئی بیوی نے نہایت خوبصورت لباس زیب تن کیا اور ایک مالدار عورت کے روپ میں ہمارے گھر آئی۔ میں اس وقت گھر ہی پہ تھا۔ اس نے آتے ہی زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ میری پرانی بیوی نے اس کے آنسو پونچھے، اسے چپ کرایا، اس کی دلجوئی کی اور کہا: بہن بتاؤ تمہارا مسئلہ کیا ہے، کیوں رو رہی ہو۔ اب اس نے میرے کہے ہوئے الفاظ دہرا دیے۔ اس نے فوراً کہا:

(فَالْقَاضِیْ أَشَرُّ مِنْ زَوْجِكِ، وَ هٰكَذَا يَفْعَلُ بِیْ)

''بہن! میرا شوہر، قاضی تو تمہارے شوہر سے بھی بدتر ہے۔ وہ بھی مجھے دھوکے میں رکھ کر شادی کیے ہوئے ہے۔''

یہ کہہ کر وہ میری نئی بیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے غصے میں میری مجلس میں آئی اور کہنے لگی:

(هٰذِهِ الْمَشْئُوْمَةُ حَالُهَا مِثْلُ حَالِیْ، فَاسْمَعْ مَقَالَهَا وَ اعْتَمِدْ اِنْصَافَهَا)

''اس بدنصیب بی بی کا حال بھی میرے ہی جیسا برا ہے۔ اس کی بات سنو اور اس کے ساتھ انصاف کرو۔''

میں نے نئی بیوی سے پوچھنا شروع کیا:

کیا بات ہے، کیا شکوہ لے کر آئی ہو؟

اس نے جو کچھ سکھایا یا پڑھایا گیا تھا، وہ عرض کیا۔

میں نے اس سے پوچھا:

(هَلِ اعْتَرَفَ ابْنُ عَمِّكِ لَكِ بِأَنَّهُ قَدْ تَزَوَّجَ عَلَيْكِ؟)

''کیا تیرے چچا کے بیٹے (یعنی تیرے شوہر) نے تمہارے سامنے اعتراف کیا ہے کہ اس نے دوسری شادی کر رکھی ہے؟''

اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! بھلا وہ میرے خوف کے مارے کیوں کر اعتراف کرے گا؟

میں نے پوچھا: پھر کبھی تو نے اس کی دوسری بیوی کو دیکھا ہے اور اس کی شکل پہچانتی ہو؟ وہ کہنے لگی: نہیں نہیں۔

پھر میں نے کہا: اے خاتون! اللہ کا خوف کھا اور سنی سنائی باتوں پر یقین مت کر، کیونکہ حاسد لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو میاں بیوی کی خوشی دیکھ نہیں پاتے۔ اس طرح جو لوگ عورتوں کو بگاڑتے ہیں، ان کے پاس اس قسم کا ڈرامہ رچانے کے لیے بہت سے حیلے بہانے ہوتے ہیں اور وہ جھوٹ بھی بہت بولتے ہیں۔ مثال کے لیے میری ہی بیوی کو دیکھو، اس سے بھی کسی نے یہ چغلی کھائی ہے کہ میں نے اس کے علاوہ بھی کسی عورت سے شادی کر رکھی ہے، جبکہ میں اس کے سامنے یہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دروازے کے باہر اگر میری کوئی بیوی ہے تو میں اسے طلاق ثلاثہ دیتا ہوں۔

یہ سنتے ہی میرے چچا کی بیٹی یعنی میری بیوی اٹھی اور میرے سر کو بوسہ دیا اور کہنے لگی: (قَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ مَكْذُوبٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْقَاضِي)

''مجھے اب یقین ہو گیا اے قاضی کہ تم پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔''

اس طرح میرا کام چل گیا اور چونکہ میری دونوں بیویاں میرے پاس ہی موجود تھیں، اس لیے میری قسم بھی واقع نہیں ہوئی۔ (کیونکہ قسم تو کھائی گئی تھی دروازے سے باہر موجود بیوی کو طلاق کی!!) (اخبار الأذکیاء، ابن جوزی: ص:160 دار ابن حزم)

(۳۲)

دیدار الٰہی کی طالبہ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا

حضرت سیّدہ رابعہ عدویہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں منقول ہے کہ آپ عشاء کی نماز پڑھ کر مکان کی چھت پر کھڑی ہو جاتیں اور اپنے دوپٹے اور چادر کو اچھی طرح اوڑھ کر بارگاہ رب العزت میں یوں عرض گزار ہوتیں: ''یا اللہ! ستارے چمک رہے ہیں، سب کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں، بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے ہیں، ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ تنہائی میں ہے اور میں تیری بارگاہ میں تنہا کھڑی ہوں۔'' پھر آپ نماز ادا کرتی رہتیں، جب سحری کا وقت ہوتا اور فجر طلوع ہو جاتی تو بارگاہ رب العزت میں عرض کرتیں: ''یا اللہ! یہ رات گزر گئی، دن خوب روشن ہو گیا، کاش! مجھے معلوم ہو جائے کہ کیا میری رات کی عبادت قبول ہوئی تو مجھے مبارک باد دی جائے، یا اگر مردود ہوئی تو میری ڈھارس بندھائی جائے، تیری عزت کی قسم! جب تک تو مجھے زندہ رکھے گا اور میری مدد کرتا رہے گا میں اسی عادت پر قائم رہوں گی، اور تیری عزت کی قسم! اگر تو مجھے اپنی بارگاہ سے مردہ کر دیتا پھر بھی میں اس سے دور نہ ہوتی کیونکہ میرے دل میں تیری محبت بس چکی ہے۔'' پھر آپ چند اشعار پڑھتیں، جن کا مفہوم یہ ہے:

''اے میرے سرور و امید اور مقصود! تو ہی میرے دل کی راحت اور تو ہی میرا محبوب ہے، اور تیری دید کا شوق ہی میرا ساز و سامان ہے۔ اے میری زندگی اور محبت کے مالک! اگر تیری محبت نہ ہوتی تو میں ان وسیع شہروں میں نہ بھٹکتی۔

کتنی ہی مرتبہ تیرے احسانات مجھ پر ظاہر ہوئے اور میں نے کتنی ہی نعمتیں تجھ سے حاصل کیں۔ پس اب تیری محبت ہی میری خواہش، میرا مقصود اور میرے جلتے ہوئے دل کی آنکھ کا نور ہے، میں جب تک زندہ رہوں، مجھے کوئی چین و سکون نہیں۔ رات کی تاریکی میں بھی میری امید صرف تو ہی تو ہے۔ اے میرے دل کی امید! اب اگر تو مجھ سے راضی ہوگیا تو میں بھی خود کو سعادت مند سمجھوں گی۔''

خدا کی زمیں بہت وسیع ہے

حضرت سیّدنا سعید بن عثمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کے ساتھ اس چٹیل میدان سے گزر رہا تھا جہاں بنی اسرائیل ایک عرصے تک حیران و سرگرداں بھٹکتے پھرتے رہے۔ وہاں ہم نے کسی انسان کو آتے دیکھا۔ میں نے عرض کی: ''اے میرے استاذ محترم! کوئی شخص آرہا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جاؤ! دیکھو! کون ہے، یہاں تو کوئی صدیق ہی آسکتا ہے؟'' میں نے دیکھا تو وہ کوئی عورت تھی۔ آپ نے فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم! یہ تو کوئی صدیقہ ہے۔'' چنانچہ، آپ رحمۃ اللہ علیہ جلدی سے اس کے پاس گئے، اور سلام پیش کیا تو کہنے لگی: ''مردوں کو کیا ہوگیا ہے کہ عورتوں کو مخاطب کرتے ہیں؟'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں آپ کا بھائی ذوالنون ہوں، تہمت والوں میں سے نہیں ہوں۔'' تو اس نے کہا: ''خوش آمدید! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار فرمایا: ''آپ کو اس ویرانے میں آنے پر کس نے ابھارا؟'' انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان نے:

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ (پ۵، النسآء: ۹۷)

کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''محبت الٰہی عزوجل کے بارے میں کچھ بیان کیجئے؟'' تو وہ کہنے لگیں: ''سبحان اللہ تعالیٰ! آپ اس کو خوب جانتے ہیں، خود معرفت کی زبان میں کلام کرتے ہیں پھر بھی اس کے متعلق مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔''

''اے میرے مالک و مولیٰ عزوجل! میں تجھ سے شدید محبت کرتی ہوں کیونکہ تو ہی اس کا حق رکھتا ہے۔ محبت ایسا ذکر ہے جو تیرے علاوہ سب سے بے خبر کر دیتا ہے تو ہی محبت کا اہل ہے لہٰذا میرے سامنے سے پردے اٹھا دے تاکہ میں تیرا دیدار کرسکوں۔ میرے نزدیک ادھر ادھر کی چیزوں کی کوئی تعریف نہیں بلکہ ہر چیز میں تیری حمد و ثناء ہے۔'' پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

يَا حَبِيْبَ الْقَلْبِ مَالِيْ سِوَاكَا ۔۔۔ فَارْحَمِ الْيَوْمَ مُذْنِبًا قَدْ اَتَاكَا

يَا رَجَائِيْ وَرَاحَتِيْ وَسُرُوْرِيْ ۔۔۔ قَدْ اَبَى الْقَلْبُ اَنْ يُّحِبَّ سِوَاكَا

ترجمہ: اے دل کے دوست! تیرے سوا میرا کوئی نہیں، اپنی بارگاہ میں حاضر اس گنہگار پر رحم فرما، اے میری امید، میری راحت اور اے میرے سرور! دل نے تیرے سوا کسی اور سے محبت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

چار سوالات

منقول ہے کہ جب حضرت سیّدہ رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو حضرت سیّدنا حسن بصری علیہ الرحمۃ نے اپنے چند احباب کے ساتھ ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت دے دی اور ایک پردہ درمیان میں حائل کر کے اس کے پیچھے بیٹھ گئیں۔ حضرت سیّدنا حسن بصری علیہ الرحمۃ کے دوستوں نے استفسار کیا: ''آپ کے شوہر انتقال فرما چکے ہیں، لہٰذا اب آپ کو نکاح کر لینا چاہئے۔'' حضرت سیّدنا رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: ''میں تمہاری رائے کا احترام کرتے ہوئے بڑی محبت و عزت سے نکاح کرلوں گی، لیکن مجھے یہ بتائیے کہ آپ میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تاکہ میں اس سے نکاح کردوں۔'' وہ بولے: ''حضرت سیّدنا حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ)۔'' پھر کہنے لگیں: ''اگر آپ میرے چار سوالات کے جوابات دے دیں تو میں آپ سے نکاح کرلوں گی۔'' حضرت سیّدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''پوچھو، اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو جواب دوں گا۔''

چنانچہ، انہوں نے درج ذیل سوالات کئے:

Scanned with CamScanner

(۱)...... فقیہہ عالم کیا کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گی تو کیا دنیا سے مسلمان جاؤں گی یا کافر؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا: ''یہ تو غیب ہے، جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

(۲)...... جب مجھے قبر میں رکھا جائے گا اور منکر نکیر سوالات کریں گے تو میں جوابات دے پاؤں گی یا نہیں؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یہ بھی غیب ہے۔''

(۳)...... جب لوگ قیامت میں اٹھیں گے، اور اعمال نامے کھول کر بعضوں کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بعضوں کے بائیں ہاتھ میں، تو کیا میرا نامۂ اعمال مجھے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا یا الٹے میں؟ تو حضرت سیّدنا حسن بصری علیہ الرحمۃ نے پھر یہی جواب دیا کہ ''یہ بھی غیب ہے۔''

(۴)...... جب تمام مخلوق میں سے ہر جنتی اور دوزخی گروہ کو پکارا جائے گا اور بلایا جائے گا تو میں کس گروہ میں سے ہوں گی؟ تو اس کے جواب میں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا: ''یہ بھی غیب ہے، اور غیب کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔''

اس کے بعد حضرت سیّدہ رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے ارشاد فرمایا: ''جب معاملہ ایسا ہے (یعنی جب دنیا سے مسلمان رخصت ہونے، نکیرین کے سوالات کے جوابات دینے، نامۂ اعمال کے دائیں ہاتھ میں ملنے اور جنتی گروہ میں شامل ہونے کا علم نہیں) تو میں اس کی وجہ سے سخت پریشان و مضطرب ہوں لہٰذا مجھے کیسے شوہر کی حاجت ہو سکتی ہے اور کیسے اس کے لئے فارغ وقت نکال سکتی ہوں۔'' (الروض الفائق)

(۳۳)

صندوق میں سامان راحت و سکون

قرآن مجید میں تابوت سکینہ کا ذکر ہے، اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں: یہ شمشاد کی لکڑی کا ایک صندوق تھا جو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ یہ آپ کی زندگی کے آخر تک آپ کے پاس ہی رہا۔ پھر بطور میراث یکے بعد دیگرے آپ کی اولاد کو ملتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد بنی اسرائیل کے قبضے میں رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مل گیا تو آپ اس میں تورات شریف اور اپنا خاص خاص سامان رکھنے لگے۔

یہ بڑا ہی مقدس اور بابرکت صندوق تھا۔ بنی اسرائیل جب کفار سے جہاد کرتے تھے اور بنی اسرائیل جب کفار کے لشکروں کی کثرت اور ان کی شوکت دیکھ کر سہم جاتے اور ان کے سینوں میں دل دھڑکنے لگتے تو وہ اس صندوق کو اپنے آگے رکھ لیتے تھے' اس صندوق سے ایسی رحمتوں اور برکتوں کا ظہور ہوتا تھا کہ مجاہدین کے دلوں میں سکون و اطمینان کا سامان پیدا ہو جاتا تھا اور مجاہدین کے سینوں میں لرزتے ہوئے دل پتھر کی چٹانوں سے زیادہ مضبوط ہو جاتے تھے اور جس قدر صندوق آگے بڑھتا تھا آسمان سے ''نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ'' کی بشارت عظمیٰ نازل ہوا کرتی اور فتح مبین حاصل ہو جایا کرتی تھی اور جب بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پیدا ہوتا تھا تو لوگ اسی صندوق سے فیصلہ کراتے تھے اور اس صندوق سے فیصلہ کی آواز اور فتح کی بشارت سنی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل اس صندوق کو اپنے

Scanned with CamScanner

آگے رکھ کر اور اس کو وسیلہ بنا کر دعائیں مانگتے تھے تو ان کی دعائیں مقبول ہوتی تھیں اور بلاؤں کی مصیبتیں اور وباؤں کی آفتیں ٹل جایا کرتی تھیں۔ الغرض یہ صندوق بنی اسرائیل کے لئے تابوت سکینہ اور برکت و رحمت کا خزانہ تھا اور نصرت خداوندی کے نزول کا نہایت مقدس اور بہترین ذریعہ تھا، مگر جب بنی اسرائیل طرح طرح کے گناہوں میں ملوث ہو گئے اور ان لوگوں میں معاصی و طغیان اور سرکشی و عصیان کا دور دورہ ہو گیا تو ان کی بداعمالیوں کی نحوست سے ان پر خدا کا یہ غضب نازل ہو گیا کہ قوم عمالقہ کے کفار نے ایک لشکر جرار کے ساتھ ان لوگوں پر حملہ کر دیا اور ان کافروں نے بنی اسرائیل کا قتل عام کر کے ان کی بستیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر سارے شہر کو تہس نہس کر ڈالا اور اس متبرک صندوق کو بھی اٹھا کر لے گئے اور اس مقدس تبرک کو نجاستوں کے کوڑے خانہ میں پھینک دیا لیکن اس بے ادبی کا قوم عمالقہ پر یہ وبال پڑا کہ یہ لوگ طرح طرح کی بیماریوں اور بلاؤں کے ہجوم میں جھنجھوڑ دیئے گئے۔ چنانچہ قوم عمالقہ کے پانچ شہر بالکل برباد اور ویران ہو گئے یہاں تک کہ ان کافروں کو یقین ہو گیا کہ یہ صندوق رحمت کی بے ادبی کا عذاب ہم پر پڑ گیا ہے تو ان کافروں کی آنکھیں کھل گئیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس مقدس صندوق کو ایک بیل گاڑی پر لاد کر بیلوں کو بنی اسرائیل کی بستیوں کی طرف ہانک دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چار فرشتوں کو مقرر فرما دیا جو اس مبارک صندوق کو بنی اسرائیل کے نبی حضرت شمویل علیہ السلام کی خدمت میں لائے۔ اس طرح پھر بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی نعمت دوبارہ ان کو مل گئی اور یہ صندوق ٹھیک اس وقت حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس پہنچا جب کہ حضرت شمویل علیہ السلام نے طالوت کو بادشاہ بنا دیا تھا اور بنی اسرائیل طالوت کی بادشاہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے اور یہی شرط ٹھہری تھی کہ مقدس صندوق آ جائے تو ہم طالوت کی بادشاہی تسلیم کر لیں گے۔ چنانچہ صندوق آ گیا اور بنی اسرائیل طالوت کی بادشاہی پر رضامند ہو گئے۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۸۶ و صاوی ج ۱ ص ۲۰۱)

تابوتِ سکینہ میں کیا تھا؟

اس مقدس صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کی مقدس جوتیاں اور حضرت

ہارون علیہ السلام کا عمامہ، حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی، توارات کی تختیوں کے چند ٹکڑے، کچھ من وسلویٰ۔ اس کے علاوہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی صورتوں کے حلیے وغیرہ سب سامان تھے۔ (جلالین، روح البیان، صاوی وغیرہ)

قرآن مجید میں خداوند قدوس نے سورہ بقرہ میں اس مقدس صندوق کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (البقرہ، رکوع ۳۲)

اور ان کے نبی (حضرت شمویل علیہ السلام) نے فرمایا: اس (طالوت) کی بادشاہی کا نشان یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے دلوں کا چین اور حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے کچھ تبرکات ہیں۔ فرشتے اس صندوق کو اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو!

تبرکات و مزارات

بنی اسرائیل کی صندوق کے اس واقعہ سے چند مسائل و فوائد پر روشنی پڑتی ہے۔ جو یاد رکھنے کے قابل ہے!

(۱) معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی خداوند قدوس کے دربار میں بڑی عزت و عظمت ہے اور ان کے ذریعہ مخلوق خدا کو بڑے بڑے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ دیکھ لو! اس صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں، آپ کا عصا، اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی تھی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ صندوق اس قدر مقبول اور مکرم و معظم ہو گیا کہ فرشتوں نے اس کو اپنے نورانی کندھوں پر اٹھا کر حضرت شمویل علیہ السلام کے دربار نبوت میں پہنچایا اور خداوند قدوس نے قرآن مجید میں اس بات کی شہادت دی کہ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ

Scanned with CamScanner

اس صندوق میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ یعنی مومنوں کے قلوب کا اطمینان، اوران کی رُوحوں کی تسکین کا سامان تھا۔ مطلب یہ کہ اس پر رحمت الٰہی کے انوار و برکات کا نزول اوراس پر رحمتوں کی بارش ہوا کرتی تھی، تو معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات جہاں اور جس جگہ بھی ہوں گے ضرور ان پر رحمت خداوندی کا نزول ہوگا اوراس پر نازل ہونے والی رحمتوں اور برکتوں سے مومنین کو سکون قلب اوراطمینان روح کے فیوض و برکات ملتے رہیں گے۔

(۲) جس صندوق میں اللہ والوں کے لباس وعصا اور جوتیاں ہوں جب اس صندوق پر اطمینان کا سکینہ اور انوار و برکات کا خزینہ خدا کی طرف سے اترنا قرآن سے ثابت ہے تو بھلا جس قبر میں ان بزرگوں کا پورا جسم رکھا ہوگا کیا ان قبروں پر رحمت و برکت اور سکینہ و اطمینان نہیں اترے گا؟ ہر وہ عاقل انسان جس کو خداوند عالم نے ظاہری بصارت کے ساتھ ساتھ ایمانی بصیرت بھی عطا فرمائی ہے وہ ضرور اس بات پر ایمان لائے گا، جب بزرگوں کے لباس اوران کی جوتیوں پر سکینہ رحمت کا نزول ہوتا ہے تو ان بزرگوں کی قبروں پر بھی رحمتوں کی بارش ہوتی ہے، لہٰذا جو مسلمان ان مقدس قبروں کے پاس حاضر ہوگا ضرور اس پر بھی بارش انوار ورحمت کے چند قطرات برس ہی جائیں گے کیونکہ جو موسلا دھار بارش میں کھڑا ہوگا ضرور اس کا کپڑا اور بدن بھیگے گا۔ جو دریا میں غوطہ لگائے گا ضرور اس کا بدن پانی سے تر ہوگا۔ جو عطر کی دکان پر بیٹھے گا ضرور اس کی خوشبو نصیب ہوگی۔ تو ثابت ہوگیا کہ جو بزرگوں کی قبروں پر حاضری دیں گے ضرور وہ فیوض و برکات کی دولتوں سے مالا مال ہوں گے اور ضرور ان پر خدا کی رحمتوں کا نزول ہوگا جس سے ان کے مصائب و آلام دفع ہوں گے اور دین ودنیا کے فوائد و منافع حاصل ہوں گے!

(۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ بزرگوں کے تبرکات یا ان کی قبروں کی اہانت و بے ادبی کریں گے وہ ضرور ضرور قہر قہار اور غضب جبار میں گرفتار ہوں گے قوم عمالقہ، جنہوں نے اس صندوق کی بے ادبی کی تھی ان پر ایسا قہر الٰہی کا پہاڑ ٹوٹا کہ وہ بلاؤں کے ہجوم سے بلبلا اٹھے اور کافر ہوتے ہوئے انہوں نے اس بات کو مان لیا کہ ہم پر بلاؤں اور وباؤں کا حملہ

اسی صندوق کی بے ادبی کی وجہ سے ہوا ہے۔ چنانچہ اسی لئے ان لوگوں نے اس مقدس صندوق کو بیل گاڑی پر لاد کر بنی اسرائیل کی بستی میں بھیج دیا تا کہ وہ لوگ غضب الٰہی کی بلاؤں کے پنجۂ قہر سے نجات پالیں۔

(۴) جب اس صندوق کی برکت سے بنی اسرائیل کو جہاں میں فتح مبین ملتی تھی تو ضرور بزرگوں کی قبروں سے بھی مومنین کی مشکلات دفع ہوں گی اور مرادیں پوری ہوں گی کیونکہ ظاہر ہے کہ بزرگوں کے لباس سے کہیں زیادہ اثر رحمت بزرگوں کے بدن میں ہوگا!

(۵) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قوم سرکشی اور عصیان کے طوفان میں پڑ کر اللہ ورسول کی نافرمان ہو جاتی ہے اس قوم کی نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے پڑھ لیا کہ جب بنی اسرائیل سرکش ہو کر خدا کے نافرمان ہو گئے اور قسم قسم کی بدکاریوں میں پڑ کر گناہوں کا بھوت اُن کے سروں پر عفریت بن کر سوار ہو گیا تو ان کے جرموں کی نحوستوں نے انہیں یہ برا دن دکھایا کہ صندوق سکینہ ان کے پاس سے قوم عمالقہ کے کفار اٹھالے گئے اور بنی اسرائیل کئی برسوں تک اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہو گئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Scanned with CamScanner

(۳۴)

شراب کے رسیا کو جہاد کا شوق

ابو مجن ثقفی: عمرو بن حبیب بن عمر مشہور شاعر تھے، شراب کے پکے رسیا تھے، اسی لئے حضرت عمر فاروق ؓ نے انہیں قید کر دیا تھا، بڑے دلاور اور کریم تھے، وفات سے پہلے شراب نوشی سے توبہ کر لی تھی، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے جان لڑا دیتے تھے، کہا گیا ہے کہ ان کی وفات آذربائی جان میں ہوئی، بعض علماء نے کہا: جرجان میں فوت ہوئے۔

ان کا واقعہ یہ ہے کہ یہ میدان جنگ کے مایۂ ناز شہسوار تھے لیکن شراب ان کی کمزوری تھی۔ وہ شراب کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے کئی دفعہ ان پر شراب کی حد جاری کی، لیکن وہ اس سے قطع تعلق نہ کر سکے۔ آخر حضرت فاروق اعظم ؓ نے فیصلہ کیا کہ انہیں جلاوطن کر کے ایک سمندری جزیرے میں بھیج دیا جائے۔

ابو مجن بڑی عظمت و رفعت کے مالک تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جنہیں قید یا جلاوطن کیا جائے۔ انہیں یہ فیصلہ بہت گراں گزرا، انہوں نے راہِ فرار اختیار کی اور حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کے پاس (قادسیہ) پہنچ کر طے کیا کہ جام شہادت نوش کرنے تک اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کروں گا۔ انہیں یہ صورت، جلاوطنی کی ذلت سے بہتر دکھائی دی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے (بلکہ یہ واقعہ بیان فرمانے والے شیخ فرفور نے خود ہی کہا ہے):

مَهْلًا اُخَيَّ فَمَا بِالْمَوْتِ مِنْ حَرَجٍ
اِنْ كَانَ يَعْرُوْ حَيَاةَ الْمَرْءِ اِذْلَالُ

''اے میرے بھائی! ٹھہر جا اگر انسان کی زندگی پر ذلت چھا رہی ہو تو مرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' (یعنی گیدڑ کی زندگی سے شیر کی موت بہتر ہے)

آزاد اور خوددار مسلمان دل کی گہرائی سے چاہتا ہے کہ اپنے دین اور وطن کا دفاع کرے۔ ابو مجن اس سے پہلے چوری چھپے شراب پینے کی لذت میں گرفتار تھے! اب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جام شہادت نوش کرنے کے شوق سے سرشار ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ ابو مجن کی دلاوری، پیش قدمی، میدان جنگ میں جہاد کے فطری شوق اور شہسواری کے ساتھ تیراندازی کے لگاؤ کو بخوبی جانتے تھے اور ان کا موجودہ ابتلا بھی ان کے سامنے تھا۔ اس لئے جب انہیں ابو مجن کے فرار کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: ابو مجن اس لئے بھاگے ہیں کہ وہ اپنی سزا کی مدت دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے گزار دیں۔ وہ سعد بن ابی وقاص کے پاس جائیں گے اور وہاں جنگ اور تیراندازی میں حصہ لے کر اپنے دل کا شوق پورا کریں گے۔ انہوں نے حضرت سعد کو پیغام بھیجا:

''اگر ابو مجن آپ کے پاس آئیں تو انہیں گرفتار کر کے اپنے پاس قید کر لیں۔''

ادھر ابو مجن حضرت سعد کے لشکر میں پہنچے، ادھر حضرت فاروق اعظم ؓ کا حکم نامہ بھی پہنچ گیا۔ حضرت سعد نے حضرت فاروق اعظم ؓ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ابو مجن کو گرفتار کر کے اپنے خیمے میں قید کر دیا۔

صبح ہوئی تو ابو مجن نے گھوڑوں کی آوازیں اور تلواروں کی جھنکاریں سنیں۔ مجاہدین کو نعرے لگاتے ہوئے سنا: **وامحمداہ وامحمداہ** ...... یارسول اللہ، یارسول اللہ! تو ان کا دل شوق جہاد سے تڑپ اٹھا اور سینہ جذبۂ جہاد سے لبریز ہو گیا۔ وہ کسی ڈسے ہوئے دکھی کی طرح رو رہے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے:

کیا میرا عورتوں کے درمیان عورتوں کی طرح قید ہو کر بیٹھے رہنا صحیح ہے؟ جب کہ شہسوار گھوڑوں کی پشتوں پر سوار ہو کر اپنا دلی مقصد فتح یا شہادت حاصل کر رہے ہیں۔ تف

Scanned with CamScanner

ہے بزدل پر، افسوس ہے بزدل پر۔ اللہ کرے کہ بزدلوں کی آنکھیں نیند آشنا نہ ہوں۔ اللہ کی قسم! میں بھاگ کر میدان جنگ میں اس لئے آیا تھا کہ اپنے مجاہد بھائیوں کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا اور رب کائنات سے انعام شہادت حاصل کروں گا لیکن مجھے ان سب چیزوں سے روک دیا گیا ہے اور ایک عورت کی طرح عورتوں کے پہلو بہ پہلو خیمے میں بند کر دیا گیا ہے۔ حیف ہے اس زندگی پر۔ نفرین ہے اس جینے پر۔

کیا نبی پاک ﷺ کا پروردہ، تہلکہ خیز بہادر اور صف شکن شہسوار ایسے خوفناک موقع پر اپنے اوپر ضبط کا بندھن باندھ سکتا ہے؟ اور یہ سب کچھ دیکھ سن کر برداشت کر سکتا ہے؟

ہاں ہاں! جب انہوں نے دیکھا کہ قادسیہ کے میدان میں جنگ پورے زور و شور سے جاری ہے اور اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں تو انہیں جام دینا یاد رہا، نہ ساقی اور صحن گلستاں۔ ان پر تو ایک جنون سوار ہو گیا۔ ان کی عقل جواب دے گئی اور ان کا دل قابو سے باہر ہو گیا۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں؟ اور کیا کہیں؟

اسی اثناء میں روتے اور بلکتے ہوئے حضرت سعد کی اہلیہ محترمہ کو مخاطب کیا اور حالت یہ تھی کہ آنسوان کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ کہنے لگے: سلمیٰ! کیا آپ نیکی کا ایک عظیم کام کرنا چاہتی ہیں؟ ایسا کام جس پر آپ کو دنیا و آخرت میں اجر و ثواب ملے گا۔

انہوں نے کہا: ابو محجن! فرمائیے وہ کون سا کام ہے؟

ان کا خیال تھا کہ شاید وہ کھانے پینے کی فرمائش کریں گے۔ لیکن وہ بولے:

اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے محبت رکھتی ہیں تو مجھے رہا کر دیں اور حضرت سعد کا چتکبرا گھوڑا مجھے عاریتاً دے دیں پھر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اشکبار آنکھوں سے کہنے لگے:

سلمیٰ! میں اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد کرتا ہوں کہ اگر میرے رب نے مجھے محفوظ رکھا تو میں واپس آ کر دوبارہ اپنے پاؤں میں بیڑیاں پہن لوں گا۔

حضرت سلمیٰ نے ان کی بات نہ مانی اور دل میں کہنے لگیں: ممکن ہے یہ پہلے کی طرح پھر راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہوں۔ حضرت سعد انہیں میرے پاس بطور امانت چھوڑ گئے ہیں۔ انہیں کیا جواب دوں گی؟

ابو محجن نے بڑا اصرار کیا، لیکن سلمیٰ نہیں مانیں۔ انہوں نے ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے اور آنکھوں سے سیل اشک بہاتے ہوئے درج ذیل اشعار پڑھے، جو سلمیٰ نے بھی سنے:

كَفٰى حَزَنًا اَنْ تَرْتَدِى الْخَيْلُ بِالْقَنَا
وَاُتْرَكَ مَشْدُوْدًا عَلَىَّ وَثَاقِيَا

غم زدہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ گھوڑوں پر نیزوں کی چادر تنی ہوئی ہو اور مجھے سخت بندشوں میں باندھ کر ڈال دیا گیا ہو۔

اِذَا قُمْتُ عَنَّانِى الْحَدِيْدُ وَ غُلِّقَتْ
مَصَارِيْعُ مِنْ دُوْنِىْ تُصِمُّ الْمُنَادِيَا

جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو لوہے کی بیڑیاں مجھے تکلیف دیتی ہیں اور میرے آگے کواڑ بند کر دیے گئے ہیں، جو پکارنے والے تک میری آواز پہنچنے نہیں دیتے۔

وَقَدْ كُنْتُ ذَا مَالٍ كَثِيْرٍ وَ اِخْوَةٍ
فَقَدْ تَرَكُوْنِىْ وَاحِدًا لَّا اَخَالِيَا

میں بڑے مال کا مالک تھا، میرے بھائی بھی تھے، لیکن انہوں نے مجھے اس طرح تنہا چھوڑ دیا جیسے میرا کوئی بھائی ہی نہ ہو۔

حَبِيْسًا عَنِ الْحَرْبِ الْعَوَانِ وَقَدْ بَدَتْ
وَاَعْمَالُ غَيْرِىْ يَوْمَ ذَاكَ الْمُنَادِيَا

''جنگ اپنے جوبن پر اور ظاہر و باہر ہے۔ مجھے اس سے روک دیا گیا ہے، میرے سوا دوسروں کے اعمال مشہور و معروف ہیں۔''

وَلِلّٰهِ عَهْدٌ لَّا اَخِيْسُ بِعَهْدِهٖ
لَئِنْ فُرِجَتْ اَلَّا اَزُوْرَ الْحَوَانِيَا

''میرا اللہ تعالیٰ سے وعدہ ہے اور میں اس وعدے کو نہیں توڑوں گا اگر اس

جنگ میں فتح حاصل ہوگئی تو میں شراب کی دکانوں کا رخ نہیں کروں گا۔''

یہ اشعار سن کر حضرت سلمٰی پر رقت طاری ہوگئی۔ کہنے لگیں: اے ابو محجن! آپ کو کیوں قید کیا گیا ہے؟ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے حرام کھانے یا پینے کی بنا پر قید نہیں کیا گیا۔ میں دور جاہلیت میں شراب کا رسیا تھا۔ میں نے دو شعر کہے جن کی بنا پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے قید کر دیا۔ حضرت سلمٰی نے پوچھا: وہ کون سے شعر ہیں؟ کہنے لگے:

اِذَا مُتُّ فَادْفِنِّیْ اِلٰی اَصْلِ کَرْمَۃٍ
تُرَوِّیْ عِظَامِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ عُرُوْقُھَا

''جب میں مر جاؤں تو مجھے انگور کی بیل کی جڑ کے پاس دفن کرنا، میری موت کے بعد اس کی جڑیں میری ہڈیوں کو سیراب کرتی رہیں گی۔''

وَلَا تَدْفِنَنِّیْ بِالْفَلَاۃِ فَاِنَّنِیْ
اَخَافُ اِذَا مَامُتُّ اَنْ لَّا اَذُوْقُھَا

''مجھے جنگل میں دفن نہ کرنا، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میں مرنے کے بعد اسے چکھ نہیں سکوں گا۔''

حضرت سلمٰی نے جب دیکھا کہ جنگ میں شریک نہ ہونے کا انہیں سخت صدمہ ہے اور فضیلت جہاد سے محروم ہونا ان کے لئے دکھ کا باعث ہے تو ان کا دل بھی نرم ہوگیا۔ کہنے لگیں: ''ابو محجن! میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا ہے۔ میں آپ کے پاس عہد پر راضی ہوں کہ آپ اپنی جگہ پر واپس لوٹ آئیں گے۔''۔

یہ سن کر ابو محجن اتنے خوش ہوئے جیسے فضائے بسیط میں پرواز کر رہے ہوں اور پوری دنیا کے مالک بن گئے ہوں۔ حضرت سعد کا گھوڑا لیا اور ان کی زرہ زیب تن کر کے دشمن کے لشکر پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کی صفیں الٹ دیں۔ مجاہدین حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کون ہے؟ حضرت سعد نے انہیں پہچان لیا، اس کے باوجود انہیں مسلمانوں کی فوج کے ساتھ داد شجاعت دینے کا موقع دیا۔ اسی دن شام کے وقت حضرت سعد اپنے مجاہد ساتھیوں کی خیریت دریافت کر رہے تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا

کہ ابو محجن شراب پی رہے ہیں اور گا رہے ہیں۔ اس عظیم مجاہد اور شہسوار کے دوبارہ پہانی معصیت میں مبتلا ہونے پر حضرت سعد جلال میں آگئے اور فرمایا: او اپنی جان کے دشمن! تمہارا ثواب برباد ہوگیا۔ تیری پیش قدمی ناقص ہوئی۔ کافروں سے جہاد کرنے کے بعد تم اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دے رہے ہو؟ کیا تم اپنے لئے اس گھٹیا حرکت کو پسند کرتے ہو؟ پھر انہیں شراب پینے پر حد لگائی اور قید کر کے ان پر پہرہ لگا دیا۔ دوسرے دن ایرانیوں کے کمانڈر رستم نے جنگ کا آغاز کرتے ہوئے چیلنج کیا کہ ہے کوئی میرے مقابل آنے والا؟ یکے بعد دیگرے تین شہسوار اس کے مدمقابل آئے اور اس کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ حضرت قعقاع نے ارادہ کیا کہ وہ خود اس کا مقابلہ کریں۔ اچانک ایک شہسوار آندھی اور طوفان کی طرح رستم کی طرف بڑھا اور اتنی گرجدار آواز کے ساتھ رستم کو للکارا کہ وہ دہشت زدہ ہوگیا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ آنے والے شہسوار کا نیزہ اس کے ایک پہلو میں پیوست ہو کر دوسری طرف نکل گیا۔ حضرت سعد نے اس شہسوار کے بارے میں پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ ابو محجن ثقفی ہیں۔ آپ پلٹ کر اپنے خیمے میں گئے تو دیکھا کہ وہ خیمے میں موجود ہیں اور بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈال چکے ہیں۔ حضرت سعد نے فرمایا: جب یہ تمہارا انداز ہے تو میں نے تمہیں معاف کیا۔ (یعنی قید ختم) ابو محجن نے کہا:

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ اس شراب خانہ خراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس وعدے پر ثابت قدمی عطا فرمائی۔ ان کا حال درست فرما دیا اور ان کا خاتمہ قابل صد رشک ہوا۔ (فتوح الشام۔ واقدی۔ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

حضرت سعد اور قعقاع کا تعارف

اس واقعہ میں حضرت سعد اور حضرت قعقاع کا ذکر ہے ان کا مختصر تعارف یہ ہے کہ حضرت سعد بن مالک بن ابی وقاص انصاری عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، ان دس حضرات میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب سے پہلے تیر چلانے والے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو چھ حضرات کا بورڈ مقرر کیا تھا حضرت سعد بھی اس کے ممبر تھے، عراق

Scanned with CamScanner

آپ کی کمان میں فتح کیا گیا، حضرت عمر فاروق ؓ کی طرف سے آپ کوفہ کے گورنر تھے اور آپ ہی نے کوفہ بسایا تھا، آپ مشہور مستجاب الدعوات تھے، جب حضرت سعد حاضر ہوتے تو نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے: یہ ہمارے ماموں ہیں، کوئی شخص ہمیں (ان جیسا) اپنا ماموں تو دکھائے، تاریخ اسلام میں کسی مشرک کا پہلا خون جو بہایا گیا تو وہ ایک مشرک کا خون تھا جسے حضرت سعد نے اونٹ کا جبڑا مار کر زخمی کیا تھا، نبی اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! جب سعد تیری بارگاہ میں دعا کریں تو ان کی دعا قبول فرما، تو آپ جو بھی دعا مانگتے تھے قبول ہوتی تھی، ۵۱ھ میں اور بعض علماء نے کہا: اس کے بعد آپ کی رحلت ہوئی، ؓ۔

جبکہ حضرت قعقاع ابن عمرو تمیمی حضرت عاصم کے بھائی تھے، شہرہ آفاق بہادر اور شہسوار تھے، حضرت ابوبکر صدیق ؓ فرمایا کرتے تھے کہ لشکر میں قعقاع کی آواز ہزار مردوں سے بہتر ہے، نبی اکرم ﷺ نے حضرت قعقاع ؓ کو فرمایا: آپ نے جہاد کے لئے کیا تیار کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور گھوڑا، فرمایا: یہ تیاری کی انتہا ہے، دمشق اور اکثر عراق کی فتوحات میں شریک ہوئے، حضرت ابوبکر صدیق ؓ فرمایا کرتے تھے، وہ لشکر مغلوب نہیں ہوسکتا جس میں قعقاع جیسے لوگ موجود ہوں، نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے وقت حاضر تھے، حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے سب سے بڑے ہاتھی کا ہونٹ کاٹا تھا، جس کے بعد ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ ؓ۔ (اصابہ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

(۳۵)

میں نے تمہارے گناہ معاف کردیئے

حاطب بن ابی بلتعہ لخمی ؓ مشہور صحابی ہیں۔ آپ ان بہادر صحابہ کرام میں سے ہیں جنہوں نے جنگ بدر کبریٰ میں شرکت کی۔ آپ رسول اکرم ﷺ کے سفیر بھی تھے۔ تیر اندازی میں اس قدر ماہر تھے کہ نشانہ خطا نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی وفات پینسٹھ (65) سال کی عمر میں خلافت عثمان ؓ میں ہوئی۔

ابوعمرو بن صیفی بن ہشام بن عبد مناف کی لونڈی سارہ مکہ مکرمہ سے چل کر مدینہ منورہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہ اس دن کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ مکہ پر لشکر کشی کی تیاری کر رہے تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا: اے سارہ! کیا تو ہجرت کر کے آئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تو مسلمان بن کر آئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔

آپ نے فرمایا: پھر کیوں آئی ہو؟

اس نے جواب دیا: آپ لوگ اہل وعیال، خاندان اور غلاموں والے تھے۔ چونکہ مجھے شدید حاجت لاحق ہوئی، اس لیے میں آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوگئی تاکہ مجھے کچھ عطیہ مل جائے اور زیب تن کرنے کے لیے کپڑوں کا بندوبست ہوجائے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا: اہل مکہ کے نوجوان تیرے درد کا مداوا نہیں بن سکے؟ یہ لونڈی مغنیہ (گانے والی) تھی، اس لیے آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس نے

Scanned with CamScanner

عرض کی: جنگ بدر کے بعد مجھے گھاس نہیں ڈالی گئی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام کو اس لونڈی کے لیے عطیات دینے پر ابھارا۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے عطیات سے نوازا اور اس کے لیے کپڑے مہیا کیے۔

اس کے بعد حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اس لونڈی کے پاس آئے۔ یہ حاطب بن ابی بلتعہ بھی ان قلیل حضرات میں سے ایک تھے جن کو رسول اکرم ﷺ کے توریہ (جنگی نقل و حرکت) کا علم ہوتا تھا، چنانچہ انہوں نے اس لونڈی (سارہ) کو اہل مکہ کے لیے ایک راز دارانہ خط دیا اور اس ڈاک کو منزل تک پہنچانے کے لیے دس دینار اور کچھ چادریں پیش کیں۔ سارہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی پیشکش قبول کر لی اور خط لے لیا۔ خط کا عنوان کچھ اس طرح تھا:

(مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُكُمْ فَخُذُوْا حِذْرَكُمْ)

''حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے باشندگان مکہ کے نام!

بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے اوپر چڑھائی کرنے والے ہیں، اس لیے (از راہ ہمدردی میں نے تمہارے پاس یہ راز دارانہ خط بھیجنے کی جرأت کی) تم لوگ اپنے بچاؤ کے لیے ہوشیار ہو جاؤ۔''

سارہ بڑی ہی تیز رفتاری کے ساتھ مکہ کو روانہ ہو گئی۔ شاید وہ اہل قریش سے حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے پیش کردہ رقم سے کچھ زیادہ ہی امید لگائے ہوئے تھی۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے عرش سے فرش پر حضرت جبریل علیہ السلام کو وحی دے کر بھیجا اور انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو حاطب بن ابی بلتعہ کے راز سے آگاہ کر دیا، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ مجلس قائم کی اور یوں مخاطب ہوئے:

''سب سے پہلے حاطب کی طرف سے اہل مکہ کو لکھا گیا خط حاصل کرنا ضروری ہے، پھر حاطب کے لیے سزا تجویز ہوگی کیونکہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کا

راز فاش کرنے کا جرم کیا ہے۔''

پھر رسول اکرم ﷺ نے علی بن ابی طالب، عمار بن یاسر، زبیر بن عوام، طلحہ، مقداد بن اسود اور ابو مرثد لیثی رضی اللہ عنہم کو (سارہ کے پیچھے) روانہ کیا۔ یہ تمام کے تمام شہسوار تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''جاؤ، جب روضہ خاخ (مدینہ سے ہٹ کر ایک جگہ کا نام) پہنچو گے تو وہاں تمہیں ہودج میں سوار ایک عورت ملے گی جس کے پاس مشرکین کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا لکھا ہوا ایک خط ہوگا۔ اس سے خط حاصل کر کے اس کا راستہ چھوڑ دینا' اگر خط تمہارے حوالے کرنے سے انکار کرے تو اس کی گردن مار دینا۔''

شہسواروں کا یہ قافلہ گھوڑوں کو مہمیز لگاتا ہوا اور کوہ و دشت عبور کرتا ہوا عورت سے اسی جگہ جا ملا جس کی خبر رسول اکرم ﷺ نے دی تھی۔ انہوں نے اس عورت سے پوچھا: خط کہاں رکھا ہے؟

عورت نے اللہ کی قسم کھا کر انہیں بتایا کہ میرے پاس کسی قسم کا خط نہیں ہے۔ شہسواروں نے اس کے سامان کی تلاشی لی، لیکن خط نہیں ملا، چنانچہ واپس ہو جانے کا ارادہ کیا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: اللہ کی قسم! رسول اکرم ﷺ نے نہ تو ہمیں جھوٹی خبر دی اور نہ ہمیں جھٹلانا چاہا۔ یہ جملہ کہتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار میان سے کھینچ لی اور لونڈی کو ڈانٹ کر کہا: ''چل خط نکال، ورنہ اللہ کی قسم! میں تجھے ننگا کر کے چھوڑوں گا اور تیری گردن اڑا دوں گا۔''

جب لونڈی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تیور دیکھے تو کہنے لگی: آپ مجھ سے دور ہی رہیں، میں خط دیتی ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے۔ لونڈی نے اپنے کپڑے کی تہہ سے خط نکال کر شہسواروں کے حوالے کیا، چنانچہ انہوں نے اس کی راہ چھوڑ دی۔

یہ لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں واپس آئے تو آپ ﷺ نے حاطب بن ابی

Scanned with CamScanner

بلتعہ کو بلا بھیجا۔ جب وہ رسول اکرم ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تجھے خط کا قصہ معلوم ہے؟''

حاطب نے جواب دیا: ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تجھے اس جرم کے ارتکاب پر کس بات نے آمادہ کیا؟

حاطب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو ترک کرنے کا ارادہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی نہیں آیا اور نہ مشرکین سے جدائی کے بعد ان کی محبت میرے قلب و جگر میں اپنی کوئی جگہ بنا سکی، تاہم چونکہ میں نے دیکھا کہ جتنے بھی مہاجرین ہیں، ان کا کوئی نہ کوئی آدمی مکہ میں موجود ہے جو ان کا دفاع کر سکتا ہے لیکن میں ان کے درمیان اجنبی ہوں جبکہ میرے خاندان والے انہی مشرکین کے درمیان ہیں، اس لیے مجھے اپنے اہل خانہ کے بارے میں خوف لاحق ہوا، چنانچہ میں نے قریش کو یہ مدد پہنچانی چاہی (تاکہ وہ میرے خاندان کی مدافعت کرتے رہیں) اور یہ بھی مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب ضرور مسلط کرے گا اور میرا یہ خط ان کے کچھ کام نہ آسکے گا۔

رسول اکرم ﷺ رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی بات کی تصدیق فرمائی اور انہیں معذور قرار دیا۔

اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جلال آیا اور بول اٹھے: یا رسول اللہ ﷺ! آپ میری راہ چھوڑ دیں، میں اس منافق کی گردن اڑا دیتا ہوں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

(وَمَا يُدْرِيكَ يَا عُمَرُ! فَلَعَلَّ اللّٰهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ لَهُمْ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ)

''اے عمر! تجھے کیا خبر، شاید اللہ نے بدری صحابہ کی طرف جھانک کر فرمایا ہو: تم جو چاہو کرو، میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔''

(فتح الباری لابن حجر۔ تفسیر القرطبی)

(۳۶)

ستار بجانے والی کی توبہ

حضرت سیّدنا صالح مری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جو ستار بجاتی تھی۔ ایک دن وہ کسی قاری قرآن کے پاس سے گزری جو اس آیت مبارکہ کی تلاوت کر رہا تھا: وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ (پ:۱۰، التوبۃ:۴۹)

اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔

آیت مبارکہ سنتے ہی اس نے ستار پھینک دیا، ایک زوردار چیخ ماری اور بیہوش ہو کر زمین پر گر گئی۔ جب افاقہ ہوا تو اس نے ستار کو توڑ دیا اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئی، یہاں تک کہ عبادت کی وجہ سے معروف و مشہور ہو گئی۔ ایک دن میں اس کے پاس گیا، اور اسے کہا: ''اپنے نفس کے لیے نرمی اختیار کرو۔'' تو وہ رونے لگ گئی اور کہنے لگی: ''کاش! مجھے معلوم ہو جائے کہ جہنمی اپنی قبروں سے کیسے نکلیں گے؟ پل صراط کیسے عبور کریں گے؟ قیامت کی ہولناکیوں سے کیسے نجات پائیں گے؟ کھولتے ہوئے گرم پانی کو کیسے گھونٹ گھونٹ کر کے پئیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ڈانٹ کو کیسے سن سکیں گے؟'' پھر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب افاقہ ہوا تو التجا کرنے لگی: ''یا اللہ! میں نے جوانی میں تیری نافرمانی کی اور اب کمزوری کی حالت میں تیری اطاعت کر رہی ہوں، کیا تو میری عبادت قبول فرمالے گا؟''

پھر اس نے ایک آہ سرد دل پر درد سے کھینچی اور کہا: ''آہ! کل قیامت کتنے ہی لوگوں کے عیب کھول دے گی۔'' پھر اس نے ایک چیخ ماری اور آہ و بکا کرنے لگی۔ مجلس کے سبھی لوگ اس کی شدت گریہ و زاری سے بے ہوش ہو گئے۔ (الروض الفائق)

Scanned with CamScanner

(۴۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود لعین کا مناظرہ

نمرود بڑے طنطنے کا بادشاہ تھا سب سے پہلے اسی نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ یہ ولد الزنا اور حرامی تھا۔ اس کی ماں نے زنا کرا لیا تھا جس سے نمرود پیدا ہوا تھا کیونکہ نمرود کی ماں کا شوہر نامرد تھا اس لئے نمرود کی ماں کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ سلطنت کا کوئی وارث پیدا نہ ہوگا تو بادشاہت ختم ہو جائے گی لیکن یہ حرامی لڑکا بڑا ہو کر دنیوی لحاظ سے بہت اقبال مند ہوا اور بہت بڑا بادشاہ بن گیا۔ مشہور ہے کہ پوری دنیا کی بادشاہی صرف چار ہی شخصوں کو ملی جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین تو صاحبان ایمان تھے اور نمرود، بخت نصر یہ دونوں کافر تھے۔ نمرود نے اپنی سلطنت بھر میں یہ قانون نافذ کر دیا تھا کہ اس نے خوراک کی تمام چیزوں کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ یہ صرف ان ہی لوگوں کو خوراک کا سامان دیا کرتا تھا جو لوگ اس کی خدائی کو تسلیم کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے دربار میں غلہ لینے کے لئے تشریف لے گئے تو اس خبیث نے کہا: پہلے تم مجھ کو اپنا خدا تسلیم کرو۔ جبھی میں تم کو غلہ دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھرے دربار میں علی الاعلان فرما دیا کہ تو جھوٹا ہے اور میں صرف ایک خدا کا پرستار ہوں جو وحدہ لاشریک ہے یہ سن کر نمرود آپے سے باہر ہو گیا اور آپ کو دربار سے نکال دیا اور ایک دانہ بھی نہیں دیا۔ آپ اور آپ کے چند متبعین جو مومن تھے بھوک کی شدت سے پریشان ہو کر جان بلب ہو گئے۔ اس وقت آپ ایک تھیلا لے کر ایک ٹیلے

کے پاس تشریف لے گئے اور تھیلے میں ریت بھر کر لائے اور خداوند قدوس سے دعا مانگی تو وہ ریت آٹا بن گئی اور آپ نے اپنے متبعین کو کھلایا اور خود بھی کھایا۔ پھر نمرود کی دشمنی اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے آپ کو آگ میں ڈلوا دیا مگر وہ آگ آپ پر گلزار بن گئی اور آپ سلامتی کے ساتھ اس آگ سے باہر نکل آئے اور علی الاعلان نمرود کو جھوٹا کہہ کر خدائے وحدہ لا شریک کی توحید کا چرچا کرنے لگے۔ نمرود نے آپ کے کلمۂ حق سے تنگ آ کر ایک دن آپ کو اپنے دربار میں بلایا اور حسب ذیل مکالمہ بصورت مناظرہ شروع کر دیا۔

(صاوی ج ا ص ۱۰۹، و جمل ج ا ص ۲۱۰)

''نمرود'' اے ابراہیم! (علیہ السلام) بتاؤ تمہارا رب کون ہے جس کی عبادت کی تم لوگوں کو دعوت دے رہے ہو؟

''حضرت ابراہیم علیہ السلام'' اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو لوگوں کو جلاتا ہے اور مارتا ہے!

''نمرود'' یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ اس وقت اس نے دو قیدیوں کو جیل خانہ سے دربار میں بلوایا۔ ایک کو موت کی سزا ہو چکی تھی اور دوسرا رہا ہو چکا تھا۔ نمرود نے پھانسی پانے والے کو تو چھوڑ دیا اور بے قصور کو پھانسی دے دی اور بولا: دیکھ لو جو مردہ تھا میں نے اس کو جلا دیا اور جو زندہ تھا میں نے اس کو مردہ کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ نمرود بالکل ہی احمق اور نہایت کم عقل آدمی ہے جو ''جلانے اور مارنے'' کا یہ مطلب سمجھ بیٹھا۔ اس لئے آپ نے اس کے سامنے ایک دوسری بہت ہی واضح اور روشن دلیل پیش فرمائی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام'' اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو ایک دن سورج کو مغرب سے نکال دے!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دلیل سن کر نمرود مبہوت و حیران رہ گیا اور کچھ بھی نہ بول سکا۔ اس طرح یہ مناظرہ ختم ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مناظرہ میں فتح مند ہو کر دربار سے باہر تشریف لائے اور توحید الٰہی کا وعظ علی الاعلان فرمانا شروع کر دیا۔ قرآن مجید نے

Scanned with CamScanner

اس مناظرہ کی روئیداد ان لفظوں میں بیان فرمائی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ

(البقرۃ رکوع ۳۵)

(اے محبوب) کیا آپ نے نہ دیکھا اس شخص کو جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے ان کے رب کے بارے میں اس گھمنڈ پر جھگڑا کیا کہ اللہ نے اس کو بادشاہی دی جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرا رب وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ وہ بولا: میں جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔

اللہ کی مدد بہر حال آتی ہے

اس واقعہ سے چند اسباق کی روشنی ملتی ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام خداوند تعالیٰ کی توحید کے اعلان پر پہاڑ کی طرح قائم رہے نہ نمرود کی بے شمار فوجوں سے خائف ہوئے نہ اس کے ظلم و جبر سے مرعوب ہوئے بلکہ جب اس ظالم نے آپ کو آگ کے شعلوں میں ڈلوا دیا اس وقت بھی آپ کے پائے عزم و استقلال میں بال برابر لغزش نہیں ہوئی اور آپ برابر نعرہ توحید بلند کرتے رہے پھر اس بے رحم نے آپ پر دانہ پانی بند کر دیا۔ اس پر بھی آپ کے عزم و استقامت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ پھر اس نے آپ کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور دربار شاہی میں طلب کیا تاکہ شاہی رعب و داب دکھا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مرعوب کر دے لیکن آپ نے بالکل بے خوف ہو کر مناظرہ کا چیلنج قبول فرما لیا اور دربار شاہی میں پہنچ کر ایسی مضبوط اور دنداں شکن دلیل پیش فرمائی کہ نمرود کے ہوش اڑ گئے اور وہ ہکا بکا ہو کر لاجواب اور خاموش ہو گیا اور بھرے دربار

میں اس کلمہ حق کی تجلی ہو گئی جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے والا ہی تھا۔ بالآخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صداقت و حقانیت کا پرچم سر بلند ہو گیا اور نمرود ایک مچھر جیسی حقیر مخلوق سے ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اسوہ حسنہ سے علماء حق کو سبق لینا چاہئے کہ باطل پرستوں کے مقابلہ میں ہر قسم کے خوف و ہراس اور تکالیف سے بے نیاز ہو کر آخری دم تک ڈٹے رہنا چاہئے اور یہ ایمان و یقین رکھنا چاہئے کہ ضرور بالضرور نصرت خداوندی ہماری امداد و دستگیری فرمائے گی اور بالآخر باطل پرستوں کے مقابلہ میں ہم ہی فتح مند ہوں گے اور باطل پرست یقیناً خائب و خاسر ہو کر ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔

(۲) یہ ایمان و عقیدہ مضبوطی کے ساتھ رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم حق پرستوں کو غیب سے روزی کا سامان دے گا کیونکہ ظالم نمرود نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ دینا بند کر دیا اور ملک بھر میں ان کو کہیں سے ایک دانہ بھی نہیں ملا تو اللہ تعالیٰ نے ریت اور مٹی کو ان کے لئے آٹا بنا دیا اور اسلام کے اس عقیدہ کی حقانیت کا سورج چمک اٹھا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ یقیناً روزی دینے والا اللہ ہی ہے جو بڑی مضبوط طاقت و قدرت والا ہے۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ طرز فکر و عمل اور آپ کا یہ اسوہ تمام حق پرست عالموں کے لئے چراغ راہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے والے ضرور بالضرور کامیابی سے ہمکنار ہوں گے یہ وہ تابندہ حقیقت ہے جو آفتاب عالم تاب سے بھی زیادہ تابناک اور روشن ہے۔ سبحان اللہ کس قدر حقیقت افروز ہے یہ شعر

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

(۳۸)

یہ تو سراسر غلامی ہے

حضرت ابوذر غفاریؓ کے اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام جندب اور والد کا نام جنادہ ہے، مشہور صحابی ہیں، سچے اور کھرے لہجے والے اور زاہد تھے، نبی اکرم ﷺ کی معیت میں جہاد کیا، تنہا ہجرت کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، لمبا قد، گندم گوں رنگ اور کمزور جسم رکھتے تھے، ربذہ میں سن ۳۱ھ میں وفات پائی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنے غلام کو سو دینار دے کر حضرت ابوذر غفاریؓ کے پاس بھیجا اور فرمایا: اگر وہ تم سے قبول کر لیں تو تم آزاد ہو۔ غلام خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ وہ اس خیال ہی سے مسرور ہوا جا رہا تھا کہ چند لمحوں کے بعد میری غلامی کا دور ختم ہو جائے گا اور میں بھی آزاد لوگوں کی صف میں شامل ہو جاؤں گا۔ اس نے دینار لے جا کر حضرت ابوذرؓ کی خدمت میں پیش کر دیئے، لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ غلام کو سخت دھچکا لگا، وہ بے ساختہ رونے لگا۔ اس نے منت سماجت کرتے ہوئے عرض کیا: میرے آقا! میری درخواست ہے کہ آپ یہ دینار قبول فرمالیں۔ آپ کے قبول فرمانے کا مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ میں قید بندگی سے رہا ہو جاؤں گا اور آزادی کی نعمت سے سرفراز ہو جاؤں گا۔

غلام کا خیال تھا کہ میرا دکھڑا سن کر حضرت ابوذرؓ پسیج جائیں گے اور دینار قبول کر

لیں گے اور اس طرح مجھے آزادی کا پروانہ مل جائے گا۔ حضرت ابوذرؓ کا دل بھی نہیں چاہتا تھا کہ غلام آزاد کرنے کی فضیلت اور اس پر ملنے والا اجر و ثواب ہاتھ سے جانے دیں لیکن انہیں انجام کار کا ڈر تھا۔ حکمرانوں کے تحائف قبول کرنے کے نتیجے کا خوف تھا۔ وہ جانتے تھے کہ حکمرانوں کے تحفے، حقیقت میں بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ہیں۔ اس لئے دینار قبول نہیں کئے اور غلام کو فرمایا:

غلام! ان دیناروں کے قبول کرنے میں تمہاری آزادی اور میری غلامی مضمر ہے۔ کیا تمہیں آزادی دلا کر خود غلام بن جاؤں؟

غلام پلٹ کر حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا ان کے گوش گزار کر دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ پہلے ہی جانتے تھے کہ حضرت ابوذرؓ حکمرانوں کے تحفے قبول نہیں کرتے۔

یہ تھے دور اول کے مسلمان، جو حکمرانوں اور ان کے تحائف سے گریز کرتے تھے اور زبان حال سے وہی کچھ کہتے تھے جو حضرت عمر فاروقؓ اپنے گورنروں کو فرمایا کرتے تھے: ''تحائف سے بچو، کہ یہ خفیہ رشوت ہے۔''

(صفۃ الصفوۃ، ابن جوزی۔ بتصرف)

(۳۹)

گورنر کا بیٹا کوڑوں کی زد میں

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے قبیلے بنو سہم سے تھا۔ انہوں نے 8 ہجری میں اسلام قبول کیا۔ نبی ﷺ نے انہیں عمان کی طرف روانہ کیا اور ان کی تبلیغ سے وہاں کے حاکم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ وہ بڑے خوش گفتار، شیریں بیاں، خطیب، قادر الکلام، مدبر، سیاستدان اور سپہ سالار تھے۔ ان سے 39 احادیث مروی ہیں۔ انہوں نے تقریباً 42 ہجری میں وفات پائی۔ (اٹلس سیرت نبوی ص 386-385)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر کے حاکم تھے۔ مصر کا ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: (يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَنَا عَائِذٌ بِكَ مِنَ الظُّلْمِ)

''اے امیر المؤمنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ لینے آیا ہوں۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (عُذْتَ مُعَاذًا)

''تم نے ایسے آدمی کی پناہ حاصل کی جو تمہیں پناہ دے سکتا ہے۔''

مصری بولا! میں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا، میں اس سے آگے بڑھ گیا تو وہ مجھے کوڑے سے مارنے لگا اور کہنے لگا: (أَنَا ابْنُ الْأَكْرَمِينَ) میں شریف خاندان کا بیٹا ہوں۔

یہ شکوہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے حاکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ

وہ اپنے بیٹے کے ساتھ تشریف لائیں۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے ساتھ امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا: (أَيْنَ الْمِصْرِيُّ؟) ''مصری کدھر ہے؟''

وہ سامنے آیا تو کہا: (خُذِ السَّوْطَ فَاضْرِبْ) ''یہ کوڑا لے اور مار۔''

امیر المؤمنین کا حکم ملتے ہی مصری عمر بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے پر کوڑا برسانے لگا اور امیر المؤمنین کہتے جا رہے تھے:

(اضْرِبِ ابْنَ الْأَكْرَمِينَ) ''شریف خاندان کے بیٹے کو مارو!''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مصری نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو کوڑے لگائے اور اللہ کی قسم! بہت مارا، اور ہم اس کی پٹائی چاہتے بھی تھے لیکن مصری برابر مارے جا رہا تھا، حتیٰ کہ ہماری خواہش ہوئی کہ اب اس کی پٹائی بند ہو جائے۔

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مصری سے فرمایا: (ضَعْ عَلَى صَلْعَةِ عَمْرٍو)

''کوڑا عمرو بن عاص کی چندیا (گنجے سر) پر بھی لگاؤ۔''

مصری نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! ان کے بیٹے نے میری پٹائی کی ہے اور میں نے اس سے قصاص لے لیا۔

پھر امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: (مُذْ كَمْ تَعَبَّدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا)

''تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا رکھا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا؟''

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی: (يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَمْ أَعْلَمْ وَلَمْ يَأْتِنِي)

''اے امیر المؤمنین! مجھے اس معاملے کی کچھ بھی خبر نہیں اور نہ یہ میرے پاس شکایت لے کر آیا تھا۔''

(حیاۃ الصحابۃ۔ از محمد یوسف کاندھلوی: 338/2 مؤسسۃ الرسالۃ۔ کنز العمال: 98/7)

Scanned with CamScanner

(۴۰)

زیارت بیت اللہ شریف کا انوکھا شوق

حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ام داب رحمۃ اللہ علیہا کا شمار بلند پایہ صالحات وعابدات میں ہوتا ہے۔ان کی عمر نوے (90) برس ہو چکی تھی۔ ہر سال مدینہ منورہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً سے مکہ معظمہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفًا و تکریمًا پیدل چل کر حج کرنے آتی تھیں۔ان کی بینائی چلی گئی۔ جب حج کا موسم آیا، عورتیں ان کے پاس ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوئیں، ان کو آپ کی بینائی چلے جانے کا بہت غم ہوا، آپ نے گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کی: ''یا اللہ! تیری عزت کی قسم! میری آنکھوں کا نور چلا گیا تو کیا ہوا؟ تیری بارگاہ میں حاضری کے شوق کے انوار تو ابھی باقی ہیں۔'' پھر احرام باندھ کر ''لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ'' کہتے ہوئے اپنی رفقاء کے ساتھ چل پڑیں۔آپ ان کے ساتھ چلتے ہوئے کبھی آگے نکل جاتیں۔حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: مجھے اس کے حال پر بڑا تعجب ہوا تو ہاتف غیبی سے آواز آئی: ''اے ذوالنون! کیا تم اس بڑھیا پر تعجب کرتے ہو جسے اپنے مولیٰ عزوجل کے گھر کا شوق تھا پس اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم فرماتے ہوئے اسے اپنے گھر کی طرف چلا دیا اور اس کی طاقت عطا فرمائی۔'' (الروض الفائق)

(۴۱)

انسانوں کی دشمنیاں

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نہایت ہی آرام اور چین کے ساتھ جنت میں رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ جنت کا جو پھل بھی چاہو بے روک ٹوک سیر ہو کر تم دونوں کھا سکتے ہو مگر صرف ایک درخت کا پھل کھانے کی ممانعت تھی کہ اس کے قریب مت جانا۔وہ درخت گیہوں تھا یا انگور تھا چنانچہ دونوں اس درخت سے مدت دراز تک بچتے رہے لیکن ان دونوں کا دشمن ابلیس برابر تاک میں لگا رہا۔آخر اس نے ایک دن اپنا وسوسہ ڈال ہی دیا اور قسم کھا کر کہا: میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جس درخت سے تم دونوں کو منع کر دیا ہے۔وہ ''شَجَرَۃَ الْخُلْدِ'' ہے یعنی جو اس درخت کا پھل کھالے گا وہ کبھی جنت سے نہیں نکالا جائے گا پہلے حضرت حوا اس شیطانی وسوسہ کا شکار ہو گئیں اور انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اس پر راضی کر لیا اور وہ ناگہاں غیر ارادی طور پر اس درخت کا پھل کھا گئے۔

آپ نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھ لیا کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی نہی تنزیہی ہے اور واقعی ہرگز ہرگز نہی تحریمی نہیں تھی ورنہ حضرت آدم علیہ السلام نبی ہوتے ہوئے ہرگز ہرگز اس درخت کا پھل نہ کھاتے کیونکہ نبی تو ہر گناہ سے معصوم ہوتا ہے بہر حال حضرت آدم علیہ السلام سے اس سلسلے میں اجتہادی خطا سرزد ہو گئی اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہوتی۔

(خزائن العرفان ص ۱۲)

لیکن حضرت آدم علیہ السلام چونکہ دربار الٰہی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے درجات پر

فائز تھے اس لئے اجتہادی خطا پر بھی مورد عتاب ہو گئے فوراً ہی بہشتی لباس دونوں کے بدن سے گر پڑے اور یہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا ستر چھپانے لگے اور خداوند قدوس کا حکم ہو گیا کہ تم دونوں جنت سے زمین پر اتر پڑو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دو خاص باتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ تمہاری اولاد میں بعض بعض کا دشمن ہو گا کہ ہمیشہ آپس میں انسانوں کی دشمنی چلتی رہے گی دوسری یہ کہ عمر بھر تم دونوں کو زمین میں ٹھہرنا ہے پھر اس کے بعد ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (البقرۃ رکوع ۴)

تو شیطان نے ان دونوں (آدم، حوا) کو جنت سے لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے ان دونوں کو الگ کر دیا اور ہم نے فرمادیا کہ نیچے اترو۔ آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن ہو گا اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

اس ارشاد ربانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو انسانوں میں مختلف وجوہات کی بناء پر عداوتیں و دشمنیاں چل رہی ہیں یہ کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ لاکھ کوشش کرو کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان عداوت اور دشمنی کا خاتمہ ہو جائے مگر نہیں ہو سکتا۔ کبھی ایک ملک دوسرے ملک کا دشمن ہو گا۔ کبھی مزدور اور سرمایہ دار میں دشمنی رہے گی۔ کبھی امیر و غریب کی عداوت زور پکڑے گی۔ کبھی مذہبی و لسانی دشمنی رنگ لائے گی کبھی تہذیب و تمدن کے باہمی ٹکراؤ کی دشمنی ابھرے گی۔ کبھی ایمانداروں اور بے ایمانوں کی عداوت رنگ دکھائے گی الغرض دنیا میں انسانوں کی آپس میں عداوت و دشمنی کا بازار ہمیشہ گرم ہی رہے گا۔ اس لئے لوگوں کو اس سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ اس عداوت اور دشمنی کو ختم کرنے کی تدبیروں پر غور و خوض کر کے پریشان خاطر ہونے سے کوئی فائدہ ہے کیونکہ جس

طرح اندھیرے اور اجالے کی دشمنی، آگ اور پانی کی دشمنی، گرمی اور سردی کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ ٹھیک اسی طرح انسانوں میں آپس کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحواء کے زمین پر آنے سے پہلے ہی یہ فرمادیا ہے کہ بَعْضُكُمْ بَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن ہو گا تو یہ عداوت و دشمنی خلقی اور فطری ہے تو پھر بھلا کون ہے جو اس عداوت کا دنیا سے خاتمہ کرا سکتا ہے۔

(عجائب القرآن مع غرائب القرآن بتصرف قلیل)

(۴۲)

حق گوئی و بے باکی

فضل بن ربیع بن یونس بن محمد جو ہارون رشید اور محمد امین کا حاجب (وزیر) تھا۔ اس کا والد منصور اور مہدی کا وزیر تھا۔ اس کی پیدائش 140 ہجری میں ہوئی اور وفات 207 ہجری میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد ج12 ص 344-343)

یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف کے پاس ہارون رشید کی طرف سے بحیثیت گواہ حاضر ہوا لیکن قاضی صاحب نے اس کی گواہی کی تردید کی اور قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ ہارون رشید نے پوچھا: فضل کی گواہی کو آپ نے کیوں قبول نہیں کیا؟

قاضی ابو یوسف: میں نے اسے ایک دن آپ کی مجلس میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ آپ کا غلام ہے، چنانچہ اگر وہ اپنے قول میں صادق ہے تو اس کی شہادت قابل قبول نہیں، کیونکہ بقول خود وہ غلام ہے اور اگر وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے تو اس کی شہادت ایسی صورت میں بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ جب وہ آپ کی مجلس میں جھوٹ بولنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تو بدرجہ اولیٰ وہ مجلس قضا میں بھی جھوٹ کی پرواہ نہیں کرے گا۔

خلیفہ نے جب یہ کلام سنا تو قاضی ابو یوسف کو معذور گردانا اور اس فیصلہ پر ان کی تائید کی۔ (سنہرے فیصلے۔ عبدالمالک مجاہد)

(۴۳)

چار مقبول لڑکیاں

حضرت سیدنا محمد بن مروان علیہ الرحمۃ جو فقر و تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے والوں میں سے تھے، فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں کعبہ مشرفہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً میں رکن یمانی کے قریب طواف میں مشغول تھا کہ اچانک چار لڑکیوں کو آتے دیکھا، ان پر مقبولیت کے آثار نمایاں تھے۔ ان میں سب سے بڑی نے غلاف کعبہ سے لپٹ کر عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض کی:

اِلَیْکَ حَجِّیْ لَا لِلْبَیْتِ وَالْحَجَرْ   وَلَا طَوَافَ بَارْکَانٍ وَّلَا جُدُرْ

ترجمہ: میرا حج تو صرف تیرے لئے ہے، نہ بیت اللہ کے لئے، نہ حجر اسود کا، نہ ارکان کا طواف، اور نہ ہی دیواروں کا۔

پھر اس نے اپنے سر کو بلند کر کے عرض کی: ''یا اللہ تعالیٰ! تیری محبت نے مجھے مضطرب کر دیا ہے اور میں عشق و محبت میں گرفتار ہو گئی ہوں، اب میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، یا اللہ! اگر میری لغزشوں نے مجھے تیری بارگاہ سے لوٹا دیا تو مجھے میری محبت تیرے دروازے پر کھینچ لائے گی' اگر میرے گناہوں نے مجھے تیرے دروازے سے دور کر دیا تو تیرے عفو و کرم کی امید مجھے تیرے قریب کر دے گی' اگر میری خطاؤں نے مجھے قید کرا دیا تو تیری طرف رجوع میں میرا اخلاص مجھے آزاد کرا دے گا۔ یا اللہ! مجھے تیرا وصال کب حاصل ہوگا، تیری بارگاہ جمال تک کب پہنچوں گی؟ اے وحشت زدوں کے دوست! اے محبین کے محبوب!

Scanned with CamScanner

اے خائفین کو پناہ دینے والے! اے گنہگاروں پر رحم کرنے والے اور اے تائبین کی توبہ قبول فرمانے والے! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! مجھ پر اپنی خاص رحمت کا نزول فرما اور میری مغفرت فرما۔'' پھر اس نے لمبا سانس لیا اور چند اشعار پڑھے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِمَّا کَانَ مِنْ زُلَلِیْ ۔۔۔ وَمِنْ ذُنُوْبِیْ وَتَفْرِیْطِیْ وَاِصْرَارِیْ
یَا رَبِّ ھَبْ لِیْ ذُنُوْبِیْ یَا کَرِیْمُ فَقَدْ ۔۔۔ اَمْسَکْتُ حَبْلَ الرَّجَآءِ یَا خَیْرَ غَفَّارِ

ترجمہ: میں اپنے گناہوں، لغزشوں، خطاؤں اور گناہ پر اصرار سے مغفرت چاہتی ہوں، اے میرے رب عزوجل! اے کریم! میرے گناہوں کی مغفرت فرمادے، اے بخشنے والے مہربان! میں نے امید کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا ہے۔

پھر وہ غمگین و پریشان بیٹھ گئی اور دوسری مضطرب و بے قرار ہو کر گریہ وزاری کرتے ہوئے پکارنے لگی: ''اے تمام امیدوں کی انتہا! اے نیکوں کو نیک اعمال پر ابھارنے والے! اے عارفین کے دلوں میں محبت کی قندیل روشن کرنے والے! اے وحشت زدوں کے انیس! اے دلوں کے طبیب! اے گناہوں کو بخشنے والے! میرا جسم تیری محبت سے پگھل رہا ہے، مجھے تیری بارگاہ میں پیش ہونے سے شرم آتی ہے، اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! مجھ پر اپنی خاص رحمت کا نزول فرما اور مجھ سے درگزر فرما۔ پھر وہ ادھر ادھر گھومنے لگی اور یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

اَتَیْتُکَ اَشْتَکِیْ سُقْمِیْ وَدَآئِیْ ۔۔۔ وَعِنْدَکَ یَامُنٰی قَلْبِیْ دَوَآئِیْ
فَلَا اَحَدٌ سِوَاکَ اِلَیْہِ اَشْکُوْ ۔۔۔ فَیَرْحَمَ عَبْرَتِیْ وَیَرٰی بُکَآئِیْ
فَیَا مَوْلَی الْوَرٰی جُدْلِیْ بِعَفْوٍ ۔۔۔ وَمَنِّ بِنَظْرَۃٍ فِیْھَا شِفَآئِیْ

ترجمہ: میں تیری بارگاہ میں اپنی کمزوری و بیماری کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں، اے میرے دل کی آرزو! میرے مرض کی دوا تیرے پاس ہے۔ تیرے سوا کوئی نہیں جسے میں اپنی بیماری بتا سکوں اور وہ میری گریہ وزاری کو دیکھے اور میرے آنسوؤں پر رحم کرے۔ اے ساری مخلوق کے مالک و مولیٰ

عزوجل! اپنی بخشش و کرم فرما کر مجھ پر احسان فرما، اور ایسی نظر رحمت فرمادے جس میں میری شفا ہو۔

پھر وہ بیٹھ گئی اور تیسری کھڑی ہوئی، وہ بھی کافی دیر تک روتی رہی۔ پھر عرض کرنے لگی: ''یا اللہ! میرے گناہوں نے مجھے تیرے دروازے سے دھتکار دیا ہے اور ہمیشہ کی غفلت نے تیری بارگاہ سے دور کر دیا ہے، میں تیرے دروازے پر ذلت و محتاجی کے ساتھ گناہوں اور خطاؤں کی معافی کی آس لگائے کھڑی ہوں، میں تیرے عذاب سے فرار ہو کر تیری پناہ میں آگئی ہوں، پھر اس نے بھی چند اشعار پڑھے، جو یہ ہیں:

بِبَابِکَ رَبِّیْ قَدْ اَنَخْتُ رَکَائِبِیْ ۔۔۔ وَمَالِیْ مَنْ اَرْجُوْہٗ یَا خَیْرَ وَاھِبِ
سِوَاکَ فَجُدْلِیْ بِالَّذِیْ اَنْتَ اَھْلُہٗ ۔۔۔ لَاُعْطِیْ مِنَ الْاَفْضَالِ اَسْنَی الْمَوَاھِبِ
اِذَا لَمْ اَمُتْ شَوْقًا اِلَیْکَ وَحَسْرَۃً ۔۔۔ عَلَیْکَ فَلَا بَلَغْتُ مِنْکَ مَآ رِبِیْ

ترجمہ: اے میرے مالک عزوجل! تیرے دروازے پر میں نے ڈیرہ لگا لیا ہے، اے بہتر عطا کرنے والے! تیرے علاوہ میرا کون ہے جس سے میں امید رکھوں، مجھ پر اپنی شان کے مطابق جود و کرم فرما اور مجھے اپنا بہترین فضل عطا فرما، اگر میں تیرے شوق دیدار اور حسرت دیدار میں نہ مری تو اپنے مقصود کو نہ پہنچی۔

اس کے بعد وہ اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہاتے ہوئے بیٹھ گئی اور چوتھی لڑکی روتے ہوئے کھڑی ہوئی، وہ حسرت کے عالم میں اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہی تھی۔ چنانچہ، اس نے عرض کی: ''یاالٰہی عزوجل! تو نے عبادت و ریاضت کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ تیرے دروازے پر کھڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔ یا اللہ! اگر معاف کرنا تیری صفت نہ ہوتی تو عبادت و کوشش کرنے والے جب گناہوں میں مبتلا ہوتے تو تیری بارگاہ میں نہ آتے۔ یا اللہ! اگر تو معاف نہ کر سکتا تو میں تجھ سے مغفرت کی امید نہ رکھتی۔ بے شک تیری ہی یہ شان ہے کہ تو مجھ پر اپنی وسیع رحمت کے ساتھ کرم فرما سکتا ہے۔ اے وہ ذات جس سے کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ شئے بھی مخفی نہیں! اے وہ ذات جس کی

نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں! تو میرے گناہوں کی پردہ پوشی فرما، تو ہی میرا مطلوب و مقصود ہے۔'' پھر اس نے درج ذیل اشعار پڑھے:

تَعَطَّفْتَ بِفَضْلٍ مِنْكَ يَا مَالِكَ الْوَرٰى ۔۔۔ فَاَنْتَ مَلَاذِىْ سَيِّدِىْ وَ مُعِيْنِىْ
لَئِنْ اَبْعَدَتْنِىْ عَنْ جَنَابِكَ زَلَّتِىْ ۔۔۔ فَاِنَّ رَجَآئِىْ فِيْكَ حُسْنُ يَقِيْنِىْ
وَظَنِّىْ جَمِيْلٌ اِنَّنِىْ مِنْكَ اَرْتَجِىْ ۔۔۔ عَوَاطِفَكَ الْحُسْنٰى فَخُذْ بِيَمِيْنِىْ

ترجمہ: اے مخلوق کے مالک عزوجل! اپنے فضل سے مجھ پر عنایت کی ہوا چلا دے، تو میری پناہ گاہ، میرا مالک اور میری مدد فرمانے والا ہے اگر میری لغزشوں نے مجھے تیری بارگاہ سے دور کر دیا ہے تو کوئی غم نہیں کیونکہ تیرے متعلق مجھے حسن ظن ہے۔ میرا حسن ظن یہ ہے کہ میں تجھ سے تیرے انعام واکرام کی امید رکھوں لہٰذا میری دستگیری فرما۔

حضرت سیّدنا محمد بن مروان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے ان کی گفتگو اور دعا سن کر بہت سکون ملا اور ان کے نصیحت بھرے بیانات سے میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

(الروض)

(۴۴)

توبۂ آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین پر آنے کے بعد تین سو برس تک ندامت کی وجہ سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف نہیں دیکھا اور روتے ہی رہے۔ روایت ہے کہ اگر تمام انسانوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو اتنے نہیں ہوں گے جتنے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام کے خوف الٰہی سے زمین پر گرے اور اگر تمام انسانوں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کو جمع کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو ان سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔ (صاوی ج ۱ ص ۴۳)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ پڑھ کر دعا مانگی: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْلِىْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔ یعنی اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں تیرا نام برکت والا ہے اور تیری بزرگی بہت ہی بلند مرتبہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش دے۔ (جمل ج ۱ ص ۴۳)

اور ایک روایت ہے کہ آپ نے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ پڑھا یعنی اے رب پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا اور اگر تو ہمیں رحم فرما کر نہ بخشے گا تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (جلالین)

لیکن حاکم و طبرانی و ابونعیم و بیہقی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے

کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب الٰہی ہوا تو آپ توبہ کی فکر میں حیران تھے ناگہاں اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ بارگاہ الٰہی میں وہ مرتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد ﷺ کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ ملا کر عرش پر مکتوب فرمایا ہے لہٰذا آپ نے اپنی دعا میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کے ساتھ یہ عرض کیا: اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ اور ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات بھی ہیں کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ كَرَامَتِهٖ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَلِیْ خَطِيْئَتِیْ یعنی اے اللہ! تیرے بندۂ خاص محمد ﷺ کے جاہ و مرتبہ کے طفیل میں اور ان کی بزرگی کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ کو بخش دے۔ یہ دعا کرتے ہی حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی اور توبہ مقبول ہوئی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

(البقرہ رکوع ۴)

پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

اس واقعہ سے چند اسباق پر روشنی پڑتی ہے جو یہ ہیں۔

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ مقبولان بارگاہ الٰہی کے وسیلہ سے بحق فلاں و بجاہ فلاں کہہ کر دعا مانگنی جائز اور حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ دسویں محرم کو قبول ہوئی۔ جنت سے نکلتے وقت دوسری نعمتوں کے ساتھ عربی زبان بھی آپ سے بھلا دی گئی تھی اور بجائے اس کے سریانی زبان آپ کی زبان پر جاری کر دی گئی تھی مگر توبہ قبول ہونے کے بعد پھر عربی زبان بھی آپ کو عطا کر دی گئی۔ (خزائن العرفان ص ۱۲)

(۳) چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا اجتہادی تھی اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہے۔

اس لئے جو شخص حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی یا ظالم کہے گا وہ نبی کی توہین کے سبب سے کافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے وہ اپنے بندۂ خاص حضرت آدم علیہ السلام کو جو چاہے فرمائے۔ اس میں ان کی عزت ہے دوسرے کی کیا مجال کہ خلاف ادب کوئی لفظ زبان پر لائے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے کلمات کو دلیل بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم و توقیر اور ان کے ادب و اطاعت کا حکم فرمایا ہے لہٰذا ہم پر یہی لازم ہے کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے تمام انبیاء کرام کا ادب و احترام لازم جانیں اور ہرگز ہرگز ان حضرات کی شان میں کوئی ایسا لفظ نہ بولیں جس میں ادب کی کمی کا کوئی شائبہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Scanned with CamScanner

(۴۵)

عزت کے متلاشی متوجہ ہوں

امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمۃ کا نسب عبد مناف پر جا کر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے، ۱۵۰ھ میں بحالت یتیمی پیدا ہوئے، پھر آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر مکہ معظمہ منتقل ہو گئیں، نوعمری میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ ادب عربی اور شعر کا علم حاصل کیا، فصیح اللسان تھے، سفر کیا اور مدینہ منورہ میں مؤطا امام مالک یاد کیا، پھر تین دفعہ عراق کا سفر کیا، امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کی شاگردی اختیار کی اور ان کی کتابوں سے نفع حاصل کیا، پھر مصر چلے گئے اور وہیں ۲۰۴ھ میں وفات پائی، آپ کی املا کی ہوئی کتابوں میں کتاب الام اور الرسالۃ ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے مصر تشریف لانے کے بعد سلسلۂ درس و تدریس شروع کیا' تو ان کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ عوام و خواص دلی طور پر ان کا احترام کرنے لگے۔ آپ کا ایک شاگرد تھا، جس کا نام عبداللہ بن عبدالحکم تھا۔ اس نے دیکھا کہ میرے استاذ امام شافعی فقر کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مسجدوں میں گوشہ نشین رہتے ہیں اور حکمرانوں کے پاس آمد و رفت نہیں رکھتے۔ اس نے عرض کیا: ابوعبداللہ! (امام شافعی کی کنیت) اگر آپ مصر میں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کے پاس ایک سال کی خوراک ہونی چاہئے۔ نیز سلطان وقت کی مجلس میں کبھی کبھار حاضری ضرور ہونی چاہئے، تا کہ آپ کی عزت میں شایان شان ترقی ہو۔

اس کا خیال تھا کہ امام شافعی میرا مشورہ قبول کر لیں گے اور میں انہیں شاہی دربار تک پہنچا دوں گا لیکن امام شافعی رضی اللہ عنہ تو ان لوگوں میں سے تھے جو دست سوال صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پھیلاتے ہیں۔ ان علماء کی طرح سلاطین اور حکمرانوں کا قرب تلاش نہیں کرتے جو علمی امانت کے حامل نہیں ہوتے اور جن کی زندگی کا ماحصل ہی حکمرانوں کے مقربین کے دولت کدوں کا طواف، ان کی نگاہ التفات کا حصول اور ان کی بارگاہ میں مقام و مرتبہ کامل جانا ہوتا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا:

ابومحمد! جسے تقویٰ عزت نہ دے، اس کی کوئی عزت نہیں۔ میں غزہ میں پیدا ہوا۔ حجاز میں پرورش پائی۔ حال یہ تھا کہ ہمارے پاس ایک رات کی خوراک نہیں ہوتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ہم نے بھوکے رات گزاری ہو۔

حکمرانوں کے دربار میں جانے کا مشورہ بھی مسترد کر دیا۔

یہ تھے پہلے دور کے قائد علماء۔ وہ اللہ تعالیٰ سے غنا کی دولت مانگتے تھے اور قسمت پر راضی برضا رہتے تھے۔ وہ صرف تقویٰ کے ذریعے عزت طلب کرتے تھے۔ وہ حکمرانوں کے پاس فقط انہیں نصیحت کرنے یا ان کی رہنمائی یا لوگوں کی حاجت روائی کے لئے جاتے تھے ورنہ ان سے دور رہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عزت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ذلت ہی ذلت ہے۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

Scanned with CamScanner

(۴۶)

خلیفۂ وقت کے ہاں مظلوم کی قدر و منزلت

حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بھتیجے اور داماد تھے۔ ان کی ماں ام عاصم حضرت عمر فاروق ؓ کی پوتی تھیں۔ ان کے والد عبدالعزیز 21 سال تک مصر کے گورنر رہے۔ ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ 99 ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات پر اس کی وصیت کے مطابق عمر ؒ نے منصب خلافت سنبھالا۔ انہوں نے اموی خاندان کے ہاتھوں غصب شدہ جاگیریں اصلی حقداروں کو لوٹا دیں، نیز مصارف بیت المال کی اصلاح کی اور خطبات میں حضرت علی ؓ کے متعلق نامناسب الفاظ استعمال کرنے کی بدعت کا خاتمہ کیا۔ 101 ھ میں اموی اکابر کی سازش سے زہر خورانی کے نتیجے میں عمر بن عبدالعزیز انتقال کر گئے۔ (تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی ص 525-546)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ؒ حمص کے بازار میں گھوم رہے تھے۔ اتنے میں ایک آدمی ان کے پاس آیا جو دھاری دار چادر زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ کا حکم ہے کہ جو کوئی مظلوم ہو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو؟

عمر بن عبدالعزیز نے کہا: ہاں۔

وہ شخص بولا: پھر آپ کی خدمت میں دور دراز علاقے سے چل کر ایک مظلوم حاضر ہوا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: تیرا خاندان کہاں ہے؟

وہ بولا: اَبیَنْ (یمن کا ایک صوبہ) سے بھی دور۔

عمر بن عبدالعزیز: اللہ کی قسم! تیرا خاندان عمر کے خاندان سے بہت دور ہے۔ یہ کہہ کر اپنی سواری سے فوراً اتر گئے اور پوچھا: تیرے اوپر کیسا ظلم ڈھایا گیا ہے؟

پردیسی: میری غلہ اگانے والی زمین پر ایک آدمی نے ناجائز قبضہ جما لیا ہے اور مجھے اس سے یکسر بے دخل کر دیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے اس کا قضیہ سن کر عروہ بن محمد کو لکھا کہ وہ اس مظلوم کی داستان اور شہادت سنے اور جب اس کا حق ثابت ہو جائے تو اسے واپس دلا دے۔ یہ خط لکھ کر اپنی مہر لگا دی۔

جب پردیسی نے واپسی کے لیے اٹھنا چاہا تو عمر بن عبدالعزیز نے اس سے کہا: ٹھہرو، تم دور دراز علاقے سے حاضر ہوئے ہو۔ راستے میں تمہارا کتنا زادِ سفر خرچ ہوا ہے، یا سواری پر تمہاری کتنی لاگت آئی ہے اور کتنے کپڑے بدلنے پڑے ہیں؟

ان سب کا حساب لگایا گیا تو لاگت پندرہ دینار تک پہنچی، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے اسے یہ رقم دے کر روانہ کیا۔ (سنہرے فیصلے)

Scanned with CamScanner

(۴۷)

ایک خائفہ کا خوفِ خداعزوجل

منقول ہے کہ ایک عورت کعبۃ اللہ زادھا اللہ تعالٰی شرفًا و تکریمًا کے پاس رہتی تھی، جس کا نام حکیمہ تھا۔ جب کعبہ مشرفہ زادھا اللہ تعالٰی شرفًا و تکریمًا کے دروازے کو کھلتا ہوا دیکھتی تو زوردار چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی۔ ایک دن اس کی عدم موجودگی میں دروازہ کھولا گیا۔ جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا: ''اے حکیمہ! آج (تیری عدم موجودگی میں) بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا گیا، اگر تو طواف کرنے والوں کو حالت احرام میں تلبیہ (لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ) کہتے ہوئے دیکھ لیتی تو تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا دل شوق سے زخمی تھا اور وہ اپنے رب کی طرف سے رحمت و مغفرت کا انتظار کرتے ہوئے عاجزی و انکساری سے گریہ کناں تھے۔'' یہ سنتے ہی اس نے ایسی چیخ ماری جس سے دل گھبرا جائیں، اور پھر کچھ دیر تڑپتی رہی یہاں تک کہ اس افسوس میں اس نے اپنی جان قربان کر دی کہ وہ اپنا مطلوب نہ پا سکی اور نیک بندوں کے گروہ میں کعبہ مشرفہ زادھا اللہ تعالٰی شرفًا و تکریمًا کی زیارت نہ کر سکی اور دنیا میں کوئی چیز اس کے لئے اس نعمت کا عوض یا بدلہ نہ بنائی گئی لہٰذا اس نے اپنی جان قربان کر دی۔ (الروض)

(۴۸)

بارگاہِ جلیل میں عرضِ خلیل

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک مرتبہ خداوند قدوس کے دربار میں یہ عرض کیا: یا اللہ! تو مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ فرمائے گا؟ تو اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ابراہیم! کیا اس پر تمہارا ایمان نہیں ہے؟ آپ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ میں اس پر ایمان تو رکھتا ہوں لیکن میری تمنا یہ ہے کہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تاکہ میرے دل کو قرار آ جائے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم چار پرندوں کو پالو اور ان کو خوب کھلا پلا کر اچھی طرح ہلا ملا لو۔ پھر تم انہیں ذبح کر کے اور ان کا قیمہ بنا کر اپنے گرد و نواح کے چند پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا گوشت رکھ دو۔ پھر ان پرندوں کو پکارو تو وہ پرندے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آ جائیں گے اور تم مردوں کے زندہ ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مرغ، ایک کبوتر، ایک گدھ، ایک مور ان چار پرندوں کو پالا اور ایک مدت تک ان چاروں پرندوں کو کھلا پلا کر خوب ہلا ملا لیا۔ پھر ان چاروں پرندوں کو ذبح کر کے ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا اور ان چاروں کا قیمہ بنا کر تھوڑا تھوڑا گوشت اطراف و جوانب کے پہاڑوں پر رکھ دیا اور دور سے کھڑے ہو کر ان پرندوں کا نام لے کر پکارا کہ یآیہا الدیك (اے مرغ) یآایتہا الحمامة (اے کبوتر) یآیہا النسر (اے گدھ) یآیہا الطاؤس (اے مور) آپ کی پکار پر ایک دم پہاڑوں سے گوشت کا قیمہ اڑنا شروع ہو گیا اور ہر پرند کا گوشت پوست، ہڈی پر الگ ہو کر چار پرند تیار ہو گئے اور وہ چاروں

پرند بلا سروں کے دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے اور اپنے سروں سے جڑ کر دانہ چگنے لگے اور اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے مردوں کے زندہ ہونے کا منظر دیکھ لیا اور ان کے دل کو اطمینان و قرار مل گیا۔

(جمل ج ۱ ص ۱۲ بیضاوی)

اس واقعہ کا ذکر خداوند کریم نے قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں ان لفظوں کے ساتھ بیان فرمایا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠ ۝ (البقرہ رکوع ۳۵)

اور جب حضرت ابراہیم نے کہا: اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو کیونکر مردہ جلائے گا۔ فرمایا کیا تجھے یقین نہیں؟ عرض کی کیوں نہیں، مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔ فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لو۔ پھر ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر انہیں بلاؤ تو وہ آپ کے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور یہ یقین رکھو کہ اللہ بڑا غالب، بڑی حکمت والا ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی واقعہ سے مندرجہ ذیل چند مسائل پر خاص طور سے روشنی پڑتی ہے۔ ان کو بغور پڑھیے اور ہدایت کا نور حاصل کیجئے اور دوسروں کو بھی روشنی دکھائیے!

☆ چاروں پرندوں کو قیمہ بنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہاڑوں پر رکھ دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ثم ادعھن یعنی ان مردہ پرندوں کو پکارو۔ چنانچہ آپ نے چاروں کو نام لے کر پکارا۔ اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ مردوں کو پکارنا شرک نہیں ہے کیونکہ جب مردہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے پکارنے کا حکم فرمایا اور ایک جلیل القدر پیغمبر نے ان مردوں کو پکارا تو ہرگز ہرگز یہ شرک نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ خداوند کریم کبھی بھی کسی کو شرک کا حکم دیتا ہے نہ کوئی نبی ہرگز ہرگز کبھی شرک کا کام کر سکتا ہے تو جب مرے ہوئے پرندوں کو پکارنا شرک نہیں تو وفات پائے ہوئے خدا کے ولیوں اور شہیدوں کو پکارنا کیونکر شرک ہو سکتا ہے؟ جو لوگ ولیوں اور شہیدوں کے پکارنے کو شرک کہتے ہیں اور یا غوث کا نعرہ لگانے والوں کو مشرک کہتے ہیں۔ انہیں تھوڑی دیر سر جھکا کر سوچنا چاہیے، تاکہ اس قرآنی واقعہ کی روشنی میں انہیں ہدایت کا نور نظر آ جائے اور وہ اہل سنت کے طریقے اور صراط مستقیم کی شاہراہ پر چل پڑیں۔ (واللہ الموفق)

نکتۂ تصوف

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار پرندوں کو ذبح کیا ان میں سے ہر پرند ایک بری خصلت میں مشہور ہے۔ مثلاً مور کو اپنی شکل و صورت کی خوبصورتی پر گھمنڈ ہوتا ہے اور مرغ میں کثرت شہوت کی بڑی خصلت ہے اور گدھ میں حرص اور لالچ کی بری عادت ہے اور کبوتر کو اپنی بلند پروازی اور اونچی اڑان پر نخوت و غرور ہوا ہے تو ان چاروں پرندوں کے ذبح کرنے سے ان چاروں خصلتوں کو ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ چاروں پرند ذبح کئے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مردوں کے زندہ ہونے کا منظر نظر آیا اور ان کے دل میں نور اطمینان کی تجلی ہوئی۔ جس کی بدولت انہیں نفس مطمئنہ کی دولت مل گئی تو جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا دل زندہ ہو جائے اور اس کو نفس مطمئنہ کی دولت نصیب ہو جائے اس کو چاہیے کہ مرغ ذبح کرے یعنی اپنی شہوت پر چھری پھیر دے اور مور کو ذبح کرے یعنی اپنی شکل و صورت اور لباس کے گھمنڈ کو ذبح کر ڈالے اور گدھ کو ذبح کرے یعنی حرص اور لالچ کا گلا کاٹ ڈالے اور کبوتر کو ذبح کرے یعنی اپنی بلند پروازی اور اونچے مرتبوں کے غرور و نخوت پر چھری چلا دے، اگر کوئی ان چاروں بری خصلتوں کو ذبح کر ڈالے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ اپنے دل کے زندہ ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اس کو نفس مطمئنہ کی سرفرازی کا ثبوت حاصل ہو جائے گا (واللہ تعالیٰ اعلم) (جمل ج ۱ ص ۲۱۷ و بیضاوی وغیرہ)

(۴۹)

حکمران ہوتو ایسا ہو؟

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنائے گئے تو شعراء کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جیسے شعراء کی عادت ہے کہ سلاطین اور حکمرانوں کے پاس جا کر ان کی شان میں قصائد پیش کرتے ہیں' تا کہ ان کا قرب حاصل کریں اور انعامات سے نوازے جائیں۔ کئی دن خلیفۂ وقت کے دروازے پر پڑے رہے، لیکن انہیں ملاقات کی اجازت نہ ملی۔ ایک دن رجاء بن حیوہ ان کے پاس سے گزرے۔ رجاء بڑے عالم تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے وزیر اور خاص مصاحبین میں سے تھے۔ مشہور شاعر جریر نے انہیں دیکھا تو اٹھ کر ان کے پاس گیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الْمُرْخِي عِمَامَتَهُ
هٰذَا زَمَانُكَ فَاسْتَأْذِنْ لَنَا عُمَرَا

''اے اپنے عمامہ کا شملہ لٹکانے والے، یہ آپ کا وقت ہے، ہمیں عمر بن عبدالعزیز سے اجازت لے دیں۔''

رجاء حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلے گئے لیکن شعراء کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ پھر عدی بن ارطاۃ ان کے پاس سے گزرے۔ جریر نے انہیں کہا:

لَا تَنْسَ حَاجَتَنَا لُقِّيتَ مَغْفِرَةً
قَدْ طَالَ مَكْثِي عَنْ اَهْلِيْ وَ اَوْطَانِيْ

جناب! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، ہمارا کلام بھلا نہ دینا۔ مجھے اپنے

اہل وعیال اور وطن سے دور یہاں ٹھہرے ہوئے بہت دیر ہوگئی ہے۔

عدی حضرت عمر ثانی کے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے:

امیر المؤمنین! شعراء آپ کے دروازے پر حاضر ہیں۔ ان کے تیر زہر میں بجھے ہوئے ہیں اور ان کی زبانیں قینچی کی طرح چل رہی ہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا: عدی! مجھے شعراء سے کیا غرض؟

عدی نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو عزت عطا فرمائے! رسول اللہ ﷺ کی مدح کی گئی تو آپ نے انعام عطا فرمایا۔ آپ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین رہنمائی ہے۔ فرمایا: کس طرح؟

عدی: عباس بن مرداس سلمی نے نبی اکرم ﷺ کی نعت پڑھی تو آپ نے انہیں حلہ (دو چادروں کا سیٹ) عطا فرمایا اور ان کی زبان کو مخالفت سے روک دیا۔

عمر بن عبدالعزیز: کیا آپ کو ان کا کوئی شعر یاد ہے؟ عدی: جی ہاں!

رَاَيْتُكَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ كُلِّهَا
نَشَرْتَ كِتَابًا جَاءَ بِالْحَقِّ مُعَلِّمَا

اے تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ! میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے ایسی کتاب پیش کی ہے جو حق کی خبر دینے والی ہے۔

شَرَعْتَ لَنَا دِيْنَ الْهُدٰى بَعْدَ جَوْرِنَا
عَنِ الْحَقِّ لَمَّا اَصْبَحَ الْحَقُّ مُظْلِمَا

آپ نے اس وقت ہمیں دین ہدایت عطا فرمایا جب حق مخفی ہو چکا تھا اور ہم حق سے دور جا چکے تھے۔

اَقَمْتَ سَبِيْلَ الْحَقِّ بَعْدَ اعْوِجَاجِهِ
وَكَانَ قَدِيْمًا رُكْنُهُ قَدْ تَهَدَّمَا

آپ نے راہِ حق کو ٹیڑھا ہونے کے بعد سیدھا کر دیا، اور اس کا ستون عرصہ

Scanned with CamScanner

دراز پہلے گر چکا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا:

عدی! خدا کے بندے ان میں سے دروازے پر کون ہے؟

عدی: فرزدق ہے۔

عمر بن عبد العزیز: کیا یہ وہی شاعر نہیں ہے؟ جس نے کہا ہے:

هُمَا دَلَّيَانِيْ مِنْ ثَمَانِيْنَ قَامَةً
كَمَا انْقَضَّ بَازٌ اَقْتَمُ الرِّيْشِ كَاسِرُهْ

جیسے ہی سیاہ اور ٹوٹے ہوئے پر والا باز گرا تو ان دونوں نے مجھے اسی قدم کے فاصلے سے اطلاع دی۔

فَلَمَّا اسْتَوَتْ رِجْلَاهُ فِي الْاَرْضِ قَالَتَا
اَحَيٌّ فَيُرْجٰى اَمْ قَتِيْلٌ نُحَاذِرُهْ

جب اس کی دونوں ٹانگیں زمین میں سیدھی ہوئیں تو دو عورتوں نے کہا: کیا وہ زندہ ہے؟ جس کی امید کی جائے یا مقتول ہے؟ کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔

عمر بن عبد العزیز: اللہ کی قسم وہ میرے پاس نہیں آئے گا۔ اس کے علاوہ اور کون ہے؟

عدی: اخطل ہے۔

عمر بن عبد العزیز: عدی! یہ وہی ہے جس کے یہ اشعار ہیں:

وَلَسْتُ بِصَائِمٍ رَمَضَانَ طَوْعًا
وَلَسْتُ بِآكِلٍ لَحْمَ الْاَضَاحِيْ

میں خوشی سے رمضان کا روزہ نہیں رکھتا اور میں قربانیوں کا گوشت بھی نہیں کھاتا۔

وَلَسْتُ بِزَاجِرٍ عِيْسًا بُكُوْرًا
اِلٰى بَطْحَاءِ مَكَّةَ لِلنَّجَاحِ

میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جوان کنواری اونٹنیوں کو مکہ معظمہ کے

میدان کی طرف ہانکنے والا نہیں ہوں۔

وَلَسْتُ بِقَائِمٍ بِاللَّيْلِ اَدْعُوْا
قُبَيْلَ الْفَجْرِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ

میں رات کو قیام کرنے والا نہیں ہوں، جو فجر سے پہلے "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے (آؤ کامیابی کی طرف)۔

وَلٰكِنِّيْ سَاَشْرَبُهَا شَمُوْلًا
وَاَسْجُدُ عِنْدَ مُنْبَلَجِ الصَّبَاحِ

لیکن میں ٹھنڈی شراب پیوں گا اور صبح روشن ہونے کے وقت سجدہ کروں گا۔

عمر بن عبد العزیز: اللہ کی قسم! وہ میرے پاس نہیں آئے گا۔ وہ پکا کافر ہے۔ ان کے علاوہ دروازے پر کون ہے؟

عدی: احوص ہے۔

عمر بن عبد العزیز: کیا یہ شعر اسی کا نہیں ہے؟

اَللّٰهُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ سَيِّدِهَا
يَفِرُّ مِنِّيْ بِهَا وَاَتْبَعُهٗ

اللہ تعالیٰ میرے اور کنیز کے مالک کے درمیان ہے، وہ مالک اسے لے کر مجھ سے بھاگتا ہے اور میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔

عمر بن عبد العزیز: یہ بھی دوسرے شاعروں سے کم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کون ہے؟

عدی: جریر ہے۔

عمر بن عبد العزیز: کیا یہ وہی شاعر نہیں ہے؟ جو کہتا ہے:

طَرَقَتْكَ صَائِدَةُ الْقُلُوْبِ وَلَيْسَ ذَا
وَقْتُ الزِّيَارَةِ فَارْجِعِيْ بِسَلَامٍ

دلوں کا شکار کرنے والی رات کے وقت تیرے پاس آئی، حالانکہ یہ زیارت کا

Scanned with CamScanner

وقت نہیں ہے تو خیریت کے ساتھ واپس چلی جا۔

عمر بن عبدالعزیز: اگر کسی شاعر کو ضرور ہی ملاقات کا موقع دینا ہے تو جریر ہی کو بلا لو۔

جب جریر حاضر ہوا تو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

جریر! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صرف حق بات کہو۔

جریر نے یہ اشعار پیش کئے:

إِنَّا لَنَرْجُوْ إِذَا مَا الْغَيْثُ أَخْلَفَنَا
مِنَ الْخَلِيْفَةِ مَا نَرْجُوْ مِنَ الْمَطَرِ

جب بادل ہمیں پیچھے چھوڑ گئے تو ہمیں خلیفہ سے اسی نوازش کی امید ہے جس کی ہم بارش سے امید کرتے ہیں۔

نَالَ الْخِلَافَةَ أَوْ كَانَتْ لَهُ قَدَرًا
كَمَا أَتَى رَبَّهُ مُوْسٰى عَلٰى قَدَرِ

خلیفہ نے خلافت پالی یا خلافت ان کے لئے مقدر تھی، جس طرح تقدیر کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

هٰذِي الْأَرَامِلُ قَدْ قَضَّيْتَ حَاجَتَهَا
فَمَنْ لِحَاجَةِ هٰذَا الْأَرْمَلِ الذَّكَرِ؟

یہ نادار عورتیں ہیں جن کی حاجت آپ نے پوری کر دی ہے، تو اس نادار مرد کی حاجت کون پوری کرے گا؟

اَلْخَيْرُ مَا دُمْتَ حَيًّا لَا يُفَارِقُنَا
بُوْرِكْتَ يَا عُمَرَ الْخَيْرَاتِ مِنْ عُمَرِ

جب تک آپ زندہ رہیں گے اس وقت تک بھلائی ہم سے جدا نہ ہوگی، اے نیکیوں کے عمر آپ کو طویل زندگی سے برکت دی جائے۔

جریر کا گمان تھا کہ عام حکمرانوں کی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی مدح

سرائی پر گراں قدر انعام دیں گے لیکن انہوں نے اس قصیدہ خوانی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ ان بادشاہوں کی طرح نہ تھے جو مال و دولت اور عہدے دے کر اپنی شان میں قصیدے لکھواتے ہیں اور ضمیر فروش قسم کے لوگوں کے ضمیر خریدتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز: جریر! مجھے یہاں تمہارا کوئی حق دکھائی نہیں دیتا۔

جریر: امیر المؤمنین! آپ بجا فرماتے ہیں لیکن میں مسافر بھی ہوں اور اپنے اہل و عیال سے دور بھی۔

عمر بن عبدالعزیز: بندۂ خدا جریر! ہمیں خلیفہ ضرور بنا دیا گیا ہے لیکن ہماری ملکیت میں صرف تین سو درہم تھے۔ ان میں سے ایک سو عبداللہ (بیٹے) نے لے لئے۔ ایک سو اس کی والدہ نے لے لئے ہیں۔ اے لڑکے! جو سو درہم باقی ہیں وہ جریر کو دے دو۔

جریر نے سو درہم لے لئے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ محبوب ترین مال ہے جو میں نے حاصل کیا ہے۔

جریر باہر نکلے تو شعراء نے انہیں گھیر لیا اور کہنے لگے کچھ اندر کا حال سناؤ۔

جریر: تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ میں ایسے خلیفہ کے پاس سے آ رہا ہوں جو فقیروں کو تو دیتے ہیں، لیکن شعراء کو نہیں دیتے اور میں ان سے راضی ہوں اور یہ شعر پڑھا:

رَأَيْتُ رُقَى الشَّيْطَانِ لَا تَسْتَفِزُّهُ
وَقَدْ كَانَ شَيْطَانِيْ مِنَ الْجِنِّ رَاقِيًا

میں نے دیکھا کہ شیطان کی پھونکیں انہیں کم وزن نہیں کرتیں۔ حالانکہ جنوں میں سے میرا شیطان بہت پھونکیں مارنے والا ہے۔

یہ تھے تاریخ اسلام کے دور اول کے سلاطین اور حکمران جو مسلم امہ کا مال اسی کے فائدے کے لئے خرچ کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے اہل و عیال کے خرچ کی قربانی دے دی لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں باز پرس کے خوف سے مسلمانوں کے مال میں سے کچھ خرچ نہیں کیا۔ اس طرز عمل سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب تھے۔ اللہ تعالیٰ

نے اپنی مخلوق کو ان سے راضی کر دیا۔ حکمران اپنی رعایا کے جان و مال اور تحفظ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اللہ کی قسم! اگر کوفہ میں کسی بکری کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو اس کے بارے میں بھی عمر سے پوچھا جائے گا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ (من لسمات الخلود)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تعارف تو ہو چکا البتہ مندرجہ بالا واقعہ میں چند حضرات کا نام آیا ہے ان کا مختصر تعارف اس طرح ہے۔

☆...... رجاء ابن حیوہ ابن جرول الکندی اپنے زمانے میں اہل شام کے شیخ اور فصیح واعظ وعالم تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی امارت وخلافت کے دوران ان کے مقربین میں سے تھے، انہوں نے ہی سلیمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ان کے بہت سے واقعات ہیں، ان کے دلی خیر خواہ تھے، یہ بھی ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

☆...... عدی بن ارطاۃ فزاری کی کنیت ابو واثلہ تھی، وہ اہل دمشق کے امیر تھے، بڑے بہادر اور دانش ور تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں ۹۹ھ میں بصرہ کا گورنر مقرر کیا، ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

☆...... حضرت عباس بن مرداس سلمی جلیل القدر صحابی ہیں، ان کی کنیت ابو الہیثم تھی، فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں حاضر ہوئے، ان کے والد احد کے دن فوت ہوئے، انہوں نے دور جاہلیت میں شراب اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی، وہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، بعد ازاں پکے سچے مسلمان بنے، بصرہ کے پاس ایک بستی میں مقیم تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔ (اصابہ بتصرف)

☆...... ابو ہمام فرزدق بن غالب تمیمی ۱۹ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے، پیدائشی طور پر ہجو کے شاعر تھے، عمر بھر جریر کی ہجو کرتے رہے، آل مروان اور ان کے گورنروں کی مدح وستائش کرتے رہے، جب بوڑھے ہو گئے تو وفات سے

پہلے توبہ کر لی اور درویشی اختیار کر لی، سو سال کی عمر پا کر ۱۱۰ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے۔

☆...... الأخطل: ابو مالک غیاث بن غوث تغلبی عربی عیسائی تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں پیدا ہوا، یہ بھی ہجو کا شاعر تھا، ۹۵ھ میں عیسائیت ہی پر مرا۔

☆...... حوص: عبداللہ بن عاصم الصری بنو ضبیعہ میں سے ہجو کے شاعر اور باوقار شخص تھے، جمیل بن معمر اور نصیب کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے، جریر اور فرزدق کے ہم عصر تھے، مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، دو آنکھوں کے پچھلے گوشے تنگ ہونے کی وجہ سے انہیں ''احوص'' کا لقب دیا گیا، ۱۰۵ھ دمشق میں فوت ہوئے، دیکھئے الأعلام للزرکلی۔

(۵۰)

قاتل، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مجلس میں جلوہ افروز تھے۔ اتنے میں دو نوجوان ایک دیہاتی آدمی کو پکڑے ہوئے لائے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے اسے کھڑا کر دیا: امیر المؤمنین نے پوچھا: بات کیا ہے؟

نوجوانوں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! اس نے ہمارے والد کو ناحق قتل کیا ہے۔ امیر المؤمنین نے پوچھا: تو نے ان کے باپ کو کس طرح قتل کیا ہے؟

دیہاتی نے جواب دیا: وہ اپنا اونٹ لے کر میری زمین میں داخل ہو گیا، میں نے اسے داخل ہونے سے منع کیا لیکن اس نے ماننے سے انکار کر دیا، چنانچہ میں نے پتھر اس کو دے مارا۔ پتھر اس کے سر پر لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیہاتی کی گفتگو سنی اور فرمایا: قصاص، قصاص!! (یعنی خون کا بدلہ خون!!)

کوئی قرار نامہ نہیں لکھا گیا بلکہ یہ فیصلہ ایسا تھا جس میں کسی مناقشے کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی کے خاندان کی بابت نہیں پوچھا: وہ کس قبیلے کا ہے؟ کیا وہ کسی معزز قبیلے کا ہے؟ کیا اس کا خاندان مضبوط اور طاقتور ہے؟ سوسائٹی میں اس کی کیا پوزیشن ہے؟ وغیرہ وغیرہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سب چیزوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور نہ اس سلسلہ میں انہیں وئی فکر دامن گیر ہوئی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں کسی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اور نہ شرعی حساب و کتاب میں کسی سے کوئی نرمی برتتے تھے۔

دیہاتی نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! میں آپ سے اس ذات کا واسطہ دے کر گزارش کرتا ہوں جس کے سبب آسمان و زمین قائم ہیں کہ آپ مجھے صرف ایک رات کے لیے چھوڑ دیں تاکہ میں گاؤں جا کر اپنی بیوی اور بال بچوں سے ملاقات کر آؤں، اور انہیں اس بات سے آگاہ کر دوں کہ عنقریب میں قتل کیا جانے والا ہوں۔ اس بات سے آگاہ کر کے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے بعد میرے سوا میرے بال بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی اور نہیں ہے۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: تو گاؤں جانے کے بعد میرے پاس لوٹ کر آئے گا، اس بات کی ضمانت کون دے گا؟

امیر المؤمنین کی بات سن کر لوگوں کا مجمع خاموش ہو گیا، کیونکہ کوئی بھی آدمی اس دیہاتی کا نام تک نہیں جانتا تھا، اور نہ کسی کو اس کے گھر یا خاندان کا پتہ تھا، پھر ایسی صورت میں بھلا کون اس کی واپسی کی ضمانت دے سکتا تھا؟ اور وہ ضمانت بھی ویسی نہیں تھی کہ دس بیس دینار، یا اونٹ گھوڑا یا جائیداد و زمین دے کر سبکدوش ہوا جا سکے، بلکہ یہ گردن کی ضمانت تھی کہ اگر وہ دیہاتی واپس آ گیا تو خیر، ورنہ تلوار سے ضامن کی گردن اڑا دی جائے گی۔

شریعت اسلامیہ کے قانون کی تنفیذ رکوانے کے لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے کون آ سکتا تھا؟ کون ان کے سامنے حدود الٰہیہ میں سفارش کی جرأت کر سکتا تھا؟ کس کے بس کا روگ تھا کہ وہ خطاب کے بیٹے کے سامنے واسطہ بن سکے؟

غرض سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش تھے۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ امیر المؤمنین بھی بڑے متفکر و متاثر تھے، وہ ایک مشکل گرداب میں پھنس چکے تھے کہ اب کیا کریں؟ آیا اس اعرابی کو قتل کر دیں اور اس کے بال بچے گاؤں میں بھوک سے مر جائیں یا اسے گھر جانے کی اجازت دے دیں اور وہ کسی کی ضمانت دیے بغیر چلا جائے اور اگر واپس نہ آئے تو پھر مقتول کا قصاص یونہی رہ جائے!!

سارا مجمع خاموش تھا۔ امیر المؤمنین نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکائے رکھا، اور پھر مقتول کے دونوں نوجوان بیٹوں سے فرمایا: (أَتَعْفُوَانِ عَنْهُ؟)

Scanned with CamScanner

"کیا تم دونوں اس قاتل اعرابی کا جرم معاف کر سکتے ہو؟"

نوجوانوں نے عرض کی: نہیں، اپنے باپ کے قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچائے بغیر ہم نہیں چھوڑ سکتے، اے امیر المؤمنین!

امیر المؤمنین نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: اے لوگو! اس اعرابی کی ضمانت مجھے کون دے سکتا ہے؟

مجمع میں سے ایک آواز آئی: ہاں اے امیر المؤمنین! میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔

یہ ایک بزرگ وتقویٰ شعار کی آواز تھی، یہ جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: یہ قتل کی ضمانت ہے، قتل کی!!

ابوذر غفاری نے عرض کی: خواہ قتل ہی کی ضمانت کیوں نہ ہو!!

امیر المؤمنین نے پوچھا: کیا آپ اس دیہاتی کو پہلے سے جانتے ہیں؟

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے پہلے کوئی شناسائی نہیں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: پھر کس بنیاد پر آپ اس شخص کی ضمانت دے رہے ہیں؟

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے اس کے اندر مؤمنوں کے آثار دیکھے ہیں، اس لیے میں نے بھانپ لیا کہ یہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ انشاء اللہ یہ ضرور آجائے گا۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: اے ابوذر! کیا آپ اس گمان میں مبتلا ہیں کہ اگر اس اعرابی نے آنے میں تین دنوں سے زیادہ تاخیر کر دی تو میں آپ کو چھوڑ دوں گا اور آپ کی جان بخشی ہو جائے گی؟

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی کو تین دن کی رخصت دے دی کہ وہ ان ایام کے دوران میں جا کر اپنے بچوں اور بیوی سے آخری کلمات کہہ آئے اور ہو سکے تو کسی کو ان کا کفیل بنادے۔ امیر المؤمنین کی اجازت پا کر دیہاتی اپنے گھر کو چلا گیا۔

تیسرے دن جب دیہاتی نہ پہنچ سکا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں عصر کے وقت (اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ) کا اعلان کرادیا۔

قصاص طلب کرنے والے دونوں نوجوان حاضر ہوئے اور لوگوں کا اژدحام ہوگیا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے اور آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: دیہاتی کدھر ہے؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا:

مجھے نہیں معلوم اے امیر المؤمنین!

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سورج کو دیکھ رہے تھے جو تیزی کے ساتھ ڈھل رہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموشی کے ساتھ حیران و ششدر سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے جن کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ تھا۔

یہ بھی سچ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دل میں بستے تھے لیکن یہاں مسئلہ شریعت کا تھا، یہ دستورِ الٰہی کا معاملہ تھا، یہ قوانینِ الٰہیہ کا مسئلہ تھا جن سے دریغ نہیں کیا جا سکتا اور نہ انہیں لوگوں کے مراتب کے اعتبار سے تقسیم کیا جا سکتا ہے، کہیں شرعی قوانین کا چہرہ مسخ نہ ہو جائے۔ نیز شرعی قوانین سے تجاوز کر کے حد نافذ نہیں کی جا سکتی اور نہ ایک آدمی کی جگہ دوسرے کا خون کیا جا سکتا ہے۔

آفتاب غروب ہونے کے لیے ڈھل چکا تھا، غروب سے تھوڑا پہلے سورج کی سرخی نظر آنے لگی تھی اور چند ہی لمحوں میں وہ پوری طرح سے غروب ہونے والا تھا کہ یکایک وہ اعرابی نمودار ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس کے ساتھ مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پھر وہ اعرابی تیز قدموں سے چلتے ہوئے لوگوں کے مجمع میں پہنچ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(أَيُّهَا الرَّجُلُ! أَمَا إِنَّكَ لَوْ بَقِيتَ فِي بَادِيَتِكَ مَا شَعَرْنَا بِكَ وَمَا عَرَفْنَا مَكَانَكَ)

Scanned with CamScanner

"اے آدمی! اگر تو اپنے گاؤں ہی میں رک جاتا تو ہم تجھے نہیں جان سکتے تھے اور نہ تیرے گھر کا پتہ چل پاتا۔" دیہاتی نے جواباً کہا:

(وَاللهِ! مَا عَلَيَّ مِنْكَ وَلٰكِنْ عَلَيَّ مِنَ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفٰى)

"اللہ کی قسم! میرے اوپر آپ کا کوئی زور نہیں ہے لیکن مجھے اس ذات کا خوف ہے جو تمام رازوں اور پوشیدہ سے پوشیدہ باتوں کا بھی علم رکھتا ہے!!"

امیر المؤمنین نے مقتول کے دونوں نوجوان بیٹوں سے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے؟ نوجوانوں نے روتے ہوئے عرض کی:

اے امیر المؤمنین! اس دیہاتی کی صداقت کی وجہ سے ہم اس کو معاف کر رہے ہیں۔

امیر المؤمنین نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آپ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو آپ کی داڑھی پر گرنے لگے۔ (سنہرے فیصلے)

(۵۱)

ایک خداشناس مجنونہ

حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی کہ جبل مقطم کے قریب ایک عابدہ لڑکی رہتی ہے۔ میں نے چاہا کہ اس کی زیارت کروں۔ چنانچہ، میں اس پہاڑ کے قریب جا کر تلاش کرتا رہا لیکن وہ دکھائی نہ دی، میری ملاقات عابدوں کی ایک جماعت سے ہوئی، میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگے: "تم ایک مجنونہ کے بارے میں پوچھتے ہو اور عقل مندوں کے متعلق نہیں پوچھتے؟" میں نے کہا: "مجھے اس کے متعلق بتاؤ، اگرچہ وہ مجنونہ ہے۔" وہ پھر کہنے لگے: "ہم اسے اپنے قریب سے گزرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ وہ کبھی گرتی ہے تو کبھی کھڑی ہو جاتی ہے، کبھی چیخ و پکار کرتی ہے تو کبھی خاموش ہو جاتی ہے، کبھی روتی ہے تو کبھی ہنستی ہے۔" میں نے کہا: "مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔" تو ان میں سے ایک نے بتایا کہ "آپ فلاں وادی میں چلے جائیں۔" چنانچہ، میں اس کی تلاش میں چل پڑا۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو دھیمی دھیمی آواز میں اسے چند اشعار پڑھتے سنا، جن کا مفہوم یہ ہے:

"اے وہ ذات جس کے ذکر سے دل انس محسوس کرتے ہیں! مخلوق سے کنارہ کش ہو کر میری امید صرف تیری ہی ذات کریمانہ ہے۔ اے وہ ذات کہ تمام لوگ جس کے بندے ہیں! زمانہ گزر جائے گا مگر تیری محبت دلوں میں ہر دم تر و تازہ رہے گی۔"

Scanned with CamScanner

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اس آواز کے پیچھے چل پڑا تو ایک لڑکی کو دیکھا وہ بہت بڑی چٹان پر بیٹھی تھی۔ میں نے اسے سلام کیا تو وہ جواب دینے کے بعد کہنے لگی: "اے ذوالنون! کیا ہوا کہ ایک مجنونہ کو ڈھونڈ رہے ہیں؟" میں نے پوچھا: "کیا تم مجنونہ ہو؟" بولی: "جی ہاں! اگر میں مجنونہ نہ ہوتی تو مجھے ایسا کیوں کہا جاتا؟" پھر میں نے پوچھا: "کس وجہ سے تم مجنونہ ہو گئی ہو؟" تو اس نے جواب دیا: "اے ذوالنون! محبوب حقیقی کی محبت نے مجھے بیدار رکھا ہے اور اسی کے عشق نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔" پھر میں نے پوچھا: "تمہارے عشق ومحبت کا مقام کیا ہے؟" تو اس نے جواب دیا: "اے ذوالنون! محبت وعشق کا مقام دل ہے اور وہ جگہ کا مقام باطن ہے۔" پھر وہ شعر پڑھ کر گریاں ہوئی، یہاں تک کہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو شدت محبت سے ایک آہ دل پر درد سے کھینچتے ہوئے کہا: "اے ذوالنون! محبوب حقیقی سے محبت کرنے والوں کی موت یوں آتی ہے۔" پھر ایک زوردار چیخ مار کر زمین پر گر گئی۔ میں نے اسے ہلا جلا کر دیکھا تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔

(الروض الفائق)

(۵۲)

طالوت کی بادشاہی کا واقعہ

بنی اسرائیل کا نظام یوں چلتا تھا کہ ہمیشہ ان لوگوں میں ایک بادشاہ ہوتا تھا۔ جو ملکی نظام چلاتا تھا اور ایک نبی ہوتا تھا جو نظام شریعت اور دینی امور کی ہدایت ورہنمائی کیا کرتا تھا اور یوں دستور چلا آتا تھا کہ بادشاہی یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں رہتی تھی اور نبوت لاوی بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان کا طرہ امتیاز تھا۔ حضرت شمویل علیہ السلام جب نبوت سے سرفراز کئے گئے تو ان کے زمانے میں کوئی بادشاہ نہیں تھا تو بنی اسرائیل نے آپ سے درخواست کی کہ آپ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تو آپ نے حکم خداوندی کے مطابق "طالوت" کو بادشاہ بنا دیا۔ جو بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے بڑا عالم تھا لیکن بہت ہی غریب ومفلس تھا۔ چمڑا پکا کر یا بکریوں کی چرواہی کر کے زندگی بسر کرتا تھا۔ اس پر بنی اسرائیل کو اعتراض ہوا کہ طالوت شاہی خاندان سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کیونکر اور کیسے ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے؟ اس سے زیادہ تو بادشاہت کے حقدار ہم لوگ ہیں کیونکہ ہم لوگ شاہی خاندان سے ہیں۔ پھر طالوت کے پاس کچھ زیادہ مال بھی نہیں ہے۔ ایک غریب ومفلس انسان بھلا تخت شاہی کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے؟ بنی اسرائیل کے ان اعتراضوں کا جواب دیتے ہوئے حضرت شمویل علیہ السلام نے یہ تقریر فرمائی:

"طالوت کو میں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے بادشاہی کے لئے چن لیا ہے اور ملک اللہ ہی کا ہے وہ جس کو چاہے اپنا ملک عطا فرماوے اور اگر طالوت کے

پاس مال و دولت نہیں تو کیا ہوا؟ دیکھو وہ کتنا طاقتور ہے اور کتنا بڑا صاحب علم ہے اور سلطنت چلانے کے لئے مال سے زیادہ طاقت اور علم کی ضرورت ہے۔ پھر ان باتوں کے علاوہ طالوت کی بادشاہی کا نشان یہ ہے کہ وہ تمہارا صندوق جو تم سے چھین لیا گیا ہے وہ تمہارے پاس آجائے گا۔"

(البقرہ رکوع ۳۲)

چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد چار فرشتے صندوق لے کر آ گئے اور صندوق کو حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر تمام بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی کو تسلیم کر لیا اور آپ نے بادشاہ بن کر نہ صرف انتظام ملکی کو سنبھالا۔ بلکہ بنی اسرائیل کی فوج بھرتی کر کے قوم عمالقہ کے کفار سے جہاد بھی فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں فرماتے ہوئے اس طرح ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے:

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ ان لوگوں (بنی اسرائیل) نے کہا: ہم پر اس کی بادشاہی کیوں کر ہو گی؟ حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔ آپ نے فرمایا: اس کو اللہ نے تم پر (بادشاہی کے لئے) چن لیا ہے اور اس کو علم اور جسم میں کشادگی دی ہے اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہے عطا فرما دے اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے اور ان (بنی اسرائیل) سے ان کے نبی نے فرمایا: اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آ جائے گا تمہارے پاس وہ صندوق جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام کے ترکہ کی بچی ہوئی چیزیں ہیں۔ جس کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے بے شک اس میں تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ (سورہ بقرہ رکوع ۳۲)

اس واقعہ سے جہاں بہت سے مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک بہت ہی واضح درس یہ

ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نوازش کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ چاہے تو چھوٹے سے چھوٹے آدمی کو منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں بڑے سے بڑا آدمی بنا دے۔ دیکھ لو حضرت طالوت ایک بہت ہی کم درجے کے آدمی تھے اور اتنے مفلس تھے کہ یا تو دبگر تھے جو چمڑے کو دباغت دے کر اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ یا بکریاں چرا کر اس کی اجرت سے گزر بسر کرتے تھے، مگر لمحہ بھر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں صاحب تخت و تاج بنا کر بادشاہ بنا دیا۔

☆ اس واقعہ سے اور قرآن مجید کی عبارت النص سے معلوم ہوا کہ جسمانی توانائی اور علم کی وسعت بادشاہی کے لئے مالداری سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ بغیر جسمانی طاقت اور علم کے نظام ملکی کو چلانا اور سلطنت کا انتظام کرنا تقریباً محال اور ناممکن ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ علم کا درجہ مال سے بہت بلند تر ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۵۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی چادر

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے متقی پرہیزگار عالم رجاء ابن حیوہ کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک چادر کا کپڑا خرید کر لاؤ۔ رجاء ابن حیوہ چھ درہم کا کپڑا خرید کر لائے۔ حضرت عمر نے اسے چھو کر دیکھا تو فرمایا: اگر یہ ملائم نہ ہوتا تو میری پسند کے مطابق تھا۔ یہ سن کر رجاء کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: کیوں روتے ہو؟

کہنے لگے: امیر المؤمنین! اس سے پہلے آپ صرف امیر تھے، میں آپ کے پاس چھ سو درہم کا شفاف کپڑا خرید کر لایا تھا۔ آپ نے اسے چھو کر کہا تھا کہ کپڑا تو میری پسند کا ہے، لیکن اچھی طرح ملائم نہیں ہے اور آج جب کہ آپ امیر المؤمنین ہیں، آپ کے پاس چھ درہم کا کپڑا لایا ہوں تو آپ نے اسے چھو کر کہا ہے کہ کپڑا تو مجھے پسند ہے، لیکن یہ ملائم زیادہ ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا: رجاء سنو! میرا دل بھی پرشوق ہے۔ میرا دل فاطمہ بنت عبدالملک کی طرف مائل ہوا تو میں نے اس سے نکاح کر لیا۔ میرا دل حکومت کا طلب گار ہوا تو مجھے حکمران بنا دیا گیا۔ میرے دل نے خلافت کی خواہش کی تو مجھے خلیفہ بنا دیا گیا۔ اب میرا دل جنت کے شوق سے سرشار ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں جنت بھی حاصل کر لوں گا۔

رجاء کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دے رہے

تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ان کے لباس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے۔ میں نے حساب لگایا تو پگڑی، جبہ، قمیص، شلوار، ٹوپی، اوڑھنے والی چادر اور موزوں کی مجموعی قیمت بارہ درہم سے زیادہ نہ تھی۔

اسلام کے دور اول میں حکمرانوں اور ان کے ہم پلہ لوگوں کے لباس کا یہ حال تھا۔ جب وہ دنیا کی چمک دمک سے بے تعلق ہو گئے تو عوام الناس بھی بے نیاز ہو گئے اور کیوں نہ ہو؟ مشہور ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ عوام اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

(ابن الجوزی۔ بتصرف)

اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے شرفِ ملت علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں اور جب امراء، وزراء اور اراکین اسمبلی فضول خرچی اور عیاشی میں مصروف ہوں گے تو عوام میں بھی چمک دمک کی ہوس پیدا ہوگی اور جب وہ اپنی خواہشات کو عملی جامہ نہیں پہنا سکیں گے تو کیا ہوگا؟ یہی ناں کہ چوری کریں گے، ڈاکہ ڈالیں گے اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوگا۔

انعامی بانڈ کی سکیم کا اعلان یہ کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار روپے کا انعامی بانڈ خریدیئے اور دو کروڑ روپے کا انعام حاصل کیجئے، یہ اعلان ہوس زر کے پٹرول کو آگ کی تیلی دکھانے کے مترادف ہے، جس کے پاس چالیس ہزار روپے نہ ہوں گے وہ کیا کرے گا؟

(ولولہ انگیز خوشبوئیں ص ۷۷-۷۶)

Scanned with CamScanner

(۵۴)

بے مثال توبہ لاجواب قبولیت

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ جن کا نام ابن ہشام نے بشیر لکھا ہے بیعت عقبہ کے وقت نبی ﷺ نے انہیں نقیب مقرر کیا تھا اور غزوۂ بدر اور غزوۂ سویق کے مواقع پر ان کو مدینہ میں اپنا نائب مامور کیا۔ وہ غزوۂ احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ فتح مکہ کے وقت بنو عمرو بن عوف کا پرچم انہی کے ہاتھ میں تھا۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک کے موقع پر سات، آٹھ یا نو افراد کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے۔ بعد میں انہیں ندامت ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی آیت 102 کے مطابق ان کی توبہ قبول ہوئی۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے۔

(اسد الغابہ ج 6 ص 262-260)

رسول اکرم ﷺ نے جب بنو قریظہ کی غداری کے سبب ان کا محاصرہ کیا تو آپ ﷺ نے یہودیوں کے قلعے میں حضرت ابولبابہ رفاعہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ یہودیوں سے مذاکرات کریں شاید یہودی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تسلیم کرنے کی حامی بھر کر قلعے سے نیچے اتر آئیں۔

جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ یہودیوں کے پاس گئے تو ان کے بچے، بوڑھے اور عورتیں رو رہی تھیں۔ یہودیوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کو معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے ساتھ کون سا معاملہ کرنے والے ہیں؟

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا (یعنی رسول اکرم ﷺ تمہیں قتل کرنے والے ہیں)

اس کے بعد وہ قلعے سے نکلے ہی تھے کہ انہیں ہوش آیا کہ ان سے رسول اکرم ﷺ کا راز افشا ہو گیا ہے اور یوں ان سے اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں خیانت سرزد ہو گئی ہے، چنانچہ وہ فوراً مسجد نبوی میں گئے اور خود کو ایک ستون سے باندھ لیا اور کہا:

(وَاللّٰہِ! لَا أُحِلُّ نَفْسِیْ وَلَا أَذُوْقُ طَعَامًا وَلَا شَرَابًا حَتّٰی یَتُوْبَ اللّٰہُ عَلَیَّ)

''اللہ کی قسم! میں خود کو نہیں کھول سکتا اور نہ کھانے پینے کا مزہ چکھ سکتا ہوں تا آنکہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔''

پھر اس کے بعد حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ سات دنوں تک کچھ کھائے پیے بغیر ستون سے بندھے رہے۔ اس دوران آپ کی صاحبزادی آ کر مسجد کے ستون سے آپ کو نماز اور بشری حاجات کے لیے کھول دیا کرتی تھی۔ جب آپ بھوک پیاس کی تاب نہ لا سکے تو ایک دن غش کھا کر گر پڑے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی۔ لوگوں نے جب قبولیت توبہ کے بارے میں بتایا تو آپ نے کہا:

(وَاللّٰہِ! لَا أُحِلُّ نَفْسِیْ حَتّٰی یَکُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحُلُّنِیْ)

''اللہ کی قسم! میں خود کو زنجیروں سے اس وقت تک آزاد نہیں کر سکتا جب تک کہ خود رسول اکرم ﷺ مجھے نہ کھولیں۔''

چنانچہ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور ان کی زنجیر کھولی۔

(اسد الغابۃ لابن الأثیر: 261/6، وتاریخ الاسلام للذھبی: 343/1)

Scanned with CamScanner

(۵۵)

ایک عارفہ کا عارفانہ کلام

حضرت سیّدنا جعفر خادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیّدنا جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کو فرماتے سنا کہ میں نے ایک سال تنہا حج کیا اور مکہ مکرمہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفًا وّ تکریمًا میں ہی ٹھہر گیا۔ جب رات تاریک ہوگئی تو طواف کے لئے مطاف (طواف کی جگہ) میں داخل ہوا۔ دوران طواف میں نے ایک لڑکی دیکھی جو بیت اللہ شریف کا طواف کر رہی تھی۔ وہ کچھ اشعار پڑھ رہی تھی، جن کا مفہوم یہ ہے: ''محبت الٰہی عزوجل نے پوشیدہ رہنے سے انکار کر دیا۔ میں نے اسے بہت چھپایا مگر اس نے میرے پاس ڈیرے ڈال لئے۔ جب میرا عشق شدت اختیار کرتا ہے تو محبوب حقیقی کی یاد سے میرا دل دیوانہ ہو جاتا ہے اگر میں اپنے محبوب سے قرب حاصل کرنے کا ارادہ کروں اور وہ مجھے وصال کی دولت سے سرشار کر دے تو میرا دل مطمئن ہو جائے اور مجھ پر مدہوشی طاری ہو جائے یہاں تک کہ میں اس کے دیار کی لذت اٹھاؤں اور خوشی سے جھوم جاؤں۔''

حضرت سیّدنا جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے سعادت مند لڑکی! کیا تمہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کہ اس عظیم مقام پر ایسا کلام کر رہی ہو، تو وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی: ''اے جنید! اللہ تعالیٰ اور اس سے محبت کرنے والے کے درمیان حائل نہ ہو۔'' پھر اس نے مزید چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

''اگر محبوب حقیقی سے ملاقات کا معاملہ نہ ہوتا تو آپ مجھے میٹھی نیند چھوڑنے

والا نہ دیکھتے۔ محبت الٰہی عزوجل نے مجھے بے وطن کر دیا ہے جیسے آپ میرے وطن کے متعلق خیال کر رہے ہیں۔ میں نے اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کا پختہ ارادہ کرلیا ہے پس اس کی محبت نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔''

پھر کہنے لگی: اے جنید! آپ کعبہ مشرفہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفًا و تکریمًا کا طواف کر رہے ہیں کیا آپ نے کعبے کے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا: ''آپ کو اس دعوے کی دلیل قائم کرنی ہوگی تو اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا لیا اور کہنے لگی: ''تو پاک ہے، تو پاک ہے، تیری شان کتنی بلند ہے! تیری بادشاہی کتنی عزت والی ہے! یہ لوگ پتھروں جیسے ہیں جو اہل معرفت کا انکار کرتے ہوئے طواف کر رہے ہیں۔'' پھر اس نے چند اشعار اور پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

''لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہیں جبکہ ان کے دل چٹانوں سے زیادہ سخت ہیں' اگر وہ تنہائی میں مخلص ہوتے تو ان کی صفات عمدہ ہو جاتیں اور ان کی ذات میں بیان کرنے کے لئے صفات حق قائم ہو جاتیں۔''

حضرت سیّدنا جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس کا عارفانہ کلام سن کر مجھ پر غشی طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو میں نے اسے بہت تلاش کیا مگر کہیں نہ پایا۔ (الروض)

Scanned with CamScanner

(۵۶)

حضرت داؤد نبی علیہ السلام بادشاہ کیسے بنے؟

جب طالوت بنی اسرائیل کے بادشاہ بن گئے تو آپ نے بنی اسرائیل کو جہاد کے لئے تیار کیا اور ایک کافر بادشاہ "جالوت" سے جنگ کرنے اپنی فوج کو لے کر میدان جنگ میں نکلے۔ جالوت بہت ہی قد آور اور نہایت ہی طاقتور بادشاہ تھا، وہ اپنے سر پر لوہے کی جو ٹوپی پہنتا تھا اس کا وزن تین سو رطل تھا۔ جب دونوں فوجیں میدان جنگ میں لڑائی کے لئے صف آرائی کر چکیں تو حضرت طالوت نے اپنے لشکر میں یہ اعلان فرمادیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اپنی شہزادی کا نکاح اس کے ساتھ کردوں گا اور اپنی آدھی سلطنت بھی اس کو عطا کردوں گا۔ یہ فرمان شاہی سن کر حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے جو ابھی بہت ہی کمسن تھے اور بیماری سے چہرہ زرد ہو رہا تھا اور غربت و مفلسی کا یہ عالم تھا کہ بکریاں چرا کر اس کی اجرت سے گزر بسر کرتے تھے۔ روایت میں ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام گھر سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے تھے تو راستہ میں ایک پتھر نے بول کر کہا: اے حضرت داؤد علیہ السلام! مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر ہوں۔ پھر دوسرے پتھر نے آپ کو پکارا کہ اے حضرت داؤد علیہ السلام مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کا پتھر ہوں۔ پھر ایک تیسرے پتھر نے آپ کو پکار کر عرض کیا: اے حضرت داؤد علیہ السلام! مجھے اٹھا لیجئے کیونکہ میں جالوت کا قاتل ہوں۔ آپ نے ان تینوں پتھروں کو اٹھا کر اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام اپنی گوپھن لے کر صفوں سے آگے بڑھے اور جب جالوت پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے ان

تینوں پتھروں کو اپنی گوپھن میں رکھ کر اور بسم اللہ پڑھ کر گوپھن سے تینوں پتھروں کو جالوت کے اوپر پھینکا اور یہ تینوں پتھر جا کر جالوت کی ناک اور کھوپڑی پر لگے اور اس کے بھیجے کو پاش پاش کر کے سر کے پیچھے سے نکل کر تیس جالوتیوں کو لگے اور سب کے سب مقتول ہو کر گر پڑے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کی لاش گھسیٹتے ہوئے لا کر اپنے بادشاہ حضرت طالوت کے قدموں میں ڈال دیا اس پر حضرت طالوت اور بنی اسرائیل بے حد خوش ہوئے۔ جالوت کے قتل ہو جانے سے اس کا لشکر بھاگ نکلا اور حضرت طالوت کی فتح مبین ہوگئی اور اپنے اعلان کے مطابق حضرت طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور اپنی آدھی سلطنت کا ان کو سلطان بنا دیا۔ پھر پورے چالیس برس کے بعد حضرت طالوت بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام پوری سلطنت کے بادشاہ بن گئے اور جب حضرت شمویل علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سلطنت کے ساتھ نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا۔ آپ سے پہلے سلطنت اور نبوت دونوں اعزاز ایک ساتھ کسی کو بھی نہیں ملے تھے۔ آپ پہلے شخص ہیں کہ ان دونوں عہدوں پر فائز ہو کر ستر برس تک سلطنت اور نبوت دونوں منصبوں کے فرائض پورے کرتے رہے اور پھر آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور نبوت دونوں مرتبوں سے سرفراز فرمایا۔ (جمل علی الجلالین ج ا ص ۳۰۸)

اس واقعہ کا اجمالی بیان قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں اس طرح ہے:

وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ (البقرہ رکوع ۳۳)

اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے انہیں سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں جو چاہا سکھا دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ذریعہ معاش

حضرت داؤد علیہ السلام باوجود یکہ ایک عظیم سلطنت کے بادشاہ تھے مگر ساری عمر وہ اپنے ہاتھ کی دستکاری کی کمائی سے اپنے خورد و نوش کا سامان کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ لوہے کو ہاتھ میں لیتے تو وہ موم کی طرح نرم ہو جایا کرتا تھا اور آپ

اس سے زرہیں بنایا کرتے تھے اور ان کو فروخت کر کے اس رقم کو اپنا ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو پرندوں کی بولی بھی سکھادی تھی۔

(قرآن مجید)

حضرت طالوت کی سرگزشت کی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی مقدس زندگی سے بھی یہی سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنا فضل وکرم فرماتا ہے تو ایک لمحہ میں رائی کو پہاڑ اور ذرہ کو آفتاب بنا دیتا ہے۔ غور کرو کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک کمسن لڑکے تھے اور خود نہایت ہی مفلس اور ایک غریب باپ کے بیٹے تھے، مگر اچانک اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنے عظیم اور بڑے بڑے مراتب ودرجات کے اعزاز سے سرفراز فرمادیا کہ ان کے سر پر تاج شاہی رکھ کر انہیں بادشاہ بنادیا اور ایک بادشاہ کی شہزادی ان کے نکاح میں آئی اور پھر نبوت کا مرتبہ بلند انہیں عطا فرمادیا کہ اس سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی بلند مرتبہ ہوسکتا ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کا جلوہ دیکھو کہ جالوت جیسے جابر اور طاقتور بادشاہ کا قاتل حضرت داؤد علیہ السلام کو بنادیا جو ایک کمسن لڑکے اور بیمار تھے اور وہ بھی ان کے تین پتھروں سے قتل ہوا۔ حالانکہ جالوت کے سامنے ان چھوٹے چھوٹے تین پتھروں کی کیا حقیقت تھی؟ جب کہ وہ تین سو رطل وزن کی فولادی ٹوپی پہنے ہوئے تھا، مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو چیونٹی کو ہاتھی پر غالب کردے اور اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ہاتھی ایک چیونٹی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

واقعہ مذکورہ بالا میں آپ نے پڑھ لیا کہ طالوت دبگری یعنی چمڑا پکانے کا پیشہ کرتے تھے یا بکریاں چراتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی پہلے بکریاں چرایا کرتے تھے اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہ بنادیا اور نبوت کے شرف سے بھی سرفراز فرمادیا تو انہوں نے اپنا ذریعہ معاش زرہیں بنانے کے پیشے کو بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رزق حلال طلب کرنے کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرنا خواہ وہ دبگری ہو یا چرواہی ہو یا لوہاری ہو یا کپڑا بننا ہو الغرض کوئی پیشہ ہرگز ہرگز نہ ذلیل ہے نہ ان پیشوں کے ذریعہ روزی حاصل کرنے والوں کے لئے کوئی ذلت ہے۔ جو لوگ بنکروں اور دوسرے پیشہ وروں کو محض ان کے پیشہ کی بنا پر ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں وہ انتہائی جہالت وگمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں رزق حلال

طلب کرنے کے لئے کوئی جائز پیشہ اختیار کرنا یہ انبیاء ومرسلین اور صالحین کا مقدس طریقہ ہے لہٰذا ہرگز ہرگز پیشہ ور مسلمان کو حقیر وذلیل نہیں شمار کرنا چاہئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ پیشہ ور مسلمان ان لوگوں سے ہزاروں درجہ بہتر ہیں جو سرکاری نوکریوں اور رشوتوں اور دھوکہ دہی کے ذریعہ رقمیں حاصل کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں اور اپنے شریف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ شرعاً اس سے زیادہ ذلیل کون ہوگا جس کی کمائی حلال نہ ہو یا مشتبہ ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

Scanned with CamScanner

(۵۷)

علم کے ضائع ہونے کا سبب

حج کے موقع پر حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہارون الرشید سے ہوئی۔ آپس میں پرلطف گفتگو ہوئی جس سے ہارون الرشید بہت خوش اور مانوس ہوا۔ ہارون الرشید اٹھ کر جانے لگا تو حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک مفید نصیحت گوش گزار کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء پر واجب فرمایا ہے کہ وہ حکمرانوں کو بطور خیر خواہی نصیحت کریں۔ اس لئے ان کے پاس نہ جائیں کہ ان سے جاہ و منصب، دنیا اور مال حاصل کریں۔ جیسے کہ آج کچھ ایسے لوگوں نے اسے حلال جان رکھا ہے جو علم کے دعویدار ہیں اور درحقیقت علم سے کوسوں دور ہیں۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

امیر المؤمنین! مجھے خوف ہے کہ جس طرح ہمارے ہاں علم ضائع ہو چکا ہے، اسی طرح آپ کی طرف بھی ضائع ہو چکا ہوگا۔ ہارون رشید نے کہا: جی ہاں! واقعہ یہی ہے۔

ہارون رشید نے یہ نصیحت پلے باندھ لی۔ افعال حج ادا کر کے عراق پہنچا تو سب سے پہلے یہ کام کیا کہ تمام شہروں اور فوجی کمانڈروں کو یہ آرڈر بھجوایا کہ علماء، ائمہ اور خطباء کے وظیفوں میں اضافہ کیا جائے کیونکہ یہ حضرات امت مسلمہ کے چراغ ہیں۔ امت ان ہی سے ہدایت حاصل کرتی ہے۔ عام لوگ جس چیز کو بگاڑ دیتے ہیں، یہ حضرات ہی اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ ہارون رشید نے آرڈر جاری کیا:

۱- جو شخص تمہارے ہاں اذان دینے پر مامور ہو اسے ایک ہزار دینار وظیفہ دو۔

۲- جو شخص قرآن پاک یاد کرلے، پھر علم حاصل کرنے لگے اور علم و ادب کی مجلسوں کو آباد کرے، تو اسے دو ہزار دینار وظیفہ دو۔

۳- جو قرآن پاک کا حافظ ہو، حدیث روایت کرتا اور علم میں فقاہت اور مہارت رکھتا ہو، اسے چار ہزار دینار وظیفہ دو۔

اس مقصد کے لئے موجودہ دور کے نامور علماء و فضلاء اور تجربہ کار حضرات امتحان لے کر گریڈ کا فیصلہ کریں۔ تم علماء کی بات سنو اور ان کے حکم کی اطاعت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول مکرم کی اطاعت کرو اور اپنے امر والوں کی اور امر والے وہ اہل علم ہی ہیں جو اپنی دعوت میں مخلص ہیں۔

جب یہ حکم نامہ فوجوں اور شہروں میں پہنچا اور عوام و خواص نے خلیفۂ وقت کے حکم پر عمل کیا تو عظیم علمی انقلاب برپا ہوگیا۔ لوگ علم کی بدولت مالدار ہوگئے اور اسے کافی سمجھنے لگے۔ عوام و خواص علمی سرچشموں سے خود بھی سیراب ہوتے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے اور علم میں اس طرح دلچسپی لینے لگے جس طرح مالدار مال میں دلچسپی لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک حج کے موقع پر ہارون رشید کے ہمراہ تھے اور انہوں نے حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو بھی سنی تھی۔ ان کا بیان ہے:

میں نے رسول اللہ ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کے زمانے کے بعد ہارون رشید کے زمانے سے زیادہ عالم، قرآن پاک کے قاری، نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اور دین کی حرمتوں کے پاسبان نہیں دیکھے۔

آٹھ سال کی عمر کا بچہ قرآن پاک یاد کرلیتا تھا۔ گیارہ سال کا نوعمر بچہ فقہ اور علم میں مہارت حاصل کرلیتا تھا، حدیث روایت کرتا تھا، اور اپنے پاس ذخیرۂ حدیث جمع کرلیتا تھا۔ شعراء کے دیوان یاد کرلیتا تھا اور اساتذہ سے باقاعدہ بحث مباحثہ کرتا تھا۔ امت مسلمہ میں

Scanned with CamScanner

ایسا انقلاب بپا ہو گیا جس نے جہالت اور سستی کی چادر اتار پھینکی۔ خواب غفلت کا پردہ چاک کر دیا۔ علم اور اخلاق کی حکمرانی قائم ہو گئی۔ اس کے بعد مدارس قائم کیے گئے اور ان کے منتظمین اکثر و بیشتر وہ علماء تھے جو سلطان کے کارندے تھے۔ انہوں نے ہمارے لئے ایسے زندہ و پائندہ نشانات چھوڑے جو آج بھی ان کے حق میں گواہی دے رہے ہیں۔ یہیں سے ملت اسلامیہ کا سنہرا دور شروع ہوا جس کی بنیاد تقوی پر تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حکمران رعایا کا لیڈر رہتا ہے، دوسرے لوگ اسی کے طریقے پر چلتے ہیں' اگر وہ درست ہو تو عوام بھی درست اور اگر وہ بگڑ جائے تو عوام بھی بگڑ جائیں گے۔

حضرت شرف ملت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس واقعہ میں حضرت شیخ محمد صالح فرفور رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے، آج ہمارے مدارس کی زبوں حالی کسی واقف حال سے مخفی نہیں ہے، پرانے مدرسین تیزی سے رخصت ہو رہے ہیں اور نئے اساتذہ ضرورت سے بہت کم تیار ہو رہے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ دینی مدارس کے مدرسین کی بے قدری ہے، طلباء جب اساتذہ کی معاشی اور نفسیاتی کیفیت کا مطالعہ کرتے ہیں (اور یہ مطالعاتی حس ان میں بہت تیز ہوتی ہے) تو برملا کہتے ہیں کہ ہم مدرس نہیں بنیں گے' اگر مدرس بنیں گے تو ہمارا حشر بھی وہی ہوگا جو ہمارے اساتذہ کا ہو رہا ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب وقت کے حکمران علم دین اور علماء کی قدر و منزلت کیا کرتے تھے، اس وقت امراء اور وزراء کے بیٹے بھی علم دین کی طرف راغب ہوا کرتے تھے، ارباب مدارس کی ذمہ داری ہے کہ اساتذہ کو بشرط گنجائش زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کریں تا کہ مدرسین کی نسل ختم ہونے سے بچ جائے اور نیا خون بھی اس شعبے کو میسر ہوتا رہے۔ ایک دفعہ راقم نے حضرت استاذ الاساتذہ مولانا غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ''تفہیم البخاری'' سے دریافت کیا: جو مدرسین مشاہرہ لے کر علوم دینیہ کی تدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں انہیں بھی ثواب ملے گا؟ تو انہوں نے مدرسین کی معاشی حالت کے پیش نظر فرمایا: یہ ناممکن ہے کہ انہیں ثواب نہ ملے۔

یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ جس طبقے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی اسی طرف عوام و خواص کا رجحان بڑھ جائے گا، ہمارا دین دار طبقہ نوازتا ہے: نعت خوانوں کو، قوالوں کو، خوش

آواز خطیبوں کو، علم و عمل سے بیگانہ پیروں کو، بااثر سیاست دانوں کو اور ارباب اقتدار کو جب کہ ہماری حکومتیں نوازتی ہیں گلوکاروں، گلوکاراؤں، ایکٹروں، ایکٹرسوں، کھلاڑیوں، طبلچیوں، خوشامدیوں اور امریکہ کے پسندیدہ ادیبوں، قلم کاروں اور ایڈیٹروں کو۔ ہمارے عوام یا ارباب حکومت کو تحقیق اور محققین اور خاص طور پر دینی ریسرچ سکالروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، معاف کیجئے پھر اسی طبقے کے افراد زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں گے جن کو آپ نوازتے ہیں ایک وقت تھا کہ جامعہ ازہر میں ریسرچ کرنے والوں کو حکومت پاکستان ماہانہ پچاس ڈالر دیا کرتی تھی سنا ہے کہ اب خیر سے وہ بھی بند کر دیئے ہیں۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۵۸)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا انعام

حضرت سلمہ بن اکوع اسلمی رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان (حدیبیہ) کے موقع پر دو بار بیعت کی۔ یہ غزوۂ ذی قرد سمیت سات غزوات میں شریک ہوئے۔ ابن اسحٰق کے بقول ان سے بھیڑیا ہم کلام ہوا تھا۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ مدینے میں مقیم رہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ربذہ منتقل ہو گئے۔ انہوں نے 74ھ میں انتقال فرمایا۔

(اسد الغابہ ج2 ص517)

ایاس بن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مشرکین میں سے ایک جاسوس رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ وہ جاسوس مسلمانوں کے ساتھ باتیں کرتا رہا، پھر (کھانا وغیرہ کھا کر) چپکے سے کھسک گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

(اُطْلُبُوْهُ وَاقْتُلُوْهُ) ''اسے تلاش کر کے قتل کر ڈالو۔''

رسول اکرم ﷺ کا حکم سنتے ہی لوگ جاسوس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ میرے والد (سلمہ) نے دوڑ کر سب سے پہلے اس جاسوس کی اونٹنی کی لگام جا پکڑی اور اسے موقع ہی پر قتل کر دیا، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس (جاسوس) کا سارا ساز و سامان میرے والد (سلمہ بن اکوع) کو بطور تحفہ دے دیا۔

(اقضیۃ رسول اللہ ﷺ: 225/1، بخاری: 3051، مسلم: 1754 مطولاً)

(۵۹)

ایک عابدہ کی نصیحت بھری باتیں

حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میرے سامنے ایک عابدہ و زاہدہ کی تعریف کی گئی جو بہت باعمل اور کثرت سے عبادت کرنے والی تھی۔ میں نے اس کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ، میں نے دیکھا کہ وہ دن کو روزے رکھتی، رات کو قیام کرتی، نہ تو عبادت سے کبھی غافل ہوتی اور نہ ہی نیکیوں سے اسے کوئی اکتاہٹ ہوتی۔ وہ ایک راہب خانے میں رہتی تھی۔ رات کے وقت جب اندھیرا چھا گیا تو میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: ''میرا مالک و مولیٰ عزوجل نہیں سوتا اور نیند اس کے شایانِ شان نہیں، تو پھر اس کی بندی کیسے سو جائے، تیری عزت و جلال کی قسم! آج رات میں نہیں سوؤں گی۔'' جب صبح ہوئی تو میں نے اسے سلام کیا اور اس نے جواب دیا۔ میں نے کہا: ''اے لڑکی! تو عیسائیوں کے ٹھکانے میں رہتی ہے جبکہ تو عبادت میں اس مقام پر ہے؟'' تو وہ کہنے لگی: ''اے ذوالنون! ایسی چھوٹی بات نہ کریں، آپ تو اس عظیم مقام پر فائز ہیں کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خیال نہیں آتا، اور نہ ہی کوئی وہم پیدا ہوتا ہے۔'' میں نے اس سے کہا: ''کیا تم اس گرجے میں وحشت محسوس نہیں کرتی؟'' اس نے کہا: ''وہ ذات جس نے میرے دل کو اپنی لطیف حکمت سے بھر دیا اور مجھے اپنی محبت عطا کر دی، میں اپنے دل میں اس کے علاوہ کسی کے لئے کوئی جگہ نہیں پاتی اور نہ ہی میرے جسم میں کوئی ایسی رگ ہے جو اس کی محبت و معرفت سے لبریز نہ ہو، تو میں کیونکر اس کے ذکر سے مانوس نہ ہوں گی، میں تو

Scanned with CamScanner

ہمیشہ اس کی بارگاہ میں ہوتی ہوں۔"

پھر میں نے کہا: "آپ نے راہ سلوک کی طرف میری رہنمائی فرمائی ہے، پس مجھے بھی ایسی قوم کے راستے پر چلایئے، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں گناہوں کے سمندر میں غرق ہوں۔" تو اس نے نصیحت کرتے ہوئے کہا: "اے ذوالنون! تقویٰ کو اپنا توشہ بنالو اور آخرت کو اپنا مقصد بنالو، زہد وتقویٰ کو اپنی سواری بنالو اور سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کو اپنی عادت بنالو، اور اس دنیا کو اپنے دل سے نکال دو، یہ آپ کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا سبب ہوگا اور خائفین کے راستے کو اپنا کر، نافرمانوں کے راستے کو ترک کر دیجئے، موحدین کی فہرست میں آپ لکھے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی حاضری اس حال میں ہوگی کہ آپ کے اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا، اور نہ ہی کوئی دربان آپ کو روکے گا۔" حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس کے کلام نے میرے دل پر بہت اثر کیا اور وہی میرے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا سبب بنا، پھر اس نے مجھے وہیں چھوڑا اور چلی گئی۔ (الروض الفائق)

(۶۰)

بی بی مریم کے پاس بے موسما پھل اور......

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کے والد کا نام "عمران" اور ماں کا نام "حنہ" تھا۔ جب بی بی مریم اپنی ماں کے شکم میں تھیں اس وقت ان کی ماں نے یہ منت مان لی تھی کہ جو بچہ پیدا ہوگا میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کردوں گی۔ چنانچہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں، تو ان کی والدہ ان کو بیت المقدس میں لے کر گئیں اس وقت بیت المقدس کے تمام عالموں اور عابدوں کے امام حضرت زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے خالو تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کو اپنی کفالت اور پرورش میں لے لیا اور بیت المقدس کی بالائی منزل میں تمام مردوں سے الگ ایک محراب بنا کر حضرت مریم کو اس محراب میں ٹھہرایا۔ چنانچہ حضرت مریم اس محراب میں اکیلی خدا کی عبادت میں مصروف رہنے لگیں اور حضرت زکریا علیہ السلام صبح وشام محراب میں ان کی خبر گیری اور خورد ونوش کا انتظام کرنے کے لئے آتے جاتے رہے۔ چند ہی دنوں میں حضرت مریم کی محراب کے اندر یہ کرامت نمودار ہوئی کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں جاتے تو وہاں سردی کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل سردی میں پاتے۔ حضرت زکریا علیہ السلام حیران ہو کر پوچھتے کہ اے مریم! یہ پھل کہاں سے تمہارے پاس آتے ہیں؟ تو حضرت مریم یہ جواب دیتیں کہ یہ پھل اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے بلا حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو خداوند قدوس نے نبوت کے شرف سے نوازا تھا، مگر ان کی کوئی

Scanned with CamScanner

اولاد نہیں تھی اور وہ بالکل ضعیف ہو چکے تھے۔ برسوں سے ان کے دل میں فرزند کی تمنا موجزن تھی اور بارہا انہوں نے گڑگڑا کر خدا سے فرزند ملنے کی دعا بھی مانگی تھی، مگر خدا کی شان بے نیازی کہ باوجود اس کے اب تک ان کو کوئی فرزند نہیں ملا۔ جب انہوں نے حضرت مریم کی محراب میں یہ کرامت دیکھی کہ اس جگہ بے موسم کا پھل آتا ہے تو اس وقت ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میری عمر اب اتنی ضعیفی کی ہو چکی ہے کہ اولاد کے پھل کا موسم ختم ہو چکا ہے، مگر وہ اللہ جو حضرت مریم کی محراب میں بے موسم کے پھل عطا فرماتا ہے وہ قادر ہے کہ مجھے بھی بڑھاپے میں اولاد کا پھل عطا فرمادے۔ چنانچہ آپ نے محراب مریم میں دعا مانگی اور آپ کی دعا مقبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا جن کا نام خود خداوند عالم نے "یحییٰ" رکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کا شرف بھی عطا فرمایا۔ قرآن مجید میں خداوند قدوس نے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ
يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ
يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ
مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ
قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ
بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

(آل عمران رکوع ۴)

جب حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں داخل ہوتے تو اس (مریم) کے پاس رزق پاتے۔ آپ نے کہا: اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے؟ وہ بولیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ اسی جگہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اور کہا: اے میرے پروردگار تو مجھے اپنے پاس سے ستھری اولاد دے بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے تو فرشتوں نے انہیں آواز دی اور وہ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ آپ

کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری سناتا ہے جو کلمۃ اللہ (حضرت عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور عورتوں سے ہمیشہ بچنے والے ہوں گے اور نبی اور صالحین میں سے ہوں گے۔

عبرتوں کی تجلی

اس واقعہ سے مندرجہ ذیل عبرتوں کی تجلی ہوتی ہے جن سے ہر مسلمان کو سبق حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

☆...... واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم صاحب کرامت اور مرتبہ ولایت پر فائز ہیں کیونکہ خدا کی طرف سے ان کی محراب میں پھل آتے تھے اور وہ بھی سردی کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل سردی میں۔ یہ ان کی ایک بہت ہی عظیم الشان اور واضح کرامت ہے جو ان کی ولایت کی شاہد عدل ہے!

☆...... اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ والے یا اللہ والیاں جس جگہ عبادت کریں وہ جگہ اس قدر مقدس ہو جاتی ہے کہ وہاں رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے اور وہاں پر دعائیں مقبول ہوا کرتی ہیں جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا محراب مریم میں مقبول ہوئی حالانکہ وہ اس سے پہلے بیت المقدس میں بار بار یہ دعا مانگ چکے تھے مگر ان کی مراد پوری نہیں ہوئی تھی!

☆...... جہاں اللہ کے مقبول بندے اور مقبول بندیاں چند دنوں بیٹھ کر عبادت کریں جب ان جگہوں پر دعائیں مقبول ہوتی ہیں تو ان مقبولان بارگاہ الٰہی کی قبروں کے پاس جہاں ان بزرگوں کا پورا جسم برسہا برس تک رہتا ہے وہاں بھی ضرور دعائیں مقبول ہوں گی۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب کسی مسئلہ کا حل میرے لئے مشکل ہو جاتا تھا تو میں بغداد جا کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر اپنے اور خدا کے درمیان امام ممدوح کی مبارک قبر کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتا تھا تو میری مراد بر آتی تھی اور مسئلہ حل ہو جایا کرتا تھا۔

(عجائب القرآن مع غرائب القرآن)

Scanned with CamScanner

(۶۱)

فوجی افسر کو خلیفۂ وقت کی ہدایات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو قادسیہ کے لشکر کا کمانڈر بنا کر بھیجا تو انہیں حسب ذیل ہدایات دے کر روانہ کیا:

میں تمہیں اور تمہارے مجاہد ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کیونکہ دشمن کے مقابل بہترین سامان جنگ اور جنگ میں کام آنے والا مؤثر ترین ہتھیار خوف خدا ہے۔ میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ دشمن کی نسبت تم گناہوں سے زیادہ دور رہنا کیونکہ بہ نسبت دشمن کے تمہارے لئے گناہ زیادہ نقصان دہ ہیں۔ مسلمانوں کو صرف اس لئے فتح وظفر سے ہمکنار کیا جاتا ہے کہ ان کے دشمن اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہیں' اگر یہ بات نہ ہو تو ہم ان کا مقابلہ نہ کر سکیں کیونکہ ہماری تعداد ان کی تعداد کے اور ہمارا سامان جنگ ان کے ساز وسامان کے برابر نہیں ہوتا' اگر ہم نافرمانی میں ان کے برابر ہوں تو فتح ان کی ہونی چاہئے (کیونکہ وہ تعداد اور سامان میں زیادہ ہوتے ہیں) اور اگر ہم گناہوں سے دور ہوں تو ہم اپنی طاقت کی بنا پر نہیں بلکہ فرمانبرداری کی فضیلت کی بنا پر غالب ہوں گے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے سفر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر محافظ مقرر ہیں۔ تم جو کچھ کرو گے وہ ان کے علم میں ہوگا۔ تم ان سے شرماؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں روانہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام نہ کرو۔ (نہایۃ الارب، بتصرف)

یہ تھے تاریخ اسلام کے دور اول کے حکمران۔ انہیں خطرہ رہتا تھا کہ کہیں مجاہدین اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں۔ اس لئے انہیں نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔ دیکھئے! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کس طرح صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

تم محافظ فرشتوں سے شرماؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام نہ کرو۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں فرماتا، جب تک وہ اپنی حالت نہ بدلے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت سب سے بڑی قوت ہے اور اس کی نافرمانی شکست کا پروانہ ہے۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

Scanned with CamScanner

(۶۲)

مسلمان کی پناہ

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پردادا عبدشمس بن عبدمناف بن قصی تھے۔ یوں ان کا نسب نبی ﷺ کی چوتھی پشت میں جا ملتا ہے۔ ان کی ماں ہالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن تھیں۔ بعثت سے پہلے نبی ﷺ کی بڑی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص سے ہوا تھا۔ ابوالعاص غزوۂ بدر میں لشکر کفار میں شامل تھے اور گرفتار ہوئے۔ نبی ﷺ نے انہیں اس شرط پر رہا کیا کہ وہ مکہ جا کر زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں۔ ابوالعاص نے وعدہ پورا کیا۔ زینب رضی اللہ عنہا سے ان کے فرزند علی رضی اللہ عنہ اور بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ 12ھ میں انتقال کر گئے۔ اس سے پہلے زینب رضی اللہ عنہا وفات پا گئی تھیں۔ (اسد الغابہ ج6 ص183-182)

فتح مکہ کے کچھ دن قبل رسول اکرم ﷺ کے داماد ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ تجارت کی غرض سے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ شام کی طرف نکلے۔ ان کے ساتھ قریش کے اموال بھی تھے۔ ملک شام سے واپسی پر رسول اکرم ﷺ کے بھیجے ہوئے ایک چھوٹے سے لشکر نے ابوالعاص اور ان کے ہمراہیوں کا راستہ روکا۔ اس لشکر کے امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلمانوں نے قریش کے اس قافلے کا سارا مال چھین لیا اور کچھ لوگوں کو بھی گرفتار کر کے مدینہ منورہ لے آئے مگر ابوالعاص بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ رات کو اپنے مال کے حصول کے لیے مدینہ منورہ میں اپنی بیوی اور رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر آئے اور ان سے پناہ طلب کی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں پناہ دے دی۔

جب رسول اکرم ﷺ نے صبح کی نماز کے لیے اللہ اکبر کہا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے

عورتوں کی صف میں سے آواز دیتے ہوئے کہا:

(أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ قَدْ أَجَرْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيْعِ)

''لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہوئی ہے۔''

رسول اکرم ﷺ نے جب سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: (هَلْ سَمِعْتُمْ مَا سَمِعْتُ؟)

''میں نے جو کچھ سنا ہے وہ تم لوگوں نے بھی سنا ہے؟''

صحابہ کرام نے عرض کی: جی یا رسول اللہ!

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(أَمَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! مَا عَلِمْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى سَمِعْتُهُ كَمَا سَمِعْتُمْ)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے اس سلسلے کی کچھ بھی خبر نہیں تھی (کہ میری صاحبزادی نے ابوالعاص کو پناہ دے رکھی ہے) یہاں تک کہ میں نے ابھی یہ بات سنی جو تم نے بھی سنی ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: (يُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ أَدْنَاهُمْ)

''مسلمانوں میں سے کوئی ادنیٰ آدمی بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ اپنی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

(أَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ وَلَا يَخْلُصَنَّ إِلَيْكِ فَإِنَّكِ لَا تَحِلِّيْنَ لَهُ)

''ابوالعاص کی رہائش کا اچھی طرح بندوبست کرو، مگر وہ تمہارے قریب نہ آنے پائے کیونکہ تم اس کے لیے حلال نہیں ہو (کیونکہ وہ کافر ہے اور تم مسلمان)۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ کو بتلایا کہ ابوالعاص اپنا مال طلب کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان افراد کو اکٹھا کیا جنھوں نے ابوالعاص اور ان کے ساتھیوں کا مال چھینا تھا، پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

(إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ مِنَّا بِحَيْثُ عَلِمْتُمْ، وَقَدْ أَصَبْتُمْ لَهُ مَالًا، وَهُوَ مِمَّا

آفَاءَهُ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ، وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ تُحْسِنُوْا وَ تَرُدُّوْا عَلَيْهِ الَّذِيْ لَهٗ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَاَنْتُمْ اَحَقُّ بِهٖ)

''جیسا کہ تم لوگ خوب اچھی طرح جانتے ہو، یہ آدمی (ابوالعاص) ہمارے رشتے داروں میں سے ہے اور تم لوگوں نے اس کا مال چھینا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بطور غنیمت عطا فرمایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس کے اوپر احسان کرو اور اس کا مال واپس کر دو، یہ میری ایک تجویز ہے اگر تم اس بات سے انکار کرتے ہو تو اس مال کے زیادہ حقدار تم ہی لوگ ہو۔''

صحابۂ کرام نے عرض کی: نہیں، اللہ کے رسول ﷺ! (ہم آپ کی تجویز کو دل و جان سے مانتے ہوئے) اس مال کو واپس کر دیتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے ابوالعاص کا سارا مال واپس کر دیا۔ ابوالعاص یہ مال لے کر مکۂ مکرمہ واپس ہوئے اور جس جس قریشی سے مال لیا ہوا تھا اسے واپس کر دیا۔ قریش نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا: (جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا، فَقَدْ وَجَدْنَاكَ وَفِيًّا كَرِيْمًا)

''اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو وفادار اور شریف پایا ہے۔''

پھر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کلمہ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور قریش سے گویا ہوئے:

(وَاللّٰهِ! مَا مَنَعَنِيْ مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا خَوْفًا اَنْ تَظُنُّوْا بِيْ اَكْلَ اَمْوَالِكُمْ)

''اللہ کی قسم! (مدینہ میں محمد ﷺ کے پاس) مجھے اسلام قبول کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی، صرف ایک خدشہ دامن گیر تھا کہ کہیں تم اس بدگمانی میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ میں نے تمہارا مال ہڑپ کر لیا۔''

پھر وہ مدینہ طیبہ لوٹ گئے اور رسول اکرم ﷺ نے نکاح اول ہی پر اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس لوٹا دیا۔

(اسد الغابۃ:6042، سیرۃ ابن ہشام:657/1، البیہقی:95/9، الحاکم:45/4، مجمع الزوائد:330/5)

(۶۳)

غیبی اشرفیاں

ایک مرد صالح کا بیان ہے کہ میں ایک دیہات میں تھا، جہاں ایک قافلہ آیا۔ میں نے اپنے سامنے ایک شخص کو پایا تو میں جلدی سے اس کے پاس گیا دیکھا تو وہ ایک عورت تھی، اس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی اور بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ میں سمجھا کہ شاید یہ اپنا کچھ ساز و سامان ضائع کر چکی ہے۔ چنانچہ، میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور بیس درہم نکال کر کہا: ''یہ لو، اور میرے پاس ٹھہر جاؤ، جب قافلہ پہنچے تو اس کو کرایہ دے دینا اور رات کو آرام کرنے کے لئے میرے پاس آ جانا تاکہ میں تیری پریشانی دور کر دوں۔'' یہ سن کر اس نے اپنا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا: ''پریشانی تو یوں دور ہو جائے گی۔'' میں نے دیکھا تو اس کی ہتھیلی میں غیب سے سونے کی اشرفیاں آ چکی تھیں، اور کہنے لگی: ''تم نے جیب سے چاندی کی اشرفیاں لیں، جبکہ میں نے غیب سے سونے کی اشرفیاں لے لیں۔''

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق میں سے کچھ بندوں کو خاص کیا۔ ان کے لئے ہدایت والی زمین کو بچھونا بنایا۔ ان کو توفیق و ہدایت عطا فرمائی اور توشۂ سفر بھی فراہم کیا۔ ان کے لئے لطف و کرم کی کھڑکیاں نصب کر دیں اور ان کو اپنے راستوں پر چلایا اور ان کے گرد رحم و کرم کے پیالوں کو گردش دی۔ لہٰذا ان کے دل اس کی محبت میں دھڑکتے ہیں۔ ان کے جسم اس کی جدائی کے خوف سے لاغر و ناتوان ہیں۔ وہ وصال محبوب حقیقی کے باغیچوں میں آسودہ حال رہتے اور انس الٰہی عزوجل کے باغات میں لطف اٹھاتے ہیں اور انہیں قیامت کی ہولناکیوں کا کوئی خوف نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (پ۱۱، یونس:۶۲)

سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ (الروض)

(۶۴)

مقام ابراہیم (پتھر) کی تاریخی حیثیت

مقام ابراہیم (علیہ السلام) یہ ایک مقدس پتھر ہے جو کعبہ معظمہ سے چند گز کی دوری پر رکھا ہوا ہے یہ وہی پتھر ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ مکرمہ کی تعمیر فرما رہے تھے' تو جب دیواریں سر سے اونچی ہو گئیں تو اسی پتھر پر کھڑے ہو کر آپ نے کعبہ کی دیواروں کو مکمل فرمایا یہ آپ کا معجزہ تھا کہ یہ پتھر موم کی طرح نرم ہو گیا اور آپ کے دونوں مقدس قدموں کا اس پتھر پر بہت گہرا نشان پڑ گیا آپ کے قدموں کے مبارک نشان کی بدولت اس مبارک پتھر کی فضیلت و عظمت میں اس طرح چار چاند لگ گئے کہ خداوند قدوس نے اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں دو جگہ اس کی عظمت کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ ایک جگہ تو یہ ارشاد فرمایا: فِيْهِ اٰيٰتٌۢ "بَيِّنٰتٌ ... اِبْرٰهِيْمَ ۚ" یعنی کعبہ مکرمہ میں خدا کی بہت سی روشن اور کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اور ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی وہ مقام ابراہیم ہے اور دوسری جگہ اس پتھر کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے یہ فرمایا: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ یعنی اے ایمان والو! طواف کعبہ کر ... رکعتوں میں تم لوگ "مقام ابراہیم" کو نماز کی جگہ بناؤ۔ یعنی مقام ابراہیم ... رکعت نماز پڑھو۔ (البقرہ رکوع ۱۵)

یہ بابرکت پتھر تقر... برس کا طویل زمانہ گزر گیا کہ اس پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدموں کا نشان پڑ گیا تھا اور یہ پتھر کھلے آسمان کے نیچے زمین پر رکھا ہوا ہے اس پر چار ہزار برساتیں گزر گئیں۔ ہزاروں آندھیوں کے جھونکے اس پر ٹکرائے۔ بارہا حرم کعبہ میں پہاڑ... نالوں سے برسات میں سیلاب آیا اور یہ مقدس پتھر سیلاب کے تیز

دھاروں میں ڈوبا رہا۔ کروڑوں انسانوں نے اس پر ہاتھ پھیرا مگر اس کے باوجود آج تک حضرت خلیل کے جلیل القدر قدموں کا نشان اس پتھر پر باقی ہے۔ جو بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بہت ہی بڑا اور نہایت ہی معظم معجزہ ہے اور یقیناً یہ پتھر خداوند قدوس کی آیات بینات اور کھلی ہوئی روشن نشانیوں میں سے ایک بہت بڑا نشان ہے اور اس کی شان کا یہ عظیم الشان نشان ہر مسلمان کیلئے بہت بڑی عبرت کا سامان ہے کہ خداوند قدوس نے تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ تم لوگ میرے مقدس گھر خانہ کعبہ کے طواف کے بعد اسی پتھر کے پاس دو رکعت نماز ادا کرو۔ تم لوگ نماز تو میرے لئے پڑھو اور سجدہ میرا ادا کرو لیکن مجھے یہ محبوب ہے کہ سجدوں کے وقت تمہاری پیشانیاں اس مقدس پتھر کے پاس زمین پر لگیں کہ جس پتھر پر میرے خلیل جلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان بنا ہوا ہے!

مسلمانو! مقام ابراہیم کی عظمت شان سے یہ سبق ہے کہ جس جگہ اللہ کے مقدس بندوں کا کوئی نشان موجود ہو وہ جگہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ عزت و عظمت والی ہے اور اس جگہ خدا کی عبادت خدا کے نزدیک بہت ہی بہتر اور محبوب تر ہے!

اب غور کرو کہ مقام ابراہیم جب حضرت خلیل اللہ کے قدموں کے نشان کی وجہ سے اتنا معظم و مکرم ہو گیا تو خدا کے محبوب اکرم ﷺ اور حبیب معظم کی قبر انور کی عظمت و بزرگی اور اس کے تقدس و شرف کا کیا عالم ہوگا کہ جہاں حبیب خدا کا صرف نشان ہی نہیں۔ بلکہ خدا کے محبوب اکرم کا پورا جسم انور موجود ہے اور اس زمین کا ذرہ ذرہ انوار نبوت کی تجلیوں سے رشک آفتاب و غیرت مہتاب بنا ہوا ہے۔ مسلمانو! کاش قرآن مجید کی یہ آیتیں لوگوں کی آنکھوں میں ایمانی بصیرت کا نور پیدا کریں تا کہ لوگ قبر انور کی تعظیم و تکریم کر کے دونوں جہان میں مکرم و معظم بن جائیں اور اس کی توہین و بے ادبی کر کے شیطان کے پنجہ گمراہی میں گرفتار نہ ہوں اور جہنم کے عذاب مہین میں نہ پڑ جائیں اور کاش ان چمکتی ہوئی آیات بینات سے نجدیوں اور وہابیوں کو عبرت حاصل ہو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر منور کو مٹی کا ڈھیر کہہ کر اس کی توہین و بے ادبی کرتے رہتے ہیں اور گنبد خضریٰ کو منہدم کرنے اور گرا کر مسمار کر دینے اور نشان قبر مٹا دینے کا پلان بناتے رہتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ)

(۶۵)

عالم نے بادشاہ کی مشکل آسان کردی

ابوالحارث لیث بن سعد عبدالرحمٰن الفھمی فقہ اور حدیث میں اہل مصر کے امام تھے، اصلاً خراسان کے تھے، قلقشند میں پیدا ہوئے، قاہرہ میں وفات ہوئی، بڑے سخی اور کریم تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے ۹۴ھ میں ولادت ۱۷۵ھ میں وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ۔ (الاعلام للزرکلی)

ایک دفعہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی۔ سلطان نے طیش کے عالم میں کہہ دیا: اگر ہارون الرشید جنتی نہیں ہے تو تمہیں طلاق ہے۔

ملکہ نے ہارون الرشید سے پردہ کرلیا اور اس کے بعد اسے اپنا چہرہ تک نہ دکھایا۔ اس نے باور کرلیا کہ مجھے طلاق ہوچکی ہے، لہٰذا پردہ ضروری ہے۔ ہارون الرشید نے فقہاء کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ فقہاء کا آپس میں اختلاف ہوگیا اور کوئی عالم بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی؟ ہارون رشید نے مختلف شہروں کے علماء وفقہاء کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ ان کی آراء بھی مختلف تھیں۔ وہ بھی ایسا متفق علیہ جواب پیش نہ کرسکے جس پر ہر کوئی بے ساختہ داد دیتا۔ البتہ ان میں سے ایک بزرگ خاموش تھے، انہوں نے گفتگو میں بالکل حصہ نہیں لیا۔ وہ مجلس کے آخر میں سر جھکائے خاموشی سے سن رہے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے یکتا مجتہد امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

ہارون الرشید نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: حضرت آپ بھی کچھ فرمائیں گے؟

انہوں نے فرمایا: میں امیر المؤمنین سے تنہائی میں بات کروں گا۔

ہارون الرشید نے علماء کو انعام واکرام سے نواز کر رخصت کردیا۔ پھر امام لیث بن سعد

کو اپنے پاس بلا کر کہا: استاذ! فرمائیے۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟

ہارون الرشید کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان سے کوئی ایسا فتویٰ مل جائے گا جو اس کی الجھن اور پریشانی کو دور کردے گا۔ ہارون الرشید نے کہا: ارشاد فرمائیں! لیث: مجھے جان کی امان ہے؟

ہارون الرشید: جی ہاں! امان ہے۔

حضرت لیث نے کہا: قرآن پاک لایا جائے۔ قرآن پاک لایا گیا۔ کہنے لگے: امیر المؤمنین! سورۃ الرحمٰن پڑھیے!

ہارون الرشید نے سورۃ الرحمٰن پڑھی۔ جب اس آیت پر پہنچا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ (الرحمٰن)

(اور اس شخص کے لئے دو جنتیں ہیں جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا)

امام لیث نے فرمایا: امیر المؤمنین! ٹھہر جائیں۔ آپ کہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہارون الرشید یک دم برہم ہوگیا۔ اسے قسم اٹھانے کا مطالبہ بہت گراں گزرا۔

امام لیث نے کہا:

امیر المؤمنین! آپ جان کی امان دے چکے ہیں اور شرط کا پورا کرنا لازم ہے۔

ہارون الرشید نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے ڈرتا ہوں۔ جب ہارون الرشید نے یہ کلمات کہے تو امام لیث نے فرط مسرت سے یہ اعلان کیا: امیر المؤمنین آپ کے لئے ایک جنت نہیں دو جنتیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ (الرحمٰن)“ اور اس شخص کے لئے دو جنتیں ہیں جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا۔

ہارون الرشید خوش ہوگیا اور اس کی پریشانی دور ہوگئی۔ امام لیث کی ذکاوت نے اسے حیران کردیا۔ پردوں کے پیچھے سے تالی کی آواز بلند ہوئی۔ ہارون الرشید نے امام کو کہا: آپ نے شاندار فتویٰ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

انہیں انعامات اور طرح طرح کے کپڑوں سے مالا مال کردیا۔ مصر کا علاقہ جیزہ انہیں

Scanned with CamScanner

الاٹ کر دیا اور حکم جاری کر دیا کہ وہاں شرعی رہنمائی کا حق ان ہی کا ہو گا۔ ہارون الرشید کو سب سے زیادہ اس بات نے متاثر کیا کہ امام لیث نے کس لطافت سے حکم کا استنباط کیا؟ پھر ان کے اس انداز نے بھی شاد مان کیا کہ علماء کے سامنے خلیفہ سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا۔

علاوہ ازیں امام لیث محض ہارون الرشید کو بہلانے کیلئے فتویٰ دینا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ ایسا فتویٰ دینا چاہتے تھے جس سے وہ دلی طور پر مطمئن ہو۔ انہوں نے قرآن پاک سے اس نورانی علم کی روح کی بنیاد پر استنباط کیا جس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے منتخب فرمالیتا ہے۔ (نہایۃ الارب)

یہ تھا تاریخ اسلام کا پہلا زمانہ جب حکمران اور ارباب اقتدار پیکر اخلاص علماء کو اپنا مرجع، اچھا دوست، بندوں اور شہروں کے لئے دین و دنیا میں مفید امور کی مجلس شوریٰ کا ممبر بناتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے:

جب اللہ تعالیٰ کسی حکمران کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے اچھے مشیر مقرر فرما دیتا ہے اگر وہ بھول جائے تو اسے یاد دلاتے ہیں اور اگر یاد رکھے تو اس کی امداد کرتے ہیں اور جب کسی حکمران کی خرابی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے برے مشیر مقرر فرما دیتا ہے اگر وہ یاد رکھتا ہے تو اسے بھلا دیتے ہیں اور اگر عمل کرتا ہے تو اس کی امداد نہیں کرتے۔

آج کے بعض علماء اور مشائخ کی یہ حالت ہے کہ اگر ارباب اقتدار انہیں مشیر یا وزیر بنا دیں یا کسی خصوصی کانفرنس میں بلا لیں تو ان کی زبان سے ستائش اور خوشامدی الفاظ اس روانی سے صادر ہوتے ہیں کہ سنجیدہ اہل علم کا سر بار ندامت سے جھک جاتا ہے اور عوام و خواص کی نگاہ میں علماء و مشائخ کا وزن اور وقار کم ہو جاتا ہے، ایسے حضرات سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھی جا سکتی کہ اگر حکمران بھول جائیں تو انہیں یاد دلا دیں اور اگر یاد رکھیں تو ان کی امداد کریں گے۔ (بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ حکمران بھولے ہی رہیں اور انہیں ان کی ذمہ داریاں نہ ہی یاد دلانا پڑیں)۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۶۶)

حضرت سیّدنا دانیال علیہ السلام کا ایک فیصلہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام یتیم تھے۔ ان کے ماں باپ زندہ نہ تھے۔ بنی اسرائیل کی ایک خاتون نے ان کو گود لے کر ان کی پرورش و پرداخت کی۔ اس زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا جس کے دو قاضی تھے۔ وہ خاتون بہت ہی حسین و جمیل اور بارعب تھی۔ وہ بادشاہ کی خدمت میں گاہے بگاہے آیا کرتی اور اسے پند و نصائح کیا کرتی تھی۔

اس خاتون کو وقتاً فوقتاً بادشاہ کی خدمت میں آمد و رفت کو دونوں قاضی بڑے غور سے دیکھا کرتے تھے۔ اس کی محبت ان دونوں کے دلوں میں جاگزیں ہوگئی اور وہ اسے اندر ہی اندر دل و جان سے چاہنے لگے۔ ایک مرتبہ موقع پا کر انہوں نے اس پاکباز خاتون سے اپنی اندرونی کیفیت کا اظہار بھی کر دیا اور اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ہم دونوں تم سے بہت زیادہ پیار اور محبت کرتے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ ہمارے عشق کو تم قبول کرو گی مگر اس پاکباز خاتون نے انہیں نصیحت کی اور ان کی محبت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دونوں قاضیوں نے طرح طرح سے اسے بہلا پھسلا کر اپنی جھوٹی محبت کے دام فریب میں پھنسانا چاہا مگر وہ کسی بھی طرح ان کے ہاتھ نہیں آئی۔

جب دونوں قاضیوں نے دیکھا کہ یہ خوبصورت خاتون کسی بھی قیمت پر ان کے ہاتھ نہیں آسکتی تو انہوں نے جھنجھلا کر بادشاہ کے روبرو یہ شکایت کر دی کہ جو عورت آپ کو آ کر

Scanned with CamScanner

پندونصائح کیا کرتی ہے اس نے زنا جیسے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے!

بادشاہ نے جب اپنے قاضیوں کی شہادت سنی تو وہ بڑی مشکل میں پڑ گیا اور اسے بے حد صدمہ پہنچا، کیونکہ وہ اس خاتون کی شرافت ونجابت کا دل سے قائل تھا مگر قاضیوں کی شہادت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

غرض بادشاہ نے دونوں قاضیوں کی شہادت پانے کے بعد مزید تحقیق وتفتیش کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ان سے کہا: تم دونوں کی شہادت قابل قبول ہے۔ پھر بادشاہ نے اس عورت کو تین دن کی مہلت دی اور اس کے بعد اس کی سنگساری کا حکم دے دیا، نیز شہر میں یہ منادی کرا دی کہ فلاں دن فلاں عورت کو سنگسار کیا جائے گا، لوگ اسے دیکھنے کے لیے حاضر ہو جائیں۔

بادشاہ نے اگرچہ اس عورت کی سنگساری کا حکم دے دیا تھا، مگر اندر سے وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے اپنے ایک معتمد وزیر سے پوچھا: کیا کسی حیلے بہانے سے اس عورت کو سنگسار ہونے سے بچایا جا سکتا ہے؟

وزیر نے عرض کیا: اب جبکہ شہر میں اس کی سنگساری کی منادی کرا دی گئی ہے اور یہ سنگساری کا فیصلہ آپ ہی کے قریبی دو قاضیوں کی شہادت کی بنیاد پر دیا گیا ہے، پھر ایسی صورت میں اس عورت کی سنگساری کے فیصلے پر عمل درآمد نہ کرنے میں کون سی بات مانع ہو سکتی ہے؟

تیسرے دن جو کہ اس عورت کے سنگسار ہونے کا دن تھا، بادشاہ کا وہ معتمد وزیر گھر سے نکلا تو اس نے دیکھا کہ چند بچے کھیل رہے ہیں۔ ان میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کو نہیں پہچانتا تھا، تاہم کھڑا ہو کر ان بچوں کا کھیل دیکھنے لگا۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے بچوں کو اکٹھا کر کے کہا: اے بچو! آؤ میں تمہارا بادشاہ بنتا ہوں اور اے فلاں! تو زہد وورع کی پیکر فلانی عورت بن جا اور دو لڑکوں کو قاضیوں کا کردار دیا اور کہا: تم دونوں میری عدالت میں اس عورت کے خلاف گواہی دو۔ پھر خود ہی مٹی کا ڈھیر جمع کر کے اس پر بیٹھ گئے اور ہاتھ میں لکڑی کی ایک تلوار رکھ لی۔ اب صورت ایک عدالت کی تھی۔ دونوں

قاضی لڑکے اور وہ لڑکا جو عورت کے روپ میں تھا، سامنے کھڑے تھے۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے دوسرے لڑکوں سے کہا: وہ ایک قاضی کا ہاتھ پکڑ کر دور فلاں جگہ لے جائیں۔ جب وہ چلے گئے تو دوسرے قاضی کو بلا کر سختی سے کہا: سچ سچ بتا، ورنہ تجھے قتل کر دوں گا، تو کس بنیاد پر اس عورت کے بارے میں زنا کی گواہی دیتا ہے؟

قاضی کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے پوچھا: کب؟

ننھے قاضی نے جواب دیا: فلاں روز۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے پوچھا: کس مرد کے ساتھ اس نے زنا کیا ہے؟

ننھے قاضی نے جواب دیا: فلاں بن فلاں کے ساتھ۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے پوچھا: کس جگہ؟

ننھے قاضی نے جواب دیا: فلاں جگہ؟

حضرت دانیال علیہ السلام نے لڑکوں سے کہا: اس قاضی کو لے جاؤ اور دوسرے قاضی کو میرے پاس بلا لاؤ۔ لڑکوں نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے اس دوسرے قاضی سے بھی وہی سوالات کیے جو پہلے قاضی سے کر چکے تھے، مگر اس دوسرے قاضی کے جوابات پہلے قاضی سے مختلف تھے۔ حضرت دانیال علیہ السلام زور سے اللہ اکبر پکار اٹھے۔

بادشاہ کا معتمد وزیر جو کہ یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، وقت ضائع کیے بغیر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور اس کو بچوں کا یہ کھیل تماشا کہہ سنایا۔ بادشاہ کو ہوش آیا اور اس نے حضرت دانیال علیہ السلام ہی کی طرح دونوں قاضیوں کو بلا بھیجا اور انہیں الگ الگ کر کے ان سے بیانات لیے۔ معلوم ہوا کہ دونوں کے بیانات مختلف ہیں، چنانچہ بادشاہ نے لوگوں میں یہ منادی کرا دی کہ قاضیوں کے قتل کا مشاہدہ کرنے کے لیے لوگ فلاں میدان میں اکٹھے ہو جائیں۔ پھر مجمع عام کے سامنے بادشاہ نے دونوں قاضیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور پاکیزہ خاتون کو باعزت اس کے گھر بھیج دیا۔

(الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، لابن القیم (ص80))

Scanned with CamScanner

یاد رہے: یہ واقعہ ہم نے حافظ ابن قیم کی مذکورہ کتاب سے لیا ہے مگر اس میں حضرت دانیال علیہ السلام کے ساتھ کوئی ایسا لقب لکھا ہوا نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ دانیال نبی تھے۔ انہوں نے صرف دانیال نام لکھا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام نبی تھے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ نبی نہیں بلکہ کوئی ولی تھے۔

واللہ اعلم بالصواب

(۶۷)

چور ولی بن گیا

منقول ہے کہ ایک چور رات کے وقت حضرت سیّدہ رابعہ بصریہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کے گھر داخل ہوا، اس نے دائیں بائیں ہر طرف پورے گھر کی تلاش لی لیکن سوائے ایک لوٹے کے کوئی چیز نہ پائی۔ جب اس نے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: ''اگر تم چالاک و ہوشیار چور ہو تو کوئی شئے لئے بغیر نہیں جاؤ گے۔'' اس نے کہا: ''مجھے تو کوئی شئے نہیں ملی۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: ''اے غریب شخص! اس لوٹے سے وضو کر کے کمرے میں داخل ہو جا اور دو رکعت نماز ادا کر، یہاں سے کچھ نہ کچھ لے کے جائے گا، اس نے آپ رحمۃ اللہ علیہا کے کہنے کے مطابق وضو کیا اور جب نماز کے لئے کھڑا ہوا تو حضرت سیّدہ رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا کر یوں دعا کی: ''اے میرے آقا و مولیٰ عزوجل! یہ شخص میرے پاس آیا لیکن اس کو کچھ نہ ملا، اب میں نے اُسے تیری بارگاہ میں کھڑا کر دیا ہے، اسے اپنے فضل و کرم سے محروم نہ کرنا۔'' جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس کو عبادت کی لذت نصیب ہوئی۔ چنانچہ، رات کے آخری حصے تک وہ نماز میں مشغول رہا۔ جب سحری کا وقت ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہا اس کے پاس تشریف لے گئیں تو اسے حالت سجدہ میں اپنے نفس کو ڈانٹتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے پایا: جب میرا رب تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا: ''کیا تجھے حیا نہ آئی کہ تو میری نافرمانی کرتا رہا؟ اور میری مخلوق سے گناہ چھپاتا رہا اور اب گناہوں کی گٹھڑی لے کر میری بارگاہ میں پیش ہے، جب وہ مجھے عتاب کرے گا اور اپنی بارگاہ رحمت سے دور کر دے گا تو

Scanned with CamScanner

اس وقت میں کیا جواب دوں گا؟ آپ رحمۃ اللہ علیہا نے پوچھا: ''اے بھائی! رات کیسی گزری؟'' بولا: ''خیریت سے گزری، عاجزی وانکساری سے میں اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا رہا تو اس نے میرے ٹیڑھے پن کو درست کر دیا، میرا عذر قبول فرمالیا اور میرے گناہوں کو بخش دیا اور مجھے میرے مطلوب ومقصود تک پہنچا دیا۔'' پھر وہ شخص چہرے پر حیرانی وپریشانی کے آثار لئے چلا گیا۔ حضرت سیّدہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کی: ''اے میرے آقا ومولیٰ عزوجل! یہ شخص تیری بارگاہ میں ایک گھڑی کھڑا ہوا تو تو نے اسے قبول کر لیا اور میں کب سے تیری بارگاہ میں کھڑی ہوں، تو کیا تو نے مجھے بھی قبول فرمالیا ہے؟'' اچانک آپ رحمۃ اللہ علیہا نے دل کے کانوں سے یہ آواز سنی: ''اے رابعہ! ہم نے اسے تیری ہی وجہ سے قبول کیا اور تیری ہی وجہ سے اپنا قرب عطا فرمایا۔''

يَا سَيِّدِيْ عَبْدُكَ الْمِسْكِيْنُ فِيْ بَابِكَ
يَرْجُوْ رِضَاكَ فَجُدْ بِالْعَفْوِ اَوْلٰى بِكَ
حَاشَاكَ تَسْدُلُ حِجَابَكَ دُوْنَ طُلَّابِكَ
اَوْ تَبْتَلِيَ بِعَذَابِكَ قَلْبَ اَحْبَابِكَ

ترجمہ: (۱)......اے میرے مولیٰ عزوجل! تیرا مسکین بندہ تیری رضا کی امید لگائے تیرے در پر حاضر ہے پس معافی کے ساتھ جود وکرم کرنا تیرے شایان شان ہے۔

(۲)......(یاالٰہی عزوجل!) تیری پناہ کہ تو اپنے طلب گاروں پر اپنے وصال سے پردہ ڈالے یا اپنے دوستوں کے دلوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔

اے مسلمانو! پختہ عزم والے تجھ سے سبقت لے گئے اور تو غفلت کی نیند سویا ہوا ہے۔ اٹھ اور اپنے رب تعالیٰ کے در پر نادم شخص کی طرح کھڑا ہو جا اور ذلت سے سر کو جھکا کر یوں کہہ کہ ''میں ظالم ہوں۔'' اور سحری کے وقت یوں عرض کر کہ ''میں گنہگار ونافرمان ہوں، اے مالک ومولیٰ عزوجل! میں تیرے عفو وکرم کی امید لئے تیرے دربار میں حاضر ہوں، مجھے معاف فرما دے''۔ اور اس کے نیک بندوں سے مشابہت اختیار کر اگرچہ عمل کے اعتبار

سے تو ان میں سے نہیں پھر بھی ان کا قرب اختیار کر۔

اے میرے مسلمان بھائیو! عارفین بصیرت کی نگاہ سے دیکھتے اور اپنے علم پر عمل کرتے ہیں، انہوں نے نیند کو چھوڑ کر تاریک راتوں میں قیام کیا اور آنسوؤں سے چہروں کو دھویا پس زجر وتوبیخ والی آیات کی تلاوت نے انہیں بے چین کر دیا۔ (الروض)

Scanned with CamScanner

(۶۸)

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں نے مردے جلادیئے ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے اپنی نبوت اور معجزات کا اعلان کرتے ہوئے یہ تقریر فرمائی' جو قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں ہے:

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران رکوع ۵)

وہ رسول بنی اسرائیل کی طرف یہ فرماتے ہوئے آئیں گے کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں' تو وہ فوراً اللہ کے حکم سے پرند ہو جاتی ہے اور میں شفا دیتا ہوں' مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردوں کو جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے، اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو۔ بے شک ان باتوں میں بڑی نشانی ہے اگر تم لوگ ایمان رکھتے ہو۔

اس تقریر میں آپ نے اپنے چار معجزات کا اعلان فرمایا (۱) مٹی کے پرند بنا کر ان میں

پھونک مار کر ان کو اڑا دینا (۲) مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا (۳) مردوں کو زندہ کرنا (۴) جو کچھ کھایا اور جو کچھ گھروں میں چھپا کر رکھا اس کی خبر دینا۔

اب ان معجزات کی کچھ تفصیل بھی پڑھ لیجئے۔

☆...... جب بنی اسرائیل نے یہ معجزہ طلب کیا کہ مٹی کا پرند بنا کر اڑا دیجئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی کے چمگادڑ بنا کر ان کو اڑا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پرندوں میں سے چمگادڑ کو اس لیے منتخب فرمایا کہ پرندوں میں سب سے بڑھ کر مکمل اور عجیب و غریب یہی پرندہ ہے کیونکہ اس کے آدمی کی طرح دانت بھی ہوتے ہیں اور یہ آدمی کی طرح ہنستا بھی ہے۔ یہ بغیر پر کے اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے اور یہ پرندہ جانوروں کی طرح بچہ جنتا ہے اور اس کو حیض بھی آتا ہے!

روایت ہے کہ جب تک بنی اسرائیل دیکھتے رہتے یہ چمگادڑ اڑتے رہتے اور ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے تو گر کر مر جاتے تھے۔ ایسا اس لیے ہوتا تھا تاکہ خدا کے پیدا کئے ہوئے اور بندہ خدا کے پیدا کئے ہوئے پرند میں فرق اور امتیاز باقی رہے۔

(جمل ج ۱ ص ۲۷۴)

☆...... روایت ہے کہ ایک دن میں پچاس اندھوں اور کوڑھیوں کو آپ کی دعا سے اس شرط پر شفاء حاصل ہوئی کہ وہ ایمان لائیں گے۔ (جمل ج ۱ ص ۲۷۴)

☆...... روایت ہے کہ ایک دن میں پچاس اندھوں اور کوڑھیوں کو آپ کی دعا سے اس شرط پر شفا حاصل ہوئی کہ وہ ایمان لائیں گے۔ (جمل ج ۱ ص ۲۷۴)

☆...... روایت ہے کہ آپ نے چار مردوں کو زندہ فرمایا (۱) عاذر اپنے دوست کو (۲) ایک بڑھیا کے لڑکے کو (۳) ایک عشر وصول کرنے والے کی لڑکی کو (۴) حضرت سام بن نوح علیہ السلام کو!

☆...... عاذر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک مخلص دوست تھے۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا' تو ان کی بہن نے آپ کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ کا دوست مر رہا ہے۔ اس وقت آپ اپنے دوست سے تین دن کی دوری کی مسافت پر تھے۔ عاذر کے انتقال و دفن کے بعد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے اور عاذر کی قبر کے پاس تشریف لے گئے اور عاذر کو پکارا' تو وہ زندہ ہوکر اپنی قبر سے باہر نکل آیا اور برسوں زندہ رہا اور صاحب اولاد بھی ہوا۔

☆......ایک بڑھیا کا بیٹا مر گیا تھا اور لوگ اس کا جنازہ اٹھا کر اس کو دفن کرنے کے لیے لے جا رہے تھے۔ ناگہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا' تو وہ آپ کی دعا سے زندہ ہوکر جنازہ سے اٹھ بیٹھا اور کپڑا پہن کر اپنے جنازہ کی چارپائی اٹھائے ہوئے اپنے گھر آیا اور مدتوں زندہ رہا اور اس کے اولاد بھی ہوئی۔

☆......ایک چنگی وصول کرنے والے کی لڑکی مر گئی تھی۔ اس کی موت کے ایک دن بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوگئی اور بہت دنوں تک زندہ رہی اور اس کے کئی بچے بھی ہوئے!

چار ہزار سال پرانے مردے کو زندہ کردیا

اوپر کے تینوں مردوں کو آپ نے زندہ فرمایا' تو بنی اسرائیل کے شریروں نے کہا: یہ تینوں درحقیقت مرے ہوئے تھے ہی نہیں بلکہ ان تینوں پر سکتہ طاری تھا۔ اس لیے وہ ہوش میں آگئے لہٰذا آپ کسی پرانے مردہ کو زندہ کر کے ہمیں دکھائیے' تو آپ نے فرمایا: حضرت سام بن نوح علیہ السلام کو وفات پائے ہوئے چار ہزار برس کا زمانہ گزر گیا۔ تم لوگ مجھے ان کی قبر پر لے چلو میں ان کو خدا کے حکم سے زندہ کردیتا ہوں' تو آپ نے ان کی قبر کے پاس جا کر اسم اعظم پڑھا' تو فوراً ہی حضرت سام بن نوح علیہ السلام قبر سے زندہ ہوکر نکل آئے اور گھبرائے ہوئے پوچھا: کیا قیامت قائم ہوگئی؟ پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے مکتب میں بنی اسرائیل کے بچوں کو ان کے ماں باپ جو کچھ کھاتے اور جو کچھ گھروں میں چھپا کر رکھتے تھے وہ سب بتا دیا کرتے تھے اور بچے گھروں میں آ کر اپنے والدین کو سب کچھ بتا دیا کرتے تھے۔ جب والدین نے بچوں سے دریافت کیا: تمہیں ان باتوں کی کیسے خبر ہو جایا کرتی ہے؟ تو بچوں نے بتا دیا: ہم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکتب میں بتا دیا کرتے ہیں۔ یہ سن کر ماں باپ نے بچوں کو مکتب میں

جانے سے روک دیا اور کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جادوگر ہیں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچوں کی تلاش میں بستی کے اندر داخل ہوئے تو بنی اسرائیل نے اپنے سب بچوں کو ایک مکان کے اندر چھپا دیا اور کہہ دیا کہ بچے یہاں نہیں ہیں۔ آپ نے پوچھا: گھر میں کون ہیں؟ تو شریروں نے کہہ دیا کہ گھر میں سور بند ہیں' تو آپ نے فرمایا: اچھا سور ہی ہوں گے۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے بعد مکان کا دروازہ کھولا تو مکان میں سے سور ہی نکلے۔ اس بات کا بنی اسرائیل میں چرچا ہوگیا اور بنی اسرائیل نے غیظ وغضب میں بھر کر آپ کے قتل کا منصوبہ اور پلان بنالیا یہ دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت بی بی مریم آپ کو ساتھ لے کر وہاں سے ہجرت کر گئیں اس طرح آپ شریروں کے شر سے محفوظ رہے۔ (جمل ج ا ص ۲۰۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہودیوں کے سامنے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو چونکہ یہودی توراۃ میں پڑھ چکے تھے کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام ان کے دین کو منسوخ کر دیں گے۔ اس لئے یہودی آپ کے دشمن ہوگئے۔ یہاں تک کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس فرما لیا کہ یہودی اپنے کفر پر اڑے رہیں گے اور وہ مجھے قتل کر دیں گے تو ایک دن آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ" یعنی کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کے دین کی طرف۔ تو صرف بارہ یا انیس حواریوں نے یہ کہا "نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ" یعنی ہم خدا کے دین کے مددگار ہیں' ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ باقی تمام یہودی اپنے کفر پر جمے رہے۔ یہاں تک کہ جوش عداوت میں ان یہودیوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنالیا اور ایک شخص کو یہودیوں نے جس کا نام "ططیانوس" تھا۔ آپ کے مکان میں آپ کو قتل کر دینے کے لئے بھیجا۔ اتنے میں اچانک اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو ایک بدلی کے ساتھ بھیجا اور اس بدلی نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ آپ کی والدہ جوش محبت میں آپ کے ساتھ چمٹ گئیں تو آپ نے فرمایا: اماں جان! اب قیامت کے دن ہماری اور آپ کی ملاقات ہوگی اور بدلی نے آپ کو آسمان پر پہنچا دیا۔ یہ واقعہ بیت المقدس میں شب قدر کی مبارک رات میں وقوع پذیر ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر

Scanned with CamScanner

شریف بقول علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ ۳۳ برس کی تھی اور بقول علامہ زرقانی شارح مواہب اس وقت آپ کی عمر شریف ایک سو بیس برس کی تھی اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے بھی آخر میں اُسی قول کی طرف رجوع فرمایا ہے۔

(جمل ج۱ص۲۸۰)

''ططیانوس'' جب بہت دیر مکان سے باہر نہیں نکلا تو یہودیوں نے مکان میں گھس کر دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ''ططیانوس'' کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل کا بنا دیا۔ یہودیوں نے ''ططیانوس'' کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب ططیانوس کے گھر والوں نے غور سے دیکھا تو صرف چہرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ باقی سارا بدن ططیانوس ہی کا تھا تو اس کے اہل خاندان نے کہا: اگر یہ مقتول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ہمارا آدمی ططیانوس کہاں ہے؟ اور اگر یہ ططیانوس ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے؟ اس پر خود یہودیوں میں جنگ و جدال کی نوبت آ گئی اور خود یہودیوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا اور بہت سے یہودی قتل ہو گئے۔

یہودیوں کے مکر و فریب کا پردہ چاک

خداوند قدوس نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

(آل عمران ع ۵-۶)

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کو ہلاک کرنے کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔ یاد کرو جب کہ اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیرے تابعداروں کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ

دوں گا پھر تم سب پلٹ کر میری طرف آؤ گے تو میں فیصلہ کروں گا جس بات میں تم سب جھگڑتے تھے۔

آپ کے آسمان پر چلے جانے کے بعد حضرت مریم نے چھ برس دنیا میں رہ کر وفات پائی۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ قرب قیامت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے اور نبی آخر الزماں ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے اور دجال و خنزیر کو قتل فرمائیں گے اور صلیب کو توڑیں گے اور سات برس تک دنیا میں عدل فرما کر وفات پائیں گے اور مدینہ منورہ میں گنبد خضراء کے اندر مدفون ہوں گے!

(بہار شریعت وغیرہ)

قرآن مجید میں عیسائیوں کا رد کرتے ہوئے یہ بھی نازل ہوا کہ:

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِـيْمًا ۝

(النساء رکوع ۲۲)

اور یقیناً یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اور اس سے اوپر والی آیت میں ہے:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ (النساء رکوع ۲۲)

اور یہودیوں نے نہ حضرت عیسیٰ کو قتل کیا نہ ان کو سولی پر لٹکایا بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کے ہاتھ مقتول نہیں ہوئے اور اللہ نے آپ کو آسمانوں پر اٹھا لیا جو یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہو گئے اور سولی پر چڑھائے گئے جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے تو وہ شخص کافر ہے، کیونکہ قرآن مجید میں صاف صاف مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ سولی پر لٹکائے گئے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے حواری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ ''حواری'' جو آپ پر ایمان لا کر اور اپنے اپنے اسلام کا

Scanned with CamScanner

اعلان کر کے اپنے تن من دھن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت وحمایت کے لئے ہر وقت اور ہر دم کمربستہ رہے' یہ کون لوگ تھے؟ اور ان لوگوں کو ''حواری'' کا لقب کیوں اور کس معنی کے لحاظ سے دیا گیا؟

اس کے بارے میں صاحب تفسیر جمل نے فرمایا: ''حواری'' کا لفظ ''حور'' سے مشتق ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں چونکہ ان لوگوں کے کپڑے نہایت سفید اور صاف تھے اور ان کے قلوب اور نیتیں بھی صفائی ستھرائی میں بہت بلند مقام رکھتی تھیں' اس بناء پر ان لوگوں کو حوری کہنے لگے اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ چونکہ یہ لوگ رزق حلال طلب کرنے کے لئے دھوبی کا پیشہ اختیار کر کے کپڑوں کی دھلائی کرتے تھے اس لئے یہ لوگ حواری کہلائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سب لوگ شاہی خاندان سے تھے اور بہت ہی صاف اور سفید کپڑے پہنتے تھے اس لئے لوگ انہیں حواری کہنے لگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں آپ کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ پیالہ کبھی کھانے سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ کسی نے بادشاہ کو اس کی اطلاع دے دی تو اس نے آپ کو دربار میں طلب کر کے پوچھا: آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' وہ بادشاہ آپ کی ذات اور آپ کے معجزات سے متاثر ہو کر آپ پر ایمان لے آیا اور سلطنت کا تخت و تاج چھوڑ کر اپنے تمام اقارب کے ساتھ آپ کی خدمت میں رہنے لگا چونکہ یہ شاہی خاندان بہت ہی سفید تھا اس لئے یہ سب حواری کے لقب سے مشہور ہو گئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سفید پوش مچھیروں کی ایک جماعت تھی جو مچھلیوں کا شکار کیا کرتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: تم لوگ مچھلیوں کا شکار کرتے ہو اگر تم لوگ میری پیروی کرنے پر کمربستہ ہو جاؤ تو تم لوگ آدمیوں کا شکار کر کے ان کو حیات جاودانی سے سرفراز کرنے لگو گے ان لوگوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو اس وقت شمعون نامی مچھلی کے شکاری نے دریا میں جال ڈال رکھا تھا مگر ساری رات گزر جانے کے باوجود ایک مچھلی بھی جال میں نہیں آئی تو آپ نے فرمایا: اب تم جال دریا میں ڈالو چنانچہ جیسے ہی اس نے جال کو دریا میں ڈالا لمحہ بھر میں اتنی مچھلیاں جال میں پھنس گئیں کہ جال کو کشتی چلانے والے نہیں اٹھا

سکے چنانچہ دو کشتیوں کی مدد سے جال اٹھایا گیا اور دونوں کشتیاں مچھلیوں سے بھر گئیں۔ یہ معجزہ دیکھ کر دونوں کشتی والے جن کی تعداد بارہ تھی سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ ان ہی لوگوں کا لقب حواری ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ بارہ آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان لوگوں کے ایمان کامل اور حسن نیت کی بناء پر ان لوگوں کو یہ کرامت مل گئی کہ جب بھی ان لوگوں کو بھوک لگتی تو یہ لوگ کہتے یا روح اللہ! ہم کو بھوک لگی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر ہاتھ مار دیتے تو زمین سے دو روٹیاں نکل کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جایا کرتی تھیں اور جب یہ لوگ پیاس سے فریاد کرتے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر ہاتھ مار دیتے اور نہایت شیریں اور ٹھنڈا پانی ان لوگوں کو مل جایا کرتا تھا اسی طرح یہ لوگ کھاتے پیتے تھے۔ ایک دن انہوں نے کہا: اے روح اللہ! ہم مومنوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے روزی حاصل کر کے کھائے یہ سن کر ان بارہ حضرات نے رزق حلال کے لئے دھوبی کا پیشہ اختیار کر لیا چونکہ یہ لوگ کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے اس لئے حواری کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے ایک رنگریز کے یہاں ملازم رکھوا دیا تھا ایک دن رنگریز مختلف کپڑوں کو نشان لگا کر چند رنگوں کا رنگنے کے لئے آپ کے سپرد کر کے کہیں باہر چلا گیا آپ نے ان سب کپڑوں کو ایک ہی رنگ کے برتن میں ڈال کر رنگ دیا۔ رنگریز نے گھبرا کر کہا: آپ نے سب کپڑوں کو ایک رنگ کر دیا حالانکہ میں نے نشان لگا کر مختلف رنگوں کا رنگنے کے لئے کہہ دیا تھا؟ آپ نے فرمایا: اے کپڑو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہی رنگوں کے ہو جاؤ جن رنگوں کا یہ چاہتا تھا چنانچہ ایک ہی برتن میں سے لال، سبز، پیلا جن جن کپڑوں کو رنگریز جس جس رنگ کا چاہتا تھا وہ کپڑا اسی رنگ کا ہو کر نکلنے لگا آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر تمام حاضرین جو سفید پوش تھے اور جن کی تعداد بارہ تھی سب ایمان لائے یہی لوگ ''حواری'' کہلانے لگے۔

تمام اقوال میں خوبصورت تطبیق

حضرت امام قفال علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ممکن ہے کہ ان بارہ حواریوں میں کچھ بادشاہ

ہوں اور کچھ مچھیرے ہوں اور کچھ دھوبی ہوں اور کچھ رنگریز ہوں چونکہ یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص جاں نثار تھے اور ان لوگوں کے قلوب اور نیتیں صاف تھیں اس بناء پر ان بارہ پاکبازوں اور نیک نفسوں کو ''حواری'' کا معزز لقب عطا کیا گیا کیونکہ ''حواری'' کے معنی مخلص دوست کے ہیں۔ (جمل ج ا ص ۲۷۹ وخازن ج ا ص ۳۵۴)

بہرحال قرآن مجید میں حواریوں کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ط قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ج اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ج وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ٥

(آل عمران رکوع ۵)

تو جب حضرت عیسیٰ نے ان (یہودیوں) سے کفر پایا تو فرمایا: کون اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہوتے ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم ہیں دین خدا کے مددگار ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ج قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ٥ (المائدہ رکوع ۱۵)

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو وہ بولے: ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اگرچہ تعداد میں صرف بارہ تھے مگر یہودیوں کے مقابلہ میں آپ کی نصرت وحمایت میں جس پامردی اور عزم واستقلال کے ساتھ ڈٹے رہے اس سے ہر مسلمان کو دین کے معاملہ میں ثابت قدمی کا سبق ملتا ہے۔

اس قسم کے مخلص احباب اور مخصوص جاں نثار اصحاب اللہ تعالیٰ ہر نبی کو عطا فرماتا ہے چنانچہ جنگ خندق کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہر نبی کے حواری ہوئے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۶۵)

اور حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ قریش میں بارہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

حواری ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) حضرت حمزہ (۶) حضرت جعفر (۷) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (۸) حضرت عثمان بن مظعون (۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۱۰) حضرت سعد بن ابی وقاص (۱۱) حضرت طلحہ بن عبیداللہ (۱۲) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم کہ ان مخلص جاں نثاروں نے ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کا بے مثال ریکارڈ قائم کر دیا۔

(معالم التنزیل بغوی ج ا ص ۳۵۳)

Scanned with CamScanner

(۶۹)

ربانی عالم اور ظالم عامل

ابوعبداللہ سعید بن جبیر اسدی کوفی تابعی تھے، وہ اصل کے اعتبار سے حبشی اور بنو اسد کی اولاد میں سے بنوالحارث کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ ابنِ عباس اور ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے علم حاصل کیا، اہل کوفہ جب ابنِ عباس کے پاس فتویٰ حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے تو آپ فرماتے: تم مجھ سے سوال کرتے ہو؟ حالانکہ تم میں ابن ام ہمام یعنی سعید موجود ہیں ۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵ھ میں شہید کیے گئے۔

حجاج ابن یوسف کے زمانے میں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ افضل ترین تابعین میں سے تھے۔ انہوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت نہیں کی تھی۔ اس کے گورنر حجاج نے دیکھا کہ سعید کے موقف میں کوئی لچک نہیں ہے۔ وہ کسی سے ڈر کر جھکنا جانتے ہی نہیں ہیں۔ اس نے چاہا کہ مال و دولت یا جاہ و منصب کی پیشکش کر کے کسی بھی طریقے سے حضرت سعید کا ضمیر خریدا جائے۔ اس نے ان کے سامنے موتی، زبرجد، یاقوت، اور مرجان جیسے قیمتی پتھروں کا ڈھیر لگا دیا اور دل میں سوچا کہ اب ہم انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتے ہیں اور اب وہ ہم سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ اس کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو سلاطین اور حکمرانوں کی دولت کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں۔ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی محبت کا شکار نہیں ہوتے اور کسی حکومت کے خزانے میں اتنی دولت نہیں ہوتی کہ ان کے ضمیر خریدے جا سکیں۔ اس نے دیکھا کہ سعید نے ہیرے جواہرات کے ڈھیر کی طرف اس طرح حقارت سے دیکھا جس طرح کوئی بوڑھا چھوٹے بچے کے کھلونے کو دیکھتا ہے۔

حضرت سعید نے حجاج کے ساتھ جو گفتگو کی وہ گفتگو وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضورِ قلب حاصل ہو اور وہ اس کے سوا کسی کی پرواہ نہ کرتا ہو۔

حجاج حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ کیا کرے اور اس بزرگ کے دل کو اپنی دنیا کے جال سے کس طرح شکار کرے؟ اس نے طاؤس و رباب طلب کئے اور گمان کیا کہ سعید کی روح سماع کی طرف مائل ہو گی اور وہ ترنگ میں آ جائیں گے۔ حضرت سعید نے جب آلات لہو و طرب کی آوازیں سنیں تو بے ساختہ رو پڑے۔

حجاج نے کہا: سعید! آپ کو کون سی چیز رلا رہی ہے؟

حضرت سعید نے فرمایا: میرے رونے کا سبب غم اور خوف ہے۔ پھونک مارنے سے مجھے عظیم دن کی یاد آ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اور صور میں پھونک ماری جائے گی، تو زمین و آسمان کی تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی، سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ (محفوظ رکھنا) چاہے گا۔ (الزمر)

حجاج کو معلوم ہو گیا کہ یہ شیخ استقامت کا نادر روزگار نمونہ ہے۔ یہ تقویٰ و ورع اور موقف کی مضبوطی میں یگانہ ہے۔ اس نے سوچا کہ یہاں لالچ تو کارگر نہیں ہو سکا، انہیں خوف زدہ کر کے مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

حجاج: تمہارا نام کیا ہے؟ سعید: سعید بن جبیر۔

حجاج: تم بھی بد بخت ہو اور تمہاری ماں بھی بد بخت ہے۔

سعید: غیب جاننے والا تو نہیں، کوئی اور ہے۔

حجاج: تم دنیا ہی میں ضرور بھڑکتی ہوئی آگ میں جاؤ گے۔

سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھے خدا مان لیتا۔

حجاج: محمد (مصطفیٰ ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید: آپ نبی رحمت اور امام ہدایت ہیں ﷺ۔

حجاج: علی (مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ جنت میں ہیں یا آگ میں؟

Scanned with CamScanner

سعید: اگر میں جنت اور دوزخ میں گیا ہوتا اور وہاں کے لوگوں کو پہچانتا تو ضرور جان لیتا کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟

حجاج: خلفاء کرام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید: میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

حجاج: تمہارے نزدیک ان میں سے کون زیادہ پسندیدہ ہے؟

سعید: جو ان میں سے میرے خالق کو زیادہ پسند ہے۔

حجاج: ان میں سے خالق کو زیادہ پسند کون ہے؟

سعید: یہ وہی جانتا ہے جو ان کے رازوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے۔

حجاج: مجھے یہ بات محبوب ہے کہ آپ مجھے سچ بیان کر دیں۔

سعید: اگرچہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے پھر بھی میں تمہارے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا۔

حجاج: کیا وجہ ہے کہ تم اتنی گفتگو کے دوران ایک دفعہ بھی نہیں ہنسے؟

سعید: مٹی سے پیدا کی ہوئی مخلوق کیسے ہنسے جبکہ مٹی کو آگ کھا جائے گی؟

حجاج: پھر ہم کیوں ہنستے ہیں؟

سعید: تمام دل ایک جیسے نہیں ہوتے۔

حجاج: سعید! تمہیں کس طریقے سے قتل کروں؟ تمہیں طریقۂ قتل کے انتخاب کا اختیار ہے۔

سعید: حجاج! تم اپنے لئے قتل کا طریقہ منتخب کر لو۔ اللہ کی قسم! تم مجھے جس طریقے سے بھی قتل کرو گے اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں اسی طریقے سے قتل کرے گا۔

حجاج: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں معاف کر دوں؟

سعید: اگر معافی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تمہارے لئے نہ براءت ہے اور نہ کوئی عذر۔ حجاج: انہیں لے جاؤ اور قتل کر دو۔

اس کا خیال تھا کہ اس نے یہ حکم دے کر سعید کو دہشت زدہ کر دیا ہے لیکن ایسے لوگ غیر

اللہ کے آگے جھکنا یا موت سے ڈرنا جانتے ہی نہیں ہیں۔ وہ تو خلوت وجلوت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں۔

سعید باہر نکلے تو ہنس رہے تھے۔ حجاج کو یہ اطلاع دی گئی تو اس نے انہیں واپس بلایا اور پوچھا: تمہیں ہنسی کیوں آئی؟

سعید: مجھے اللہ تعالیٰ پر تیری جرأت اور تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب ہوا ہے۔

حجاج: چمڑے کا بستر بچھاؤ اور اسے میرے سامنے ذبح کرو۔

سعید: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسول معظم ہیں۔ میری یہ گواہی محفوظ کر لے یہاں تک کہ تو قیامت کے دن مجھ سے ملے۔

پھر سعید نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست دعا پھیلاتے ہوئے دعا مانگی:

اے اللہ! اسے میرے بعد کسی کو قتل کرنے کی ہمت نہ دینا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں ذبح کر دیا گیا کہ ان کی زبان ذکر الٰہی سے تر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ ان کے بعد حجاج بھی اسی سال مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے بعد اسے کسی اور کو قتل کرنے کا موقع نہیں دیا۔

کہتے ہیں کہ جب حجاج کا آخری وقت آیا تو وہ بے ہوش ہو جاتا تھا۔ جب ہوش میں آتا تو کہتا: میرا سعید بن جبیر کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ سوتا تو خواب میں حضرت سعید کو دیکھتا۔ وہ اس کے دائیں بائیں جانب سے کپڑوں کو پکڑ کر کہتے: او دشمن خدا! تو نے مجھے کیوں قتل کیا ہے؟

حجاج دہشت زدہ ہو کر بیدار ہو جاتا اور کہتا:

جس شخص کو بھی میں نے قتل کیا، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دفعہ قتل کیا لیکن سعید بن جبیر کے بدلے مجھے ستر مرتبہ قتل کیا۔ (وفیات الاعیان، کسی قدر تصرف کے ساتھ)

Scanned with CamScanner

(۷۰)

مؤمن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا

متعدد سیرت نگاروں نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ جنگ بدر میں جن ستر (70) قیدیوں کو گرفتار کیا گیا تھا، ان میں ابوعزہ عمرو بن عبداللہ بھی تھا جو کہ شاعر بھی تھا۔ یہ ایک محتاج اور کئی بچوں کا باپ شخص تھا۔ اس نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی:

(يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَدْ عَرَفْتَ حَالِيْ وَاِنِّيْ لَذُوْ حَاجَةٍ وَّ ذُوْ عِيَالٍ فَامْنُنْ عَلَيَّ)

''اے اللہ کے رسول! میرے حالات آپ سے مخفی نہیں ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں ایک محتاج اور کثیر العیال آدمی ہوں، اس لیے میری درخواست ہے کہ آپ مجھ پر احسان کریں (اور مجھے رہا فرما دیں)''

نیز اس نے عرض کی:

(اِنَّمَا خَرَجْتُ لِاُصِيْبَ لَهُمْ شَيْئًا)

''میں (مسلمانوں کے مقابلے کے لیے) اس لیے نکلا تھا کہ مجھے اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ مال حاصل ہو جائے۔''

رسول اکرم ﷺ نے اس کے عجز اور محتاجی کو دیکھتے ہوئے اس کے لیے معافی کا پروانہ جاری کر دیا اور اس سے یہ عہد بھی لیا کہ وہ دوبارہ کبھی آپ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے نہیں نکلے گا۔

مگر اس نے بدعہدی کی اور جنگ احد میں بھی مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے نکل پڑا۔ اس جنگ میں اس نے مشرکین کو رسول اکرم ﷺ کے خلاف خوب ابھارا اور اشعار کہے۔ اتفاق سے جنگ احد میں بھی مسلمانوں کے ہتھے چڑھ گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ اس کے علاوہ کوئی بھی دوسرا مشرک غزوۂ احد میں گرفتار نہیں ہوا۔

جب اس بدبخت کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس مرتبہ بھی وہ رسول اکرم ﷺ سے معافی کی درخواست کرتے ہوئے کہنے لگا:

(مُنَّ عَلَيَّ) ''مجھ پر احسان فرمائیں (اور مجھے چھوڑ دیں)''

مگر اس مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے اس کی بات پر کان نہیں دھرا اور ارشاد فرمایا:

(لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ، لَا تَمْسَحُ عَارِضَيْكَ بِمَكَّةَ تَقُوْلُ: خَدَعْتُ مُحَمَّدًا مَرَّتَيْنِ)

''مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، (میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا، کہیں) تم مکہ پہنچ کر اپنے دائیں بائیں دیکھ کر بطور فخر یہ نہ کہو کہ میں نے محمد کو دو مرتبہ دھوکہ دیا ہے۔''

پھر آپ ﷺ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی۔

(اقضیۃ رسول اللہ ﷺ: 240/1، سیرۃ ابن ھشام: 660/1 حدیث کا ایک حصہ بخاری: 6133 اور مسلم: 2998 میں بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

(۷۱)

اسمائے حسنٰی کا وسیلہ کام آ گیا

حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ایک شخص شام کے شہروں سے مدینہ اور مدینہ سے شام تجارت کے لئے جایا کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے قافلے کے بغیر ہی سفر کرتا۔ ایک مرتبہ وہ شام سے مدینہ آ رہا تھا کہ ایک گھوڑے سوار چور کی زد میں آ گیا۔ چور نے اسے رکنے کو کہا تو وہ رک گیا اور کہنے لگا: ''تمہیں مال چاہئے تو مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔'' چور نے کہا: ''مال تو اب میرا ہی ہے، مگر مجھے تمہاری بھی ضرورت ہے، لہٰذا میرے ساتھ چلو۔'' تاجر نے کہا: ''میرا کیا کرو گے، مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔'' چور نے دوبارہ وہی الفاظ کہے تو تاجر نے کہا: ''ٹھیک ہے، جو بہتر سمجھو کر لو۔'' چنانچہ، تاجر اٹھا اور وضو کر کے چار رکعت نماز ادا کر لیں، پھر اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر دیا اور تین مرتبہ یہ دعا مانگی: ''یَا وَدُوْدُا یَا وَدُوْدُا یَا وَدُوْدُا یَاذَاالْعَرْشِ الْمَجِیْدِا یَا مُبْدِئُ! یَا مُعِیْدُ! یَا فَعَّالًا لِّمَا یُرِیْدُ! اَسْاَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ مَلَاَ اَرْکَانَ عَرْشِكَ وَبِقُدْرَتِكَ الَّتِیْ قَدَرْتَ بِهَا عَلٰی خَلْقِكَ وَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اَنْتَ الَّذِیْ وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ یَا مُغِیْثُ اَغِثْنِیْ ۔ اے اپنے بندوں سے بہت زیادہ محبت کرنے والے! اے اپنے بندوں سے بہت زیادہ محبت کرنے والے! اے اپنے بندوں سے بہت زیادہ محبت کرنے والے! اے عرشِ عظیم کے مالک عزوجل! اے پیدا کرنے والے! اے لوٹانے والے! اے ہمیشہ جو چاہے، کر لینے والے! میں تجھ سے تیرے نور کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جس نے تیرے عرش کو گھیر رکھا ہے اور تیری اس قدرت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس کے ساتھ

تو اپنی مخلوق پر قادر ہے اور تیری اس رحمت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جو ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے، تو نے رحمت اور علم کے اعتبار سے ہر شئے کا احاطہ کیا، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے مدد کرنے والے! میری مدد فرما۔''

جب وہ دعا سے فارغ ہوا تو سیاہ گھوڑے پر سوار ایک شخص دیکھا۔ جس نے سبز رنگ کے کپڑے زیب تن کر رکھے تھے، اس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا نیزہ تھا۔ چور نے گھوڑے سوار کو دیکھا تو تاجر کو چھوڑ کر اس کی جانب بڑھا۔ جب اس کے قریب ہوا تو اس نے تیزی سے اپنا نیزہ مار کر چور کو گھوڑے سے گرا دیا اور پھر تاجر کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اٹھو، اور جا کر اسے قتل کر دو۔'' تاجر نے پوچھا: ''آپ کون ہیں؟ میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اسے قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔'' پھر گھوڑے سوار نے خود ہی چور کا کام تمام کر دیا اور تاجر کے پاس آ کر کہا: ''میں تیسرے آسمان کا فرشتہ ہوں۔ جب آپ نے پہلی مرتبہ دعا کی تھی تو ہم نے آسمان کے دروازوں کی کھٹکھٹاہٹ سنی۔ ہم نے کہا: آج کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ پھر دوسری مرتبہ دعا کی تو آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور ان سے آگ کی چنگاریوں جیسی چنگاریاں ظاہر ہوئیں۔

پھر جب تیسری مرتبہ دعا کی تو حضرت سیّدنا جبرائیل علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائے اور یہ پوچھا: ''اس غم زدہ کی مدد کون کرے گا۔'' میں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اس چور کے قتل کی توفیق عطا کی جائے، لہٰذا اے شخص! جان لے کہ جو شخص کسی بھی رنج و غم اور مصیبت و تکلیف میں یہ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہوئے اس سے مصائب و آفات دور فرما دے گا۔''

حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس تاجر نے بخیر و عافیت مدینہ شریف پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے اسمائے حسنٰی تلقین فرمائے ہیں کہ جب ان کے وسیلے سے دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے اور جب کچھ مانگا جائے تو عطا کیا جاتا ہے۔''

(الموسوعة لابن ابی الدنیا، کتاب مجابی الدعوة، الحدیث ۲۳، ج ۲، ص ۳۲۱، بتغیر واختصار)

(۷۲)

عیسائیوں کا مباہلہ سے فرار!

نجران (یمن) کے نصرانیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا۔ یہ چودہ آدمیوں کی جماعت تھی جو سب کے سب نجران کے اشراف تھے اور اس وفد کی قیادت کرنے والے تین شخص تھے۔ (۱) ابوحارثہ بن علقمہ جو عیسائیوں کا پوپ اعظم تھا (۲) اہیب جوان لوگوں کا سردار اعظم تھا (۳) عبدالمسیح جو سردار اعظم کا نائب تھا اور ”عاقب“ کہلاتا تھا۔ یہ سب نمائندے نہایت قیمتی اور نفیس لباس پہن کر عصر کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنی نماز ادا کی پھر ابوحارثہ اور ایک دوسرا شخص دونوں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے نہایت کریمانہ لہجے میں ان دونوں سے گفتگو فرمائی اور حسب ذیل مکالمہ ہوا!

نبی علیہ السلام: تم لوگ اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جاؤ۔

ابوحارثہ: ہم لوگ پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہو چکے ہیں۔

نبی علیہ السلام: تم لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ تم لوگ صلیب کی پرستش کرتے ہو اور اللہ کے لئے بیٹا بتاتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو۔

ابوحارثہ: آپ لوگ ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں کیوں دیتے ہو؟

نبی علیہ السلام: ہم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیا کہتے ہیں؟

ابوحارثہ: آپ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

نبی علیہ السلام: ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور وہ کلمۃ اللہ جو کنواری مریم کے شکم سے بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئے۔

ابوحارثہ: کیا کوئی انسان بغیر باپ کے پیدا ہو سکتا ہے؟ جب آپ لوگ یہ مانتے ہیں کہ کوئی انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تو پھر آپ لوگوں کو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ ہے۔

نبی علیہ السلام: اگر کسی کا باپ کوئی انسان نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا باپ خدا ہی ہو۔ خداوند تعالیٰ اگر چاہے تو بغیر باپ کے بھی آدمی پیدا ہو سکتا ہے۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کو تو بغیر ماں باپ کے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرما دیا تو جس اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرما دیا اگر اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس پیغمبرانہ طرز استدلال اور حکیمانہ گفتگو سے چاہیے تو یہ تھا کہ یہ وفد اپنی نصرانیت چھوڑ کر دامن اسلام میں آ جاتا مگر ان لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جھگڑنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ بحث و تکرار کا سلسلہ بہت دراز ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی یہ آیت نازل فرمائی:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ م بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ (آل عمران رکوع ۶)

تو آپ کے پاس علم آ جانے کے بعد جو لوگ اس میں آپ سے جھگڑا کر رہے ہیں۔ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود آتے ہیں اور تم خود آؤ پھر ہم گڑگڑا کر جھوٹوں پر خدا کی لعنت ڈالیں۔

عیسائیوں نے جزیہ دینا قبول کرلیں

قرآن کی اس دعوت مباہلہ کو ابو حارثہ نے منظور کرلیا اور طے پایا کہ صبح نکل کر میدان میں مباہلہ کریں گے لیکن جب ابو حارثہ نصرانیوں کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا: اے میری قوم! تم لوگوں نے اچھی طرح جان لیا اور پہچان لیا کہ محمد ﷺ نبی آخر الزماں ہیں اور خوب یاد رکھو کہ جو قوم کسی نبی برحق کے ساتھ مباہلہ کرتی ہے اس قوم کے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان سے صلح کر کے اپنے وطن کو واپس چلے چلو اور ہرگز ہرگز ان سے مباہلہ نہ کرو۔ چنانچہ صبح کو ابو حارثہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آیا تو یہ دیکھا کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھائے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی انگلی پکڑے ہوئے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے چل رہے ہیں اور آپ ان لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ میں جب دعا کروں تو تم لوگ ''آمین'' کہنا۔ یہ منظر دیکھ کر ابو حارثہ خوف سے کانپ اٹھا اور کہنے لگا: اے گروہ نصاریٰ! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان چہروں کی بدولت پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر چل پڑے گا۔ لہٰذا اے میری قوم! ہرگز ہرگز مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر کہیں بھی کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا پھر اس نے کہا: اے ابوالقاسم! ہم آپ سے مباہلہ نہیں کریں گے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ہی دین پر قائم رہیں۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں سے کہا تم لوگ اسلام قبول کرلو تاکہ تم لوگوں کو مسلمانوں کے حقوق حاصل ہو جائیں۔ نصرانیوں نے اسلام قبول کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا: پھر میرے لئے تمہارے ساتھ جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ سن کر نصرانیوں نے کہا: ہم لوگ عربوں سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ لہٰذا ہم اس شرط پر صلح کرتے ہیں کہ آپ ہم سے جنگ نہ کریں اور ہم کو اپنے ہی دین پر قائم رہنے دیں اور ہم بطور جزیہ آپ کو ہر سال ایک ہزار کپڑوں کے جوڑے دیتے رہیں گے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس شرط پر صلح فرمالی اور ان نصرانیوں کے لئے امن و امان کا پروانہ لکھ دیا!

اگر عیسائی مباہلہ کر لیتے تو......

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: نجران والوں پر ہلاکت و بربادی آن پہنچی تھی مگر یہ لوگ بچ گئے اگر یہ لوگ مجھ سے مباہلہ کرتے تو مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بن جاتے اور ان کی وادی میں ایسی آگ بھڑک اٹھتی کہ نجران کی کل آبادی یہاں تک کہ چرند اور پرند جل بھن کر راکھ کے ڈھیر بن جاتے اور روئے زمین کے تمام عیسائی سال بھر میں فنا ہو جاتے۔

(روح البیان ج ۲ ص ۴۳ پارہ ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے رسولوں کے ساتھ مباہلہ کرنا ہلاکت و بربادی ہے بلکہ انبیاء و اولیاء اور اللہ والوں کا مقابلہ کرنا اور ان لوگوں کی بددعا کا سامنا کرنا بربادی و ہلاکت کا سگنل ہے بلکہ خدا کے ان محبوب بندوں کی ذرا سی بے ادبی اور دل آزاری بھی انسان کو فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور ایسی تباہی و بربادی لاتی ہے جس کا کوئی علاج ہی نہیں۔

چنانچہ منقول ہے کہ حضرت کمال الدین خجندی علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ شاعروں کے مجمع میں تشریف لے گئے تو بساطی شاعر نے آپ کو دیکھ کر نہایت ہی بدتمیزی اور بیہودگی کے انداز میں یہ مصرع بک دیا کہ از کجائی از کجائی اے لوند (تم کہاں سے آئے۔ تم کہاں سے آئے اے بدمعاش!)

آپ نے یہ سمجھ کر کہ نشہ میں بک رہا ہے کچھ زیادہ ناراض نہیں ہوئے بلکہ تفریحاً جواب میں ایک مصرع کہہ دیا کہ:

از خجندم از خجندم از خجند

میں خجند سے آیا۔ میں خجند سے آیا۔ میں خجند سے آیا پھر آپ نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرما دیا کہ یہ نشہ میں بدمست ہے جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے اس سے کچھ نہ کہو یہ سن کر بساطی کمینے نے آپ کی ہجو میں ایک شعر یہ کہہ دیا:

اے ملحد خجندی ریش بزرگ داری
کز غایت بزرگی دہ ریش می تواں گفت

یعنی اے ملحد خجندی تو بہت بڑی داڑھی رکھتا ہے کہ اس کی بڑائی کو دیکھ کر اس کو دس داڑھیاں کہہ سکتے ہیں۔

مجمع عام میں یہ ہجو سن کر آپ کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ نے قہرآلود نظروں سے دیکھ کر یہ بددعا کر دی کہ تو بغیر کسی بیماری کے مرے۔ بساطی شاعر ایک دم مر کر زمین پر گر پڑا اور سب لوگ دیکھتے رہ گئے۔

حکایت

بلکہ بزرگوں کے مزاج کے خلاف کوئی کام کرنا بھی بڑی بڑی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے چنانچہ حضرت خواجہ ابوالحسن ہمدانی کا واقعہ ہے کہ یہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ جعفر خالدی علیہ الرحمۃ کی زیارت کو گئے اور گھر میں یہ کہہ گئے تھے کہ میرے لئے تنور میں مرغی بھون کر تیار رکھی جائے۔ حضرت خواجہ جعفر خالدی نے ان کو حکم دیا کہ تم رات میرے یہاں بسر کرو مگر ان کا دل چونکہ مرغی میں لگا ہوا تھا اس لئے کوئی خوبصورت بہانا کر کے یہ اپنے گھر روانہ ہو گئے۔ حضرت خواجہ جعفر کے دل پر اس کا ملال گزرا۔ اس کی نحوست کا یہ اثر ہوا کہ جب خواجہ ابوالحسن ہمدانی دسترخوان پر مرغی کھانے کے لئے بیٹھے اور ذرا سی غفلت ہوئی تو ایک کتا گھر آ گیا اور مرغی لے کر بھاگا اور اس کو ایک گندی نالی میں ڈال دیا۔ حضرت خواجہ ابوالحسن ہمدانی جب صبح کو حضرت خواجہ جعفر خالدی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا: جو شخص مشائخ کرام کی قلبی خواہش کا احترام نہیں کرتا اس پر اسی طرح ایک کتا مسلط کر دیا جاتا ہے جو اس کو ایذا دیتا ہے۔ یہ سن کر خواجہ ابوالحسن ہمدانی شرم وندامت سے پانی پانی ہو گئے۔

گرا جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

حضرت خواجہ ابوعلی دقاق علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ جب بلخ والوں نے بلاقصور حضرت خواجہ محمد بن فضل قدس سرہ کو شہر بدر کر دیا تو آپ نے شہر والوں کو یہ بددعا دے دی کہ یا اللہ! ان لوگوں کو سچائی کی توفیق نہ دے۔ اس کا یہ انجام ہوا کہ برسوں تک اس شہر میں کوئی سچا آدمی باقی نہ

رہا اور شہر کا ہر آدمی بلا کا جھوٹا ہو گیا اور یہ جھوٹوں کا شہر کہلانے لگا۔ (روح البیان ج۴۶۲)

بہرحال بزرگوں کو اپنی کسی حرکت سے کبھی ناراض نہیں کرنا چاہئے ورنہ ان بزرگوں کے قلب کا ادنیٰ سا غبار قہر الٰہی کی آندھی بن کر تمہیں ہلاکت و بربادی کے غار میں گرا کر نیست و نابود کر دے گا۔

خدا کا قہر ہے ان کی نگاہ کی گردش
گرا جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

(۷۳)

خدائی فیصلہ

حضرت عروہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بیٹے تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے سگے بھائی تھے۔ عروہ مدینہ کے سات فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔ 22ھ میں پیدا ہوئے تھے اور 93ھ میں ربذہ کے نزدیک مقام فرع میں انتقال کر گئے۔ (وفیات الاعیان ج3 ص418-416)

آپ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف نے مکہ مکرمہ میں یہ قسم کھا رکھی تھی کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لازماً قتل کرے گا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی قسم کے بارے میں علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بَلْ أَنَا أَقْتُلُهُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ)

"بلکہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں ہی اسے قتل کروں گا۔"

چنانچہ غزوۂ احد کے دن ابی بن خلف سر سے پاؤں تک لوہے کا لباس پہن کر میدان میں اترا، وہ کہہ رہا تھا: (إِنْ نَجَوْتُ لَا نَجَا مُحَمَّدٌ)

"آج اگر میں بچ گیا تو محمد نہیں بچ سکیں گے۔"

پھر اس نے یکا یک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ ادھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقابلہ کرتے رہے، مگر ان کے جسم پر اتنے زخم لگے کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس اثنا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن خلف کے خود اور زرہ کے درمیان ہنسلی دیکھی اور اس میں نیزہ گھونپ

دیا۔ ابی بن خلف اپنے گھوڑے سے نیچے زمین پر گر پڑا۔ نیزے کی ضرب سے اس کی ہنسلی کو معمولی خراش آئی حتیٰ کہ خون بھی نہ نکلا۔ پھر اس کے ساتھی اس کے پاس آئے اور اس کو اٹھا کر لے گئے۔ وہ بیل کی طرح زور زور سے ڈکرا رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا:

(مَا أَجْزَعَكَ إِنَّمَا هُوَ خَدْشٌ)

"کس خوف سے تم اس طرح ڈکرا رہے ہو؟ یہ تو معمولی سی ایک خراش ہے۔"

وہ ساتھیوں سے کہنے لگا:

(وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَوْ كَانَ هٰذَا الَّذِیْ بِیْ بِأَهْلِ ذِی الْمَجَازِ لَمَاتُوْا أَجْمَعُوْنَ)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یہ تکلیف اہل ذی المجاز (عرفات سے ایک فرسخ یعنی تقریباً پانچ کلومیٹر دور ایک منڈی کا نام ہے۔ معجم البلدان ج ۵) کو پہنچتی جس سے میں ابھی دوچار ہوں تو وہ تمام کے تمام موت کے گھاٹ اتر جاتے۔"

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/۲۵۸ ۔ البدایہ والنہایہ ۴/۳۲)

سیرت کی بعض کتابوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جب ابی بن خلف کے ساتھیوں نے اس سے کہا: تم اس قدر زیادہ واویلا کیوں کر رہے ہو جب کہ تمہیں معمولی سا زخم پہنچا ہے؟ تو اس نے ساتھیوں سے کہا: تم لوگوں کو یاد نہیں ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے قتل کرنے کی بات کہی تھی۔ (فَوَاللّٰهِ! لَوْ بَصَقَ عَلَيَّ لَقَتَلَنِیْ)

"اللہ کی قسم! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے اوپر تھوک بھی دیتے تو میں مر جاتا۔"

پھر وہ اللہ کا دشمن مقام سرف (مکہ کے قریب ایک جگہ) میں جہنم رسید ہو گیا۔

اللہ کا یہ دشمن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا عزم اور ارادہ رکھتا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں پہلے ہی یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ مردود میرے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں قتل ہوگا (چنانچہ یہ اپنے برے انجام کو پہنچا)۔

(اقضیۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/۲۴۱)

Scanned with CamScanner

(۷۴)

جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے

حضرت سیّدنا ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ صدقہ و ایثار کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔ بعض اوقات اپنی غذا بھی صدقہ کر دیتے اور خود رات کو بھوکے سو جاتے۔ ایک صبح اس حالت میں کی کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر سوائے ایک درہم کے کچھ نہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ نے عرض کی: ''اس درہم سے آٹا خرید لائیں تا کہ ہم اسے گوندھ کر بچوں کے لیے روٹی پکا لیں، بچے مزید بھوک برداشت نہیں کریں گے۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک درہم اور توشہ دان (کھانے کا برتن) لیا اور بازار کی طرف چل پڑے۔ سردی بہت شدید تھی، راستے میں آپ کو ایک سائل ملا، آپ رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے ہٹ کر دوسری طرف سے جانے لگے تو اس نے آپ کو روک لیا اور اپنی تنگدستی بیان کرتے ہوئے آپ کو قسم دی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ درہم اسے دے دیا۔ پھر یہ فکر لاحق ہوگئی کہ اپنے اہل وعیال کے پاس کیا لے کر جاؤں گا؟ چنانچہ، اسی فکر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک مضبوط درخت کے قریب سے گزرے کہ لوگ اس کو چیر رہے تھے۔ انہوں نے توشہ دان کھولا اور آرے سے چیرے جانے کے باعث جو برادہ گر رہا تھا اس سے توشہ دان بھر کر منہ بند کر دیا اور گھر جا کر بیوی کو کچھ بتائے بغیر رکھ دیا اور خود مسجد کی طرف چل پڑے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ نے توشہ دان کھول کر دیکھا تو اس میں سفید باریک میدہ موجود تھا۔ اس نے گوندھ کر بچوں کے لئے کھانا پکایا۔ بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور پھر کھیلنے لگ گئے۔ جب سورج خوب بلند ہو گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بیوی، بچوں کی بھوک کا خوف

محسوس کرتے ہوئے گھر تشریف لائے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھ گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی نے دستر خوان اور کھانا لا کر سامنے رکھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو پوچھا: ''یہ کھانا کہاں سے آیا؟'' عرض کی: ''میرے سرتاج! اسی توشہ دان سے جو آپ لے کر آئے تھے۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور حسن کاریگری پر اس کا شکریہ ادا کیا۔

مسلمانو! دیکھو! اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر کیسا لطف وکرم فرماتا ہے اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی کیسا توکل کرتے ہیں؟ پس دنیا کے معاملے میں اللہ تعالیٰ ان کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور انہیں اپنے فضل وکرم سے رزق عطا فرماتا اور ان کے ساتھ اپنے شایان شان معاملہ فرماتا ہے۔

☆ حضرت سیّدنا ابومعاویہ علیہ الرحمۃ نابینا تھے۔ قرأت قرآن بہت زیادہ پسند تھی۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کھولتے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی لوٹ آتی اور جب قرأت سے فارغ ہوتے تو بینائی چلی جاتی۔ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ندا کی گئی: ''ہم نے تمہاری بینائی اس وجہ سے زائل نہیں کی کہ ہم تیرے معاملے میں بخیل ہیں بلکہ ہمیں اس پر غیرت آئی کہ تم ہمارے سوا کسی کو دیکھو۔'' (الروض الفائق)

Scanned with CamScanner

(۷۵)

کفر و اسلام کی پہلی باقاعدہ جنگ

جنگ بدر کفر و اسلام کا مشہور ترین معرکہ ہے۔ ۱۷ رمضان ۲ھ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ''بدر'' میں یہ جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے مسلمان بہت ہی بظاہر تھوڑے اور کمزور حالت میں تھے۔ مسلمانوں میں بوڑھے، جوان اور بچے اور انصار و مہاجرین کل مل کر تین سو تیرہ مجاہدین اسلام علم نبوی کے زیر سایہ کفار کے ایک عظیم لشکر سے نبرد آزما تھے۔ سامان جنگ کی قلت کا یہ عالم تھا کہ پوری اسلامی فوج میں چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور کفار کا لشکر تقریباً ایک ہزار نہایت ہی جنگجو اور بہادروں کا تھا اور ان بہادروں کے ساتھ ایک سو بہترین گھوڑے، سات سو اونٹ اور قسم قسم کے مہلک ہتھیار تھے اس جنگ میں مسلمانوں کی گھبراہٹ اور بے چینی ایک قدرتی بات تھی۔ حضور اکرم ﷺ رات بھر جاگ کر خدا سے لو لگائے مصروف دعا تھے:

''الٰہی! اگر یہ چند نفوس ہلاک ہو گئے تو پھر قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے۔'' (سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۲۷)

دعا مانگتے ہوئے آپ کی چادر مبارک دوش انور سے زمین پر گر پڑی اور آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے یار غار تھے۔ آپ کو اس طرح بے قرار دیکھ کر ان کے دل کا سکون و قرار جاتا رہا۔ انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آپ کے مقدس کندھے پر ڈال دیا اور آپ کا دست مبارک تھام کر بھرائی

ہوئی آواز میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا: حضور اب بس کیجئے اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اپنے یار غار صدیق جاں نثار کی گزارش مان کر آپ ﷺ نے دعا ختم کر دی اور نہایت اطمینان کے ساتھ پیغمبرانہ لہجے میں یہ فرمایا:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔

عنقریب کفار کی فوج کو شکست دے دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

صبح کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیات جہاد کی تلاوت فرما کر ایسا ولولہ انگیز وعظ فرمایا: مجاہدین کی رگوں میں خون کا قطرہ قطرہ جوش و خروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا اور آپ ﷺ نے یہ بشارت دی کہ اگر صبر کے ساتھ تم مجاہدین میدان جنگ میں ڈٹے رہے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیج دے گا۔

چنانچہ پانچ ہزار فرشتوں کی فوج میدان جنگ میں اتر پڑی اور دم زدن میں میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجرین کا جھنڈا لہرا رہے تھے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصار کے علمبردار تھے۔ کفار کے ستر آدمی قتل ہو گئے اور ستر گرفتار ہوئے باقی اپنا سارا سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ کفار کے مقتولین میں قریش کے بڑے بڑے نامور سردار جو بہادری اور سپاہ گری میں یکتائے روزگار تھے۔ ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یہاں تک کہ کفار قریش کی لشکری طاقت ہی فنا ہو گئی۔ مسلمانوں میں کل چودہ خوش نصیبوں کو شہادت کا شرف ملا۔ جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے اور مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت ملا جو کفار چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر اور فرشتوں کی فوج کا تذکرہ قرآن مجید میں ان لفظوں کے ساتھ فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

Scanned with CamScanner

وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○

(آل عمران رکوع ۱۳ پارہ ۴)

اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکرگزار بنو۔ یاد کرو جب اے محبوب! تم مسلمانوں سے فرما رہے تھے کہ کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کو اتار کر تمہاری مدد فرمائے۔ ہاں کیوں نہیں اگر تم لوگ صبر وتقویٰ اختیار کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیج دے گا اور یہ فتح اللہ نے تمہاری خوشی کے لئے دی ہے اور اس لئے کہ تمہارے دلوں کو چین ملے اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غلبہ والا حکمت والا ہے۔

مؤمن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد اور سامان جنگ کی قلت کے باوجود فتح مبین نے مسلمانوں کے قدموں کا بوسہ لیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ فتح کثرت تعداد اور سامان جنگ کی فراوانی پر موقوف نہیں بلکہ فتح کا دارومدار نصرت خداوندی پر ہے کہ وہ جب چاہتا ہے تو فرشتوں کی فوج آسمان سے میدان جنگ میں اتار کر مسلمانوں کی امداد ونصرت فرما دیتا ہے اور مسلمان قلت تعداد اور سامان جنگ نہ ہونے کے باوجود فتح مند ہو کر کفار کے بڑے بڑے لشکروں کو تہس نہس کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے دو شرطیں رکھی ہیں۔

ایک صبر دوسرے تقویٰ اگر مسلمان صبر وتقویٰ کے دامن کو تھامے ہوئے خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے جنگ میں اڑ جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر محاذ پر فتح مبین مسلمانوں کے قدم چومے گی اور کفار شکست کھا کر راہ فرار اختیار کریں گے یا مسلمانوں کی مار سے فنا ہو کر فی

النار ہو جائیں گے۔ بس ضرورت ہے کہ مسلمان صبر وتقویٰ کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر خدا کی مدد کا بھروسہ کر کے کفار کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں استقامت کے پہاڑ بن کر کھڑے رہیں اور ہرگز ہرگز تعداد کی کمی اور سامان جنگ کی قلت وکثرت کی پرواہ نہ کریں کیونکہ فرمان خداوندی ہے: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ مدد فرمانے والا تو بس اللہ ہی ہے۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ:

کافر ہو تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

(۷۶)

اسلام کا دامن رحمت چھوڑنے کی سزا

ایک رات خلیفۂ عباسی منصور نے عبداللہ بن علی، صالح بن علی اور کچھ دیگر افراد کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ عبداللہ بن علی نے گزارش کی:

امیر المؤمنین! جب عبداللہ بن مروان بھاگ کر خطۂ حبشہ میں نوبہ کے شہروں کی طرف گیا تھا تو اس کے اور شاہ نوبہ کے درمیان عجیب ترین بات چیت ہوئی۔ جو مجھے بھول گئی ہے، اگر امیر المؤمنین پسند کریں تو اسے ہمارے سامنے بلائیں اور وہ بات پوچھیں جو مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ ابوجعفر منصور نے پیغام بھیج کر اسے بلایا۔

اس کے آنے پر کہا: تمہارے اور شاہ نوبہ کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی؟

اس نے کہا: امیر المؤمنین! جب میں یہاں سے بھاگا تو جو سامان میرے پاس باقی رہ گیا تھا وہ ساتھ لیتا گیا۔ جب ان کے علاقے میں داخل ہوا تو میں نے قالین بچھائے اور دوسرا سامان سیٹ کر دیا۔ وہاں کے لوگ آتے اور ساز و سامان کی سج دھج کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے۔ یہاں تک کہ ان کے بادشاہ کو بھی اطلاع پہنچ گئی۔ وہ خود چل کر آیا اور آ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

شاہ حبشہ: تم پر شراب حرام ہے، اس کے باوجود تم شراب پیتے ہو؟

میں نے کہا: یہ کام ہمارے غلام اور ملازم اپنی جہالت کی بنا پر کرتے ہیں۔

شاہ حبشہ: تم ریشم اور دیبا پہنتے ہو اور سونے کے زیور پہنتے ہو، حالانکہ یہ سب چیزیں تم پر حرام ہیں؟

میں نے کہا: ہمارا اقتدار جاتا رہا، دولت ساتھ چھوڑ گئی۔ ہم نے عجمیوں سے مدد مانگی جو یہ چیزیں استعمال کرتے تھے۔ ہم نے بادل ناخواستہ ان کی مخالفت کو پسند نہیں کیا۔

شاہ حبشہ کچھ دیر سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کرتا رہا اور زیر لب یہ بات دہراتا رہا کہ ہمارے غلام، ہمارے غلام اور عجمی لوگ ہمارے دین میں مداخلت کر رہے ہیں پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا: حقیقت وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو بلکہ یہ ہے کہ تمہیں اقتدار ملا تو تم ظلم پیشہ بن گئے اور تمہیں جن کاموں کا حکم دیا گیا تھا تم نے انہیں چھوڑ دیا اور جن چیزوں سے منع کیا گیا تھا تم ان کی طرف مائل ہو گئے' تو اللہ تعالیٰ نے تم سے عزت چھین لی اور تمہارے گناہوں کے سبب تمہیں لباس ذلت پہنا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے ایک عذاب ہے جو مکمل نہیں ہوا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ عذاب میرے شہروں میں تم پر نازل ہو'اس لئے تم یہاں سے چلتے بنو۔

ابوجعفر منصور اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری تھی:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۝

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں تو اس بستی پر حکم ثابت ہو جاتا ہے اور ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اسی طرح حکمران جب اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی مخالفت کرتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ذلت و خواری کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان پر ایسا دشمن مسلط کر دیتا ہے جو ان کے شہروں کی بنیادیں اکھیڑ دیتا ہے اور ان کی چھتیں الٹا دیتا ہے۔ (مروج الذھب مسعودی مقدمہ ابن خلدون۔ الجرح والتعدیل۔ بتصرف)

Scanned with CamScanner

(۷۷)

ایک بین الاقوامی قانون

قاصد کے جان و مال کا تحفظ ان بین الاقوامی قوانین میں سے ہے، جن پر عمل درآمد کرنا ہر ملک کے بادشاہ یا حکمران پر واجب ہے۔ اسی طرح دو ملکوں میں جو عہد و پیمان ہوا اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کی مثالیں نبوی زندگی میں بھی موجود ہیں۔ آیئے اس عہد کے حوالے سے چند نمونے ذیل میں دیکھتے ہیں:

(۱) جھوٹی نبوت کے دعویدار مسیلمہ کذاب نے اپنے دو قاصدوں کو رسول اکرم ﷺ کے پاس بھیجا۔ یہ دونوں قاصد مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت پر ایمان لا چکے تھے۔ اس سلسلے میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اس عقیدے کا حامل قتل کر دیا جائے گا مگر رسول اکرم ﷺ نے ان قاصدوں کو قتل نہیں کیا کیونکہ قاصد قتل نہیں کیا جاتا، خواہ وہ کسی بھی عقیدے کا حامل کیوں نہ ہو۔

نعیم بن مسعود اشجعی غطفانی رضی اللہ عنہ (جنہوں نے غزوۂ خندق کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ انہوں نے بنو قریظہ، غطفان اور قریش میں پھوٹ ڈال دی۔ وہ خلافت عثمانی میں فوت ہوئے۔ (اسد الغابہ ج5 ص329-328)

یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب نے اپنے دو قاصدوں کو خط دے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے خط سنا تو دونوں قاصدوں سے پوچھا:

(مَا تَقُوْلَانِ اَنْتُمَا؟) ''مسیلمہ کے بارے میں تم دونوں کیا کہتے ہو؟''

وہ دونوں کہنے لگے: ہم اس بات کے قائل ہیں جو مسیلمہ کہتا ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ نبی ہے۔

ان کی باتیں سن کر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(أَمَا وَاللّٰهِ! لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا)

''اللہ کی قسم! اگر یہ بات آڑے نہ آتی کہ قاصد کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں ضرور تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔''

(صحیح/ابوداؤد: کتاب الجہاد: 2761، مجمع الزوائد للهيثمي 314/5)

(۲) حدیبیہ کے سال جب رسول اکرم ﷺ ادائیگی عمرہ کے لیے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے تو مشرکوں نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ قریش مکہ نے اپنے قاصدوں کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ وہ آپ ﷺ کو اس سال عمرہ کیے بغیر مدینہ واپس چلے جانے پر راضی کریں۔ مسلمان قاصد بھی قریش کے پاس گئے تاکہ دونوں طرف سے مفاہمت و مصالحت ہو جائے اور اس طرح جنگ کی آگ جو بھڑکنے کے لیے تیار تھی، بجھ جائے۔ قریش نے جن لوگوں کو اپنا قاصد بنا کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا تھا ان میں ایک ابو رافع بھی تھے۔ جب وہ قریش کا پیغام لے کر رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا تو ان کے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اب وہ اسلام قبول کر کے مسلمانوں ہی کے ساتھ رہ جائیں، مکہ مکرمہ واپس نہ جائیں، مگر رسول اکرم ﷺ نے اس وقت ابو رافع کو مکہ واپس ہونے کا حکم دیا۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے سال) قریش مکہ نے مجھے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ کی شخصیت کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام کی محبت سما گئی، چنانچہ میں نے عرض کی:

Scanned with CamScanner

(يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ وَاللهِ لَا اَرْجِعُ اِلَيْهِمْ اَبَدًا)

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں ان (قریش) کے پاس ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔''

مگر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(اِنِّيْ لَا أَخِيْسُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰكِنِ ارْجِعْ فَاِنْ كَانَ فِيْ نَفْسِكَ الَّذِيْ فِيْ نَفْسِكَ الْآنَ فَارْجِعْ)

''میں عہد و پیمان نہیں توڑتا اور نہ قاصدوں (پیغامبروں) کو روک رکھتا ہوں (اور جانے نہیں دیتا)، بلکہ تم واپس جاؤ' اگر تمہارے دل میں اسلام کی محبت ہو جیسا کہ اس وقت ہے تو (مکہ سے) واپس آ جانا۔''

چنانچہ میں واپس چلا گیا اور بعد میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔'' (صحیح / ابوداود: کتاب الجہاد 2758، احمد: 8/6)

(۳) صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مشرک مسلمانوں کے پاس آ گیا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ اس کے برعکس اگر کوئی مسلمان بھاگ کر مشرکین کے پاس چلا گیا تو وہ اسے مسلمانوں کو واپس نہیں کریں گے۔ ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ ابوجندل رضی اللہ عنہ بھاگتے ہوئے مسلمانوں کے پاس آئے۔ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جب سہیل بن عمرو نے (جو مشرکین کی طرف سے معاہدہ کرنے آیا تھا) ابوجندل کو دیکھا تو ان کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا اور ان کا گریبان پکڑ کر منہ کے بل زمین پر گرا دیا اور کہنے لگا:

(يَا مُحَمَّدُ! قَدْ لَجَّتِ الْقَضِيَّةُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ قَبْلَ اَنْ يَّأْتِيَكَ هٰذَا)

''اے محمد! اس (ابوجندل) کے آنے سے قبل ہی میرے اور آپ کے درمیان معاہدہ طے پا چکا ہے۔''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بات صحیح ہے۔''

(یہ واضح رہے کہ اس وقت تک ابھی دستخط نہیں ہوئے تھے بلکہ معاہدہ ابھی لکھا جا رہا

تھا)۔ پھر سہیل حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو سختی کے ساتھ کھینچنے لگا اور ابوجندل رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر زور زور سے آواز دینے لگے:

(يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! اُرَدُّ اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ يَفْتِنُوْنَنِيْ فِيْ دِيْنِيْ)

''اے مسلمانو! کیا میں پھر مشرکین کی طرف لوٹایا جا رہا ہوں جو میرے دین کے باعث مجھے آزمائش میں ڈالیں گے؟''

اس وقت مسلمانوں اور بالخصوص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کیفیت کیا تھی، وہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے پوچھیے۔ یہاں تو یہ بتلانا مقصود ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس موقع پر بھی اپنے عہد و پیمان کی حفاظت فرمائی اور معاہدے کی پابندی فرماتے ہوئے ابوجندل سے ارشاد فرمایا:

(يَا ابْنَ جُنْدَلٍ! اصْبِرْ وَاحْتَسِبْ فَاِنَّ اللهَ جَاعِلٌ لَّكَ وَلِمَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا قَدْ عَقَدْنَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ صُلْحًا وَّأَعْطَيْنَا هُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَ أَعْطُوْنَا عَهْدَ اللهِ وَاِنَّا لَا نَغْدِرُ بِهِمْ)

''ابوجندل! صبر سے کام لو اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ دیگر کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور کوئی راستہ نکالے گا۔ ہم نے مشرکین کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا ہے، اور اس پر ہم نے اللہ کو ضامن ٹھہرا لیا ہے، اس لیے ہم ان (مشرکین) کے ساتھ بد عہدی نہیں کر سکتے۔''

(البداية والنهاية: 218/6، تحقیق دکتور عبداللہ ترکی، اسد الغابة: 5775)

Scanned with CamScanner

(۷۸)

دل ہوش میں نہ رہا

حضرت سیّدنا ابراہیم سائح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے طواف بیت اللہ شریف کے دوران ایک لڑکی کو کعبہ کے پردوں سے لپٹے ہوئے یہ کہتے سنا: ''ہائے! محبت الٰہی عزوجل کے بعد میں تنہا ہوگئی، ہائے! عزت پانے کے بعد میں ذلیل ہوگئی، ہائے! امیری کے بعد فقیری میں مبتلا ہوگئی، ہائے! اتنی بڑی مصیبت نازل ہوگئی۔'' میں نے پوچھا: ''اے لڑکی! تجھ پر کون سی مصیبت نازل ہوئی؟'' اس نے کہا: ''میرا دل ہوش میں نہیں رہا۔'' میں نے کہا: ''یہ تو معمولی مصیبت ہے۔'' کہنے لگی: ''بھلا دل کی بے ہوشی اور محبوب کی جدائی سے بڑھ کر بھی کوئی مصیبت ہوسکتی ہے؟'' میں نے پوچھا: ''تم اپنی آواز پست کیوں نہیں کرتی؟'' تو وہ جواباً پوچھنے لگی: ''بتایئے! یہ گھر کس کا ہے، آپ کا یا اللہ کا؟'' میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کا۔'' کہنے لگی: ''یہ حرم آپ کا ہے یا خدا عزوجل کا؟'' میں نے کہا: ''اسی کا ہے۔'' اس نے پھر پوچھا: ''اچھا! یہ بتایئے کہ کون ہمیں اس کی زیارت کی توفیق عطا فرماتا ہے؟'' میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ۔'' تو وہ کہنے لگی: ''پھر مجھے چھوڑ دو کہ میں اس کی بارگاہ میں عاجزی وانکساری کروں جیسا کہ اس نے ہمیں اپنے حرم شریف میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی اور اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔'' پھر اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرلئے اور یوں دعا کی: ''یا اللہ! تیری میرے ساتھ محبت کا واسطہ! میرے دل کو ہوش عطا فرمادے۔'' میں نے اسے کہا: ''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''وہ اس

طرح کہ اس کی خاص عنایت نے ہمیشہ میری طرف سبقت کی کیونکہ اس نے میری تلاش میں لشکروں کو بھیجا، اس نے مال خرچ کئے اور اس کے بندوں نے جہاد کیا یہاں تک کہ مجھے شرک کے شہر سے نکال کر توحید کے شہر میں لا کھڑا کیا اور پھر اس نے مجھے اپنے راستے کی معرفت عطا کی اور حسن توفیق کے ساتھ اپنی بارگاہ کی طرف رہنمائی کی، مجھے اس کا شعور بھی نہ تھا مگر اب میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔'' (الروض)

(۷۹)

دنیا میں سب سے پہلا قاتل و مقتول

روئے زمین پر سب سے پہلا قاتل قابیل اور سب سے پہلا مقتول ہابیل ہے۔

''قابیل وہابیل'' یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند ہیں ان دونوں کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حواء کے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے اور ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی سے نکاح کیا جاتا تھا۔ اس دستور کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کا نکاح ''لیوذا'' سے جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی اور ہابیل کا نکاح ''اقلیما'' کے ساتھ جو قابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی کرنا چاہا مگر قابیل اس پر راضی نہ ہوا بلکہ اقلیما جو زیادہ خوبصورت تھی اس لئے وہ اس کا طلب گار رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو سمجھایا کہ چونکہ اقلیما تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس لئے وہ تیری بہن ہے۔ اس کے ساتھ تیرا نکاح نہیں ہوسکتا' مگر قابیل اپنی ضد پر اڑا رہا۔ بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانیاں خداوند قدوس کے دربار میں پیش کرو۔ جس کی قربانی مقبول ہوگی وہی اقلیما کا حق دار ہوگا۔

اس زمانے میں قربانی کی مقبولیت کی یہ نشانی تھی کہ آسمان سے ایک آگ اتر کر اس کو کھالیا کرتی تھی۔ چنانچہ قابیل نے گیہوں کی کچھ بالیاں اور ہابیل نے ایک بکری قربانی کے لئے پیش کی۔ آسمانی آگ نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا اور قابیل کے گیہوں کو چھوڑ دیا۔ اس بات پر قابیل کے دل میں بغض و حسد پیدا ہوگیا اور اس نے ہابیل کو قتل کر دینے کی ٹھان لی اور ہابیل سے کہہ دیا کہ میں تجھ کو ضرور ضرور قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے کہا: قربانی قبول کرنا اللہ

تعالیٰ کا کام ہے اور وہ متقی بندوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے اگر تو متقی ہوتا تو ضرور تیری قربانی قبول ہوتی۔ ساتھ ہی ہابیل نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تو میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھ پر اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلے پڑیں اور تو دوزخی ہو جائے کیونکہ بے انصافوں کی یہی سزا ہے''۔ پھر آخر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ بوقت قتل ہابیل کی عمر بیس برس کی تھی اور قتل کا یہ حادثہ مکہ مکرمہ میں جبل ثور کے پاس یا جبل حرا کی گھاٹی میں ہوا اور بعض کا قول ہے کہ بصرہ میں جس جگہ مسجد اعظم بنی ہوئی ہے منگل کے دن یہ سانحہ ہوا۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

قابیل کی بدبختی

روایت ہے کہ جب ہابیل قتل ہو گئے تو سات دنوں تک زمین میں زلزلہ رہا اور وحوش و طیور اور درندوں میں اضطراب اور بے چینی پھیل گئی اور قابیل جو بہت ہی گورا اور خوبصورت تھا۔ بھائی کا خون بہاتے ہی اس کا چہرہ بالکل کالا اور بدصورت ہو گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بیحد رنج و قلق ہوا۔ یہاں تک کہ ہابیل کے رنج و غم میں ایک سو برس تک کبھی آپ کو ہنسی نہیں آئی اور سریانی زبان میں آپ نے ہابیل کا مرثیہ کہا جس کا عربی اشعار میں ترجمہ یہ ہے:

تَغَيَّرَتِ الْبِلَادُ وَمَنْ عَلَيْهَا   فَوَجْهُ الْاَرْضِ مُغْبَرٌّ قَبِيْحٌ
تَغَيَّرَ كُلُّ ذِيْ لَوْنٍ وَطَعْمٍ   وَقَلَّ بَشَاشَةُ الْوَجْهِ الصَّبِيْحِ

ترجمہ: تمام شہروں اور ان کے باشندوں میں تغیر پیدا ہوگیا اور زمین کا چہرہ غبار آلود اور قبیح ہوگیا۔ ہر رنگ اور مزہ والی چیز بدل گئی اور گورے چہرے کی رونق کم ہوگئی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے شدید غضبناک ہو کر قابیل کو پھٹکار کر اپنے دربار سے نکال دیا اور وہ بدنصیب اقلیما کو ساتھ لے کر یمن کی سرزمین ''عدن'' میں چلا گیا۔ وہاں ابلیس اس کے پاس آ کر کہنے لگا کہ ہابیل کی قربانی آگ نے اس لئے کھالی کہ وہ آگ کی پوجا کیا کرتا تھا لہٰذا تو بھی ایک آگ کا مندر بنا کر آگ کی پرستش کیا کر چنانچہ قابیل پہلا وہ شخص ہے جس

Scanned with CamScanner

نے آگ کی عبادت کی اور یہ روئے زمین پر پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور سب سے پہلے زمین پر خون ناحق کیا اور یہ پہلا وہ مجرم ہے جو جہنم میں سب سے پہلے ڈالا جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ روئے زمین پر قیامت تک جو بھی خون ناحق ہوگا قابیل اس میں حصہ دار ہوگا کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا دستور نکالا اور قابیل کا انجام یہ ہوا کہ اس کے ایک لڑکے نے جو کہ اندھا تھا اس کو ایک پتھر مار کر قتل کر دیا اور یہ بدبخت نبی زادہ ہونے کے باوجود آگ کی پرستش کرتے ہوئے کفر و شرک کی حالت میں اپنے لڑکے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۸۱ پارہ ۶ مائدہ)

شیث علیہ السلام کی پیدائش

ہابیل کے قتل ہو جانے کے پانچ برس بعد حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو تیس برس کی ہو چکی تھی۔ آپ نے اس ہونہار فرزند کا نام ''شیث'' رکھا۔ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں اس کے معنی ''ہبۃ اللہ'' یعنی ''اللہ کا عطیہ'' ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پچاس صحیفے جو آپ پر نازل ہوئے تھے ان سب کی حضرت شیث علیہ السلام کو تعلیم دی اور ان کو اپنا وصی و خلیفہ اور سجادہ نشین بنایا اور ان کی نسل میں خیر و برکت ہونے کی دعائیں مانگیں۔ ہمارے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۸۲)

اس واقعہ کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَىَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِىْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِىَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنِّىْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۤاَ بِاِثْمِىْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

(مائدہ رکوع ۵ پارہ ۶)

اور اے پیغمبر! انہیں پڑھ کر سناؤ آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی، تو وہ بولا میں تجھے قتل کر دوں گا تو دوسرے نے کہا: اللہ اس کی قربانی قبول فرماتا ہے جو متقی ہو اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا۔ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلے پڑیں تو اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل کی رغبت دلائی تو وہ اس کو قتل کر کے نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

واقعہ سے حاصل ہونے والے اسباق

اس واقعہ سے چند ہدایتوں کے سبق ملتے ہیں!

(۱) دنیا میں سب سے پہلا جو قتل اور خون ناحق ہوا وہ ایک عورت کے معاملہ میں ہوا لہٰذا کسی عورت کے فتنہ عشق میں مبتلا ہونے سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے!

(۲) قابیل نے جذبہ حسد میں گرفتار ہو کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسد انسان کی کتنی بری اور خطرناک قلبی بیماری ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ فرما کر حکم دیا گیا کہ حاسد کے حسد سے خدا کی پناہ مانگتے رہو۔

(۳) خون ناحق کتنا بڑا جرم عظیم ہے کہ اس جرم کی وجہ سے ایک نبی کا فرزند اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے دربار سے راندہ درگاہ ہو کر کفر و شرک میں مبتلا ہو کر مر گیا اور قیامت تک ہونے والے ہر خون ناحق میں حصہ دار بن کر عذاب جہنم میں گرفتار رہے گا۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کوئی برا طریقہ ایجاد کرے تو قیامت تک جتنے لوگ اس برے طریقے پر عمل کریں گے سب کے گناہ میں وہ برابر کا شریک اور حصہ دار بنے گا۔

(۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکوں کی اولاد کا نیک ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ نیکوں کی اولاد بری بھی ہو سکتی ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے مقدس نبی اور صفی اللہ ہیں مگر ان کا بیٹا قابیل کتنا خراب ہوا وہ آپ پڑھ چکے۔ ہمیشہ ہر شخص کو چاہئے کہ فرزند صالح اور نیک اولاد کی دعائیں خدا سے مانگتا رہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

Scanned with CamScanner

مقتول کو دفن کیسے کیا گیا؟

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو چونکہ اس سے پہلے کوئی آدمی مرا ہی نہیں تھا۔ اس لئے قابیل حیران تھا کہ بھائی کی لاش کا کیا کروں۔ چنانچہ کئی دنوں تک وہ لاش کو اپنی پیٹھ پر لادے پھرتا رہا پھر اس نے دیکھا کہ دو کوے آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر زندہ کوے نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر ایک گڑھا کھودا اور اس میں مرے ہوئے کوے کو ڈال کر مٹی سے دبا دیا یہ منظر دیکھ کر قابیل کو معلوم ہوا کہ مردے کی لاش کو زمین میں دفن کرنا چاہیے چنانچہ اس نے قبر کھود کر اس میں بھائی کی لاش کو دفن کر دیا۔

(مدارک التنزیل ج ا ص ۲۸۱)

قرآن مجید نے اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ (مائدہ رکوع ۵ پارہ ۶)

پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا ہوا کہ اسے دکھادے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے (قابیل) بولا: ہائے خرابی! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا پھر وہ اپنے کرتوت پر پچھتاتا رہ گیا۔

(۱) اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ آدمی علم سیکھنے میں چھوٹے سے چھوٹے استاد کا یہاں تک کہ کوے کا بھی محتاج ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ انسان پر اس کی دنیاوی زندگی کی راہ میں جب کوئی مشکل درپیش ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے یہاں تک کہ چرندوں اور پرندوں کے ذریعے مشکلات حل کرنے کی راہ دکھا دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

(۸۰)

باپ کے قاتل کا محافظ

جب خلافت بنو عباس کی طرف منتقل ہوئی تو بنو امیہ، عباسیوں سے ڈرتے ہوئے روپوش ہو گئے۔ ان روپوش ہونے والوں میں ابراہیم بن سلیمان بھی تھا۔ خلیفہ سفاح کا ایک محافظ ابراہیم کا دوست تھا اس نے خلیفہ کے پاس ابراہیم کی سفارش کی۔ خلیفہ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ اپنے مقربین میں شامل کر لیا اور اعزاز و اکرام سے نوازا۔

ایک دن سفاح نے اسے کہا: ابراہیم! مجھے وہ عجیب و غریب بات سناؤ جو تم نے روپوشی کے دنوں میں دیکھی۔ ابراہیم نے کہا میں حیرہ کے ایک گھر میں چھپا ہوا تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ سیاہ جھنڈے کوفہ کی طرف سے حیرہ کی طرف آ رہے ہیں۔ مجھے اپنی جان کی فکر لاحق ہو گئی اور میرے خوف میں یک دم اضافہ ہو گیا۔ میں نے گمان کیا کہ وہ مجھے ہی گرفتار کرنے آ رہے ہیں۔ میں اپنی شکل تبدیل کر کے گھر سے باہر نکلا اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کہاں جاؤں اور کہاں روپوش ہوں؟ میں راستوں اور دروازوں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر ایک بڑے دروازے پر پڑی۔ میں اس میں داخل ہو گیا مجھے اس کے صحن میں ایک خوبصورت اور خوش اخلاق شخص دکھائی دیا۔

اس نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟

میں نے کہا: مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ مجھے آپ کی پناہ چاہیے۔ اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور اپنے اہل خانہ کے کمرے کے ساتھ ایک کمرہ دکھا دیا۔ وہ ہر دن فجر کے وقت

سوار ہوکر گھر سے جاتا اور دوپہر سے پہلے واپس آجاتا، یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔

ایک دن میں نے اسے کہا: آپ ہر روز سوار ہوکر کہاں جاتے ہیں؟ اس نے کہا: ابراہیم بن سلیمان بن عبدالملک نے میرے والد کو قتل کیا ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ حیرہ میں روپوش ہے۔ میں اس کی تلاش میں جاتا ہوں۔ ممکن ہے وہ مجھے مل جائے اور میں اس سے انتقام لے سکوں۔

امیر المؤمنین! جب میں نے یہ بات سنی تو میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ دنیا میری نگاہوں میں تاریک ہوگئی اور میں نے دل میں سوچا کہ میں نے خود موت کے کنوئیں میں چھلانگ لگائی ہے۔

میں نے تحقیق کی غرض سے پوچھا: آپ کا اور آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ اس نے بتایا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں بری طرح جال میں پھنس گیا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے طے کیا کہ میں صرف سچی بات کہوں گا۔ اللہ تعالیٰ مالک ومختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

میں نے کہا: جناب! میں آپ کا مہمان ہوں۔ آپ کا حق مجھ پر واجب ہے اور آپ کے سامنے سچ بولنا بھی مجھ پر لازم ہے۔ آپ کے احسان کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کی مطلوبہ شخصیت کی نشاندہی کردوں۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: میں ہی آپ کا مطلوب ہوں اور آپ مجھے ہی تلاش کر رہے ہیں۔ میں ابراہیم بن سلیمان ہوں اور آپ کے والد کا قاتل۔ آپ مجھ سے بدلہ لے لیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا: یہ مجھ سے انتقام لے گا اور مجھے قتل کردے گا۔

لیکن میں نے دیکھا کہ اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا ہے اور وہ گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ وہ بولے تو مجھے پتہ چلے کہ اس نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ میرا دل یہی کہہ رہا تھا کہ یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا اور مجھ سے اپنے باپ کا انتقام لے کر رہے گا۔

آخر خدا خدا کر کے وہ گویا ہوا اور اس کے چہرے سے عفو اور درگزر کے آثار دکھائی دینے لگے۔ کہنے لگا: کیا آپ روپوشی اور اپنے اہل وعیال اور گھر کی دوری سے تنگ آگئے ہیں اور مرنا چاہتے ہیں؟

میں نے کہا: جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سب کچھ سچ سچ آپ کے سامنے بیان کردوں۔ میں نے آپ کے والد کو فلاں دن قتل کیا اور اس کی وجہ یہ تھی۔ اس نے میری گفتگو اور اپنے والد کا ذکر سنا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

اس نے دیر تک سر جھکائے رکھا۔ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ میں نے اس شخص کو دشمن بنالیا ہے اور خود اپنی موت کا اہتمام کیا ہے۔ میرے کان اس کی زبان سے نکلنے والے پہلے لفظ کو سننے کے لئے بے چین تھے۔ اس نے سر اٹھایا اور میری طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا:

تم میرے والد سے عادل حاکم کے پاس ملاقات کروگے وہ خود تم سے اپنا بدلہ لے لے گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے تمہیں پناہ دے رکھی ہے، اسے توڑ کر غداری نہیں کروں گا۔ ورنہ عرب مجھے گالی دیں گے اور کہیں گے اس کا ستیاناس! یہ بڑا غدار ہے لیکن یہ ضرور چاہوں گا کہ تم مجھ سے دور ہوجاؤ۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں شیطان مجھ پر غالب نہ آجائے اور میں وہ کام کرگزروں جو مجھے پسند نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایک ہزار دینار پیش کئے، جو میں نے نہیں لئے۔ میں وہاں سے چل دیا اور اس کی جوانمردی کو یاد کرتا رہا اور آج تک میں اس شخص کی روح کی عظمت اور اس کی گھٹی میں رچی بسی عالی ظرفی کو خراج تحسین پیش کرتا رہتا ہوں۔

امیر المؤمنین! یہ ہے وہ عجیب ترین بات جو میری آنکھوں نے دیکھی۔

(نہایۃ الادب۔ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

ارباب کرم کی یہ روایت اور وضعداری ہے کہ جب کسی پر قابو پالیتے ہیں تو اسے معاف کردیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کے دن مخلوق کا کون حساب لے گا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ اعرابی نے

Scanned with CamScanner

کہا: رب کعبہ کی قسم! پھر تو ہم نجات پا جائیں گے، فرمایا: کیسے؟ کہنے لگا: لِاَنَّ الْکَرِیْمَ اِذَا قَدَرَ عَفَا اس لئے کہ کریم جب قادر ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔ (من نسمات الخلود)

یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی اور فرمایا: اس کا ایک راوی محمد بن زکریا الغلابی متروک ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع ہے، لیکن یہ مشہور ہے صوفیہ میں، میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں یعنی نہ تو موضوع کہتا ہوں اور نہ ثابت، اس کی تائید ابن ابی الدینا کی ایک مرسل روایت سے ہوتی ہے۔

(کشف الخفاء للعجلونی۔۲/۱۱۰) (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۸۱)

عتاب باری حجاب میں ہے

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ اسماء رضی اللہ عنہما ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ یہ 2 ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ خلافت عثمانی میں طرابلس (لیبیا) انہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ انہوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کی تھی اور اس کی زندگی ہی میں اہل حجاز نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی جو 64 ھ میں یزید کی وفات کے بعد عراق اور مصر وغیرہ میں بھی تسلیم کر لی گئی۔ اس دوران میں مروان بن حکم نے شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور جلد ہی مصر پر بھی اس کا تسلط قائم ہو گیا۔ رمضان 65 ھ میں مروان کی اچانک رحلت پر اس کا بیٹا عبدالملک دمشق میں خلیفہ بنا۔ 71 ھ میں عبدالملک نے عراق پر چڑھائی کی اور جنگ میں والئ عراق مصعب بن زبیر اور ان کا بیٹا مارے گئے۔ اسی سال عبدالملک کے سپہ سالار حجاج بن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کر کے سنگباری کی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے دس ہزار ساتھی حجاج سے مل گئے اور وہ تن تنہا لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

(تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین احمد ندوی ص ۴۲۸-۴۰۹)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے حرہ کے علاقے میں واقع پانی کے نالے کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکایت کی۔ مدینے کے لوگ اس نالے سے کھجور کے درختوں کو سیراب کیا کرتے تھے۔ انصاری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہتا تھا:

(سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ) ''پانی کو آگے (میرے کھیت میں) جانے دیں۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کی بات ماننے سے انکار کرتے تھے۔ دونوں کا مقدمہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

(اسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ)

''زبیر! اپنا باغ سیراب کرلو، پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو (تاکہ وہ بھی اپنی کھیتی سیراب کرلے)''

اس پر انصاری کو غصہ آ گیا اور وہ رسول اکرم ﷺ سے کہنے لگا:

(أَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ) ''چونکہ زبیر آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں نا (اسی لیے ان کے حق میں فیصلہ ہو رہا ہے)''

انصاری کی بات سن کر رسول اکرم ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا: (اسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ)

''زبیر! اپنا باغ سیراب کرلو، پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ وہ منڈیروں تک چڑھ جائے (اور اس کے بعد پانی چھوڑ)''

دراصل رسول اکرم ﷺ نے پہلے اخلاقی فیصلہ سناتے ہوئے انصاری کے کھیت میں پانی چھوڑنے کے لیے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا مگر جب انصاری نے اس اخلاقی فیصلے پر ناراضی کا اظہار کیا تو رسول اکرم ﷺ نے قانونی فیصلہ صادر فرمایا کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے کنویں یا نہر کے قریب کے کھیت والے کا حق بنتا ہے کہ وہ پہلے اپنی کھیتی سیراب کرے پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ آیت اسی سلسلے میں نازل ہوئی تھی:

(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا)

(سورۃ النساء:65)

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں، ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔''

(بخاری: کتاب المساقاۃ، باب سکر الأنهار: 2360، مسلم: 2357)

(۸۲)

راہبوں کا قبول اسلام

حضرت سیّدنا شیخ ابومدین رحمۃ اللہ علیہ بلند مرتبہ کے مالک اور ابدال میں سے تھے، کم وقت میں طویل مسافت طے کر لیتے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر زبان زد عام تھا، اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ صاحب کرامات وتصرفات بزرگ تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اندلس کی جامع مسجد خضر میں نماز فجر کے بعد بیان فرمایا کرتے تھے۔ عیسائی راہبوں کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے پورے ملک کے گرجوں کی تعداد معلوم کی تو وہ ستر تھے۔ دس بڑے راہب آپ رحمۃ اللہ علیہ کو آزمانے کے لئے بھیس بدل کر مسلمانوں کے لباس میں لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ گئے اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ بیان شروع کرنے لگے تو تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے، پھر ایک درزی حاضر ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار فرمایا: ''اتنی دیر کیوں لگا دی؟'' اس نے عرض کی، ''حضور! آپ کے حکم پر رات کو ٹوپیاں بناتے ہوئے دیر ہو گئی۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس سے ٹوپیاں لیں اور کھڑے ہو کر سب راہبوں کو پہنا دیں۔ لوگوں کو اس سے بڑا تعجب ہوا لیکن معاملہ ابھی تک واضح نہ ہوا تھا۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان شروع کر دیا، جس میں یہ جملہ بھی فرمایا: ''اے فقراء! جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق کی ہوائیں سعادت مند دلوں پر چلتی ہیں تو وہ ہر روشنی کو بجھا دیتی ہیں۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سانس لیا جس سے مسجد کی تقریباً تیس (30) قندیلیں بجھ گئیں۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ سر جھکائے ہوئے خاموش ہو گئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ہیبت سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ کوئی بات یا حرکت کرے۔ پھر آپ

رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر اٹھا کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اے فقراء! جب عنایت کے انوار مردہ دلوں پر روشنی کرتے ہیں تو وہ راحت وسکون سے زندگی بسر کرتے ہیں اور ہر ظلمت ان کے لئے روشن ہو جاتی ہے۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سانس لیا تو تمام قندیلوں کی روشنی لوٹ آئی، اور وہ اتنی بے چینی سے جلیں کہ قریب تھا کہ ایک دوسرے پر گر پڑتیں۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سجدہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جب سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا تو راہب بھی رسوائی کے خوف سے لوگوں کے ساتھ سجدہ میں گر گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سجدے میں یوں دعا کی: ''یا اللہ! تو اپنی مخلوق کی تدبیر اور اپنے بندوں کی مصلحت بہتر جانتا ہے، یہ راہب مسلمانوں کے لباس میں مسلمانوں کے ساتھ تیری بارگاہ میں سجدہ کئے ہوئے ہیں، میں نے ان کے ظاہر کو تبدیل کر دیا، ان کے باطن کو تبدیل کرنے پر تیرے سوا کوئی قادر نہیں، میں نے انہیں تیرے دستر خوان کرم پر بٹھا دیا ہے تو ان کو کفر کی تاریکی سے نکال کر نور ایمان میں داخل فرما دے۔'' راہبوں نے ابھی سر سجدے سے نہ اٹھائے تھے کہ ان سے کفر وشرک کی ناپاکی دور ہو گئی اور وہ اسلام میں داخل ہو گئے، اور اپنے مقصود کو حاصل کر لیا۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست اقدس پر توبہ کر لی اور اپنے کئے پر ندامت سے آنسو بہانے لگے حتیٰ کہ ان کی چیخ وپکار کی آواز مسجد میں گونج اٹھی۔ وہ دن گواہ ہے کہ تین شخص اسی اجتماع میں انتقال کر گئے۔ جب بادشاہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے ان سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور انعام واکرام سے نوازا اور حضرت سیّدنا شیخ ابومدین رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے قبول اسلام سے بہت خوش ہوئے۔ (الروض)

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

(اقبال)

Scanned with CamScanner

(۸۳)

اہل ایمان پہ نرم کافروں پہ سخت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں چند آدمی اور وفات اقدس کے بعد بہت لوگ اسلام سے مرتد ہونے والے تھے جن سے اسلام کی بقا کو شدید خطرہ لاحق ہونے والا تھا لیکن قرآن مجید نے برسوں پہلے یہ غیب کی خبر دی اور پیشن گوئی فرمادی کہ اس بھیانک اور خطرناک وقت پر اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو پیدا فرمائے گا جو اسلام کی محافظت کرے گی اور وہ ایسی چھ صفتوں کی جامع ہوگی جو تمام دینوی اور اخروی فضائل و کمالات کا سرچشمہ ہیں اور یہی چھ صفات ان محافظین اسلام کی علامات اور ان کی پہچان کا نشان ہوں گی اور وہ چھ صفات یہ ہیں:

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے۔

(۳) وہ مومنین پر بہت مہربان ہوں گے۔

(۴) وہ کافروں کے لئے بہت سخت ہوں گے۔

(۵) وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔

(۶) وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خائف نہیں ہوں گے۔

صاحب تفسیر جمل نے کشاف کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ عرب کے گیارہ قبیلے اسلام قبول کر لینے کے بعد آگے پیچھے اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گئے۔ تین قبائل تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں اور سات قبیلے حضرت امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور ایک قبیلہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے بعد مگر یہ گیارہ قبائل اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود اسلام کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے بلکہ مجاہدین اسلام

کے سرفروشانہ جہادوں کی بدولت یہ سب مرتدین تہس نہس ہو کر فنا کے گھاٹ اتر گئے اور پرچم اسلام برابر بلند سے بلند تر ہوتا ہی چلا گیا اور قرآن مجید کا وعدہ اور غیب کی خبر بالکل سچ اور صحیح ثابت ہو کر رہی۔

مرتد ہونیوالے قبائل

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے ادوار میں جو قبائل مرتد ہوئے وہ مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) قبیلہ بنی مدلج جس کا رئیس ''اسود عنسی'' تھا جو ''ذوالحمار'' کے لقب سے مشہور تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یمن کے سرداروں کو فرمان بھیجا کہ مرتدین سے جہاد کریں چنانچہ فیروز دیلمی کے ہاتھ سے اسود عنسی قتل ہوا اور اس کی جماعت بکھر گئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بستر علالت پر یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اسود عنسی قتل ہو گیا اس کے دوسرے ہی دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہو گیا۔

(۲) قبیلہ بنو حنیفہ جس کا سردار ''مسیلمۃ الکذاب'' تھا جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاد فرمایا اور لڑائی کے بعد حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مسیلمۃ الکذاب مقتول ہوا اور اس کا گروہ کچھ قتل ہو گیا اور کچھ دوبارہ دامن اسلام میں آگئے۔

(۳) قبیلہ بنو اسد جس کا امیر طلحہ بن خویلد تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابلہ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور جنگ کے بعد طلحہ بن خویلد شکست کھا کر ملک شام بھاگ گیا مگر پھر دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور آخری دم تک اسلام پر ثابت قدم رہا اور اس کی فوج کچھ کٹ گئی کچھ تائب ہو کر پھر دوبارہ مسلمان ہو گئے۔

(۱) قبیلہ فزارہ جس کا سردار عیینہ بن حصن فزاری تھا۔

(۲) قبیلہ غطفان جس کا سردار قرہ بن سلمہ قشیری تھا۔

(۳) قبیلہ بنو سلیم جس کا سرغنہ فجاۃ بن یالیل تھا۔

(۴) قبیلہ بنی یربوع جس کا سربراہ مالک بن بزیدہ تھا۔

(۵) قبیلہ بنو تمیم جن کی امیر سجاح بنت منذر ایک عورت تھی جس نے مسیلمۃ الکذاب

Scanned with CamScanner

سے شادی کرلی تھی۔

(۶) قبیلہ کندہ جو اشعث بن قیس کے پیروکار تھے۔

(۷) قبیلہ بنو بکر جو حطمی بن یزید کے تابعدار تھے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان مرتد ہونے والے ساتوں قبیلوں سے مہینوں تک بڑی خون ریز جنگ فرمائی چنانچہ کچھ ان میں سے مقتول ہوگئے اور کچھ توبہ کر کے پھر دامن اسلام میں آگئے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صرف ایک ہی قبیلہ مرتد ہوا اور یہ قبیلہ غستان تھا جس کی سرداری جبلہ بن ایہم کررہا تھا مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پرچم کے نیچے صحابہ کرام نے جہاد کر کے اس گروہ کا قلع قمع کردیا اور پھر اس کے بعد کوئی قبیلہ بھی مرتد ہونے کے لئے سر نہیں اٹھاسکا۔

اس طرح مرتد ہونے والے ان گیارہ قبیلوں کا سارا فتنہ و فساد مجاہدین اسلام کے جہادوں کی بدولت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ (جمل ج ۱ص ۵۰۲)

ان مرتدین سے لڑنے والے اور ان شریروں کا قلع قمع کرنے والے صحابہ کرام تھے جن کے بارے میں برسوں پہلے قرآن مجید نے غیب کی خبر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (المائدہ رکوع ۸)

اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایک ایسی قوم کو لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا ہوگا وہ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کے کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

انوار ہدایت کی تجلیاں

ان آیات سے حسب ذیل انوار ہدایت کی تجلیاں نمودار ہوتی ہیں۔

(۱) مرتدین کے فتنوں اور شورشوں سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ مرتدوں کے مقابلہ کے لئے ہر دور میں ایک ایسی جماعت کو پیدا فرمادے گا جو تمام مرتدین کی فتنہ پردازیوں کو ختم کر کے اسلام کا بول بالا کرتی رہے گی جن کی چھ نشانیاں ہوں گی، جو عنقریب آتی ہیں۔

(۲) ان آیات بینات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے مرتدین کے گیارہ قبائل کی شورشوں کو ختم کر کے پرچم اسلام کو بلند سے بلند تر کردیا۔ یہ صحابہ کرام مندرجہ ذیل چھ عظیم صفات کے شرف سے سرفراز تھے:

(۱) صحابہ کرام اللہ کے محبوب ہیں۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ کے محب ہیں۔

(۳) وہ مسلمانوں کے لئے رحم دل ہیں۔

(۴) وہ کافروں کے حق میں بہت سخت ہیں۔

(۵) وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔

(۶) وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کا اندیشہ و خوف نہیں رکھتے ہیں۔

پھر آیت کے آخر میں خداوند قدوس نے ان صحابہ کرام کے مراتب و درجات کی عظمت و سربلندی پر اپنے فضل و انعام کی مہر ثبت فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: یہ سب اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بڑی وسعت والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے فضل کا حقدار ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ! کیا کہنا ہے صحابہ کرام کی عظمتوں کی بلندی کا رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے فضل و کمال کا اعلان فرمایا اور خداوند قدوس نے ان لوگوں کے جامع الکمالات ہونے کا قرآن مجید میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ (عجائب القرآن مع غرائب القرآن)

Scanned with CamScanner

(٨٤)

شریعت بہر حال مقدم ہے

وزراء کی عادت ہوتی ہے کہ بادشاہوں کے سامنے جی حضوری سے کام لیتے ہیں' اگر چہ اندر سے ان کے مخالف ہی ہوں۔ ایسے لوگوں کے ہاں منافقت کا بازار چالو رہتا ہے۔ خلیفہ عباسی ہارون الرشید کا وزیر فضل بن ربیع جب خلیفہ کے پاس حاضر ہوا تو اس نے خلیفہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کہا: جناب! میں تو آپ کا غلام ہوں۔ قاضی ابو یوسف نے بھی یہ بات سن لی۔

کچھ عرصہ کے بعد فضل بن ربیع ایک مقدمہ کے سلسلے میں بطور گواہ قاضی ابو یوسف کے پاس حاضر ہوئے۔ انہوں نے فضل کی وزارت، اور خلیفہ کی بارگاہ میں اس کے مقام اور تقرب کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی گواہی رد کر دی۔ اس عظیم قاضی نے دوسرے قاضیوں (ججوں) کے برعکس خلیفہ یا اس کے وزیر کو راضی کرنے کے لئے اپنا ضمیر نہیں بیچا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق حکم جاری کیا۔ ان کا یہ طرز عمل شاعر کے ان اشعار کے مطابق تھا۔

دَعْ لِیْ ضَمِیْرِیْ لَسْتُ اَرْجُوْ بَیْعَهٗ
قُلْ لِیْ بِرَبِّكَ هَلْ یُسَامُ ضَمِیْرُ

میرے ضمیر کو چھوڑ دو، میرا اسے بیچنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔
تم اپنے رب کی قسم کھا کر بتاؤ: کیا ضمیر کا بھی سودا کیا جا سکتا ہے؟

اِنَّ الْقُصُوْرَ وَفَوْقَهُنَّ قُصُوْرٌ
سُكَّانُهَا مَوْتٰی وَهُنَّ قُبُوْرٌ

بے شک محلوں پر محلات بنے ہوئے ہیں لیکن ان کے رہنے والے مردے ہیں اور وہ محلات قبریں ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید کو اطلاع ملی کہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ابو یوسف نے اس کے وزیر فضل بن ربیع کی گواہی قبول نہیں کی، بلکہ رد کر دی ہے تو اس بات کا اس کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اس نے اس رویئے کو اپنی توہین قرار دیا۔ خلیفہ نے قاضی ابو یوسف کو عتاب کا نشانہ بناتے ہوئے کہا:

ابو یوسف! آپ جانتے ہیں کہ فضل بن ربیع میرا اہم وزیر اور مقرب ہے۔ اس کے باوجود آپ نے اس کی گواہی قبول نہیں کی بلکہ رد کر دی۔ ایسا کیوں ہوا؟

امام ابو یوسف مرعوب نہیں ہوئے کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضا، ہر رضا سے فائق تھی۔

انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! میں نے اپنے کانوں سے انہیں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے سنا ہے کہ میں آپ کا غلام ہوں' اگر وہ اپنی اس بات میں سچے ہیں اور واقعی آپ کے غلام ہیں تو غلام کی گواہی مقبول نہیں ہوتی اور اگر وہ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں تو بھی ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ان کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے۔ انہوں نے آپ کی مجلس میں جھوٹ بولنے سے گریز نہیں کیا' تو میری مجلس میں بطریق اولیٰ جھوٹ سے گریز نہیں کریں گے۔ یہ وجہ تھی کہ میں نے ان کی گواہی قبول نہیں کی بلکہ رد کر دی ہے۔

امام ابو یوسف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور خلیفہ کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔ خلیفہ نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا، یہاں تک کہ حق اس پر منکشف ہو گیا۔ اس کا چہرہ جگمگا اٹھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے امام ابو یوسف کی رائے کو درست قرار دیا اور وزراء اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کو بتا دیا کہ بادشاہوں اور امراء کے پاس سچ بولنا چاہئے۔ جھوٹ اور خوشامد کو ترک کر دینا چاہئے جو منافقت کا ایک شعبہ ہے۔ شرف ملت

Scanned with CamScanner

اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

قاضی ابو یوسف نے وزیر کی گواہی رد کر دی۔ وہ اس کے نفس کی تذلیل اور توہین کرنا چاہتے تھے۔ جس نے بہت سے قاضیوں (ججوں) اور امراء کی طرح بادشاہ کی بارگاہ میں حاصل ہونے والے فانی تقرب اور فانی دنیا حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

صاحب توفیق بادشاہ کی عظمت دیکھئے کہ اس نے حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس نے وزیر کی خوشی یا ناخوشی کی پرواہ نہیں کی۔ نہ صرف قاضی کو برقرار رکھا، بلکہ وزیر کی گواہی کے رد کر دینے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

ہارون الرشید نے آنے والے امراء اور وزراء کو صحیح سبق سکھا دیا اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ کوئی شخص اسے کہے: میرے آقا! میں تو آپ کا غلام ہوں۔

سلاطین اور جج ایسے ہی ہونے چاہئیں جو شریعت کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے حکم کو دل و جان سے تسلیم کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت متاثر نہ کرے۔

(ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۸۵)

کنجی بردار کعبہ حضرت عثمان بن مظعون

عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ؓ عبدالدار بن قصی کی اولاد میں سے تھے۔ غزوۂ احد میں ان کا باپ طلحہ اور چچا عثمان دونوں لشکر کفار میں شامل تھے اور بالترتیب علی ؓ اور حمزہ ؓ کے ہاتھوں مارے گئے بلکہ عثمان بن طلحہ ؓ کے چار کافر بھائی مسافع، جلاس، حارث اور کلاب بھی اس جنگ میں ہلاک ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد انہوں نے مدینہ ہجرت کی۔ وہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد مکہ منتقل ہو گئے اور 42ھ میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنگ اجنادین (15ھ) میں شہید ہوئے۔ (اسد الغابہ ج3 ص572)

صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ (فتح مکہ کے موقع پر) مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے (اور مکہ فتح ہو گیا) اور ادھر باشندگان مکہ کے دلوں سے خوف و ہراس نکل گیا (کہ محمد ﷺ ان کے کرتوتوں کی سزا نہ دیں گے بلکہ معاف فرما دیں گے) تو رسول اکرم ﷺ بیت اللہ شریف میں تشریف لائے اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ طواف مکمل ہو چکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ ؓ کو بلایا (جو کعبہ کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے) اور ان سے خانہ کعبہ کی کنجی مانگی۔

ارشاد ہوا: (أَيْنَ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ؟)

''عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟''

یہ حدیبیہ کے موقع پر اسلام لا چکے تھے۔ ان سے فرمایا: کعبہ کی چابی لے کر آؤ۔ وہ دار طلحہ میں اپنی والدہ کے پاس گئے اور ان سے چابی مانگی تو اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے ماں کو دھمکایا اور کہا: (لَتُعْطِيِنَّهُ أَوْ لَيَخْرُجَنَّ هٰذَا السَّيْفُ مِنْ صُلْبِيْ)

Scanned with CamScanner

"تم چابی مجھے ضرور دو گی ورنہ میں تلوار نکالنے پر مجبور ہوں گا۔"

والدہ سے چابی لے کر وہ اللہ کے رسول کے پاس آئے اور چابی ان کے حوالے کر دی۔عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کنجی حوالے کر دی تو کعبہ کا دروازہ کھولا گیا۔رسول اکرم ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ اس میں لکڑیوں سے جوڑ کر بنایا گیا ایک چبوترہ نصب کیا گیا تھا۔آپ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر توڑ ڈالا اور زمین پر پھینک دیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔اس دوران باشندگان مکہ مسجد حرام میں اپنے سروں کو جھکائے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے کہ ان کے بارے میں آپ کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے لیے معافی کا پروانہ جاری فرمایا۔اس وقت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی:

(يَا رَسُوْلَ اللهِ! اجْمَعْهُ لَنَا حِجَابَةً مَعَ السِّقَايَةِ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ)

"اے اللہ کے رسول! حجاج کرام کو پانی پلانے کا جو شرف ہمیں حاصل ہے، اسی کے ساتھ خانہ کعبہ کی نگرانی اور اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی ہمیں سونپ دیں (اور کنجی ہمیں عطا فرما دیں تاکہ ہمیں یہ شرف بھی حاصل ہو جائے) اللہ تعالیٰ آپ پر مزید برکتیں اور رحمتیں نازل فرمائے۔"

رسول اکرم ﷺ نے اس موقع پر بھی عدل وانصاف کا مظاہرہ فرمایا اور چونکہ خانہ کعبہ کی نگرانی اور دیکھ بھال کی ذمہ داری عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہی برسوں سے سنبھالے چلے آرہے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے کنجی حوالے کرنے کے لیے انہیں طلب فرمایا۔آج اللہ کے رسول ﷺ جس کو چاہتے چابی دے سکتے تھے۔

ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے مکی دور میں بیت اللہ کی چابی مانگی تھی مگر عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تھا۔یہ بات آپ کو اچھی طرح یاد تھی مگر اس کے باوجود ارشاد ہوتا ہے:

(هَاكَ خُذْ مِفْتَاحَكَ يَا عُثْمَانُ اَلْيَوْمَ يَوْمُ وَفَاءٍ وَّبِرٍّ)

"عثمان! آؤ اور یہ اپنی کنجی لو آج کا دن وفاداری اور احسان کا دن ہے۔"

(اقضية رسول ﷺ: ۲/۲۶۸)

(۸۶)

فنافی اللہ نوجوان

ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں نے ایک نوجوان کو آبادی اور لوگوں سے الگ تھلگ تنہا جنگل میں مصروف عبادت دیکھا۔میرے سلام کرنے پر اس نے جواب دیا، تو میں نے کہا: "اے نوجوان! تم ایسی ویران جگہ میں ہو جہاں تمہارا کوئی مددگار ہے، نہ رفیق۔" اس نے کہا: "کیوں نہیں، میرے رب تعالیٰ کی قسم! میرا مددگار بھی ہے اور رفیق بھی۔" میں نے پوچھا: "کہاں ہے؟" جواب دیا: "وہ اپنی عزت کے ساتھ میرے اوپر، علم وحکمت سے میرے ساتھ، ہدایت کے ساتھ میرے سامنے اور نعمت وعظمت کے ساتھ میرے دائیں بائیں ہے۔" جب میں نے یہ کلام سنا تو عرض کی: "کیا آپ مجھے اپنی صحبت اختیار کرنے کی اجازت دیں گے؟" تو وہ کہنے لگا: "آپ کی رفاقت مجھے عبادت سے غافل کر دے گی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا، مشرق سے مغرب تک کا بادشاہ میرے لئے کافی ہے۔" میں نے پھر پوچھا: "آپ کو یہاں وحشت محسوس نہیں ہوتی؟" اس نے جواب دیا: "جس کا حبیب و انیس اللہ تعالیٰ ہو اسے کیونکر وحشت ہوگی۔" میں نے مزید پوچھا: "کھانا کہاں سے کھاتے ہیں؟" جواب دیا: "جب میں چھوٹا تھا تو اس نے اپنے لطف وکرم سے ماں کے تاریک پیٹ میں مجھے غذا دی اور اب جبکہ میں بڑا ہو گیا ہوں تو کیا وہ میری کفالت نہیں فرمائے گا، میرے لئے اس کے پاس مقرر رزق ہے اور اس کا وقت بھی لکھا ہوا ہے۔"

پھر میں نے اسے دعا کی درخواست کی تو اس نے مجھے یوں دعا دی: "اللہ تعالیٰ آپ کی

Scanned with CamScanner

آنکھوں کو اپنی نافرمانی سے محفوظ فرمائے، آپ کے دل کو اپنے خوف سے بھر دے اور آپ کو ان لوگوں سے نہ بنائے جو اس کے غیر میں مشغول ہو کر عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں۔'' اس کے بعد جب وہ جانے کے لئے کھڑا ہوا تو میں نے اس کے قریب جا کر عرض کی: ''پھر کب آپ سے ملاقات ہوگی؟'' تو وہ مسکرا کر کہنے لگا: ''آج کے بعد دنیا میں تو آپ سے ملاقات نہ ہوگی اور بروز قیامت جب سب لوگ جمع ہوں گے تو اگر آپ مجھ سے ملنا چاہیں تو دیدارِ الٰہی عزوجل کرنے والوں میں مجھے تلاش کیجئے گا۔'' میں نے پوچھا: ''آپ کو یہ کیسے معلوم ہوگیا؟'' جواب دیا: ''اس کی عزت کی قسم! اسی کے سبب معلوم ہوا کیونکہ میں نے اپنی آنکھ کو محرمات سے بچا کر رکھا، اپنے نفس کو خواہشات کے حصول سے باز رکھا اور تاریک راتوں میں اس کی عبادت کے لئے تنہائی اختیار کی لہٰذا اس کے بدلے وہ مجھے اپنا دیدار کرائے گا۔'' پھر وہ غائب ہوگیا۔ اس کے بعد کبھی بھی اس سے ملاقات نہ ہوئی۔

(الروض الفائق)

(۸۷)

مایوسی کفر کا مقدر بن گئی

ہجرت کے بعد گو برابر اسلام ترقی کرتا رہا اور ہر محاذ پر کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتوحات بھی حاصل ہوتی رہیں اور کفار اپنی چالوں میں ناکام و نامراد بھی ہوتے رہے مگر پھر بھی کفار برابر اسلام کی بیخ کنی میں مصروف ہی رہے اور یہ آس لگائے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی دن ضرور اسلام مٹ جائے گا اور پھر عرب میں بت پرستی کا چرچا ہو کر رہے گا۔ کفار اپنی اسی مذموم امید کی بناء پر برابر اپنی اسلام دشمن سکیموں میں لگے رہے اور طرح طرح کے فتنے برپا کرتے رہے۔

مگر ۱۰ھ حجۃ الوداع کے موقع پر جب کافروں نے مسلمانوں کا عظیم مجمع میدان عرفات میں دیکھا اور ان ہزاروں مسلمانوں کے اسلامی جوش اور رسول ﷺ کے ساتھ ان کے والہانہ جذبات عقیدت کا نظارہ دیکھ لیا تو کفار کے حوصلوں اور ان کی مذموم امیدوں پر اوس پڑ گئی اور وہ اسلام کی تباہی و بربادی سے بالکل ہی مایوس ہو گئے چنانچہ اس واقعہ کی عکاسی کرتے ہوئے خاص میدان عرفات میں بعد عصر یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (المائدہ رکوع ۱)

آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی تو ان سے مت ڈرو

Scanned with CamScanner

اور مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

دو عیدوں کا دن

روایت ہے کہ ایک یہودی نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا: تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر ہم یہودیوں پر ایسی نازل ہوئی ہوتی تو ہم لوگ اس دن کو عید کا دن بنا لیتے تو آپ نے فرمایا: کون سی آیت؟ تو اس نے کہا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ والی آیت تو آپ نے فرمایا: جس دن اور جس جگہ اور جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، ہم اس کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں وہ جمعہ کا دن تھا اور عرفات کا میدان تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کے بعد خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے دن تو ہماری دو عیدیں تھیں ایک تو عرفہ کا دن یہ بھی ہماری عید کا دن ہے دوسرے جمعہ کا دن یہ بھی ہماری عید ہی کا دن ہے اس لئے اب الگ سے ہم کو عید منانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ (جمل ج ۱ ص ۳۶۲)

یہ بھی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رونے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا: اے عمر! تم روتے کیوں ہو؟ آپ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا دین روز بروز بڑھتا جا رہا ہے لیکن اب جب کہ یہ دین کامل ہو گیا تو یہ قاعدہ ہے کہ "ہر کمالے را زوال" جو چیز اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے وہ گھٹنا شروع ہوتی ہے۔ پھر اس آیت سے وفات نبوی کی طرف بھی اشارہ مل رہا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دین کو کامل کرنے ہی کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے تو جب دین کامل ہو چکا تو ظاہر ہے کہ حضور اب اس دنیا میں رہنا پسند نہیں فرمائیں گے۔

(جمل ج ۱ ص ۳۶۲)

☆...... اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات پر مہر لگا دی کہ اب کافروں کی کوئی جدوجہد اور کوشش بھی اسلام کو ختم نہیں کر سکتی کیونکہ کفار کی امید و آس پر ناامیدی و یاس کے بادل چھا گئے ہیں کیونکہ ان کا اسلام کو مٹا دینے کا خواب اب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے

گا۔

دوسرا اس آیت نے اعلان کر دیا کہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام میں فلاں فلاں مسائل ناقص رہ گئے ہیں یا اسلام میں کچھ ترمیم اور اضافہ کی ضرورت ہے تو وہ شخص کذاب اور جھوٹا ہے اور درحقیقت وہ قرآن کی تکذیب کرنے والا ملحد اور اسلام سے خارج ہے۔ دین اسلام بلاشبہ یقیناً کامل و مکمل ہو چکا ہے اس پر ایمان رکھنا ضروریات دین میں سے ہے۔ (عجائب وغرائب القرآن)

Scanned with CamScanner

(۸۸)

حضرت سفیان ثوری اور خلیفہ مہدی

سفیان بن سعید بن مسروق ثوری، عبد مناۃ کی شاخ بنی ثور سے تھے، یہ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے اور دینی علوم اور تقویٰ میں اپنے زمانے والوں کے سردار تھے، کوفہ میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے، پھر مہدی نے انہیں طلب کیا تو روپوش ہو گئے اور بصرہ چلے گئے اور روپوشی کے عالم میں فوت ہوئے، ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ میں رحلت فرمائی، رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ۔

جب مہدی خلافت عباسیہ پر مسلط ہوا تو سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیعت نہیں کی۔ مہدی نے انہیں گرفتار کرنے کے لئے پولیس بھیجی تو وہ روپوش ہو گئے اور طویل عرصہ تک غائب رہنے کے بعد آخر گرفتار ہو گئے۔ جب مہدی کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے صرف السلام علیکم کہا جیسے عام لوگوں کو سلام دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہا: السلام علیکم یا امیر المؤمنین! کیونکہ وہ اسے خلافت کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے پولیس، فوج اور لاؤ لشکر کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔

مہدی اس طرز عمل کو برداشت کر گیا اور سفیان ثوری کی طرف خندہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ متوجہ ہوا۔ اس پر ایذا رسانی کی نہیں بلکہ اعزاز و احترام کی علامتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے سفیان ثوری کو عتاب کے لہجے میں خطاب کیا۔ اس کا گمان تھا کہ وہ انہیں مرعوب اور خوفزدہ کر دے گا۔ اس نے کہا:

سفیان! تم ہم سے بھاگتے تھے؟ تمہارا یہ گمان تھا کہ اگر ہم تمہیں سزا دینا چاہیں تو نہیں

دے سکتے۔ الحمد للہ! اس وقت ہم تم پر غالب آ گئے ہیں۔ سفیان! تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم تمہیں اپنی خواہش کے مطابق سزا دیں گے؟

مہدی کا خیال تھا کہ اس کی دھمکی اور وعید سفیان کو جھکنے پر مجبور کر دے گی اور وہ اسی مجلس میں خلیفہ کی بیعت اور اطاعت قبول کر لیں گے لیکن سفیان ثوری کہاں جھکنے اور ضمیر فروشی کرنے والے تھے؟ وہ خالق کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کب تیار ہونے والے تھے؟

انہوں نے مخلوقات کی ناراضگی پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دی اور فیصلہ کیا کہ جان جاتی ہے تو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول نہ لی جائے۔ انہوں نے مہدی کی طرف توجہ کی اور بلاخوف و خطر وہ بات کہہ دی جسے تاریخ نے اپنے صفحات میں سنہری حروف میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

اگر تو میرے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو بے شک کر دے لیکن یاد رکھ عنقریب قادر و قیوم بادشاہ تیرے بارے میں فیصلہ صادر فرمائے گا اور کھرے کھوٹے کو الگ الگ کر دے گا۔

یہ سنتے ہی مہدی کے منافق حاشیہ برداروں کا پارہ چڑھ گیا۔ جو ہر وہ کام کر گزرتے تھے جس سے شاہان وقت کا قرب حاصل کیا جا سکے، اگرچہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ سفیان کی جسارت، جرأتمندانہ اور تند و تیز جواب پر تلملا اٹھے۔

سفیان نے یہ عظیم جملہ اپنے منہ سے نکالا جو ان کے دل کی قوت، حوصلے کی بلندی اور اللہ تعالیٰ پر بے پناہ اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔ ربیع اپنی تلوار پر ٹیک لگائے خلیفہ کے اس حکم کا منتظر تھا کہ سفیان کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس کا گمان یہ تھا کہ غیظ و غضب خلیفہ پر غالب آ جائے گا اور وہ سفیان کا سر قلم کرنے کا حکم دے دے گا۔ یہی کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا:

امیر المؤمنین! اس جاہل کی یہ مجال ہے کہ آپ کے سامنے ایسی گفتگو کرے؟ اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں۔

لیکن مہدی سفیانؒ کے قتل پر راضی نہ ہوا کیونکہ وہ ان کے علم، اخلاص اور تقویٰ کو جانتا

تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ انہوں نے میری بیعت نہیں کی تو اس کی وجہ خواہش نفس یا دنیا یا نفس کا کوئی دوسرا مطالبہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہی بات ان کے دل میں ڈال دی ہے۔

مہدی نے ربیع کی طرف دیکھا اور کہا: چپ رہ! تیرے لئے بربادی ہو! یہ اور اس جیسے لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ ہم انہیں قتل کر دیں۔ ان کو سعادت مل جائے اور ہم بد بخت ہو جائیں اور ہماری بدبختی ان کی سعادت کا ذریعہ بن جائے۔

پھر مہدی نے کہا: ان کو یہ آرڈر لکھ کر دو کہ انہیں کوفہ کا قاضی (جج) اور گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کے فیصلے پر اعتراض نہ کرے۔ مہدی کا خیال تھا کہ جب امراء اور حکمرانوں کا معاملہ الجھن کا باعث بن رہا ہو تو ان کے ضمیر مال یا عہدہ دے کر خریدے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح اس نے سفیان کو کوفے کا قاضی مقرر کر کے خرید لیا ہے۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ صحیح علم اور ضمیر کی آواز پر عمل کرنے والے دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں اور دنیا کو دوسروں کے لئے چھوڑ چکے ہوتے ہیں، وہ کسی کے آگے نہیں جھکتے اور نہ ہی ان کے ضمیروں کو خریدا جا سکتا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی خوشی اور اختیار سے کسی کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں۔

حکم نامہ لکھا گیا، اس پر مہر لگائی گئی اور سفیان کے سپرد کر دیا گیا۔ انہوں نے حکم نامہ لیا، باہر نکلے اور اسے دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ انہیں گورنر بننے سے دلچسپی تھی اور نہ جج بننے سے۔ وہ مال کے طلب گار تھے اور نہ حکومت کے۔ وہ بغداد اور بغداد والوں کو چھوڑ کر جدھر رخ ہوا چلے گئے۔ خلیفہ نے ایک تیز رفتار شخص کو ان کے پیچھے بھیجا، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ پیکر اخلاص عالم سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے سلاطین کو عملی درس دیئے جو ان کی سچائی، زہد اور معرفت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اسی طرح علماء کو جرأت اور ثابت قدمی کا درس دیا اور بتا دیا کہ مومن کی عزت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (۸/۶۳)

اور اللہ کے لئے عزت ہے اور اللہ کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے۔

(من نسمات الخلود)

(۸۹)

پھر انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا

یہ واقعہ موطا امام مالک میں ابن شہاب سے مروی ہے واقعہ بیان کرنے سے پہلے اس کے مرکزی اشخاص کا تعارف ضروری ہے۔

(1) امام مالک بن انس بن مالک اصبحی رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا ابو عامر نافع نے اسلام قبول کر کے بقول قاضی عیاض صحبت رسول کا شرف پایا۔ ان کے دادا مالک نے یمن سے حجاز میں آ کر سکونت اختیار کی اور ان کی روایت حدیث معتبر خیال کی جاتی تھی۔ امام مالک 93ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ وہ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور امام دار الہجرت کہلاتے تھے۔ وہ تمام عمر مدینہ میں رہے۔ خلیفہ منصور کے گورنر مدینہ نے طلاق المکرہ کے مسئلے پر انہیں پٹوایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ 179ھ میں وفات پا گئے۔ ان کی کتاب "موطا" حدیث اور فقہ کا مجموعہ ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج18 ص372 تا 378)

(2) ولید بن مغیرہ مخزومی دشمن اسلام قریشی سردار تھا۔ وہ اس وفد کا رکن تھا جو جناب ابو طالب کے پاس گیا تھا کہ یا تو اپنے بھتیجے کو تبلیغ اسلام سے روکیں یا اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ حج کے موقع پر اسی کی تجویز پر قریش نے نبی ﷺ کو "ساحر" مشہور کیا (تب سورۂ مدثر کی آیات 11 تا 30 نازل ہوئیں) ولید 1ھ میں مکہ میں مر گیا۔ اس کے سات بیٹوں میں سے تین مسلمان ہو گئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہ اسی کے بیٹے تھے۔

(3) صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کا باپ امیہ بن خلف غزوہ بدر میں مارا گیا تھا۔ غزوۂ حنین کے موقع پر نبی ﷺ نے صفوان کی تالیف قلب کے لیے انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔ پھر وہ اسلام لے آئے۔ عہد جاہلیت میں وہ اشراف قریش میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے مکہ میں 42ھ میں وفات پائی۔

یہ واقعہ پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے رسول کتنے حکیم اور مردم شناس تھے۔ آپ کے بروقت فیصلوں نے اسلام کو پھیلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ لوگوں کی نفسیات کو پہچانتے تھے۔ جیسی شخصیت ہوتی اس کی حیثیت کے مطابق اس سے سلوک کیا جاتا۔

فتح مکہ کے موقع پر کچھ ایسی خواتین بھی تھیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا مگر ان کے خاوند اس نعمت سے فی الحال محروم تھے۔ انہیں خواتین اسلام میں ایک نام ولید بن مغیرہ کی صاحبزادی کا بھی آتا ہے جو صفوان بن امیہ کی زوجیت میں تھیں۔ انہوں نے تو اسلام قبول کر لیا جبکہ ان کا شوہر صفوان بن امیہ مکہ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کے چچا زاد وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ کے لیے امان کا پروانہ جاری فرما کر انہیں بلانے کے لیے بھیجا۔ وہب نے بطور نشانی کوئی چیز مانگی تاکہ صفوان کو تسلی ہو جائے۔ صفوان اپنے دور کے بڑے مشہور اور نامور لوگوں میں سے تھے، مال و دولت کی فراوانی تھی اور خاصے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔

اللہ کے رسول نے اپنی چادر مبارک بطور نشانی وہب کو عطا فرمائی۔ ساتھ ہی فرمایا: دیکھو! اسے اسلام کی دعوت دینا، اگر قبول کر لے تو بہت بہتر، ورنہ اسے دو ماہ کی مہلت دینا کہ وہ اس دوران میں خوب غور و فکر کر لے اور اسے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی آزادی ہے۔

ادھر جب وہب، صفوان کے پاس پہنچے اور اسے نبی ﷺ کی چادر دکھا کر دعوت اسلام دی تو وہ مطیع و فرمانبردار ہو کر مکہ کی جانب چل دیئے۔ جب اللہ کے رسول کو دیکھا تو سواری پر سے چادر دکھائی اور کہنے لگے:

''اے محمد! وہب بن عمیر آپ کی چادر بطور نشانی لے کر میرے پاس آیا تھا کہ

آپ نے مجھے امان دی ہے اور آپ نے میرا معاملہ میرے سپرد کر دیا ہے اگر اسلام لے آؤں تو بہتر ورنہ دو ماہ کے لیے مجھے فیصلہ کرنے کی آزادی ہے۔'' رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(اَنْزِلْ اَبَا وَهْبٍ) ''ابو وہب! نیچے اترو۔''

صفوان بن امیہ نے عرض کی: (لَا، وَاللّٰهِ! لَا اَنْزِلُ حَتّٰى تُبَيِّنَ لِيْ)

''نہیں، اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نیچے نہیں اتروں گا جب تک کہ آپ میرے سلسلے میں وضاحت نہ فرما دیں۔'' رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''دو ماہ کیا، بلکہ تیرے لیے چار ماہ کے لیے اجازت ہے۔''

اسی دوران میں غزوۂ حنین کا معرکہ درپیش ہوا۔ آپ کو ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ آپ نے ایک شخص کو صفوان بن امیہ کے پاس ہتھیار اور آلات حرب و ضرب ادھار مانگنے کے لیے بھیجا۔ صفوان کہنے لگا: (عَارِيَةً اَمْ غَصْبًا؟)

''یہ ہتھیار آپ مجھ سے عاریتاً لے رہے ہیں یا زبردستی چھین رہے ہیں؟''

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(لَا بَلْ عَارِيَةً) ''نہیں نہیں، ہم تو عاریتاً لے رہے ہیں۔''

غرض صفوان بن امیہ نے جو کچھ بھی سامان حرب و ضرب اس کے پاس موجود تھا، رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عاریتاً پیش کر دیا۔ سنن ابوداؤد میں مروی ہے کہ صفوان بن امیہ نے تیس اور چالیس کے درمیان زرہیں رسول اکرم ﷺ کو دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غزوۂ حنین میں فتح و نصرت سے نوازا۔ قبیلہ ہوازن کو شکست فاش ہوئی اور بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ جنگ کے بعد صفوان کی امانت واپس کرنے کے لیے زرہیں اکٹھی کی گئیں۔ معلوم ہوا کہ چند زرہیں غائب ہیں جو دوران جنگ یا تو ٹوٹ گئیں یا گم ہو گئیں۔ رسول اکرم ﷺ نے صفوان بن امیہ سے فرمایا:

(اِنَّا قَدْ فَقَدْنَا مِنْ اَدْرَاعِكَ اَدْرَاعًا فَهَلْ نَغْرِمُ لَكَ؟)

''تمہاری کچھ زرہیں گم ہو گئی ہیں، کیا ہم ان کا معاوضہ ادا کریں؟''

Scanned with CamScanner

صفوان بن امیہ نے عرض کیا:

(لَا، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لِأَنَّ فِيْ قَلْبِي الْيَوْمَ مَالَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ)

''نہیں اے اللہ کے رسول! (مجھے ان کا معاوضہ نہیں چاہئے) کیونکہ آج میرے دل میں (آپ کے بارے میں) وہ محبت موجود ہے جو اس دن نہیں تھی۔''

پھر انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔(رضی اللہ عنہ)

(موطا امام مالک، کتاب النکاح: 13/2، مصنف عبدالرزاق: 180/8، سیرۃ ابن ہشام: 440/2، ابوداؤد: 3563)

(۹۰)

ہمیشہ دیدارِ الٰہی میں رہنے والا لڑکا

حضرت سیدنا ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں شدید گرمی والے سال حج کے ارادے سے نکلا۔ ایک دن جبکہ ہم حجاز مقدس میں تھے، میں قافلے سے بچھڑ گیا اور مجھے ہلکی سی نیند آنے لگی، مجھے اتنا ہی علم تھا کہ میں جنگل میں تنہا ہوں۔ اچانک ایک شخص میرے سامنے ظاہر ہوا، میں جلدی سے اسے جا ملا، وہ ایک کم سن لڑکا تھا جس کا چہرہ چودہویں کے چاند یا دوپہر کے سورج کی طرح چمک رہا تھا، اس پر خوشحالی و رہنمائی کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے اسے سلام کیا تو اس نے یوں جواب دیا: ''وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، يَا إِبْرَاهِيْمُ!'' مجھے اس سے بڑا تعجب ہوا، میں نے پوچھا: ''تم مجھے کیسے پہچانتے ہو حالانکہ اس سے پہلے تم نے مجھے کبھی نہیں دیکھا؟'' تو وہ کہنے لگا: ''اے ابراہیم! جب سے مجھے معرفت نصیب ہوئی ہے تب سے میں ناواقف نہ رہا اور جب سے مجھے اللہ تعالیٰ کے وصال کی دولت ملی ہے تب سے میں جدائی سے نہ آزمایا گیا۔'' میں نے پوچھا: ''اتنی شدید گرمی والے سال اس جنگل میں کیسے آ گئے ہو؟'' تو اس نے جواب دیا: ''اے ابراہیم! میں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کبھی کسی سے محبت نہ کی، نہ اس کے غیر سے کبھی ملاقات کی ہے اور مکمل طور پر اسی کی طرف متوجہ رہتا ہوں اور اس کا بندہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔'' میں نے اس سے پوچھا: ''کھاتے پیتے کہاں سے ہو؟'' تو وہ بولا: ''میرا محبوب میری کفالت کرتا ہے۔'' جب اس نے مجھے یہ جواب دیا تو اس کے آنسوؤں کی لڑی رخسار پر

موتیوں کی طرح امنڈ آئی۔ پھر اس نے چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

''کون ہے جو مجھے چٹیل میدان میں جانے سے ڈرا رہا ہے، میں تو ضرور اس زمین سے گزر کر اپنے محبوب تک پہنچوں گا اور میں اس پر پہلے ہی ایمان لا چکا ہوں، محبت وشوق مجھے مضطرب کئے ہوئے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا محب ہو وہ کسی انسان سے نہیں ڈرتا، کیا آج آپ میری کم سنی کی وجہ سے مجھے حقیر جان رہے ہیں، میرے ساتھ جو بیتی ہے اس کی وجہ سے مجھ پر ملامت کرنا چھوڑ دیں۔''

اس کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا: ''اے ابراہیم! کیا تم قافلے سے بچھڑ گئے ہو؟'' میں نے جواب دیا: ''جی ہاں۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اس کم سن لڑکے کو دیکھا کہ وہ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا کر کچھ پڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا، اسی وقت مجھ پر نیند کا غلبہ ہوگیا۔ جب آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو قافلے میں پایا اور مجھے میرا رفیق کہہ رہا ہے: ''اے ابراہیم! خیال رکھنا، کہیں سواری سے گر نہ جاؤ۔'' مجھے معلوم بھی نہ ہوا کہ وہ کم سن لڑکا کہاں گیا، آسمان پر چڑھ گیا یا زمین میں اتر گیا۔ جب میں میدان عرفات پہنچا اور حرم پاک میں داخل ہوا تو اس لڑکے کو کعبہ شریف کے پردوں سے لپٹ کر روتے ہوئے یہ مناجات کرتے دیکھا: ''میں کعبہ مکرمہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً کے غلاف سے چمٹا ہوا ہوں، اے میرے اللہ تعالیٰ! تو دلوں کے بھید اور پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے، میں تیری بارگاہ میں پیدل چل کر حاضر ہوا ہوں کیونکہ میں تیری محبت میں مبتلا ہوں، میں تو بچپن سے ہی تیری محبت وچاہت میں گرفتار ہوگیا تھا جس وقت مجھے محبت کا صحیح مفہوم بھی معلوم نہ تھا۔ اے لوگو! مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ میں تو ابھی محبت کے اصول سیکھ رہا ہوں اور اے میرے محبوب حقیقی عزوجل! اگر میری موت کا وقت قریب آ چکا ہے تو پھر مجھے امید ہے کہ میں تیرا وصال پا کر اپنی محبت کا حصہ حاصل کر لوں گا۔'' پھر وہ سجدے میں گر گیا۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جب اس کا سجدہ بہت طویل ہوگیا تو میں نے اس کو حرکت دی تو معلوم ہوا کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا، میں اپنی سواری کے جانور کی طرف گیا اور کفن کے لئے ایک کپڑا لیا اور غسل دینے والے کی مدد طلب کی۔ جب

واپس اس لڑکے کے پاس پہنچا تو وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ اس کے متعلق تمام حاجیوں سے پوچھا مگر مجھے کوئی ایسا شخص نہ ملا جس نے اسے زندہ یا مردہ دیکھا ہو تو میں سمجھ گیا کہ وہ لڑکا مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ تھا اور اسے میرے علاوہ کسی نے نہ دیکھا، میں اپنی قیام گاہ میں آ کر سو گیا۔

خواب میں، میں نے اسے ایک بہت بڑی جماعت کے آگے دیکھا کہ اس پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تم میرے ساتھ نہ تھے؟'' تو اس نے جواب دیا: ''یقیناً میں آپ کے ساتھ ہی تھا۔'' میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تم مر نہیں گئے تھے؟'' تو اس نے جواب دیا: ''ایسا ہی ہے۔'' میں نے کہا: ''میں تو تمہیں کفن دینے کے لئے تلاش کر رہا تھا تاکہ تجہیز وتکفین کے بعد تمہاری تدفین عمل میں لاؤں، مگر جب میں واپس آیا تو تم موجود ہی نہ تھے۔'' تو اس نے جواب دیا: ''اے ابراہیم! جس ذات نے مجھے شہر سے نکالا اور اپنی محبت کا شوق عطا کیا اور میرے گھر والوں سے مجھے دور کر دیا، اسی نے مجھے سب کی نظروں سے چھپا کر کفن بھی دے دیا۔''

پھر میں نے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' اس نے جواب دیا: ''مجھے میرے اللہ تعالیٰ نے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا: ''تجھے کیا چاہئے؟'' میں نے عرض کی: ''یا الٰہی عزوجل! تو خوب جانتا ہے۔'' اس نے ارشاد فرمایا: ''تو میرا سچا بندہ ہے، میرے نزدیک تیرا مقام یہ ہے کہ میرے اور تیرے درمیان کبھی حجاب نہ ہوگا۔'' پھر مزید ارشاد فرمایا: ''اور بھی کچھ چاہئے؟'' میں نے عرض کی: ''میں جس بستی میں رہتا تھا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔'' ارشاد فرمایا: ''میں نے اس بستی کے حق میں تیری شفاعت بھی قبول فرمائی۔'' حضرت سیدنا ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پھر اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد میں بیدار ہوگیا اور ارکان حج ادا کرنے کے بعد قافلے والوں کے ساتھ چل پڑا۔ جس سے بھی میری ملاقات ہوتی وہ یہی کہتا: ''آپ کے ہاتھوں کی پاکیزہ خوشبو سے سب لوگ حیران ہیں۔'' اس واقعہ کے ناقل کا کہنا ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ کے ہاتھ سے مرتے دم تک وہ خوشبو آتی رہی۔ (الروض)

Scanned with CamScanner

(۹۱)

اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے

علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے وعظ فرمایا اور قیامت کی ہولناکیوں کا اس انداز میں بیان فرمایا: سامعین متاثر ہو کر زار و قطار رونے لگے اور لوگوں کے دل دہل گئے اور لوگ اس قدر خوف و ہراس سے لرزہ براندام ہو گئے کہ دس جلیل القدر صحابہ کرام حضرت عثمان بن مظعون کے مکان پر جمع ہوئے جن میں حضرت ابوبکر صدیق و حضرت علی و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوذر غفاری و حضرت سالم و حضرت مقداد و حضرت سلمان فارسی و حضرت معقل بن مقرن و حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم تھے اور ان حضرات نے آپس میں مشورہ کر کے یہ منصوبہ بنایا کہ اب آج سے ہم لوگ سادھو بن کر زندگی بسر کریں گے، ٹاٹ وغیرہ کے موٹے کپڑے پہنیں گے اور روزانہ دن بھر روزے رکھ کر ساری رات عبادت کریں گے بستر پر نہیں سوئیں گے اور اپنی عورتوں سے الگ رہیں گے اور گوشت چربی اور گھی وغیرہ کوئی مرغن غذا نہیں کھائیں گے نہ کوئی خوشبو لگائیں گے اور سادھو بن کر روئے زمین میں گشت کرتے پھریں گے۔

جب حضور اقدس ﷺ کو صحابہ کرام کے اس منصوبہ کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے ایسی ایسی خبر معلوم ہوئی ہے تم بتاؤ کہ واقعہ کیا ہے؟ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! حضور کو جو اطلاع ملی ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اس منصوبہ سے بجز نیکی اور خیر طلب کرنے کے ہمارا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے یہ سن کر حضور اقدس ﷺ کے جمال

نبوت پر قدرے جلال کا ظہور ہو گیا اور آپ نے فرمایا: میں جو دین لے کر آیا ہوں اس میں ان باتوں کا حکم نہیں ہے' سنو! تمہارے اوپر تمہاری جانوں کا بھی حق ہے لہٰذا کچھ دنوں روزہ رکھو اور کچھ دنوں میں کھاؤ پیو اور رات کے کچھ حصے میں جاگ کر عبادت کرو اور کچھ حصے میں سو رہا کرو۔ دیکھو میں اللہ کا رسول ہو کر کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی روزہ نہیں بھی رکھتا ہوں اور گوشت چربی، گھی بھی کھاتا ہوں۔ اچھے کپڑے بھی پہنتا ہوں اور اپنی بیویوں سے بھی تعلق رکھتا ہوں اور خوشبو بھی استعمال کرتا ہوں یہ میری سنت ہے اور جو مسلمان میری سنت سے منہ موڑے گا وہ میرے طریقے پر اور میرے فرماں برداروں میں سے نہیں ہے اس کے بعد صحابہ کرام کا ایک مجمع جمع فرما کر آپ نے نہایت ہی موثر وعظ بیان فرمایا جس میں آپ نے برملا یہ ارشاد فرمایا: سن لو! میں تمہیں اس کا حکم نہیں دیتا کہ تم لوگ سادھو بن کر راہبانہ زندگی بسر کرو میرے دین میں گوشت وغیرہ ولذیذ غذاؤں اور عورتوں کو چھوڑ کر اور تمام دنیاوی کاموں سے قطع تعلق کر کے سادھوؤں کی طرح کسی کٹیا یا پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ رہنا یا زمین میں گشت لگاتے رہنا ہرگز ہرگز نہیں ہے سن لو! میری امت کی سیاحت جہاد ہے اس لئے تم لوگ بجائے زمین میں گشت کرتے رہنے کے جہاد کرو اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی پابندی کرتے ہوئے خدا کی عبادت کرتے رہو اور اپنی جانوں کو سختی میں نہ ڈالو کیونکہ تم لوگوں سے پہلے اگلی امتوں میں جن لوگوں نے سادھو بن کر اپنی جانوں کو سختی میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان لوگوں پر سخت سخت احکام نازل فرما کر انہیں سختی میں مبتلا فرما دیا جن احکام کو وہ لوگ نباہ نہ سکے اور بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑ کر وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ کے اس وعظ کے بعد سورۂ مائدہ کی مندرجہ ذیل آیات شریفہ نازل ہوگئیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ (المائدہ، رکوع ۱۲)

اے ایمان والو حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو۔ بیشک حد سے بڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں

Scanned with CamScanner

فرماتا اور کھاؤ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال و پاکیزہ روزی دی اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے دیتے ہیں

ان آیات سے سبق ملتا ہے کہ اسلام سادھو بن کر زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے، عمدہ غذاؤں اور اچھے کپڑوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا کر اور بیوی بچوں سے قطع تعلق کر کے سادھوؤں کی طرح کسی کٹیا میں دھونی مار کر بیٹھ رہنا یا جنگلوں اور بیابانوں میں چکر لگاتے پھرنا یہ ہرگز ہرگز اسلامی طریقہ نہیں ہے خوب سمجھ لو! جو مفت خور بابا لوگ اس طرح کی زندگی گزار کر اپنی درویشی کا ڈھونگ رچا کر کٹیوں یا میدانوں میں بیٹھے ہوئے اپنی بابائیت کا پرچار کر رہے ہیں اور جاہلوں کو اپنے دام تذویر میں پھانسے ہوئے ہیں خوب آنکھ کھول کر دیکھ لو اور کان کھول کر سن لو کہ یہ سادھوؤں کا رنگ ڈھنگ اسلامی طریقہ نہیں ہے بلکہ اصل اور سچا اسلام وہی ہے جو رسول اکرم ﷺ کی سنت اور ان کے مقدس طریقے کے مطابق ہو لہٰذا جو شخص سنتوں کا دامن تھام کر زندگی بسر کر رہا ہے درحقیقت اسی کی زندگی اسلامی ہے اور صوفیہ کرام کی درویشانہ زندگی بھی یہی ہے خوب سمجھ لو کہ نبوت کی سنتوں کو چھوڑ کر زندگی کا جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے وہ درحقیقت نہ اسلامی زندگی ہے نہ صوفیہ کی درویشانہ زندگی لہٰذا آج کل جن باباؤں نے راہبانہ اور سادھوؤں کی زندگی اختیار کر رکھی ہے ان کے اس طرز عمل کو اسلام اور بزرگی سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئے اور ہرگز ہرگز ایسے بے شرع لوگوں کے پاس آمد و رفت نہیں رکھنی چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ یہ سب مکر و کید کا خوبصورت جال بچھائے ہوئے ہیں جس میں بھولے بھالے عقیدت مند مسلمان پھنستے رہتے ہیں اور اس بہانے بابا لوگ اپنا الو سیدھا کرتے رہتے ہیں ایک سچی حقیقت کا اظہار اور حق کا اعلان ہم عالموں کا فرض ہے جس کو ہم ادا کر رہے ہیں۔

مانو نہ مانو آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جائیں گے

(عجائب و غرائب القرآن)

(۹۲)

امراء بر در علماء

جب سلیمان بن عبدالملک مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اس نے دریافت کیا: یہاں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی زیارت کی ہو تا کہ اس سے گفتگو کر کے سکون قلب حاصل کیا جائے؟ اسے حضرت ابوحازم رحمہ اللہ تعالیٰ کی نشاندہی کی گئی۔ وہ نیک، پرہیزگار اور اسلاف کی نشانی تھے۔ خلیفہ اپنے خدام سمیت ان کے گھر حاضر ہوا اور کچھ اس طرح گفتگو ہوئی۔

سلیمان: ابوحازم! کیا وجہ ہے کہ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں؟

ابوحازم: اس لئے کہ تم نے اپنی آخرت برباد کر کے دنیا آباد کر لی ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ تم آبادی کو چھوڑ کر ویرانے میں جانے سے گھبراتے ہو۔

سلیمان: ابوحازم! آپ نے سچ فرمایا۔ یہ بتائیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کی کیا کیفیت ہو گی؟

ابوحازم: نیک آدمی کی حاضری تو اس طرح ہو گی جیسے کوئی مسافر اپنے گھر والوں کے پاس آ جائے اور گنہگار کی حاضری اس طرح ہو گی جیسے بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس واپس آئے۔

سلیمان بری طرح رونے لگا، یہاں تک کہ اس کی آواز گلے میں پھنس گئی۔

سلیمان: ابوحازم! کاش ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لئے کیا

Scanned with CamScanner

ہے؟ اور قرآن پاک کی کس آیت سے یہ بات ہمیں معلوم ہو سکتی ہے؟۔

ابوحازم: یہ آیت مبارکہ پڑھیے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ o وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ o (۸۲/۱۳-۱۴)

بے شک نیک لوگ نعمتوں میں اور بدکار دوزخ میں ہوں گے۔

سلیمان: پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے؟

ابوحازم: نیکوکاروں کے قریب ہے۔

پھر سلیمان نے ارادہ کیا کہ حکماء کی حکمت سے متعلق مسائل کے بارے میں دریافت کرے۔ سلیمان: سب سے زیادہ احمق انسان کون ہے؟

ابوحازم: جو اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے بدلے فروخت کرے (یعنی آدمی اپنی آخرت تباہ کرے اور فائدہ کوئی دوسرا اٹھائے)

سلیمان: سب سے مقبول دعا کون سی ہے؟ ابوحازم: مظلوم کی دعا۔

سلیمان: سب سے اعلیٰ صدقہ کون سا ہے؟

ابوحازم: نادار کی کمائی سے دیا جانے والا صدقہ۔

پھر سلیمان نے چاہا کہ ابوحازم سے کوئی نصیحت سنے جسے وہ اپنے دل میں محفوظ رکھے۔ سلیمان: مجھے خصوصی نصیحت فرمائیں۔

ابوحازم: کچھ لوگ اہل ایمان کے مشورے اور ان کے اجماع کے بغیر زمام اقتدار ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور دنیا کے طلب کرنے کے لئے لوگوں کا ناحق خون بہاتے ہیں، پھر دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ کاش کہ مجھے معلوم ہو کہ انہیں کیا کہا گیا اور انہوں نے کیا جواب دیا؟

ابوحازم نے سلیمان پر چوٹ کی کہ اس نے حقیقی بیعت کے بغیر اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے۔

شیخ نے جو بے باکانہ گفتگو کی اور سلیمان پر چوٹ کی تو اس کا ایک ہم نشین مشتعل ہو گیا اور کہنے لگا: شیخ تم نے بری بات کہی ہے۔

ابوحازم: تو نے جھوٹ کہا، اللہ تعالیٰ نے علماء سے حق گوئی کا عہد لیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ ان پر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اثر انداز نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ یہ ہے:

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم یہ کتاب لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑا سا ثمن (مال) خرید لیا، پس وہ بہت ہی برا ہے جو خریدتے تھے۔

(۳/۱۸۷)

سلیمان: ابوحازم! اقتدار کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

ابوحازم: تم اسے جائز طریقے سے حاصل کرو اور اس کے اہل کے سپرد کرو۔

سلیمان: آپ ہماری دنیا حاصل کر سکتے ہیں اور ہم آپ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ ابوحازم: اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے محفوظ رکھے۔ سلیمان: کیوں؟

ابوحازم: مجھے خوف ہے کہ میں تمہاری طرف کچھ مائل ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ مجھے دنیا اور موت کا ڈبل عذاب چکھائے۔ سلیمان: ابوحازم! مجھے نصیحت فرمائیں۔

ابوحازم: تم اس معاملے میں اللہ سے ڈرو کہ وہ تمہیں ایسی جگہ دیکھے جہاں سے تمہیں اس نے منع فرمایا ہے یا ایسی جگہ غیر حاضر پائے جہاں اس نے تمہیں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ سلیمان: ابوحازم! ہمارے لئے دعائے خیر فرمائیں۔

ابوحازم: اے اللہ! اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو اسے دنیا و آخرت میں خیر کی خوشخبری عطا فرما اور اگر تیرا دشمن ہے تو اس کی پیشانی پکڑ کر اسے خیر کے راستے پر لگا دے۔ سلیمان: ابوحازم! مجھے مزید نصیحت فرمائیں۔

ابوحازم: اگر تو اللہ تعالیٰ کا دوست ہے تو تیرے لئے یہی کافی ہے اور اگر تو اس کا دشمن ہے اور تجھے چلے سے خالی کمان (قضا و قدر کا) سے تیر مارا گیا ہے تو میرا وعظ تجھے کیا فائدہ دے گا؟ یعنی تو عمل بھی کرے گا تو تجھے فائدہ نہیں ہوگا۔

سلیمان: اپنے غلام کو حکم دے کر سو دینار منگواتا ہے اور ابوحازم کو پیش کرتا ہے۔

Scanned with CamScanner

ابو حازم نے ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: مجھے ان کی حاجت نہیں ہے۔شرف ملت علیہ الرحمۃ اس واقعہ پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں۔

دور اول کے سلاطین اور امراء کا یہ حال تھا کہ وہ پیکر صدق و اخلاص روحانی علماء کا قرب حاصل کرتے تھے' تاکہ ان کے دلوں کی خوشبوؤں اور ان کی عقلوں کے فیصلوں سے مستفید ہوں۔وہ ایسے ارباب علم و اخلاص کو اپنا مقرب بناتے تھے جو جرأت مند بھی تھے اور عفت مآب بھی، وہ غیور بھی تھے اور خوددار بھی' تاکہ جب ارباب اقتدار خطا کریں تو انہیں یاددہانی کرائیں اور جب راہ راست سے بھٹک جائیں تو انہیں سیدھا کر دیں۔

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کو دیکھئے کہ وہ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کو نصیحت کرتے ہیں اور اس کا کوئی تحفہ قبول نہیں کرتے۔انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں یہ تحفہ ان کی خالص نصیحت کا معاوضہ نہ بن جائے۔یہ ربانی علماء جب بادشاہوں اور حکمرانوں سے ملتے تھے تو ریاکاری، چاپلوسی اور بے جا رعایت نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں خالص نصیحت کا تحفہ پیش کرتے تھے۔حکمران اس وقت تک ترقی کرتے رہے۔جب تک حکمران علماء کے دروازوں پر چل کر جاتے رہے اور اسی میں حکمرانوں اور رعایا کی بھلائی ہے۔مشہور عربی مقولہ ہے:

بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ
وَنِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ

وہ برا فقیر ہے جو امیر کے دروازے پر جائے اور وہ اچھا امیر ہے جو فقیر کے دروازے پر چل کر جائے۔(ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۹۳)

گستاخ رسول اور گستاخ صحابہ اپنے انجام کو پہنچا

ابوطعمہ کا نام بشیر بن ابیرق تھا' وہ منافق تھا۔رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔مسلمانوں کے خلاف اشعار کہتا اور دوسروں کی طرف منسوب کر دیتا مگر مسلمانوں کو معلوم ہو جاتا کہ یقیناً یہ اشعار اسی خبیث کے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ ابوطعمہ بھاگ کر مکہ گیا اور مرتد ہو گیا۔اس نے چوری کی نیت سے ایک گھر کی دیوار میں سوراخ کیا، وہ دیوار اس پر گر گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس خبیث نے ایک مرتبہ ایک زرہ چوری کر لی اور اسے آٹے کی ایک تھیلی میں چھپا کر لے چلا مگر اتفاق سے اس کی تھیلی میں سوراخ ہو گیا اور اس سے تھوڑا تھوڑا آٹا گرنے لگا۔جس گھر سے اس نے چوری کی تھی وہاں سے ان کے گھر تک آٹا گرنے کی وجہ سے نشانات ظاہر تھے۔ اب لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ اسی آدمی نے زرہ چوری کی ہوگی، چنانچہ اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ ابوطعمہ ہی نے زرہ چرائی ہے جبکہ بعض لوگ اس بات کی تردید کرتے تھے اور وہ ابوطعمہ کو بری قرار دے رہے تھے۔

اسی دوران میں ابوطعمہ ایک یہودی کے گھر گیا اور اس نے یہودی کے پاس وہ زرہ بطور امانت رکھ دی۔پھر اپنے گھر آیا اور خاندان والوں سے کہنے لگا: جب لوگوں نے میرے اوپر یہ الزام تراشی کی کہ میں نے ہی زرہ چوری کی ہے تو میں نے اس سلسلے میں تفتیشی کارروائی کی کہ آخر چور کون ہے؟ میں نے جگہ جگہ اس کا پتہ لگایا مگر چور کا پتہ نہ لگ سکا، آخر

Scanned with CamScanner

بڑی محنت اور تگ و دو کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ درحقیقت وہ زرہ فلاں یہودی کے پاس ہے، لہٰذا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسی نے وہ زرہ چوری کی ہے۔

خاندان والے ابوطعمہ کی چکنی چپڑی باتیں سن کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ لوگوں کے روبرو ابوطعمہ کی برأت کا اعلان فرمادیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی باتیں غور سے سنیں اور بچ ابوطعمہ کی برأت کا اعلان کرنے کا ارادہ فرمالیا' مگر اس اعلان برأت سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ پر وحی نازل فرمادی جس سے آپ ﷺ کو معلوم ہوگیا کہ حقیقی چور وہ یہودی نہیں، بلکہ وہ انصاری ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو ایک خائن شخص کی سفارش کے ارادے سے منع فرمادیا اور اللہ کی کتاب کے ذریعے سے فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(اِنَّـآ اَنۡزَلۡنَـآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۝ وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝ وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِيۡنَ يَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِيۡمًا ۝) (سورۃ النساء:107-105)

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جس سے اللہ نے آپ کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دغاباز گناہ گار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔'' (اقضیة رسول الله ﷺ :720/2 معانی القرآن للزجاج: 110/2 و رواه ايضاً الطبری والقرطبی فی تفسيرهما والترمذی: 3036)

(۹۴)

امام اعظم کا زہد و تقویٰ اور علمی مقام

سراج الامہ، امام الائمہ کاشف الغمہ حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ 80 سن ہجری انبار میں پیدا ہوئے، 150ھ میں وفات پائی اور 70 سال کی عمر پائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں ہوئی اور تابعین کے دور میں آپ رضی اللہ عنہ عظیم فقیہہ بن گئے۔ حضرت سیّدنا ابوبکر بن ثابت مؤرخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دادا ابوثابت نے حضرت سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نوروز (آتش پرستوں کے قومی تہوار) کے دن ہدیہ میں فالودہ پیش کیا۔ بعض نے کہا: وہ مہرجان (آتش پرستوں کے سب سے بڑے قومی تہوار) کا دن تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت سیّدنا ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں امیر المؤمنین حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اس دعا کی برکت سے ہوں جو انہوں نے میرے حق میں فرمائی۔'' حضرت سیّدنا ضمری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ہیئت و حالت، چہرہ، لباس اور جوتے اچھے ہوتے تھے اور اپنے پاس آنے والے ہر شخص کی مدد فرماتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا قد درمیانہ تھا، نہ زیادہ لمبا تھا، نہ پست۔ تمام لوگوں سے زیادہ احسن انداز میں کلام فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کی گود میں سانپ گر گیا۔ لوگوں نے بھاگنا شروع کردیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے سانپ کو ہٹا دیا اور خود وہیں بیٹھے رہے اور بالکل ادھر ادھر نہ ہوئے۔

حضرت سیّدنا ابونعیم علیہ الرحمۃ اللہ الرحیم فرمایا کرتے: ''امام اعظم رضی اللہ عنہ خوبصورت چہرے اور ستھرے کپڑوں والے، اچھی خوشبو والے، بہت کرم فرمانے والے اور اپنے بھائیوں کی مدد فرمانے والے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ بہت بڑے عابد و زاہد، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا خوف رکھنے والے تھے، اپنے علم سے ہمیشہ رضائے الٰہی عزوجل تلاش کرتے۔

(تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷، النعمان بن ثابت ابوحنیفۃ التیمی، ج ۱۳، ص ۳۲۷-۳۳۱-۳۳۷)

اہلِ علم و فضل کیا کہتے ہیں؟

☆......حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کثرت سے نوافل پڑھنے والے اور بامروّت تھے۔

حضرت سیّدنا حماد بن ابی سلمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ساری رات بیدار رہ کر گزارتے۔ حضرت سیّدنا علی بن یزید صدائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ماہ رمضان میں ساٹھ بار قرآن پاک ختم فرماتے روزانہ دن رات میں ایک ایک بار۔ حضرت سیّدنا ابوجویریہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیّدنا حماد بن سلیمان، سیّدنا علقمہ بن مرثد، سیّدنا محارب بن دثار اور سیّدنا عون بن عبد اللہ رحمہم اللہ کی صحبت اختیار کی اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بھی رہا مگر آپ رضی اللہ عنہ سے زیادہ شب بیداری کرنے والا کوئی نہیں دیکھا، میں آپ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں چھ ماہ رہا مگر کسی رات آپ رضی اللہ عنہ کو سوتے ہوئے نہ دیکھا۔ منقول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نصف رات جاگا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ کسی نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرکے دوسرے شخص کو بتایا کہ یہی وہ ہیں جو تمام رات جاگ کر گزارتے ہیں۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ ساری رات عبادت میں بسر کرنے لگے اور فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ اس عبادت کے ساتھ میری تعریف کی جائے جو میں نہیں کرتا۔'' (المرجع السابق، ج ۱۳، ص ۳۵۳ تا ۳۶۰۔ التذکرۃ الحمدونیۃ، باب اول، فصل رابع فی أخبار التابعین و سائر بقات الصالحین رضی اللہ عنہم و کلامہم و مواعظہم، ج ۱، ص ۵۴)

آپ کی استقامت

حضرت سیّدنا بشر بن ولید علیہ رحمۃ الوحید سے منقول ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف قاصد بھیجا اور عہدۂ قضاء آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے انکار فرمادیا۔ ابوجعفر نے قسم کھائی کہ تمہیں یہ کام ضرور کرنا پڑے گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی قسم کھائی کہ میں ہرگز نہیں کروں گا۔ حضرت سیّدنا ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کی: ''آپ دیکھتے نہیں کہ خلیفہ قسم کھا رہا ہے۔'' تو فرمایا: ''خلیفہ اپنی قسم کا کفارہ دینے پر مجھ سے زیادہ قادر ہے۔'' چنانچہ، خلیفہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ قید خانہ میں ہی آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ کو خیزران قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

(تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷، النعمان بن ثابت ابوحنیفۃ التیمی، ذکر قدوم ابی حنیفۃ بغداد و موتہ بھا، ج ۱۳، ص ۳۲۹/۳۴۴)

دوسری روایت میں ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت سیّدنا سفیان ثوری اور حضرت سیّدنا شریک رحمہم اللہ کو بلوایا۔ تینوں تشریف لے گئے۔ اس نے حضرت سیّدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: آپ بصرہ میں عہدۂ قضاء سنبھال لیں۔ حضرت سیّدنا شریک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: وہ کوفہ میں قضا کا عہدہ سنبھال لیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے شہر اور اس کے قرب و جوار کی قضا کا منصب آپ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ آپ تینوں اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں' پھر اپنے دربان سے کہا: ان کے ذمہ دار بن کر ساتھ جاؤ، اگر ان میں سے کوئی انکار کرے تو اس کو سو کوڑے لگانا۔ چنانچہ، حضرت سیّدنا شریک رحمۃ اللہ علیہ نے تو منصب قضاء قبول کرلیا لیکن حضرت سیّدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ یمن تشریف لے گئے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی قبول نہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہ کو سو کوڑے لگائے گئے اور پھر قید کردیا گیا یہاں تک کہ وہیں آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔ (مناقب الامام الاعظم للکردری الفصل السادس فی وفاۃ الامام، و ذکر الشیخ عبد اللہ بن نصر الزاغونی، ج ۲، ص ۲۱، بتغیر)

Scanned with CamScanner

یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

حضرت سیّدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم اس شخص کی بات کرتے ہو جس کے سامنے ساری دنیا پیش کی گئی پھر بھی اس نے ٹھکرا دی۔'' (التذکرۃ الحمدونیۃ، باب اول، فصل رابع فی اخبار التابعین و سائر طبقات الصالحین رضی اللہ عنهم......الخ، ج ۱، ص ۵۴)

حضرت سیّدنا محمد بن شجاع رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں عرض کی گئی: ''خلیفہ ابوجعفر نے آپ کو دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا ہے۔'' مگر آپ اس پر راضی نہ ہوئے۔ جب مال دینے کا دن آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے نماز فجر پڑھتے ہی خود کو اپنے کپڑوں سے ڈھانپ لیا اور کسی سے کوئی بات نہ کی۔ جب حسن بن قحطبہ کا قاصد مال لے کر آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی کوئی کلام نہ فرمایا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو شخص ہمارے پاس آیا ہے وہ ہم سے یوں کلام کرے گا کہ ایک کلمہ کے بعد دوسرا کلمہ بولے گا یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی عادت بتائی۔ پھر فرمایا: ''اس مال کو جراب میں ڈال کر گھر کے کسی کونے میں پھینک آؤ۔'' اس کے بعد جب آپ رضی اللہ عنہ نے گھر کے سامان کے متعلق وصیت کی تو بیٹے کو ارشاد فرمایا: ''جب میری وفات ہو اور لوگ مجھے دفن کر دیں تو یہ تھیلی حسن بن قحطبہ کو دے دینا اور کہنا: ''یہ آپ کی امانت ہے جو آپ نے ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس رکھی تھی۔'' صاحبزادے فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد محترم کے حکم پر عمل کیا۔ یہ دیکھ کر حسن بن قحطبہ کہنے لگا: ''تمہارے والد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، وہ اپنے دین پر کس قدر حریص تھے۔'' (المرجع السابق، ص ۵۵)

☆......حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اخروی اور دینی معاملات کا علم اور آپ رضی اللہ عنہ کی معرفت الٰہی عزوجل آپ رضی اللہ عنہ کے شدید خوف الٰہی عزوجل اور دنیا سے بے رغبتی پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت سیّدنا ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے فرمایا: ''میں نے تمہارے اس کوفی امام نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ خوف الٰہی عزوجل کے پیکر ہیں۔''
(تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷، ج ۱۳، ص ۳۵۵)

حضرت سیّدنا شریک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ خوش اور ہمیشہ متفکر رہتے اور لوگوں سے بہت کم بات کرتے۔'' (التذکرۃ الحمدونیۃ، باب اول، فصل رابع فی اخبار تابعین و سائر طبقات الصالحین رضی اللہ عنهم...... الخ، ج ۱، ص ۵۴)

یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ باطنی علم رکھتے اور اہم دینی مقاصد میں مصروف رہتے تھے اور جسے خاموشی اور زہد دیا گیا اسے سارا علم عطا کر دیا گیا۔ (الروض)

کسی نے آپ جیسے لوگوں کے بارے ہی کہا ہوگا کہ

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

Scanned with CamScanner

(۹۵)

تین دشمن دو بڑے ایک چھوٹا

قرآن مجید نے بار بار اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور اعلان فرمایا: ہر کافر مسلمان کا دشمن ہے اور کفار کے دل ودماغ میں مسلمانوں کے خلاف ایک زہر بھرا ہوا ہے اور ہر وقت اور ہر موقع پر کافروں کے سینے مسلمانوں کی عداوت اور کینے سے آگ کی بھٹی کی طرح جلتے رہتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کفار کے تین مشہور فرقوں یہود ومشرکین اور نصاریٰ میں سے مسلمانوں کے سب سے بڑے اور سخت ترین دشمن کون ہیں؟ اور کون فرقہ ہے جس کے دل میں نسبتاً مسلمانوں کی دشمنی کم ہے؟ اس سوال کے جواب میں سورہ مائدہ کی مندرجہ ذیل آیت شریفہ نازل ہوئی ہے لہٰذا اس پر ایمان کامل رکھتے ہوئے اپنے بڑے اور چھوٹے دشمنوں کو پہچان کر ان سبھوں سے ہوشیار رہنا چاہیے ارشاد خداوندی ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ
بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

(المائدہ رکوع ۱۱)

ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ ان لوگوں میں کچھ عالم اور کچھ درویش ہیں اور

یہ لوگ غرور نہیں کرتے۔

اس آیت کی روشنی میں گزشتہ تواریخ کے صفحات کی ورق گردانی کر کے اپنے ایمان کو مزید اطمینان بخشئے کہ یہودیوں اور مشرکوں نے مسلمانوں کے ساتھ جیسی جیسی سخت عداوتوں کا مظاہرہ کیا ہے عیسائیوں نے ان لوگوں سے بہت کم مسلمانوں کے ساتھ برابرتاؤ کیا ہے اور یہودیوں اور مشرکوں نے مسلمانوں پر جیسے جیسے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں عیسائیوں نے اس درجہ مسلمانوں پر مظالم نہیں کئے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ یہود ومشرکین کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کر کے کبھی بھی ان لوگوں پر اعتماد نہ کریں اور ہمیشہ ان بدترین دشمنوں سے ہوشیار رہیں اور عیسائیوں کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھیں کہ یہ بھی مسلمانوں کے دشمن ہی ہیں مگر پھر بھی ان کے دلوں میں مسلمانوں کیلئے کچھ نرم گوشے بھی ہیں اس لئے یہ یہودیوں اور مشرکوں کی نسبت کم درجے کے دشمن ہیں یہی اس آیت مبارکہ کا خلاصہ ومطلب ہے جو مسلمانوں کے واسطے ان کے چھوٹے بڑے دشمنوں کی پہچان کے لئے بہترین شمع راہ بلکہ روشنی کا منارہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Scanned with CamScanner

(۹۶)

امام غزالی فقیرانہ لباس میں

ابو حامد امام محمد بن محمد الطوسی، نیک اور غریب باپ کے گھر طوس میں پیدا ہوئے، ۴۸۴ھ میں بغداد شریف آئے اور مدرسہ نظامیہ میں مسند تدریس (بلکہ منصب صدارت) پر فائز ہوئے، بہت سے علماء نے ان سے علمی استفادہ کیا، ان کا علمی فیض زمین کے اطراف میں پہنچا، ان کی تصانیف مفید اور بڑی تعداد میں ہیں، آخر میں تصوف کی طرف مائل ہو گئے اور تصوف کی متعدد کتب تحریر کیں۔ ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ کا نظامِ قدرت دیکھئے کہ جس سال امام غزالی دل برداشتہ ہو کر بغداد سے رخصت ہو رہے تھے اسی سال محبوب سبحانی شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی بغداد میں وارد ہو رہے تھے، جنہوں نے صرف بغداد ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر علمی، ایمانی اور روحانی انقلاب برپا کر دیا۔

جب حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا سے کنارہ کشی اور بے تعلقی اختیار کی اور اپنے نفس کو حقائق کا خوگر بنا لیا۔ خود نمائی سے گریز کرتے ہوئے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے تو انہوں نے عام آدمیوں جیسا لباس پہنا اور دمشق میں داخل ہو گئے۔ مدرسہ سمیساطیہ کے دروازے پر اجازت حاصل کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ انہیں ایک فقیر نے اجازت دے دی۔ امام غزالی نے از خود مدرسہ کے وضو خانے کی صفائی شروع کر دی۔

پھر جامع مسجد بنی امیہ میں داخل ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ علماء کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے اور ایک دیہاتی ان سے ایک مسئلہ دریافت کر رہا ہے۔ کسی عالم نے اسے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ امام غزالی یہ ساری صورت حال دیکھ رہے تھے۔ چونکہ کسی عالم نے دیہاتی کو اس کے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا اس لئے وہ سراپا حزن وملال بنا ہوا تھا۔

امام غزالی نے جب دیکھا کہ دیہاتی کو جواب نہیں ملا اور وہ حیران و پریشان ہے تو انہیں احساس ہوا کہ اب ان پر فتویٰ دینا واجب ہے۔ انہوں نے دیہاتی کو اس کے سوال کا جواب دے دیا لیکن دیہاتی نے امام غزالی کے معمولی کپڑوں کو دیکھا تو کہنے لگا: اگر بڑے بڑے مفتی میرے سوال کا جواب نہیں دے سکے تو بوسیدہ کپڑوں والا ایک معمولی فقیر میرے سوال کا کیا جواب دے گا؟

جو کچھ امام غزالی کہہ رہے تھے اسے مفتیان کرام دیکھ اور سن رہے تھے۔ جب دیہاتی اپنی گفتگو سے فارغ ہو گیا تو انہوں نے اس سے پوچھا: اس عام سے فقیر نے تمہیں علم کی کیا بات بتائی ہے؟

اس نے جب امام غزالی کا فتویٰ بیان کیا تو مفتیان عظام کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں احساس ہوا کہ یہ تو اکابر علماء میں سے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے دل میں القا ہوا کہ یہ حجۃ الاسلام امام غزالی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ علماء آپ کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ایک مجلس علمی منعقد کریں تاکہ ہم آپ سے استفادہ کریں۔ امام غزالی نے ان شاء اللہ کہتے ہوئے ایک غیر معین دن کا وعدہ کیا اور شہرت وریاکاری سے بچنے کے لئے اسی رات وہاں سے کوچ کر گئے۔ پھر دمشق ہی کو چھوڑ گئے۔ وہ جس شہر میں بھی گزرے وہاں کے علماء کو یہ کہتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے۔ انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کے دل میں تکبر اور خود بینی پیدا نہ ہو جائے۔ اس طرح ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے اور شیطان کا مقصد پورا ہو جائے گا کیونکہ تکبر اور خود بینی علماء اور عبادت گزاروں کے اعمال کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ اخلاص صاحب اخلاص کے جوہر کو صاف اور شفاف بنادیتا ہے اور اس کے نفس کو اس قدر پاکیزہ اور مطمئن بنا دیتا ہے کہ وہ جاہ و مال کی محبت میں مصروف نہیں ہوتا۔ جب تک اس میں جوہر اخلاص چمکتا رہتا ہے اس کی صفائی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ خوش خبری ہے اخلاص والوں کے لئے۔ بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ (من تسمات الخلود)

واقعہ میں مدرسہ سمیساطیہ کا ذکر ہے اس بارے وضاحت یہ ہے کہ سمیساطیہ یہ نسبت ہے ابوالقاسم علی بن محمد بن یحییٰ السلمی الحبشی السمیساطی کی طرف، وہ دمشق کے بڑے رؤسا میں سے تھے، یہ مدرسہ جامع بنی امیہ کے پہلو میں تھا، اس کی تعمیر تین سو ہجری کے آخر میں ہوئی، علی بن محمد بن یحییٰ نے اس مدرسہ کو ۴۵۳ھ میں وقف کیا، اس میں محدثین، ماہرین فلکیات اور بہت سے علماء نے فرائض تدریس انجام دیئے، اس وقت وہاں "الجمعیة الغراء" کا مدرسہ ہے۔ (الدارس النعیمی کسی قدر تصرف کے ساتھ)

(۹۷)

خلیفۂ وقت کی فراست

خلیفہ معتضد باللہ ایک مرتبہ اپنے زیر تعمیر محل کا معائنہ کرنے کے لئے گیا۔ اس نے مختلف زاویوں سے محل کو دیکھا۔ کاریگر، اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ معمار اور مزدور تیزی سے ہاتھ چلا رہے تھے۔ اس نے ایک کالے رنگ کے حبشی کو دیکھا جو دوسرے مزدوروں کے ساتھ سر پر ٹوکری اٹھائے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ دوسرے مزدور ایک ایک سیڑھی چڑھتے مگر وہ دو دو کر کے چڑھتا۔ علاوہ ازیں دوسرے مزدوروں کے مقابلے میں اس کے سر پر رکھی ٹوکری خاصی بڑی اور بھاری تھی۔ اس کی غیر معمولی حرکات کے پیش نظر خلیفہ نے حکم دیا کہ اس حبشی کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔

حبشی سے اس نے پوچھا: تم دوسرے مزدوروں کے مقابلے میں زیادہ مٹی اٹھا رہے ہو اور سیڑھیاں بھی ایک ایک کی بجائے دو دو چڑھ رہے ہو۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس سے کوئی جواب نہ بن پایا اور آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔

خلیفہ نے اپنے وزیر سے کہا: اس کی باتوں سے مجھے جھوٹ اور فریب کی بو آرہی ہے۔ یہ شخص یا تو چور ہے اور دن کے وقت کام کر کے اپنے آپ کو چھپائے رکھتا ہے یا کسی جگہ سے خزانہ اس کے ہاتھ لگا ہے اور غیر متوقع طور پر اس کے پاس درہم و دینار آگئے ہیں۔

اس نے دوبارہ اس حبشی کو بلایا اور اس کو زور سے تھپڑ مارا اور کہا: سچ سچ بتاؤ تمہارا معاملہ کیا ہے؛ میرے سوالات کا صحیح جواب دو ورنہ ابھی تمہیں قتل کروا دوں گا۔ پہلے تو حبشی ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور کسی جرم کو ماننے سے انکار کرتا رہا مگر جب اس پر مزید سختی کی گئی تو

Scanned with CamScanner

کہنے لگا کہ امیر المؤمنین اگر میری جان بخشنے کا وعدہ کریں تو میں سچ سچ بتا دیتا ہوں۔ خلیفہ کہنے لگا: اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی ہو جس سے تم پر حد لاگو ہوتی ہو تو تمہیں امان ہے۔ اس نے سمجھا کہ مجھے امان مل گئی ہے۔

کہنے لگا: میں فلاں محلے میں بار برداری کا کام کرتا تھا۔ اجرت پر کبھی کام مل گیا کبھی سارا دن فارغ۔ ایک مرتبہ خاصا عرصہ مجھے کوئی کام نہ ملا۔ میں ایک مدت تک فارغ رہا۔ ایک دن میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں تھیلی پکڑے ہوئے گزر رہا ہے۔ میں نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ میں اس کے لئے اجنبی تھا، لہٰذا اس نے مجھ پر کوئی توجہ نہ دی۔ ایک ویران جگہ مجھے موقع مل گیا۔ میں نے جھپٹ کر اس کی تھیلی چھین لی اور اس کو کھول کر دیکھا تو وہ دیناروں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ میرے پیچھے آیا تو میں نے اسے نیچے گرا کر اس کا گلا دبا دیا۔ اس نے چیخنا چاہا تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ تڑپتا رہا مگر میں نے اس کو اس وقت چھوڑا جب اس کی سانسیں ختم ہو چکی تھیں۔ میں نے اس کو کندھے پر اٹھایا۔ رات ہو چکی تھی۔ میں سیدھا اپنے گھر آیا اور لاش کو تنور میں ڈال کر اسے آگ لگا دی جو جل کر سیاہ ہو گئی۔ میں نے تنور میں مٹی ڈال دی۔ میرے پاس دینار تھے جو مجھے تقویت دے رہے تھے۔ میں نے اگلے دن اس کی ہڈیاں نکالیں اور انہیں دریائے دجلہ میں بہا دیا۔

خلیفہ نے اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا اور ایک آدمی کو بھیجا کہ اس کے گھر سے دیناروں کی تھیلی لے آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی تھیلی لے کر آ گیا۔ اسے دیکھا گیا تو اس کے اوپر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا۔ شہر میں اس کے نام کی منادی کروائی گئی۔ اس کی بیوہ نے اعلان سنا تو بھاگتی ہوئی آئی کہ یہ منادی میرے خاوند کے نام کی ہے جو کئی ہفتوں سے غائب ہے۔ ہم نے اس کو ہر جگہ تلاش کیا ہے مگر وہ نہیں مل سکا۔ وہ فلاں دن فلاں تاریخ کو ایک ہزار دینار لے کر گھر سے نکلا تھا۔ میرے خاوند کا ایک چھوٹا بیٹا ہے۔ خلیفہ نے وہ دینار اس عورت کو دینے اور اس حبشی کی گردن مارنے کا حکم دیا اور کہا: اس کی لاش کو تنور میں ڈال دیا جائے اور اس کی ہڈیوں کو دجلہ میں بہا دیا جائے۔

(عجائب القصص (۱۰۲)، منصور بن ناصر العواجی)

(۹۸)

لو! آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

منقول ہے کہ ایک دن حضرت سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ خوارج کے کچھ سرغنے اپنی تلواریں لہراتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''اے ابو حنیفہ (رضی اللہ عنہ)! ہم تم سے دو مسئلے پوچھتے ہیں، اگر تم نے جواب دے دیا تو بچ جاؤ گے ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے (معاذ اللہ تعالیٰ)'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اپنی تلواریں میان میں ڈال لو کیونکہ انہیں دیکھ کر میرا دل مشغول ہو جائے گا۔'' وہ کہنے لگے: ''ہم ان کو کیسے چھپا لیں حالانکہ ہم تمہاری گردن میں اڑا کر بہت زیادہ اجر و ثواب پائیں گے۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''چلو، جو پوچھنا ہے پوچھو۔'' انہوں نے پوچھا: ''دروازے پر دو جنازے ہیں: ان میں ایک شرابی ہے، اس کو اچھو (پانی پینے کے دوران بعض اوقات گلے میں پھندا سا لگتا ہے اور کھانسی اٹھتی ہے اس کو ''اچھو لگنا'' کہتے ہیں) لگا اور نشہ کی حالت میں مر گیا اور دوسرا جنازہ زنا سے حاملہ عورت کا ہے جو توبہ سے قبل ہی بچے کی ولادت سے مر گئی تو کیا وہ دونوں کافر مرے یا مسلمان؟'' ان سوال کرنے والے خارجیوں کا مذہب یہ تھا کہ اگر کوئی مسلمان ایک گناہ بھی کر لے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اب اگر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کو مسلمان کہتے تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے استفسار فرمایا: ''ان کا تعلق کس فرقے سے تھا؟ کیا یہودی تھے؟ کیا مجوسی یعنی آگ کی پوجا کرنے والے تھے؟'' جواب ملا، ''نہیں'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''بت پرست تھے؟'' پھر بھی جواب نفی میں پایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے پھر

پوچھا: ''آخر وہ کون تھے؟ انہوں نے کہا: ''وہ مسلمان تھے۔'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''جواب تو تم نے خود ہی دے دیا ہے۔'' کہنے لگے، ''وہ کیسے؟'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم نے اعتراف کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ لہٰذا تم کسی مسلمان کو کیسے کافر قرار دے سکتے ہو؟'' انہوں نے پوچھا: ''کیا وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''میں ان کے متعلق وہی کہوں گا جو حضرت سیّدنا ابراہیم علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اپنی امت کے شریر و نافرمان لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی تھی:

(۱) فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(پ۱۳، ابراہیم: ۳۶)

تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اور وہی کہوں گا جو حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام نے بارگاہ خداوندی میں اپنے نافرمان امتیوں کے متعلق عرض کی تھی:

(۲) اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (پ۷، المائدۃ: ۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

چنانچہ، وہ خوارج تائب ہوئے اور آپ سے معذرت کی۔ (مناقب الامام الاعظم ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ للامام الموفق بن احمد المکی رحمۃ اللہ، ج ۱، ص ۳۲۱)

(۹۹)

انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل

قرآن مجید نے متعدد جگہ یہودیوں کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کا تفصیلی بیان کرتے ہوئے بار بار یہ اعلان فرمایا ہے کہ ان ظالموں نے اپنے انبیاء اور پیغمبروں کو بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○

(آل عمران رکوع ۳)

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں اور (نبیوں کے سوا) جو لوگ ان کو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں ان کو بھی قتل کرتے ہیں تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہودیوں نے ایک دن میں تینتالیس نبیوں اور ایک سو ستر صالحین کو قتل کر دیا تھا جو ان کو اچھی باتوں کا حکم دیا کرتے تھے۔ (تاریخ ابن کثیر ج۲ ص۵۵)

چنانچہ حضرت یحییٰ و حضرت زکریا علیہما السلام کی شہادت بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ابن عساکر نے ''المستقصٰی فضائل الاقصٰی'' میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ دمشق کے بادشاہ ''حداد بن حدار'' نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں

Scanned with CamScanner

دے دی تھیں۔ پھر وہ چاہتا تھا کہ بغیر حلالہ اس کو واپس کر کے اپنی بیوی بنا لے۔ اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے فرمایا: وہ اب تجھ پر حرام ہو چکی ہے اس کی بیوی کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئی۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو مجبور کر کے قتل کی اجازت حاصل کر لی جبکہ وہ مسجد ''جردن'' میں نماز پڑھ رہے تھے بحالت سجدہ ان کو قتل کر دیا اور ایک طشت میں ان کا سر مبارک اپنے سامنے منگوایا مگر کٹا ہوا سر اس حالت میں بھی یہی کہتا رہا کہ تو بغیر حلالہ کرائے بادشاہ کیلئے حلال نہیں اور اسی حالت میں اس پر خدا کا یہ عذاب نازل ہو گیا کہ وہ عورت سر مبارک کے ساتھ زمین میں دھنس گئی۔

یہودیوں نے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو پھر ان کے والد ماجد حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف یہ ظالم لوگ متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی شہید کر دیں گے مگر جب حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا تو وہاں سے ہٹ گئے اور ایک درخت کے شگاف میں روپوش ہو گئے یہودیوں نے اس درخت پر آرہ چلا دیا جب آرہ حضرت زکریا علیہ السلام پر پہنچا تو خدا کی وحی آئی کہ خبردار اے زکریا اگر آپ نے کچھ بھی آہ وزاری کی تو ہم پوری روئے زمین کو تہہ و بالا کر دیں گے اور اگر تم نے صبر کیا تو ہم بھی ان یہودیوں پر اپنا عذاب نازل کر دیں گے چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے صبر کیا اور ظالم یہودیوں نے درخت کے ساتھ ان کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے۔

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ کس جگہ پیش آیا۔ قول تو یہ ہے کہ مسجد جردن میں شہادت ہوئی مگر حضرت سلیمان ثوری نے شمر بن عطیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ بیت اللہ میں ہیکل سلیمانی اور قربان گاہ کے درمیان آپ شہید ہو گئے جس جگہ آپ سے پہلے ستر انبیاء علیہم السلام کو یہودی قتل کر چکے تھے۔

بہر حال یہ سب کو مسلم ہے کہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو آپ نے علی الاعلان اپنی دعوت حق کا وعظ شروع کر دیا اور بالآخر یہودیوں نے آپ کے قتل کا بھی منصوبہ بنا لیا بلکہ قتل کے لئے

آپ کے مکان میں ایک یہودی داخل بھی ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بدلی بھیج کر آسمان پر اٹھا لیا جس کا مفصل واقعہ گزر چکا۔

یہودی بدترین لوگ ہیں

حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کی شہادت کے واقعات اور حالات سے اگرچہ حقیقت بین نگاہیں بہت سے نتائج حاصل کر سکتی ہیں تاہم چند باتیں خصوصی طور پر قابل توجہ ہیں۔

(۱) دنیا میں ان یہودیوں سے زیادہ شقی القلب اور بدبخت کوئی نہیں ہو سکتا جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے حالانکہ یہ برگزیدہ اور مقدس ہستیاں نہ کسی کو ستاتی تھیں نہ ان کے مال و دولت پر ہاتھ ڈالتی تھیں بلکہ بغیر اجرت و عوض کے لوگوں کی اصلاح کر کے انہیں فلاح و سعادت دارین کی عزتوں سے سرفراز کرتی تھیں چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: قیامت کے دن سب سے بڑے اور زیادہ عذاب کا مستحق کون ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

رَجُلٌ قَتَلَ نَبِيًّا اَوْ مَنْ اَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۵)

وہ شخص جو کسی نبی کو یا ایسے شخص کو قتل کرے جو بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہو۔

بہر حال ظالم یہودیوں نے اپنی شقاوت سے خدا کے نبیوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا اور جس بے دردی کے ساتھ ان مقدس نفوس کا خون بہایا۔ اقوام عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اس لئے خداوند قہار و جبار نے اپنے قہر و غضب سے ان ظالموں کو دونوں جہان میں ملعون کر دیا لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان ملعونوں سے ہمیشہ نفرت و دشمنی رکھے!

(۲) بنی اسرائیل چونکہ مختلف قبائل میں تقسیم تھے اس لئے ان کے درمیان ایک ہی وقت میں متعدد نبی اور پیغمبر مبعوث ہوتے رہے اور ان سب نبیوں کی تعلیمات کی بنیاد حضرت

Scanned with CamScanner

موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت ہی رہی اور ان سب انبیاء کرام علیہم السلام کی حیثیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابعین کی رہی۔

(۳) علماء کرام کو اپنی زندگی کی آخری سانس تک حق پر ڈٹ کر اس کی تبلیغ کرتے رہنا چاہئے اور حق کے معاملہ میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا کہ سر کٹ جانے کے بعد بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے کٹے ہوئے سر سے یہی آواز آتی رہی کہ تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ کرائے ہوئے عورت سے اس کا شوہر دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۰۰)

بے مثال تقویٰ

ابو عمرو عبدالرحمن بن عمرو بن محمد اوزاعی، اہل شام کے امام، شام میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا، کہا گیا ہے کہ انہوں نے ساٹھ ہزار سوالات کے جوابات دیئے، بیروت میں قیام پذیر رہے، حضرت سفیان ثوری نے ان سے روایت کی، عبداللہ ابن مبارک نے ان سے استفادہ کیا، بعلبک میں پیدا ہوئے۔ پھر شام کی بستی عقیبہ میں چلے گئے، اس کے بعد بقاع چلے گئے، بعد ازاں ان کی والدہ انہیں بیروت لے گئیں، وہیں ۱۵۷ھ میں فوت ہوئے۔ (وفیات الاعیان)

آپ رحمۃ اللہ علیہ دمشق سے ساحل جانے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بیروت میں قیام فرمایا۔ پھر ارادہ کیا کہ دمشق میں اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کر آئیں۔ چنانچہ اپنی جائے پیدائش عقیبہ پہنچے اور اپنے بھائی کے پاس ٹھہرے۔ ایک شخص نے ان کی خدمت میں رات کا کھانا پیش کیا۔ اس دن امام اوزاعی نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ جب ان کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا اور امام نے کھانا کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میزبان نے کہا: جناب! تناول فرمائیں اور ہماری معذرت بھی قبول فرمائیں کیونکہ آپ ہمارے پاس تنگ وقت میں تشریف لائے ہیں اور ہم آپ کے شایان شان اہتمام نہیں کر سکے۔

امام اوزاعی نے ہاتھ اٹھا لیا اور ایک لقمہ تک نہیں کھایا۔ میزبان اس انتظار میں رہا کہ آپ کھانا کھائیں گے لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے اصرار کے باوجود آپ نے

Scanned with CamScanner

کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ چنانچہ دستر خوان اٹھالیا گیا۔ میزبان نے دریافت کیا: جناب! آپ نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا؟ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس صرف حلال مال تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آپ کے بعد کوئی مال نہیں کمایا۔ امام اوزاعی خاموش رہے۔

پھر جب اس شخص نے زیادہ اصرار کیا اور آپ نے دیکھا کہ جواب دیئے بغیر چارہ نہیں، تو فرمایا: میں وہ کھانا نہیں کھا سکتا جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کم ادا کیا گیا ہو یا جس پر سرے سے شکر کیا ہی نہ گیا ہو۔

ہمیں یہ لائق نہیں کہ ہم ضیافت کے کھانے کو اپنی نگاہوں میں قلیل جانیں اور مہمان کے سامنے کھانے کی قلت کی معذرت کریں کیونکہ کھانا اگرچہ کم ہو، تاہم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور ہم پر اس کا احترام اور شکر واجب ہے۔

(الجرح والتعدیل۔ امام ابوحاتم رازی۔ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

(۱۰۱)

اپنے آپ کو بدلے کیلئے پیش کر دیا

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زریں عہد تھا۔ مسلمان فتوحات پر فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ امیر المؤمنین مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ حکم یہ تھا کہ جنگوں کے بارے میں فوری معلومات دی جائیں اور ہدایات لی جائیں۔ جنگ کا جو بھی نتیجہ ہو فوری طور پر ہیڈ کوارٹر میں اطلاع دیں۔ حنف بن قیس جو کہ سن 3 قبل ہجرت/619ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ظہور اسلام پر بنو تمیم نے اسلام پر توجہ نہیں دی تھی، احنف ہی نے انہیں قبول اسلام پر مائل کیا۔ وہ بصرہ کے اولین باشندوں میں سے تھے۔ انہوں نے قم، کاشان اور اصفہان کی تسخیر میں نمایاں حصہ لیا اور ہرات، مرو، بلخ اور دوسرے علاقے فتح کیے۔ وہ جنگ جمل میں غیر جانبدار رہے مگر جنگ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑے۔ 71ھ/691ء میں جب وہ مصعب بن زبیر کی فوج میں شامل ہو کر مختار ثقفی پر حملہ کرنے کو فے جا رہے تھے تو راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بنو امیہ ان سے سیاسی مشورے لیتے رہتے تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج2 ص173-171)

ان کا اپنا بیان ہے کہ ہم چند لوگ ایک عظیم خوشخبری سنانے کے لیے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دریافت فرمایا: آپ لوگوں نے کون سی جگہ قیام فرمایا؟ ہم نے عرض کی: فلاں جگہ۔

امیر المؤمنین ہمارے ساتھ ہمارے پڑاؤ کی طرف چلنے لگے جہاں ہم نے اونٹوں کو

Scanned with CamScanner

بھی باندھ رکھا تھا، اور اونٹوں کی حالت یہ تھی کہ مسلسل بھوک کی شدت سے وہ کمزور ہو چکے تھے اور کئی دنوں کے سفر نے انہیں تھکا دیا تھا۔ اونٹوں کی حالت زار دیکھتے ہی امیر المؤمنین گویا ہوئے: (هَلَّا اتَّقَيْتُمُ اللّٰهَ فِيْ رِكَابِكُمْ هٰذِهٖ! أَمَا عَلِمْتُمْ اَنَّ لَهَا عَلَيْكُمْ حَقًّا؟ هَلَّا أَرْخَتُمُوْهَا فَأَكَلَتْ مِنْ نَبَاتِ الْأَرْضِ!)

''کیا تمہیں ان سواریوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر نہیں لگتا۔ کیا تمہیں اس بات کی خبر نہیں ہے کہ ان چوپایوں کے بھی تمہارے اوپر حقوق ہیں؟ تم نے ان اونٹوں کو راستے میں کچھ دیر آرام کے لیے کیوں نہ چھوڑ دیا تاکہ یہ زمین کی نباتات کھا لیتے!''

ہم نے عرض کی: امیر المؤمنین! عظیم فتح و کامرانی کی خوشخبری لے کر ہم تیزی کے ساتھ بھاگتے دوڑتے آپ کی خدمت میں چلے آئے ہیں تاکہ آپ اور دیگر مسلمانوں کو اس خوشخبری سے خوشی ہو اور ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں نے راستے میں اپنی سواریوں کو روکنا گوارا نہیں کیا۔

امیر المؤمنین ہماری باتیں سن کر لوٹ گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اسی دوران میں ایک آدمی شکایت لے کر حاضر ہو گیا اور کہنے لگا: امیر المؤمنین! فلاں شخص نے مجھ پر ناحق ظلم و زیادتی کی ہے، آپ اس کے خلاف میری مدد کریں۔

امیر المؤمنین نے اپنا کوڑا بلند کیا اور اس کے سر پر دے مارا اور فرمانے لگے:

(تَدْعُوْنَ عُمَرَ، حَتّٰى اِذَا شُغِلَ فِيْ أُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ اَتَيْتُمُوْهُ وَقُلْتُمْ: أَغِثْنِيْ أَغِثْنِيْ)

''عجب تماشا ہے کہ تم لوگ (خالی اوقات میں) عمر کے سامنے اپنا قضیہ پیش نہیں کرتے ہو، مگر جب عمر مسلمانوں کے اہم معاملات کو سلجھانے میں مصروف ہو جاتا ہے تو پھر تم آ کر کہنے لگتے ہو کہ میری مدد کرو، میری مدد کرو!''

چنانچہ وہ آدمی خود کو ملامت کرتے ہوئے واپس ہو گیا۔ امیر المؤمنین نے فوراً ہی اس آدمی کو واپس بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ واپس آیا تو آپ نے اپنا کوڑا اس آدمی کے آگے ڈال دیا اور کہنے لگے: اُقْتَصَّ...... ''مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔'' وہ کہنے لگا: نہیں، میں بدلہ نہیں لوں گا بلکہ میں اسے اللہ کے لیے اور آپ کے لیے چھوڑتا ہوں۔ امیر المومنین نے فرمایا: ایسا نہیں ہو گا، یا تو تم اللہ کے لیے درگزر کرو اور اس کا بدلہ اسی سے مانگو، بصورت دیگر مجھ پر چھوڑ دو (پھر ایسی صورت میں تمہیں مجھ سے قصاص لینا پڑے گا) وہ کہنے لگا: نہیں نہیں، میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے معاف کرتا ہوں۔

اس کے بعد امیر المؤمنین وہاں سے چل پڑے اور گھر پہنچے۔ ہم لوگ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور خود کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

(يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! كُنْتَ وَضِيْعًا فَرَفَعَكَ اللّٰهُ وَكُنْتَ ضَالًّا فَهَدَاكَ اللّٰهُ وَكُنْتَ ذَلِيْلًا فَأَعَزَّكَ اللّٰهُ، ثُمَّ حَمَلَكَ عَلٰى رِقَابِ النَّاسِ، فَجَاءَ رَجُلٌ يَسْتَغِيْثُكَ عَلٰى مَنْ ظَلَمَهٗ فَضَرَبْتَهٗ مَاذَا تَقُوْلُ لِرَبِّكَ غَدًا؟)

''ابن الخطاب! تو ایک خاکسار و متواضع، معمولی آدمی تھا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے اعلیٰ مقام و مرتبے سے نوازا، تو گم گشتہ راہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے ہدایت کی روشنی سے آشنا کیا، تو ایک کمزور انسان تھا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت و اکرام بخشا اور پھر لوگوں پر حکمران بنایا، مگر جب ایک آدمی اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے خلاف تجھ سے تعاون طلب کرنے کے لیے حاضر ہوا تو تو نے اس کی پٹائی کر دی۔ ذرا بتا کہ کل قیامت کے روز تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دے گا؟''

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: امیر المؤمنین نے یہ کہہ کر اپنے اوپر اس طرح ملامت کی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ پوری دنیا والوں میں اس وقت سب سے بہتر ہیں۔

(قصص العرب ۱۳،۱۲/۳)

(۱۰۲)

امام اعظم علیہ الرحمۃ کا علمی مقام

منقول ہے کہ ایک عورت حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مسجد میں حاضر ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے درمیان تشریف فرما تھے۔ اس نے ایک سیب نکالا جو ایک طرف سے سرخ اور دوسری جانب سے زرد تھا۔ اس نے بغیر کوئی بات کیے سیب آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، عورت چلی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے احباب اس ماجرے کو نہ سمجھ سکے۔ چنانچہ، انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس عورت کو کبھی سیب کی ایک جانب کی طرح سرخ خون آتا ہے اور کبھی دوسری جانب کی طرح زرد خون آتا ہے گویا وہ پوچھ رہی تھی کہ وہ خون حیض کا ہے یا طہر کا؟ تو میں نے سیب کو توڑ کر اس کا اندرونی حصہ دکھایا جس سے میری مراد یہ تھی کہ جب تک اس سیب کی اندرونی سفیدی کی طرح سفیدی دکھائی نہ دے، طہر نہیں ہوگا تو وہ چلی گئی۔''

☆......سراج الامہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بصرہ میں داخل ہوا۔ سوچا تھا کہ جو بھی مجھ سے سوال کرے گا میں اس کو جواب دوں گا لیکن بصرہ والوں نے مجھ سے ایسے سوالات کئے کہ میرے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ پھر میں نے عزم کر لیا کہ آئندہ اپنے استاذ حضرت سیّدنا حماد علیہ الرحمۃ کی صحبت کبھی نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ، بیس سال ان کی صحبت میں رہا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں ہر نماز میں اپنے والدین، تمام اساتذہ اور بالخصوص حضرت سیّدنا حماد رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔'' (تاریخ بغداد، الرقم

۷۲۹۷، النعمان بن ثابت ابوحنیفۃ التیمی، ذکر خیر ابتداء ابی حنیفۃ بالنظر فی العلم، ج ۱۳، ص ۳۳۸ ، بتغیر)

☆......حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا گویا میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اقدس کھود کر ہڈیاں نکال رہا ہوں اور ان کو صاف کر رہا ہوں۔ اس سے مجھے بہت زیادہ ڈر محسوس ہوا۔ میں نے حضرت سیّدنا امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تو انہوں نے فرمایا: ''اگر یہ خواب سچا ہے تو آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کریں گے۔'' (مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد المکی، الباب الخامس فی ابتداء جلوسہ للفتیا والتدریس، ج ۱، ص ۶۷، بتغیر)

☆......حضرت سیّدنا یوسف بن صباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے کسی نے بتایا کہ میں نے خواب میں حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو تاجدارِ رسالت، صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کو کھودتے ہوئے دیکھا تو کسی کو بتائے بغیر حضرت سیّدنا ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے فرمایا: ''یہ شخص حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرے گا۔'' (تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷ النعمان بن ثابت ابوحنیفۃ التیمی، ذکر خیر ابتداء ابی حنیفۃ بالنظر فی العلم، ج ۱۳، ص ۳۳۵، بتغیر)

☆......حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: ''ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات پہنچے ہم اسے سر آنکھوں پر قبول کریں گے اور جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ملے اس کو بھی اختیار کریں گے اور ان کے قول سے باہر نہیں نکلیں گے اور جو بات تابعین عظام رحمہم اللہ سے ملے تو وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں اور ان کے علاوہ کو تو بالکل نہیں سنیں گے۔'' (سیر اعلام النبلاء، الرقم ۹۹۳ ۔ ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت، ج ۶، ص ۵۳۶، بدون "عن التابعین")

☆......حضرت سیّدنا عبدالعزیز دراوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہما کو عشاء کے آخری وقت کے بعد مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بحث و مباحثہ کرتے ہوئے دیکھا۔ جب ان میں سے ایک اپنا

Scanned with CamScanner

مؤقف پیش کر کے خاموش ہو جاتا تو دوسرا بھی ڈانٹنے، جھڑکنے یا دوسرے کو غلط قرار دیئے بغیر چپ ہو جاتا۔ پھر وہ دونوں اسی مجلس میں صبح تک نوافل پڑھتے رہتے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے انصاف اور اعتراف حق کا عالم یہ ہے کہ ارشاد فرمایا کرتے: ''ہمارا یہ قول ایک رائے ہے اور یہ ہمارے قیاس میں سے بہترین رائے ہے۔ اب جس نے اس سے بھی اچھی رائے پیش کی تو وہی زیادہ بہتر ہے۔'' (تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷ النعمان بن ثابت ابوحنیفة التیمی، ماقیل فی فقه ابی حنیفة، ج ۱۳، ص ۳۵۱)

قیامِ حق کے لئے کوششیں اور جود و کرم

جب حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کوئی برائی دیکھتے تو آپ رضی اللہ عنہ کی نرمی سختی میں بدل جاتی، آنکھیں سرخ ہو کر چڑھ جاتیں، رگیں پھول جاتیں اور جب بھی کوئی خلاف شرع کام دیکھتے تو اس کا قلع قمع کر دیتے۔ ایک دن ایک شخص کے پاس کچھ آلات لہو و لعب دیکھے تو اس سے لے لئے۔ اس نے انجانے میں آپ رضی اللہ عنہ کو زوردار ضرب لگائی، اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے ان آلات کو توڑ دیا اور گھر لوٹ آئے اور اس شدت ضرب کی وجہ سے دو ماہ تک گھر میں تنہا رہے۔

☆......خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ حضرت سیّدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں عرض کی گئی کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غیبت سے اتنے دور رہتے ہیں کہ میں نے کبھی ان کو دشمن کی غیبت کرتے ہوئے بھی نہیں سنا، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ اس معاملے میں بہت سمجھدار ہیں کہ کسی ایسی چیز کو اپنی نیکیوں پر مسلط کریں جو انہیں (دوسرے کے نامۂ اعمال میں) منتقل کر دے۔'' حضرت سیّدنا علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''اگر نصف اہل زمین کی عقلوں سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عقل کا موازنہ کیا جائے تو بھی آپ رضی اللہ عنہ کی عقل زیادہ ہوگی۔'' (تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷، النعمان بن ثابت ابوحنیفة التیمی، ماذکر من وفور عقل ابی حنیفة وفطنته و تلطفه، ج ۱۳، ص ۳۶۱)

☆......منقول ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت سیّدنا علقمہ

اور حضرت سیّدنا اسود رضی اللہ عنہما میں سے افضل کون ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس مقام پر نہیں کہ ان کا موازنہ کروں سوائے اس کے کہ ان کی عزت و عظمت کے پیش نظر ان کے لئے دعا و استغفار کرتا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ ان میں افضل کون ہے۔'' (ربیع الابرار، باب التفاضل و التفاوت والاختلاف والاشتباه وما قارب ذلك ووفاه، ج ۱، ص ۳۵۳)

سخاوت کا عالم

حضرت سیّدنا قیس بن ربیع علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اپنی کمائی سے مال تجارت جمع کرتے پھر اس سے کپڑے خرید کر مشائخ، محدثین اور حاجت مندوں کو پیش کرتے اور فرماتے۔ ''اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو کہ اسی نے تمہیں یہ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے اپنے مال میں سے کچھ بھی نہیں دیا۔'' آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کوئی شخص حاضر ہوتا تو اس کے متعلق دریافت کرتے، اگر وہ محتاج ہوتا تو کچھ عطا فرماتے۔ چنانچہ، ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اس کے کپڑے بوسیدہ تھے، جب لوگ چلے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا جب وہ تنہا رہ گیا تو ارشاد فرمایا: ''اس مصلے کو اٹھاؤ اور نیچے سے ہزار درہم لے کر اپنی حالت اچھی کر لو۔'' اس نے عرض کی: ''حضور! میں تو خوشحال ہوں، نعمتوں میں ہوں۔'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تمہیں یہ حدیث نہیں پہنچی کہ ''اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر بندے پر دیکھے۔'' (جامع الترمذی، ابواب الادب، باب ماجاء ان الله تعالىٰ يحب ان يرى اثر نعمته على عبده، الحدیث ۲۸۱۹، ص ۱۹۳۴) تجھے اپنی حالت بدلنی چاہئے تا کہ تیرا دوست تیری حالت سے غمگین نہ ہو۔'' (تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷، النعمان بن ثابت ابوحنیفة التیمی، ما ذکر من جود ابی حنیفة و سماحه و حسن عهده، ج ۱۳، ص ۳۵۷-۳۵۸ بتغیر)

Scanned with CamScanner

(۱۰۳)

فتح کے لئے پہلی شرط استقامت ہے

ہم یہاں منافقوں کی ایک خطرناک سازش کا ذکر کر رہے ہیں جو جنگ احد کے دن ان بدبختوں نے رسول خدا ﷺ کے خلاف کی تھی جس پر قرآن مجید نے روشنی ڈالی ہے اور جو بہت ہی قابل عبرت اور نہایت ہی نصیحت آموز ہے اور وہ یہ ہے کہ

نبی اکرم ﷺ جب مدینہ سے باہر جنگ کے لئے نکلے تو ایک ہزار کا لشکر پرچم نبوت کے نیچے تھا اس لشکر میں تین سو منافقین بھی عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں ہمرکاب تھے۔

منافقین پہلے ہی کفار مکہ کے ساتھ مل کر یہ سازش کر چکے تھے کہ مخلص مسلمانوں کو بزدل بنانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کریں گے کہ شروع میں مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ نکلیں گے پھر مسلمانوں سے کٹ کر مدینہ واپس آجائیں گے چنانچہ منافقوں کا سردار یہ بہانہ بنا کر لشکر اسلام سے کٹ کر جدا ہو گیا کہ جب محمد (ﷺ) نے ہم تجربہ کاروں کی بات نہیں مانی کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرنی چاہئے بلکہ الھڑ نوجوانوں کی بات مان کر مدینہ سے نکل پڑے تو ہم کو کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں، مگر الحمد للہ! منافقوں کا مقصد پورا نہیں ہوا کیونکہ مخلص مسلمانوں پر ان لوگوں کے لشکر اسلام سے جدا ہو جانے کا مطلق کوئی اثر نہیں پڑا البتہ مسلمانوں کے دو قبیلے بنو سلمہ و بنو حارثہ میں کچھ تھوڑی سی بزدلی پیدا ہو چلی تھی مگر مخلص مسلمانوں کے جوش و جہاد کو دیکھ کر ان دونوں قبیلوں کی بھی ہمت بلند ہو گئی اور یہ لوگ بھی ثابت قدم رہ کر پورے جان نثارانہ جذبات سرفروشی کے ساتھ مشرکین

کے دل بادل لشکروں سے ٹکرا گئے اور آخری دم تک پرچم نبوت کے زیر سایہ مشرکوں سے جنگ کرتے رہے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران رکوع ۱۳)

اور یاد کرو اے محبوب جب صبح کو تم اپنے دولت خانہ سے برآمد ہو کر مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کر رہے تھے اور اللہ سب سنتا اور جانتا ہے جب تم میں سے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ بزدلی کر بیٹھیں اور اللہ ان کا مددگار ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

غرض جنگ احد میں منافقوں کی یہ خطرناک سازش اور خوفناک تدبیر بالکل ناکام ہو کر رہ گئی اور بحمد اللہ اگرچہ ستر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا لیکن آخر میں فتح مبین نے پیغمبر علیہ السلام کے قدم نبوت کا بوسہ لیا اور مشرکین ناکام ہو کر میدان جنگ چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور پرچم اسلام سربلند ہی رہا۔

اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ اگر مومنین اخلاص نیت کے ساتھ متحد ہو کر میدان جنگ میں کافروں کے ساتھ جواں مردی اور اولوالعزمی کے ساتھ جہاد میں ڈٹے رہیں تو منافقوں اور کافروں کی ہر سازش و تدبیر کو خداوند قدوس ناکام بنا دیتا ہے کیونکہ یہ حقیقت بڑی ہی صداقت مآب ہے کہ

برائے فتح پہلی شرط ہے ثابت قدم رہنا
جماعت کو بہم رکھنا، جماعت کا بہم رہنا

Scanned with CamScanner

(۱۰۴)

حکمران کی اطاعت کب ضروری ہے؟

بنوامیہ کے ایک امیر نے ایک تابعی کو کہا: کیا اللہ نے تمہیں ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امر والوں کی۔

تابعی نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ترک نہیں کر دی؟ جب تم نے حق کی مخالفت کی ہے تو تمہاری اطاعت کا کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ کا تو فرمان ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ

(سورۃ النساء:۴/۵۹)

پس اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

مطلب یہ ہے کہ جب کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو معاملے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا واجب ہے نہ کہ خود ساختہ قوانین اور نظاموں کی طرف کیونکہ ان نظامون کے بنانے والے انسان ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان کے بنانے میں غلطی کر جائیں۔

جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ غلطی نہیں کرتے۔

ابن قیم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اُولِي الْاَمْرِ (امر والے) سے مراد علماء ہیں۔

انہوںؒ نے یہ بھی کہا:

تحقیق یہ ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت اس وقت کی جائے گی جب وہ شریعت اور علم کے مقتضا کے مطابق حکم دیں گے۔ اس وقت ان کی اطاعت علماء کی تبعیت میں فرض ہے تو جس طرح علماء کی اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہے۔ اسی طرح حکمرانوں کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے کیونکہ یہ علماء ہی ہیں جو حق کو جانتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے اسے حکمرانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(زاد المعاد۔ بتصرف)

Scanned with CamScanner

(۱۰۵)

رشوت کی نحوست

ابوعبداللہ محمد المہدی بن منصور عباسی 158ھ میں تخت نشین ہوا۔ اگلے ہی سال مرو (خراسان) کے باشندے حکیم مقنع نے معبود ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہ قلعہ بسام میں 32 ہزار آدمیوں کے ساتھ محصور ہو گیا تو مہدی کے سپہ سالار سعید حرشی نے اس کا قلع قمع کیا۔ مقنع اپنے اہل وعیال سمیت آگ میں جل مرا۔ مہدی نے 165ھ میں ہارون رشید کو قسطنطنیہ کی مہم پر بھیجا۔ رومیوں نے 70 ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ مہدی نے بصرہ، یمامہ اور بحرین کے زندیقوں کی بیخ کنی کی، نیز مسجد حرام میں توسیع کروائی۔ خلیفہ مہدی نے محرم 169ھ/ اگست 785ء میں وفات پائی۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج 1 ص 901-893)

عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے میں عاقبہ بن یزید بغداد میں بحیثیت قاضی مقرر تھے۔

ایک دن ظہر کے وقت اچانک قاضی صاحب خلیفہ مہدی کی خدمت میں پہنچ گئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ خلیفہ کی اجازت سے گھر کے اندر داخل ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا: خلیفۃ المسلمین! وہ صندوق منگوائیں جس میں منصب قضا پر بحالی کے سلسلے میں میرا معاہدہ ہے، کیونکہ اب میں اس منصب سے مستعفی ہونا چاہتا ہوں، آپ سے گزارش ہے کہ آپ میرا استعفیٰ منظور کر لیں۔

قاضی عاقبہ بن یزید کی گفتگو سے خلیفہ مہدی کو گمان ہوا کہ شاید حکومت کے کسی ذمہ دار نے قاضی کے فیصلے کو نظر انداز کر دیا ہے، چنانچہ پوچھ بیٹھا: کیا کسی نے آپ کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا ہے، جو آپ منصب قضا سے مستعفی ہونا چاہتے ہیں؟

قاضی: اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔

خلیفہ: (فَمَا سَبَبُ اسْتِعْفَائِكَ مِنَ الْقَضَاءِ)

''پھر آپ منصب قضا سے کیوں سبکدوش ہونا چاہتے ہیں؟''

قاضی صاحب کہنے لگے: امیر المؤمنین! بات دراصل یہ ہے کہ ایک ماہ قبل دو آدمیوں نے میرے پاس مقدمہ دائر کیا تھا۔ مقدمے کی نوعیت بڑی ہی پیچیدہ تھی۔ ہر دو فریق کے پاس واضح ثبوت اور شہادت موجود تھی۔ فیصلہ سنانے میں دیر لگ سکتی تھی کیونکہ دونوں فریقوں کے دلائل پر غور وفکر اور نتیجے تک پہنچنے کے لیے خاصا وقت درکار تھا، چنانچہ میں نے مقدمہ سننے کے بعد اس امید میں فریقین کو واپس بھیج دیا کہ وہ باہم مصالحت کر لیں گے اور یوں ان کا مقدمہ حل ہو جائے گا۔ اس مدت میں دونوں فریقوں میں سے ایک کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ مجھے پکی ہوئی تازہ کھجوریں زیادہ مرغوب ہیں، چنانچہ اس نے بہت ہی عمدہ کھجوریں اکٹھی کیں اور میرے دربان کو بھاری رقم رشوت دے کر کھجوریں مجھ تک پہنچانے کو کہا۔ میں نے اتنی عمدہ کھجوریں کبھی نہیں دیکھی تھیں لیکن جب دربان نے کھجور کا طبق میری خدمت میں حاضر کیا تو میں نے اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر طبق واپس کروا دیا۔ دوسرے دن جب دونوں فریق عدالت میں حاضر ہوئے تو وہ دونوں میری نگاہ میں یکساں نظر نہیں آ رہے تھے۔

(فَهٰذَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! وَلَمْ أَقْبَلْ، فَكَيْفَ يَكُونُ حَالِي لَوْ قَبِلْتُ)

''امیر المؤمنین! ہدیہ قبول نہ کرنے کے باوجود میری یہ حالت ہو گئی (کہ عدم مساوات کا تیر میری نگاہ میں چبھ گیا) پھر اگر میں نے ہدیہ قبول کر لیا ہوتا تو کیا ہوتا؟ (لامحالہ مجھے ناحق فیصلہ کرنا پڑتا!!)''

امیر المؤمنین! حیلے بہانے سے شیطان میرا دین اور میری عاقبت برباد کر سکتا تھا کیونکہ ہر انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے اور لوگ اس کے پھندے میں پھنس کر تباہ و برباد بھی ہو رہے ہیں، لہٰذا اے امیر المؤمنین! آپ مجھے اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ دے گا۔ مجھ سے اس سلسلے میں درگزر کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے گا۔ (قصص العرب: 75/3، العقد الفريد للملك السعيد: 170)

Scanned with CamScanner

(۱۰۶)

خوف خدا اور پرہیز گاری کے بیمثال مظاہرے

حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر شبہ والی چیز سے مکمل اجتناب فرماتے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شریک تجارت حضرت سیّدنا حفص بن عبدالرحمٰن علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے ساتھ تجارت کرتے تھے اور مجھے مال تجارت بھیجتے ہوئے فرمایا کرتے: ''اے حفص! فلاں کپڑے میں کچھ عیب ہے۔ جب تم اسے فروخت کروتو عیب بیان کردینا۔'' حضرت سیّدنا حفص نے ایک مرتبہ مال تجارت فروخت کیا اور بیچتے ہوئے عیب بتانا بھول گئے۔ جب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام کپڑوں کی قیمت صدقہ کردی۔

(الروض الفائق)

☆.....حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تقویٰ کی ایک اور مثال یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک بکری چوری ہوگئی تو اندازاً جتنا عرصہ وہ بکری زندہ رہ سکتی تھی اس مدت میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی بکری کا گوشت نہ کھایا۔

☆.....منقول ہے کہ خلیفۂ وقت (ابوجعفر منصور) نے حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیّدنا ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کچھ مال بھیجا تو حضرت سیّدنا ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''میں خلیفہ کے لئے اس مال پر راضی نہیں تو اپنے لئے کیسے راضی ہو جاؤں؟'' اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''اگر مجھے مارا جائے کہ ان میں سے ایک

درہم کو صرف ہاتھ لگادو پھر بھی میں اسے نہ چھوؤں گا۔'' (مناقب الامام الاعظم للامام البزازی الکردری، الفصل الخامس، مجمع المنصور مالکا و ابن ابی ذئب والامام و مقالتھم، ج ۲، ص ۱۶)

تجھے ایک ہی بیوی کافی ہے

منقول ہے کہ خلیفۂ وقت نے حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا کر دریافت کیا: ''اے ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آزاد مرد کے لئے کتنی آزاد عورتیں حلال ہیں؟'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''چار۔'' تو خلیفہ نے اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوکر کہا: ''اے آزاد عورت! میری بات سن۔'' تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ارشاد فرمایا: ''اے خلیفۃ المسلمین! مگر آپ کے لئے صرف ایک حلال ہے۔'' تو خلیفہ نے غضبناک ہوکر کہا: ''ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ چار حلال ہیں۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''اے خلیفۃ المسلمین! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (پ۴، النساء:۳)

تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔

جب میں نے آپ کو اپنی بیوی سے یہ کہتے سنا: ''اے آزاد عورت! میری بات سن۔'' تو میں نے جان لیا کہ آپ عدل نہیں کریں گے۔ لہٰذا میں نے کہہ دیا کہ آپ کے لئے صرف ایک حلال ہے۔'' جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے رخصت ہوئے تو خلیفہ کی زوجہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہزار درہم بھجوائے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کیا اور تعریف بھی کی لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درہم قبول نہ کئے اور واپس بھیج دیئے اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ میں نے یہ بات تجھے خوش کرنے کے لئے نہیں کی تھی بلکہ رضائے الٰہی عزوجل کے لئے کی تھی پس اس کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔

☆.....حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خشیت الٰہی عزوجل کے پیکر اور کثرت سے صدقہ کرنے والے تھے۔

Scanned with CamScanner

اللہ کی عطا تمہاری عطا سے بہتر ہے

خطیب بغدادی نقل فرماتے ہیں: ''اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل وعیال پر کچھ خرچ کرتے تو اسی قدر صدقہ بھی کر دیتے۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اسی قیمت کا کپڑا علماء کو بھی خرید کر دیتے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب کھانا لگایا جاتا تو جتنا خود کھاتے اتنا ہی چھوڑ دیتے پھر وہ کھانا کسی فقیر کو کھلا دیتے یا گھر میں کسی کو ضرورت ہوتی تو اسے کھلا دیتے۔ رضائے رب الانام عزوجل کو ہر چیز پر ترجیح دیتے اور حکم الٰہی عزوجل کے معاملے میں اگر تلوار کا وار بھی کیا جاتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ برداشت کر لیتے۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ یہ دو اشعار پڑھا کرتے تھے:

عَطَاءُ ذِی الْعَرْشِ خَیْرٌ مِّنْ عَطَائِکُمُوْ
وَفَضْلُهٗ وَاسِعٌ یُّرْجٰی وَیُنْتَظَرُ
تُکَدِّرُوْنَ الْعَطَا مِنْکُمْ بِمِنَّتِکُمْ
وَاللّٰهُ یُعْطِیْ فَلَا مَنٌّ وَّلَا کَدَرُ

ترجمہ: (۱)......عرش کے مالک کی عطا تمہاری عطا سے بہتر ہے اور اس کا فضل وکرم وسیع ہے جس کی امید اور انتظار کیا جاتا ہے۔

(۲)......تم اپنی عطا کو احسان جتلانے سے ملا دیتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ احسان جتلائے اور گدلا کئے بغیر عطا فرماتا ہے۔

☆......حضرت سیّدنا محمد بن حسین لیثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں کوفہ آیا اور اہل کوفہ سے وہاں کے سب سے بڑے عابد کے متعلق دریافت کیا تو مجھے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بتایا گیا۔ پھر میں دوبارہ بڑھاپے میں یہاں آیا اور سب سے بڑے فقیہ کے بارے میں پوچھا تو مجھے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی نام بتایا گیا۔'' (تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷، النعمان بن ثابت ابوحنیفۃ التیمی، ماذکر من عبادۃ ابی حنیفۃ و ورعہ، ج ۱۳، ص ۳۵۱-۳۵۶-۳۵۷، بتغیر)

عبادت وتدریس

مشہور زاہد ومتقی حضرت سیّدنا مسعر بن کدام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں امام اعظم ابوحنیفہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتماع پاک میں حاضر ہوا تو میں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز فجر میں پایا، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز ظہر تک محفل علم میں تشریف فرما رہے، نماز ظہر پڑھ کر عصر تک محفل جاری رہی، نماز عصر پڑھ لی تو مغرب تک بیٹھے رہے، نماز مغرب کے بعد عشاء تک پھر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں کہا: اس شخص کی مصروفیت یہ ہے تو عبادت کے لئے کب فارغ ہوتا ہوگا، آج رات میں ضرور دیکھ بھال کروں گا۔ چنانچہ، میں نے نگرانی شروع کر دی۔ جب سب لوگ رخصت ہو گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے اور طلوع فجر تک نماز ادا کرتے رہے۔ پھر گھر تشریف لائے۔ کپڑے پہن کر مسجد کی طرف چل دیئے۔ دوسرے دن اور رات بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی معمول رہا۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں ہی رہوں گا یہاں تک کہ میں مر جاؤں یا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو جائے۔'' حضرت سیّدنا ابن ابی معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت سیّدنا مسعر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسجد میں حالت سجدہ میں ہوا۔ (المرجع السابق، ج ۱۳، ص ۳۵۴)

☆......حضرت سیّدنا قاسم بن معن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ایک بار امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی: ''بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝'' (پ ۲۷، القمر: ۴۶) بلکہ ان کا وعدہ قیامت پر ہے اور قیامت نہایت کڑی اور سخت کڑوی۔'' اور طلوع فجر تک یہی آیت طیبہ دہراتے رہے اور گریہ وزاری کرتے رہے۔ (سیر اعلام النبلاء، الرقم ۹۹۴، ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت، ج ۶، ص ۵۳۵۔ تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷، ماذکر من عبادۃ ابی حنیفۃ...... الخ، ج ۱۳، ص ۳۵۶-۳۵۲)

تلاوت قرآن

حضرت سیّدنا حفص بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیس سال تک ساری رات ایک رکعت میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہے۔

حضرت سیّدنا اسد بن عمرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر پڑھی۔ رات کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آہ وبکا کی اتنی شدید آواز سنائی دیتی کہ پڑوسیوں کو آپ پر ترس آ جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ جس جگہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی اس

Scanned with CamScanner

مقام پر آپ رضی اللہ عنہ نے چھ ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کیا۔ حضرت سیّدنا ابن ابی زائد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز عشاء ادا کی۔ نماز کے بعد لوگ چلے گئے اور میں مسجد میں ہی ٹھہر گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ دریافت کروں گا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو مسجد میں میری موجودگی کا علم نہ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی اور اس آیت کریمہ پر پہنچے، "فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ o" (پ۲۷، الطور: ۲۷) تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچالیا۔" تو طلوع فجر تک اسے دہراتے رہے۔ منقول ہے کہ ایک رات آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کسی قاری قرآن کو یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے سنا، "اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا o" (پ۳۰، الزلزال: ۱) جب زمین تھرتھرا دی جائے جیسا اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے۔" تو شدت خوف سے فجر تک اپنی داڑھی مبارک ہاتھ میں پکڑے یہی کہتے رہے: "ہمیں ذرہ بھر گناہ کی بھی سزا دی جائے گی۔" (تاریخ بغداد، ص ۳۵۲ تا ۳۵۵، بتغیر قلیل)

وصال باکمال

احمد بن کامل اور عبدالباقی بن قانع رحمۃ اللہ علیہما کا بیان ہے کہ حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا وصال باکمال رجب المرجب یا شعبان المعظم کے مہینے 150ھ بغداد میں ہوا، اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک ستر (70) برس تھی۔ (تاریخ بغداد، الرقم ۷۲۹۷، النعمان بن ثابت ابوحنیفۃ التیمی، ذکر ما قالہ العلماء...... الخ، ج ۱۳، ص ۴۲۴)

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا جس کے اثر سے آپ رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ قاضی القضاۃ حضرت سیّدنا حسن بن عمارہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑی جماعت کے ساتھ پڑھائی۔ (مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد المکی، الباب الثامن والعشرون، سبب آخر فی وفاۃ الامام رضی اللہ عنہ، ج ۲، ص ۱۸۳)

حضرت سیّدنا جعفر بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا: "مَا فَعَلَ اللّٰهُ بِكَ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟" جواب دیا: "مجھے بخش دیا گیا۔" (مناقب الامام الاعظم للموفق بن

احمد المکی، الباب الثامن والعشرون، ج ۲، ص ۱۸۶)

حضرت سیّدنا عبدالحمید بن عبدالرحمٰن جمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو یوں دیکھا کہ ایک ستارہ آسمان سے گر پڑا ہے، اور کہا گیا: یہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر دوسرا ستارہ گرا تو کہا گیا: یہ حضرت سیّدنا مسعر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ پھر تیسرا ستارہ گرا تو کہا گیا: یہ حضرت سیّدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ چنانچہ، تینوں میں سب سے پہلے حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، پھر حضرت سیّدنا مسعر رحمۃ اللہ علیہ کا اور آخر میں حضرت سیّدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہوا۔

حضرت سیّدنا صدقہ رحمۃ اللہ علیہ مستجاب الدعوات بزرگ تھے، فرماتے ہیں: جب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو خیزران کے قبرستان میں دفن کیا گیا تو میں نے تین رات مسلسل یہ آواز سنی:

ذَهَبَ الْفِقْهُ فَلَا فِقْهَ لَكُمْ — فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا خَلَفًا
مَاتَ النُّعْمَانُ فَمَنْ هٰذَا الَّذِیْ — بَعْدُ يُحْيِیْ لَيْلَهُ اِنْ سَجَفَا

ترجمہ: (۱)...... فقیہ چلا گیا، اب تمہارے پاس ایسا فقیہ کوئی نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بہترین جانشین بنو۔

(۲)...... امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو اب کون ہے جو ان کے بعد تاریک راتوں میں بیدار رہے۔ (الروض)

Scanned with CamScanner

(۱۰۷)

آسمانی دستر خوان اور قرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے یہ عرض کیا: اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب یہ کرسکتا ہے کہ وہ آسمان سے ہمارے پاس ایک دستر خوان اتار دے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس طرح کی نشانیاں طلب کرنے سے اگر تم لوگ مومن ہو تو خدا سے ڈرو۔ یہ سن کر حواریوں نے کہا: ہم نشانی طلب کرنے کے لئے یہ سوال نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم شکم سیر ہو کر خوب کھائیں اور ہم کو اچھی طرح آپ کی صداقت کا علم ہو جائے تا کہ ہمارے دلوں کو قرار آ جائے اور ہم اس بات کے گواہ بن جائیں تا کہ بنی اسرائیل کو ہماری شہادت سے یقین اور اطمینان کلی حاصل ہو جائے اور مومنین کا یقین اور بڑھ جائے اور کفار ایمان لائیں!

حواریوں کی اس درخواست پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں اس طرح دعا مانگی:

> اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتار دے کہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید کا دن ہو گا اور تیری قدرت اور میری نبوت پر تیری ایک نشانی بھی ہو گی اور تو ہم کو روزی دے اور تو بہترین روزی دینے والا ہے۔ (قرآن مجید)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں دستر خوان تو اتار دوں گا لیکن اس

کے بعد بنی اسرائیل میں سے جو کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہان والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چند فرشتے ایک دستر خوان لے کر آسمان سے اترے جس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں۔ (جلالین شریفین ۱۰۹) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرشتے دستر خوان میں روٹی اور گوشت لے کر آسمان سے زمین پر نازل ہوئے اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ تلی ہوئی ایک بہت بڑی مچھلی تھی جس میں کانٹا نہیں تھا اور اس میں سے روغن ٹپک رہا تھا اور اس کے سر کے پاس نمک اور دم کے پاس سرکہ تھا اور اس کے ارد گرد قسم قسم کی سبزیاں تھیں اور پانچ روٹیاں تھیں ایک روٹی کے اوپر روغن زیتون، دوسری پر شہد، تیسری پر گھی، چوتھی پر پنیر، پانچویں پر گوشت کی بوٹیاں تھیں۔ دستر خوان کے ان سامانوں کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری شمعون نے کہا جو تمام حواریوں کا سردار تھا کہ اے روح اللہ! یہ دستر خوان دنیا کے کھانوں میں سے ہے یا آخرت کے تو آپ نے فرمایا: یہ نہ تو دنیا کے کھانوں میں سے ہے نہ آخرت کے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے تمہارے لئے اس کھانے کو ابھی ابھی ایجاد فرما کر بھیجا ہے۔ (جمل ج ۱ ص ۵۴۳)

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ خوب شکم سیر ہو کر کھاؤ اور خبردار اس میں کسی قسم کی خیانت نہ کرنا اور کل کے لئے ذخیرہ بنا کر نہ رکھنا مگر بنی اسرائیل نے اس میں خیانت بھی کر ڈالی اور کل کے لئے ذخیرہ بنا کر بھی رکھ لیا۔ اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر عذاب آیا کہ یہ لوگ رات کو سوئے تو اچھے خاصے تھے مگر صبح کو اٹھے تو مسخ ہو کر کچھ خنزیر اور کچھ بندر بن گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی موت کے لئے دعا مانگی تو تیسرے دن یہ لوگ مر کر دنیا سے نیست و نابود ہو گئے اور کسی کو یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ ان کی لاشوں کو زمین نگل گئی یا اللہ نے ان کو کیا کر دیا۔

(جمل ج ۲ ص ۵۴۵ بحوالہ قرطبی)

اس قرآنی واقعہ سے درسِ ہدایت

اللہ تعالیٰ نے اس عجیب اور عظیم الشان واقعہ کا تذکرہ قرآن مجید کی سورہ مائدہ میں فرمایا

ہے اور اسی واقعہ کی وجہ سے اس سورہ کا نام ''مائدہ'' رکھا گیا۔ ''مائدہ'' دسترخوان کو کہتے ہیں۔

قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْکَ ج وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَo قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُھَا عَلَیْکُمْ ج فَمَنْ یَّکْفُرْ بَعْدُ مِنْکُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَo (مائدہ رکوع ۱۵)

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان اتار دے کہ وہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو اور تو ہم کو روزی دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کو تم پر اتارتا ہوں لیکن پھر جواب تم میں سے کوئی کفر کرے گا تو بیشک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا۔

واقعہ مذکورہ سے بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ملتی ہیں۔ جن میں سے یہ دو سبق تو بہت ہی واضح ہیں۔

(۱) حضرت انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور نافرمانی کتنا خوفناک جرم عظیم ہے۔ دیکھ لو! بنی اسرائیل نے جب اپنے نبی کی مخالفت و نافرمانی کرتے ہوئے آسمانی دسترخوان میں خیانت کی اور کل کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھ لیا تو عذاب الٰہی نے ان کو خنزیر و بندر بنا کر دنیا سے اس طرح نیست و نابود کر دیا کہ ان کی قبروں کا نشان بھی باقی نہ رہ گیا۔

جو لوگ اللہ و رسول کی امانتوں میں خیانت کرتے ہیں۔ انہیں اس ہولناک عذاب سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور توبہ کر لینا چاہئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم!)

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا میں یہ جملہ کہ جس دن دسترخوان نازل ہوگا وہ دن ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید کا دن ہوگا' اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس دن قدرت خداوندی کا کوئی خاص نشان ظاہر ہو، اس دن خوشی منانا اور مسرت و شادمانی کا اظہار کرکے عید منانا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس سنت ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات اور اس کا دن یقیناً خداوند قدوس کے

ایک نشان اعظم کے ظہور کی رات اور دن ہے۔ لہٰذا میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی منانا اور اس تاریخ کو عید میلاد کہنا یقیناً قرآن مجید کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ خوشی منانا، گھروں اور محفلوں کی آرائش کرنا، اچھے اچھے پکوان پکا کر خود بھی کھانا اور دوسروں کو کھلانا یہی سب عید کی نشانیاں اور عید منانے کے طریقے ہیں جن پر بارہویں شریف کو اہلسنّت و جماعت عمل کر کے عید میلاد کی خوشی مناتے ہیں اور جو لوگ اس سے چڑتے ہیں اور اس تاریخ کو اپنے گھر اندھیرا رکھتے ہیں۔ جھاڑو بھی نہیں لگاتے اور میلے کچیلے کپڑے پہن کر منہ لٹکائے پھرتے ہیں اور عید میلاد کی خوشی منانے والوں کو بدعتی کہہ کر پھبتیاں کستے ہیں' انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے اور اہلسنّت کو چاہئے کہ خوب خوب خوشی منائیں اور کثرت سے میلاد شریف کی مجلس منعقد کریں اور خوب جھوم جھوم کر صلوٰۃ و سلام پڑھیں۔

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
رات دن ذکر ولادت کیجئے

(عجائب وغرائب القرآن)

(۱۰۸)

میدان جنگ میں علم کی طلب

(یہ وہ مقام ہے جہاں کسی نے حدیث نہیں سنی)

یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقولہ ہے۔ وہ علم کے محب بھی تھے اور طالب بھی۔ وہ حالت جنگ میں صفوں کے درمیان چکر لگاتے ہوئے بھی علماء سے حدیث شریف سنا کرتے تھے اور مذکورہ بالا مقولہ دہرایا کرتے تھے۔ وہ اس پر فخر کیا کرتے تھے اور اپنی اولاد کو علم کے طلب کرنے اور حدیث شریف کے یاد کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ علماء سے دین کا فہم حاصل کرنے اور ان کے اخلاق کی اقتدا کرنے کے لئے ان کی مجلسوں میں حاضر بھی ہوا کرتے تھے۔ یہ حال تھا صاحب حطین، عیسائیوں کے حملوں کا منہ توڑ جواب دینے والے سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کا رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ حدیث سننے کے لئے عظیم عالم، محدث کبیر ابو طاہر سلفی رحمہ اللہ تعالیٰ (شیخ الاسلام عماد الدین حافظ احمد بن محمد بن سِلَفہ (سین کے نیچے زیر اور لام پر زبر) اصبہانی جرواءانی ۴۷۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۷۶ھ میں وفات پائی۔ (دیکھئے: طبقات الحفاظ للذہبی ج ۴ ص ۱۲۹۸...... اور الاعلام للزرکلی) کی خدمت (اسکندریہ) حاضر ہوئے۔ اپنے بیٹوں کے ہمراہ ان کے سامنے بیٹھے' تا کہ بادشاہوں اور عوام کو علم اور علماء کی تعظیم اور ان سے فیض حاصل کرنے کا ادب سکھائیں۔

اس عظیم بادشاہ نے اسکندریہ کے عالم اور جلیل القدر محدث ابو طاہر سلفی سے صرف علم حاصل نہیں کیا بلکہ ان سے اجازت بھی طلب کی، نامور محدث نے انہیں اجازت عطا فرمائی۔ سلطان دوسرے بادشاہوں اور امراء پر فخر کرتے تھے کہ میں نے علماء کی خدمت کی اور ان سے علم حاصل کیا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے راویوں سے استفادہ کیا ہے۔

(وفیات الاعیان۔ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

ماضی کے عظیم سلاطین، حکمرانوں اور بادشاہوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ علماء کے دروازوں پر حاضر ہوتے تھے اور ان کے سامنے شاگردوں کی صف میں بیٹھتے تھے' تاکہ اپنے آپ کو علم کے طلباء اور رسول اعظم ﷺ کی حدیث کے روایت کرنے والوں کے گروہ میں شامل کرسکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب حکمران اور بادشاہ دین دار عالم ہو اور اہل علم کے پاس آمد و رفت رکھتا ہو تو عوام اس سے انتہائی محبت رکھیں گے اور اس کی بہت فرمانبرداری کریں گے اور جب وہ علم اور اہل علم سے دور ہو تو رعایا کے دل اور ان کی روحیں اس سے دور ہوں گی۔ وہ عوام کی اطاعت اور فرماں برداری سے محروم کر دیا جائے گا' کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے ہر شے اس کی اطاعت کرتی ہے۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

Scanned with CamScanner

(۱۰۹)

فیصلہ وہ جو ضمیر بھی قبول کرے

عبداللہ بن مالک کا بیان ہے کہ میں خلیفہ مہدی کے زمانے میں کوتوال (پولیس کا چیف) تھا۔ خلیفہ بسا اوقات اپنے صاحبزادے ہادی کے ہم نشینوں کو میرے پاس بھیجتا اور مجھے حکم دیتا کہ میں ان کو زدوکوب کروں اور انہیں قید خانے میں ڈال دوں۔ خلیفہ مہدی کا مقصد تھا کہ وہ اپنے بیٹے ہادی کو اس کے ہم نشینوں سے محفوظ رکھے۔

اس دوران میں ہادی بھی میرے پاس اپنا کارندہ بھیجتا کہ میں اس کے ہم نشینوں کے ساتھ اچھا سلوک کروں اور ان کی سزا میں تخفیف کروں مگر میں اس کی بات نہیں مانتا تھا اور جو خلیفہ مہدی حکم دیتا کر گزرتا۔

خلیفہ مہدی کے بعد جب اس کا بیٹا ہادی خلافت کی باگ ڈور سنبھال چکا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب میری خیر نہیں، یہ ضرور میری خبر لے گا، چنانچہ اس نے ایک دن مجھے بلا بھیجا۔ میں نے کفن پہنا اور مردوں والی خوشبو لگا کر خلیفہ ہادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے سامنے چمڑے کا فرش (جس پر مجرم کو قتل کیا جاتا ہے) بچھا ہوا تھا اور تلوار بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے جب اسے سلام کیا تو وہ کہنے لگا: اللہ تعالیٰ تیرے اوپر سلامتی نہ کرے۔ تجھے یاد ہے کہ فلاں آدمی کو امیر المؤمنین نے تیرے پاس بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ اسے خوب مارو، مگر میں نے جب اس کی سفارش کی تو تو نے قبول نہیں کی تھی اور میری بات ردی کی ٹوکری میں ڈال دی تھی۔ اسی طرح خلیفہ نے اپنے کئی ہم نشینوں کے نام

گنوائے۔

میں نے عرض کی: امیر المؤمنین! آپ کا کہنا بالکل درست ہے مگر کیا آپ مجھے لب کشائی کا موقع دیں گے؟

خلیفہ نے کہا: ہاں کہو، کیا کہنا چاہتے ہو۔

میں گویا ہوا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ٹھیک ٹھیک بتائیں کہ آپ نے مجھے ایک ذمہ داری سونپی جو آپ کے والد نے بھی مجھے سونپی تھی، پھر آپ مجھے کوئی حکم دیں مگر آپ کا بیٹا بھی مجھے کوئی ایسا حکم کرے جو آپ کے حکم کے مخالف ہو، پھر اگر میں آپ کے بیٹے کا حکم بجالاؤں اور آپ کا حکم نہ مانوں تو کیا آپ کو اس سے خوشی ہوگی؟

خلیفہ نے کہا: نہیں نہیں۔

میں نے عرض کیا:

(فَكَذٰلِكَ اَنَا لَكَ وَكَذٰلِكَ كُنْتُ لِاَبِيْكَ)

''پھر میں اسی طرح آپ کے لیے بھی وفادار کوتوال ہوں جس طرح آپ کے والد کا وفادار کوتوال تھا۔''

میری بات سنتے ہی خلیفہ ہادی کا غصہ کافور ہو گیا اور اس نے مجھے اپنے قریب کر لیا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ پھر اس نے مجھے شاہی جوڑے عنایت کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد میں اپنے گھر کو روانہ ہو گیا۔ گھر پہنچ کر میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ عین ممکن ہے خلیفہ کے وزرا، ہم نشین اور منشی لوگ میرے خلاف اسے ورغلائیں اور خلیفہ کو باور کرائیں کہ وہ مجھے معاف نہ کرے بلکہ گزشتہ خلاف ورزی پر مجھے عبرتناک سزا دے یا قتل کر دے۔

ابھی میں گھر میں بیٹھا تھا، سامنے گرم گرم روٹی سالن رکھا ہوا تھا اور بچوں کو کھلا رہا تھا کہ اچانک دروازے کے باہر سے شور و غل کی آواز آنے لگی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ زلزلہ آ گیا ہے کیونکہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز انتہائی ہنگامہ خیز تھی۔ میں کہنے لگا: اللہ کی قسم! موت کا فرشتہ آ گیا۔ اتنے میں زور سے دروازہ کھلا اور خلیفہ ہادی کے حشم و خدم میرے گھر میں تیزی

Scanned with CamScanner

کے ساتھ داخل ہو گئے۔ ان کے درمیان خلیفہ بھی تھا۔ میں دیکھتے ہی فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور خلیفہ کا ہاتھ چوم لیا۔ وہ کہنے لگا: اے اللہ کے بندے! میں تمہاری واپسی کے بعد تمہارے معاملے میں غور وفکر کرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ جب میں اپنی مجلس میں بیٹھوں گا اور وہاں تمہارے مخالفین میرے کان بھرنے لگیں گے تو میرا تمہارے بارے میں جو حسن ظن ہے سوئے ظن میں تبدیل ہو جائے گا اور جب میں بدظن ہو جاؤں گا تو تم خوف و وحشت میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمہارا چین وسکون ختم ہو جائے گا۔ اسی لیے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ میں خود ہی تمہارے پاس پہنچ کر تمہاری موانست کروں اور تمہیں بتا دوں کہ میرے دل میں تمہارے خلاف کوئی بات اب باقی نہیں رہ گئی۔ لاؤ مجھے بھی اپنے کھانے سے کھلاؤ۔

عبداللہ بن مالک کا بیان ہے: چنانچہ جو کچھ سالن تھا، میں نے خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔ خلیفہ نے مزے سے ہمارا کھانا تناول فرمایا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جو کچھ عبداللہ کے لیے لائے ہو حاضر کرو۔ سپاہیوں نے خچروں پر لدے بہت سارے سامان اور دراہم کو میرے گھر میں اتارا۔ خلیفہ کہنے لگا: یہ سامان زیست اور دراہم رکھو اور ساتھ ان سارے خچروں کو بھی رکھ لو۔ علاوہ ازیں میرے والد نے جس عہدے پر تمہیں فائز کیا تھا میں بھی اس پر تمہیں برقرار رکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر خلیفہ واپس ہو گیا اور اس کے بعد میرا شمار خلیفہ کے قریبی لوگوں میں ہونے لگا۔

(قصص العرب: 76/3، 77، العقد الفرید: 124، عصر المأمون: 107/1)

(۱۱۰)

تذکرۂ ادریس بن ابی خولہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّدنا سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ایک ولی شدید بیمار ہو گئے۔ جب لوگوں نے دیکھا تو اکثر کہنے لگے: ان کو تو جنون ہو گیا ہے۔ جب یہ بات لوگوں میں عام ہو گئی تو کچھ لوگوں نے عرض کی: ''ہم آپ کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔'' تو انہوں نے فرمایا: ''اے لوگو! جان لو! میرے پاس ایسا طبیب ہے کہ اگر میں اسے علاج کے لئے عرض کروں تو وہ میرا علاج کر دے لیکن میں اس سے درخواست نہیں کروں گا۔'' ان سے دریافت کیا گیا: ''آپ علاج کیوں نہیں کراتے حالانکہ آپ کو دوا کی شدید حاجت ہے؟'' انہوں نے ارشاد فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اس بیماری سے شفا پا گیا تو کہیں سرکشی میں نہ پڑ جاؤں۔'' لوگوں نے عرض کی: ''ہمارے ہاں ایک پاگل رہتا ہے، آپ اپنے اس طبیب سے پوچھیں کہ کیا وہ اس کا علاج کر سکتا ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے نے جواب دیا: ''ہاں! وہ کر سکتا ہے۔ تم اس مجنون کو لے آؤ۔'' لوگ اس کو لے آئے، اس کی گردن میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور بہت بھاری زنجیروں سے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ اس کی بیماری شدید تھی۔ اس اللہ تعالیٰ کے ولی نے لوگوں سے فرمایا: ''مجھے اور اسے تنہا چھوڑ دو۔'' چنانچہ، ان جاہل لوگوں نے مجنون کے ہاتھوں کو کھول دیا اور اس گھر میں اکیلا داخل کر دیا جس میں اللہ تعالیٰ کے ولی رہتے تھے۔ پھر دروازہ بند کر دیا اور گمان کرنے لگے کہ یہ پاگل ان کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ حرکت کرے گا۔ تھوڑی دیر بعد جب لوگوں نے

Scanned with CamScanner

آواز دی تو مجنون نے ان کو جواب دیا اور باہر نکل کر سلام کیا اور ایک سمجھ دار آدمی کی طرح گفتگو کی اس حال میں کہ وہ شدید رو رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا: ''بتاؤ، کیا معاملہ ہوا؟'' وہ کہنے لگا: ''میں اس شخص کے پاس گیا اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں پاگل تھا۔ اس نے مجھے اپنے بالکل قریب کیا اور ایک ہاتھ میرے سینے پر پھیرا اور دوسرا میرے سر پر پھیرا۔ پھر میں نے عافیت محسوس کی اور میرا جنون ختم ہو گیا۔ لوگوں نے کہا: ''چلو، ہمیں اس کے پاس لے چلو تاکہ ہم اس سے دعا کی درخواست کریں۔'' جب وہ لوگوں کو لے کر اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ بزرگ وہاں موجود ہی نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کی نظروں سے چھپا لیا تھا۔

حضرت سیّدنا سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ بزرگ بیت المقدس سے تشریف لائے تھے اور ان کا نام ادریس بن ابی خولہ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ (صفة الصفوة : ذكر المصطفين، من عباد بيت المقدس، الرقم ۷۷۲، ادريس بن ابی خولة الانطاكی، ج ۴، ص ۲۰۶)

(۱۱۱)

سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا اعلانِ توحید

مفسرین کا بیان ہے کہ ''نمرود بن کنعان'' بڑا جابر بادشاہ تھا سب سے پہلے اسی نے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ اس سے پہلے کسی بادشاہ نے تاج نہیں پہنا تھا۔ یہ لوگوں سے زبردستی اپنی پرستش کراتا تھا کاہن اور نجومی اس کے دربار میں بکثرت اس کے مقرب تھے۔ نمرود نے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ایک ستارہ نکلا اور اس کی روشنی میں چاند، سورج وغیرہ سارے ستارے بے نور ہو کر رہ گئے۔ کاہنوں اور نجومیوں نے اس خواب کی تعبیر دی کہ ایک فرزند ایسا پیدا ہو گا جو تیری بادشاہی کے زوال کا باعث ہو گا۔ یہ سن کر نمرود بے حد پریشان ہو گیا اور اس نے یہ حکم دے دیا کہ میرے شہر میں جو بچہ پیدا ہو وہ قتل کر دیا جائے اور مرد عورتوں سے جدا رہیں چنانچہ ہزاروں بچے قتل کر دیئے گئے مگر تقدیرات الٰہیہ کو کون ٹال سکتا ہے؟ اسی دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہو گئے اور بادشاہ کے خوف سے ان کی والدہ نے شہر سے دور پہاڑ کی ایک غار میں ان کو چھپا دیا۔ اسی غار میں چھپ کر ان کی والدہ روزانہ دودھ پلا دیا کرتی تھیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات برس کی عمر تک اور بعضوں نے تحریر فرمایا: سترہ برس تک آپ اسی غار میں پرورش پاتے رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

اس زمانے میں عام طور پر لوگ ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ نے زہرہ یا مشتری ستارہ کو دیکھا تو قوم کو توحید کی دعوت دینے کے لئے آپ نے نہایت ہی نفیس اور دل نشین انداز میں لوگوں کے سامنے اس طرح تقریر فرمائی کہ اے لوگو! کیا یہ ستارہ میرا

رب ہے؟ پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا: ڈوب جانے والوں سے میں محبت نہیں رکھتا۔ پھر اس کے بعد جب چمکتا چاند نکلا تو آپ نے فرمایا: کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو میں بھی انہی گمراہوں میں سے ہوتا، پھر جب چمکتے دمکتے سورج کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: ارے یہ تو ان سب سے بڑا ہے کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم لوگ خدا کا شریک ٹھہراتے ہو اور میں نے اپنی ہستی کو اس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے۔ بس میں صرف اسی ایک ذات کا عابد اور پجاری بن گیا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں پھر ان کی قوم ان سے جھگڑا کرنے لگی تو آپ نے فرمایا: تم لوگ مجھ سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ اس خدا نے تو مجھے ہدایت دے دی ہے اور میں تمہارے جھوٹے معبودوں سے بالکل نہیں ڈرتا۔ سن لو! بغیر میرے رب کے حکم کے تم لوگ اور تمہارے دیوتا میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ میرا رب ہر چیز کو جانتا ہے کیا تم لوگ میری نصیحت کو نہیں مانو گے؟ اس واقعہ کو مختصر مگر بہت جامع الفاظ میں قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (انعام رکوع ۹)

پھر جب ان (ابراہیم) پر رات کا اندھیرا ہوا ایک تارا دیکھا فرمایا: تم لوگ اس کو میرا رب ٹھہراتے ہو؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے پھر جب چاند چمکتا دیکھا تو فرمایا تم لوگ اس کو میرا

رب ٹھہراتے ہو؟ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے کہا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں بھی گمراہوں میں ہوتا۔ پھر جب جگمگاتا سورج دیکھا تو فرمایا: اس کو تم میرا رب کہتے ہو؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے کہا: اے میری قوم! میں ان سب چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں اسی ایک کا ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

غور کیجئے! کتنا دلکش طرز بیان اور کس قدر مؤثر طریقہ استدلال ہے؟ نہ کوئی سخت کلامی ہے نہ کسی کی دل آزاری نہ کسی کے جذبات کو ٹھیس لگا کر اس کو غصہ دلانا ہے۔ بس اپنے مقصد کو نہایت ہی حسین پیرایہ اور خوبصورت انداز میں منکرین کے سامنے دلیل کے ساتھ پیش کر دینا ہے۔ ہمارے سخت گو اور تلخ زبان مقررین کے لئے اس میں ہدایت کا بہترین درس ہے۔ مولیٰ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(عجائب وغرائب القرآن)

(۱۱۲)

حصول علم میں مشکلات

ابوالحسن علی بن ابراہیم رازی خطیب نے الجرح والتعدیل اور علوم الحدیث کے مصنف عبدالرحمٰن بن محمد رازی کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا:

عبدالرحمٰن علماء اور مشائخ سے علم حاصل کرنے کے لئے شام، مصر، اسکندریہ اور بغداد گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ہمارے سات ماہ اس طرح گزرے کہ ہم نے شوربے کی ایک بوند بھی نہیں چکھی۔ دن کے وقت علماء اور اساتذہ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ رات کے وقت کتابیں نقل کرتے اور ان کا اصل کے ساتھ مقابلہ کرتے۔ ایک دن میں اور میرا ساتھی ایک بزرگ کے پاس حاضر ہوئے۔ ہمیں بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں۔ ہمیں ان کے گھر کے پہلو میں مچھلی فروش کے پاس ایک مچھلی دکھائی دی جو ہمیں بہت پسند آئی۔ ہم نے وہ مچھلی خرید لی۔ جب گھر پہنچے اور اسے بھوننے کا اراہ کیا تو ایک استاذ ہماری مجلس میں تشریف لے آئے۔ ہم نے مچھلی اسی طرح چھوڑ دی اور استاذ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تین دن اسی طرح گزر گئے۔ ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں مچھلی خراب نہ ہو جائے۔ ہم چونکہ علم حاصل کرنے میں مصروف تھے اور قیمت اوقات کو علم ہی کے لئے صرف کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ہمیں اسے بھوننے کا موقع نہ مل سکا چنانچہ ہم نے کچی ہی کھالی۔

اس جگہ شیخ محدث عبدالرحمٰن رازی نے تاریخی جملہ کہا، جسے تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا۔ انہوں نے فرمایا:

''جسمانی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔''

طالب علم پر واجب ہے کہ اپنا وقت علم حاصل کرنے میں صرف کرے، اگرچہ اسے استراحت کا وقت کم ملے کیونکہ وہ شخص علم حاصل نہیں کر سکتا جس کا مقصد زندگی کھانا، پینا اور لباس ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو فرمایا ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ○ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۴)

اور اے حبیب! آپ دعا مانگیں کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

(الجرح والتعدیل۔ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

ہم نے اپنے اساتذہ اور ان کے اساتذہ کے بارے میں پڑھا ہے کہ انہوں نے انتہائی کسمپرسی اور محنت و مشقت کے ساتھ علم حاصل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کے امام بنے، مولانا فضل امام خیر آبادی علیہ الرحمۃ نے اپنے بیٹے علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کو نصیحت کرتے ہوئے بتایا تھا:

درازیٔ شب از مژگان من پرس
کہ یک دم خواب در چشم نگشت است

رات کی لمبائی میری پلکوں سے پوچھو کہ ایک لمحے کے لئے نیند میری آنکھوں میں نہیں آئی۔

ماضی کے مقابلے میں آج سہولتیں زیادہ ہیں، لیکن علم اسی تناسب سے کم ہو گیا ہے۔

(ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۱۱۳)

آخری وقت میں معافی!

طائف سے آپ جنوب کی طرف سفر کرتے جائیں تو ایک پہاڑی سلسلہ ہے جہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ اماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اسی علاقے کی رہنے والی تھیں۔ ذرا نیچے چلے جائیں تو ابہا اور خمیس مشیط کا علاقہ ہے جو گرمیوں میں اپنے معتدل بلکہ قدرے سرد موسم کی وجہ سے مشہور ہے۔ پہاڑوں کے ان سلسلوں میں آج بھی آپ کو بدو بکریاں چراتے ہوئے نظر آئیں گے۔

ابو مشہود نامی ایک چرواہا اپنے ساتھ بکریوں کا ریوڑ لے کر صبح کو نکلتا۔ بارشوں کے بعد پہاڑوں پر خودرو پودے اس کی بکریوں کی خوراک بنتے، شام کو وہ چھوٹے چھوٹے جوہڑوں سے بکریوں کو پانی پلاتا ہوا اپنے گھر واپس آ جاتا۔ ایک دن شام ڈھلے اس کی بکریاں تو واپس آ گئیں، مگر ابو مشہود واپس نہیں آیا۔ رات کے اندھیرے میں اس کا بیٹا اور دوسرے رشتہ دار اس کی تلاش میں نکلے مگر ناکام واپس آئے۔ اگلے دن صبح سویرے پھر گاؤں سے نوجوانوں کا ایک گروہ ابو مشہود کو تلاش کرتا ہوا پہاڑ کے دامن میں ایک چشمے کے پاس پہنچا تو وہاں اس کی لاش پڑی تھی۔ جسم پر بندوق کی گولی کا نشان تھا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ واقعات، حالات اور شواہد واضح طور پر بتا رہے تھے کہ اس کا کسی دوسرے چرواہے کے ساتھ پانی پلانے پر جھگڑا ہوا ہے۔ چرواہوں کے درمیان جھگڑے معمول کا حصہ ہیں۔

عموماً چرواہے آپس میں اس بات پر لڑ پڑتے ہیں کہ کس کی بکریاں پہلے پانی پئیں گی، مگر یہ اختلاف اور جھگڑے معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں جو اسی وقت نہ سہی اگلے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ پولیس والوں نے لواحقین سے پوچھا: ان کو کس پر شک ہے یا اس کے ساتھ کون جھگڑا کر سکتا ہے؟

گھر والوں نے بتایا کہ وہ سیدھا سادہ بے ضرر انسان تھا۔ اس کا کسی کے ساتھ کبھی جھگڑا نہیں ہوا، البتہ وہ فلاں فلاں کے ساتھ مل کر بکریاں چراتا تھا۔

معمولی تفتیش کے بعد پولیس نے علی بن عبدالرحمٰن کو گرفتار کر لیا جس نے بعد میں اعتراف جرم کر لیا۔ عدالت میں مقدمہ چلا اور واقعات، شواہد اور اعتراف جرم کی بنا پر قاضی نے فیصلہ سنایا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے۔ مقتول کا بڑا بیٹا مشہود اس وقت سترہ سال کا تھا مگر سب سے چھوٹا بیٹا اس وقت دودھ پیتا بچہ تھا۔ قاضی نے فیصلے میں لکھا کہ جب تک یہ بچہ بالغ نہ ہو جائے، اس وقت تک حکم کی تنفیذ نہ کی جائے۔ چنانچہ قاتل کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس وقت قاتل کی عمر 42 سال کی تھی۔ اس کو جیل میں 18 سال تک اپنی پھانسی کا انتظار کرنا پڑا کیونکہ جب تک سب سے چھوٹا بیٹا 18 سال کا نہیں ہو جاتا، اس وقت تک فیصلے کی تنفیذ ناممکن تھی۔ اس کو اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا قاتل کو معاف کر دیا جائے یا اس سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔

علی بن عبدالرحمٰن نے یہ سارا وقت دو احتمالات کی کشمکش میں گزارا کہ آیا اس کو لواحقین معاف کرتے ہیں یا اسے قتل کی سزا ملے گی۔

ابو مشہود کا چھوٹا بیٹا جو اب یتیم ہو چکا تھا، اس کا نام نجانے کیوں یتیم رکھا گیا تھا۔ پھر ایک دن آیا جب یتیم کی عمر 18 سال ہو چکی تھی اور اب اسے اپنے بھائیوں کے ساتھ فیصلہ کرنا تھا کہ باپ کے قاتل کو معاف کرنا ہے یا بدلہ لینا ہے۔ ادھر دستور کے مطابق قبائل کے سرکردہ افراد جمع ہوئے۔ انہوں نے ورثاء سے کہا خون بہا لے لیں اور قاتل کو معاف کر دیں۔ عموماً سعودی عرب میں خون بہا کی قیمت کم و بیش ایک لاکھ بیس ہزار ریال ہے مگر یہ ورثاء پر ہے کہ وہ اس رقم کو قبول کر لیں یا زیادہ کا مطالبہ کریں۔ ادھر ورثاء نے انکار کر دیا کہ

وہ خون بہا قبول نہیں کریں گے۔ رقم کی بولی لگتی گئی اور علی بن عبدالرحمٰن کے قبیلے نے دس لاکھ سعودی ریال تک دینے کا اعلان کر دیا۔

علی بن عبدالرحمٰن اپنے جیل کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب میں جیل میں گیا تو میری عمر 42 سال کی تھی۔ میں اس وقت جوان تھا اور اب میری عمر 60 سال کی ہو چکی تھی۔ جیل گزارنا بھی ایک عذاب ہوتا ہے۔ میں 8 سال تک بلجرشی نامی قصبے کی جیل میں رہا اور باقی مدت الباحہ کی جیل میں گزاری۔ جیل میں کوئی نیا قیدی آتا تو اپنے واقعات اور حالات بیان کرتا۔ ایسے قصے اور واقعات ہم ہزاروں مرتبہ ایک دوسرے کو سنا چکے ہوتے۔ اس دوران میں نے جیل میں حلقہ تحفیظ القرآن الکریم کے ذریعے سے قرآن پاک پڑھنا سیکھا۔ لکھنا پڑھنا آیا تو کچھ کتابیں بھی پڑھنے لگا اور ایک طویل انتظار کے بعد وہ وقت آ گیا جب میری قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ ادھر میرے قبیلے کے لوگ مسلسل معافی کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے مگر اس کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آتی تھی، میں امید و یاس کی کیفیت میں تھا۔

ایک دن صبح سویرے جیل کے حکام نے مجھے بلایا اور کہا: صلح کی ساری کوششیں ناکام ہو گئی ہیں، لہٰذا کل تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ مجھے ان کے احکامات سن کر ذرا بھی خوف محسوس نہ ہوا۔ دراصل 18 سال جیل میں رہنے کے بعد سارے خوف ختم ہو چکے تھے۔ میں زندگی سے ویسے ہی مایوس اور ناامید ہو چکا تھا۔ کل کا دن میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں سوچ رہا تھا۔ اپنا بچپن، اپنی جوانی، اپنی بیوی بچے، رشتہ دار، احباب، دوست، خاندان اور قبیلے کے افراد یاد آئے جنہوں نے اب دیت کے دس لاکھ ریال کے علاوہ اس میں ایک قطعہ زمین بھی شامل کر دیا تھا۔ میں نے جتنا قرآن یاد تھا، پڑھ ڈالا۔ وہ رات میری زندگی کی عجیب و غریب رات تھی۔ ساری رات نیند نہ آئی۔ میں نے ذکر اذکار اور نوافل میں وقت گزار دیا۔ صبح سویرے ہی جیلر آ گیا۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، ساتھیوں نے اشک بار آنکھوں سے الوداع کیا۔ میں نے بڑی حسرت کے ساتھ ان دیواروں پر آخری نظر ڈالی اور پولیس کی کڑی نگرانی میں چل پڑا۔ جیل کی گاڑی کا دروازہ کھلا اور مجھے اندر دھکیل دیا

گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میدان قصاص میں اتارا گیا۔ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی، مگر لوگوں کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔ یہ خمیس مشیط کا مرکزی چوک تھا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد میرے قتل کا منظر دیکھنے کے لیے جمع تھی۔ میرے رشتہ دار، عزیز و اقارب ایک دن پہلے ہی مجھ سے الوداعی ملاقات کر چکے تھے۔ مجھے بٹھا کر عدالتی اہلکار نے میرے جرم کا اعلان کیا۔ میرا اعتراف جرم اور قاضی کا فیصلہ، سپریم کورٹ کا فیصلہ۔ سب لوگ دم بخود سن رہے تھے۔ پھر جلاد کو حکم دیا گیا کہ مجرم کا سر قلم کر دیا جائے۔ وہ آگے بڑھا، اس نے تلوار اپنی میان سے نکالی۔ میں نے کلمہ پڑھتے ہوئے سوچا ابھی تلوار میری گردن کو الگ کر دے گی۔ میں نے اپنی ساری قوتوں کو جمع کیا کہ اچانک ایک آواز گونجی:

(غَفَرْتُ لَكَ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالٰى)

''جاؤ میں نے تمہیں اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دیا۔''

یہ مقتول کے بڑے بیٹے کی آواز تھی۔ لوگ جو تصور میں میری لاش دیکھ رہے تھے، اب معافی کا اعلان سن رہے تھے۔ سارا چوک اللہ اکبر کی آواز سے گونج اٹھا۔ لا الٰہ الا اللہ ہر شخص کی زبان پر تھا۔ مجھ سمیت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے معافی مل سکتی ہے۔ میں بے ہوش ہو چکا تھا۔ مجھے اٹھا کر دوبارہ گاڑی میں ڈالا گیا اور دوبارہ جیل میں لے آئے۔ ہر چند کہ لواحقین نے مجھے معاف کر دیا تھا مگر میری رہائی میں قانونی کارروائی باقی تھی۔ مجھے اور میرے رشتہ داروں کو معلوم نہ تھا کہ مجھے کس روز جیل سے رہائی ملے گی۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا کہ مجھے جیلر نے بلا کر بتایا کہ سارے قانونی تقاضے پورے ہو چکے ہیں، لہٰذا تمہیں ابھی رہا کیا جا رہا ہے۔ میری زندگی کا نیا آغاز ہو رہا تھا۔ خوشی کے اس موقع پر مجھے اتنا وقت بھی نہ ملا کہ میں اپنے رشتہ داروں کو اطلاع دے سکوں کہ میں رہا ہو چکا ہوں اور میں آ رہا ہوں۔ میں جیل سے نکلا۔ ایک ٹیکسی نظر آئی، میں نے اس کو اشارہ کیا اور لپک کر اس میں بیٹھ گیا۔ میرے ذہن میں اپنا گھر آیا، رشتہ دار یاد آئے، وہ کون سا وقت ہو گا کہ میں ان کے درمیان ہوں گا۔

مگر اچانک ہی میں نے ایک فیصلہ کیا۔ مجھے سب سے پہلے ابومشہود کے گھر جانا

Scanned with CamScanner

چاہیے تا کہ ان کا شکریہ ادا کروں، اس کے بیٹوں کا، اس کے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کا۔ میں نے اپنی یادداشت کو بحال کرنا شروع کیا۔ اٹھارہ سالوں میں ہر چیز ہی بدل چکی تھی۔ میں نے ٹیکسی والے کو گاؤں کا پتہ بتایا اور میں تھوڑی دیر کے بعد ابومشہود کے خاندان والوں سے مل رہا تھا۔

''میرے پاس آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے کلمات نہیں ہیں۔ یہ الفاظ کافی نہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ بلاشبہ اصل بدلہ تو آپ کو اللہ ہی عطا کرے گا۔'' میں ان کو گلے لگا رہا تھا، ان کے ماتھے چوم رہا تھا۔

اب مقتول کا بڑا بیٹا مشہود گویا ہوا: بیٹھو میں تمہیں اپنی کہانی سناتا ہوں۔

تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے خاندان کی طرف سے ہمیں دس لاکھ ریال کی پیش کش کی گئی اور بعد میں زمین کا قطعہ بھی پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ مجھے کتنے ہی لوگوں نے معاف کرنے کا مشورہ دیا، مگر ہم نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ ایک دن ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میری والدہ بھی اب میرے پاس ہی رہتی ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی یتیم اب جوان ہو چکا ہے۔ تمام گھر والوں نے مجھے تحریری طور پر لکھ دیا کہ میں جو بھی فیصلہ کروں انہیں منظور ہے۔ میرے پاس جو بھی سفارش لے کر آتا، میرے غصے میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ میری آنکھوں کے سامنے والد کی شکل آ جاتی جو مجھے بدلہ لینے پر ابھارتی۔ لہٰذا میں نے ہر سفارش ہر مشورہ ٹھکرا دیا۔ میرا ایک ہی جواب ہوتا کہ ہمیں رقم نہیں چاہیے، ہم بدلہ چاہتے ہیں، صرف بدلہ اور یوں میں نے سب کو انکار کر دیا۔

ایک دن پھر ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میں نے ان سے کہا: تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر ہم قاتل کو رضائے الٰہی کی خاطر معاف کر دیں اور یہ ہمارے والد کی طرف سے صدقہ ہو۔ اس دن ہم نے بہت غور و فکر کیا۔ بڑی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ہاں ہمیں لوجہ اللہ معاف کر دینا چاہیے۔ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی کو قطعاً اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔

ادھر عدالتی کارروائی جاری تھی۔ ہم سے پوچھا گیا کیا صلح کی کوئی امید یا صورت ہے؟

مگر میں نے مکمل انکار کر دیا حتیٰ کہ الباحہ کی پولیس کو حکم کی تنفیذ کا آرڈر مل گیا۔ مجھ سے آخری مرتبہ پھر پوچھا گیا کہ کیا تم معاف کرتے ہو یا قصاص لینا چاہتے ہو؟ میں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا اور قصاص لینے پر اصرار کیا، اور پولیس والوں سے کہا: میں اپنے بھائیوں اور عزیز و اقارب سمیت قصاص کے وقت حاضر ہوں گا۔

پھر جب تمہیں میدان قصاص (عدل) میں لایا گیا، تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور تم ہمیں نہیں دیکھ رہے تھے۔ عدالتی اہلکار نے جرم، تمہارا اعتراف جرم اور قاضی کا فیصلہ پڑھ کر سنایا اور پھر جلاد نے تلوار نکال لی۔ وہ تمہاری گردن مارنے جا رہا تھا کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ میں نے اللہ کے لیے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

میں کسی شخص سے کوئی تعریف یا مدح نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سارا کام اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے اگر میں اپنی مدح یا شہرت چاہتا تو جب میرے پاس سفارشیں آ رہی تھیں، مجھے دس لاکھ ریال کی پیش کش ہوئی تھی، میں اس کو قبول کر لیتا، مگر میں نے اپنے والد کی طرف سے صدقہ کیا ہے۔ اللہ اس کو قبول فرمائے۔

اور یوں قارئین، مشہود نے ایک سنہرا فیصلہ کر کے اپنے قبیلے کی تاریخ میں سنہری باب رقم کیا۔

(اس واقعہ کو سعودی عرب کے روزنامے عکاظ کے شمارہ نمبر 8439، 1410 سے لیا گیا ہے۔ محترم ابراہیم حازمی نے اپنی کتاب "الفرج بعد الشدة" کے اندر بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے اسے معمولی تصرف کے ساتھ اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے)

Scanned with CamScanner

(۱۱۴)

حضرت جنید بغدادی اور ایک کالا شخص

حضرت سیّدنا جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں ایک سال حج کے لئے حاضر ہوا اور مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفًا و تعظیمًا میں ہی رہنے لگا۔ ایک دن زمزم شریف کے کنوئیں کی طرف گیا تا کہ پانی سے سیراب ہو جاؤں لیکن وہاں پر کوئی رسی، ڈول یا مشکیزہ نہ تھا۔ میں اسی حالت میں کھڑا تھا کہ ایک سیاہ رنگ کا آدمی آیا، اس کے ہاتھ میں ڈول اور رسی تھی۔ اس نے ڈول کو رسی باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیا لیکن وہ پانی تک نہ پہنچ سکا، تو وہ ڈول، رسی اٹھا کر کہنے لگا: ''تیری عزت کی قسم! اگر تو نے مجھے پانی نہ پلایا تو میں ضرور تجھ سے ناراض ہو جاؤں گا۔'' یکا یک پانی کنوئیں کے کناروں سے بہنے لگا، اس نے وضو کیا اور خود پینے کے بعد اپنے ڈول کو بھی بھر لیا، پانی دوبارہ کنوئیں کے پیندے تک پہنچ گیا۔ جب وہ شخص روانہ ہوا تو میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا اور عرض کی: ''اے میرے دوست! تم کس پر غصے ہو رہے تھے؟'' اس نے جواب دیا: ''اے جنید! ایسی بات نہیں جیسے تم سمجھ رہے ہو، میں تو اپنے نفس پر غضب ناک ہو رہا تھا کہ (اگر مجھے پانی نہ ملتا تو) قیامت تک اسے پیاسا رکھتا لیکن جب میرے مالک عزوجل نے مجھے اپنے دعویٰ میں سچا دیکھا تو میرے لئے پانی کو جاری کر دیا۔'' اس کے بعد وہ شخص میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر کبھی نظر نہ آیا۔ (الروض الفائق)

(۱۱۵)

فرعونیوں پر لگا تار پانچ عذاب

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا، تو جادوگر سجدے میں گر کر ایمان لائے، مگر فرعون اور اس کے متبعین نے اب بھی ایمان قبول نہیں کیا بلکہ فرعون کا کفر اور اس کی سرکشی اور زیادہ بڑھ گئی اور اس نے بنی اسرائیل کے مومنین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دل آزاری اور ایذا رسانی میں بھرپور کوشش شروع کر دی اور طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ فرعون کے مظالم سے تنگ دل ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند قدوس کے دربار میں اس طرح دعا مانگی:

''اے میرے رب! فرعون زمین میں بہت ہی سرکش ہو گیا ہے اور اس کی قوم نے عہد شکنی کی ہے۔ لہٰذا تو انہیں ایسے عذابوں میں گرفتار فرما دے جو ان کے لیے سزاوار ہو اور میری قوم اور بعد والوں کے لئے عبرت ہوں'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر لگا تار پانچ عذابوں کو مسلط فرما دیا وہ پانچوں عذاب یہ ہیں!۔

(۱) ناگہاں ایک ابر آیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ پھر انتہائی زوردار بارش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ طوفان آ گیا اور فرعونیوں کے گھروں میں پانی بھر گیا اور وہ اس میں کھڑے رہ گئے اور پانی ان کی گردنوں تک آ گیا۔ ان میں سے جو بیٹھا وہ ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ نہ ہل سکتے تھے نہ کوئی کام کر سکتے۔ ان کی کھیتیاں اور باغات طوفان کے دھاروں سے برباد ہو گئے۔ ہفتہ تک مسلسل سات روز تک وہ لوگ اسی مصیبت میں مبتلا رہے اور

باوجودیکہ بنی اسرائیل کے مکانات فرعونیوں کے گھروں سے ملے ہوئے تھے' مگر بنی اسرائیل کے گھروں میں سیلاب کا پانی نہیں آیا اور وہ نہایت ہی امن و چین کے ساتھ اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ جب فرعونیوں کو اس مصیبت کے برداشت کرنے کی تاب و طاقت نہ رہی اور وہ بالکل ہی عاجز ہو گئے تو ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: آپ ہمارے لیے دعا فرمائیے کہ یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ چنانچہ آپ نے دعا مانگی' تو طوفان کی بلا ٹل گئی اور زمین میں ایسی سرسبزی و شادابی نمودار ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی بھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ کھیتیاں بہت شاندار ہوئیں اور غلوں اور پھلوں کی پیداوار بے شمار ہوئی۔ یہ دیکھ کر فرعونی کہنے لگے کہ یہ طوفان کا پانی تو ہمارے لیے بہت بڑی نعمت کا سامان تھا۔ پھر وہ اپنے عہد سے مکر گئے اور ایمان نہیں لائے۔ اور پھر سرکشی اور ظلم و عصیان کی گرم بازاری شروع کر دی!

(۲) ایک ماہ تک تو فرعونی نہایت عافیت سے رہے لیکن جب ان کا کفر و تکبر اور ظلم و ستم پھر بڑھنے لگا' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر و عذاب کو ٹڈیوں کی شکل میں بھیج دیا کہ چاروں طرف سے ٹڈیوں کے لشکر جھنڈ کے جھنڈ آ گئے جو ان کی کھیتیوں اور باغوں کو یہاں تک کہ ان کے مکانوں کی لکڑیوں تک کو کھا گئیں اور فرعونیوں کے گھروں میں یہ ٹڈیاں بھر گئیں جس سے ان کا سانس لینا مشکل ہو گیا مگر بنی اسرائیل کے مومنین کے کھیت اور باغ اور مکانات ان ٹڈیوں کی یلغار سے بالکل محفوظ رہے۔ یہ دیکھ کر فرعونیوں کو بڑی عبرت ہوئی اور آخر اس عذاب سے تنگ آ کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے عہد کیا کہ آپ اس عذاب کے رفع ہونے کے لیے دعا فرما دیں تو ہم لوگ ضرور ایمان قبول کر لیں گے اور بنی اسرائیل پر کوئی ظلم و ستم نہ کریں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے ساتویں دن یہ عذاب بھی ٹل گیا اور یہ لوگ پھر ایک ماہ تک نہایت ہی آرام و راحت میں رہے لیکن پھر عہد شکنی کی اور ایمان نہیں لائے اور پھر ان لوگوں کے کفر اور عصیان و طغیان میں اضافہ ہونے لگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کو ایذائیں دینے لگے اور کہنے لگے کہ ہماری جو کھیتیاں اور پھل بچ گئے ہیں وہ ہمارے لیے کافی ہیں۔ لہٰذا ہم اپنا دین چھوڑ کر ایمان نہیں لائیں گے!

(۳) غرض ایک ماہ کے بعد پھر ان لوگوں پر "قمل" کا عذاب مسلط ہو گیا۔ بعض مفسرین کا بیان ہے کہ قمل گھن تھا جو ان فرعونیوں کے اناجوں اور پھلوں میں لگ کر تمام غلوں اور میووں کو کھا گئے اور بعض مفسرین نے فرمایا: یہ ایک چھوٹا سا کیڑا تھا جو کھیتوں کی تیار فصلوں کو چٹ کر گیا اور ان کے کپڑوں میں گھس کر ان کے چمڑوں کو کاٹ کاٹ کر انہیں مرغ کی بسمل کی طرح تڑپانے لگا۔ یہاں تک کہ ان کے سر کے بالوں، داڑھی، مونچھوں، بھنوؤں، پلکوں کو چاٹ چاٹ کر اور چہروں کو کاٹ کاٹ کر انہیں چیچک زدہ بنا دیا۔ یہ کیڑے ان کے کھانوں، پانیوں اور برتنوں میں گھسے پڑتے۔ جس سے یہ لوگ نہ کچھ کھا سکتے تھے نہ کچھ پی سکتے تھے اور نہ ہی لمحہ بھر کے لیے سو سکتے تھے یہاں تک کہ ایک ہفتہ میں اس قہر آسمانی و بلاء ناگہانی سے بلبلا کر یہ لوگ چیخ پڑے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضور حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرنے لگے اور ایمان لانے کا عہد دینے لگے۔ چنانچہ آپ نے ان لوگوں کی بے قراری اور گریہ و زاری پر رحم کھا کر دعا کر دی اور یہ عذاب بھی رفع دفع ہو گیا لیکن فرعونیوں نے پھر اپنے عہد کو توڑ ڈالا اور پہلے سے بھی زیادہ ظلم و عدوان پر کمر بستہ ہو گئے۔ پھر ایک ماہ بعد ان لوگوں پر مینڈک کا عذاب نازل ہو گیا!

(۴) ان فرعونیوں کی بستیوں اور ان کے گھروں میں اچانک بے شمار مینڈک پیدا ہو گئے اور ان ظالموں کا یہ حال ہو گیا کہ جو آدمی جہاں بھی بیٹھتا اس کی مجلس میں ہزاروں مینڈک بھر جاتے تھے کوئی آدمی بات کرنے یا کھانے کے لیے منہ کھولتا تو اس کے منہ میں مینڈک کود کود کر گھس جاتے ہانڈیوں میں مینڈک، ان کے جسموں پر سینکڑوں مینڈک سوار رہتے۔ اٹھنے بیٹھنے لیٹنے کی حالت میں بھی مینڈکوں سے نجات نہیں ملتی تھی۔ اس عذاب سے فرعونی رو پڑے اور پھر روتے گڑگڑاتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں دعا کی بھیک مانگنے کے لیے آئے اور بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد و پیمان کرنے لگے کہ ہم ضرور ضرور ایمان لائیں گے اور مومنین کو کبھی ایذا نہ دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ساتویں دن یہ عذاب بھی اٹھا لیا گیا' مگر یہ مردود قوم راحت ملتے ہی پھر اپنا عہد توڑ کر اپنی پہلی خبیث حرکتوں میں مشغول ہو گئی۔ مومنین کو ستانے لگے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین و بے ادبی

Scanned with CamScanner

کرنے لگے تو پھر عذابِ الٰہی نے ان ظالموں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ان لوگوں پر خون کا عذاب قہر الٰہی بن کر اتر پڑا۔

(۵) ایک دم بالکل اچانک ان لوگوں کے تمام کنوؤں، نہروں کا پانی خون ہو گیا' تو ان لوگوں نے فرعون سے فریاد کی تو اس سرکش نے کہا: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جادوگری اور نظر بندی ہے۔ یہ سن کر فرعونیوں نے کہا: یہ کیسی اور کہاں کی نظر بندی ہے کہ ہمارے کھانے پینے کے برتن خون سے بھرے پڑے ہیں اور مومنین پر اس کا ذرا بھی اثر نہیں' تو فرعون نے حکم دیا کہ فرعونی لوگ مومنین کے ساتھ ایک ہی برتن سے پانی نکالیں' مگر خدا کی شان کہ مومنین اسی برتن سے پانی نکالتے تو نہایت ہی صاف شفاف اور شیریں پانی نکلتا اور فرعونی جب اسی برتن سے پانی نکالتے تو تازہ خالص خون نکلتا۔ یہاں تک کہ فرعونی لوگ پیاس سے بے قرار ہو کر مومنین کے پاس آئے اور کہا: ہم دونوں ایک ہی برتن سے ایک ہی ساتھ پانی پئیں گے' مگر قدرت خداوندی کا عجیب جلوہ نظر آتا کہ ایک ہی برتن سے ایک ساتھ منہ لگا کر دونوں پانی پیتے تھے' مگر مومنین کے منہ میں جو جاتا وہ پانی ہوتا تھا اور فرعون والوں کے منہ میں جو جاتا وہ خون ہوتا تھا۔ مجبور ہو کر فرعون اور فرعونی لوگ گھاس اور درختوں کی جڑیں اور چھالیں چبا چبا کر چوستے تھے' مگر اس کی رطوبت بھی ان کے منہ میں جا کر خون بن جاتی تھی۔ الغرض فرعونیوں نے پھر گڑگڑا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی' تو آپ نے پیغمبرانہ رحم و کرم فرما کر پھر ان لوگوں کے لیے دعا خیر فرما دی تو ساتویں دن اس خونی عذاب کا سایہ بھی ان کے سروں سے اٹھ گیا۔ الغرض ان سرکشوں پر مسلسل پانچ عذاب آتے رہے اور ہر عذاب ساتویں دن ٹلتا رہا اور ہر دو عذابوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ ہوتا رہا مگر فرعون اور فرعونیوں کے دلوں پر شقاوت و بدبختی کی ایسی مہر لگ چکی تھی کہ پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے اور کفر پر اڑے رہے اور ہر مرتبہ اپنا عہد توڑتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا آخری عذاب آ گیا کہ فرعون اور اس کے متبعین سب دریائے نیل میں غرق ہو کر ہلاک ہو گئے اور ہمیشہ کے لیے خدا کی دنیا ان عہد شکنوں اور مردودوں سے پاک و صاف ہو گئی اور یہ لوگ دنیا سے اس طرح نیست و نابود کر دیئے گئے کہ روئے زمین پر ان کی قبروں کا نشان بھی

باقی نہیں رہ گیا۔ (صاوی شریف ج ۲ ص ۷۰ وص ۸۱ وص ۸۲ وجلالین وغیرہ)

قرآن مجید نے ان مذکورہ بالا پانچوں عذابوں کی تصور کشی ان الفاظ میں فرمائی ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ○ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ○ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ○ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ○ (الاعراف رکوع ۱۶ پ ۹)

تو بھیجا ہم نے طوفان اور ٹڈی اور گھن (یا جوئیں) اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ (فرعونی) مجرم قوم تھی اور جب ان پر عذاب پڑتا تو وہ کہتے اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے۔ بیشک اگر تم ہم پر سے عذاب اٹھا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدت کے لیے جس مدت تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ پھر جائے' تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا۔ اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غفلت برتتے تھے۔

عہد شکنی اور عفو و درگزر

ان واقعات سے یہ سبق ملتا ہے کہ عہد شکنی اور اللہ کے نبیوں کی تکذیب و توہین کتنا بڑا اور ہولناک جرم عظیم ہے کہ اس کی وجہ سے فرعونیوں پر بار بار عذاب الٰہی قسم قسم کی صورتوں میں اترا۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ دریا میں غرق کر کے دنیا سے فنا کر دیئے گئے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو عہد شکنی اور سرکشی اور گناہوں سے بچتے رہنا لازم ہے کہ کہیں بداعمالیوں کی نحوستوں سے ہم پر بھی قہر الٰہی عذاب کی صورت میں نہ اتر پڑے!

دوسرا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صبر وتحمل اور ان کی رقیق القلبی بلاشبہ انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ بار بار عہد شکنی کرنے والے اپنے دشمنوں کی آہ وفغاں پر رحم کھا کر ان کے عذاب کو دفع کرنے کی دعا فرماتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوم کے ہادی اور ان کے پیشوا کے لیے صبر وتحمل اور عفو ودرگزر کی خصلت انتہائی ضروری ہے اور علماء کرام کو جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے نائبین ہیں ان کے لیے بیحد لازم وضروری ہے کہ وہ اپنے مخالفین اور بدخواہوں سے انتقام کا جذبہ نہ رکھیں بلکہ صبر وتحمل کر کے اپنے مجرموں کو بار بار معاف کرتے رہیں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مقدس سنت بھی ہے اور ہمارے نبی آخر الزمان ﷺ کا تو یہ ایک بڑا ہی خاص اور خصوصی طرہ امتیاز ہے کہ آپ نے کبھی بھی اپنی ذات کے لیے اپنے دشمنوں سے کوئی بھی انتقام نہیں لیا بلکہ ہمیشہ ان کو معاف فرما دیا کرتے تھے اور یہ آپ کی مقدس تعلیم کا بہت ہی تابناک اور درخشاں ارشاد ہے کہ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰى مَا اَسَاءَ اِلَيْكَ یعنی تم سے جو تعلق کاٹے تم اس سے تعلق جوڑو اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو اور جو تمہارے ساتھ برا برتاؤ کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو!

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

یعنی برائی کا بدلہ لینا تو بہت آسان ہے لیکن اگر تم جوان مرد ہو تو برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرو!

(عجائب وغرائب القرآن)

(۱۱۶)

اسلامی تشخص کی پاسداری

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فوج اور فوجی کمانڈروں کو خصوصی نصیحتیں بھیج کر ان کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے اور یہ نصیحتیں فوجیوں کے لئے بہترین ذخیرہ ہوا کرتی تھیں۔

آپ نے دیکھا کہ عربوں نے روم اور ایران کے علاقے فتح کر لئے ہیں اور دعوت کا جھنڈا اٹھائے دنیا کے کناروں تک اسلام کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ زاہدانہ انداز اور دنیا سے بے رغبتی ترک کر کے عیش وعشرت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عجمیوں کے اخلاق وعادات اپنا لیں اور ان کے کپڑے پہننے لگیں اور خود بھی ان جیسے ہو جائیں۔ قوموں میں کمزوری اس وقت جڑ پکڑتی ہے، جب وہ دوسری قوموں کی تقلید کرنے لگتی ہیں۔ لباس، عادت اور زبان میں ان کی پیروی کرنے لگتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیروی کرنے والوں کی شخصیت مقتداؤں کے درمیان پگھل جاتی ہے اور چونکہ ان کی شخصیت تقلید کی کٹھالی میں پگھل جاتی ہے اس لئے ان کی ثقافت بھی برباد ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ مسلمان عرب اپنی ان عادات اور روایات کا تحفظ کریں جن میں انہوں نے اپنے شہروں میں نشو ونما پائی ہے اور اسلام نے انہیں پاکیزہ بنایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات صحیح قوت کا سرچشمہ اور فتح ونصرت کا عنوان ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے چند سطروں میں افواج کو حکم دیا کہ عربوں کی روایات کا تحفظ کریں اور مسلمانوں کے اخلاق کو سختی سے اپنائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

Scanned with CamScanner

اما بعد! تہبند باندھو، اوپر کی چادریں استعمال کرو اور جوتے پہنو۔ موزے اور شلواریں پھینک دو۔ تم اپنے جدامجد حضرت اسمٰعیل ؑ کے کپڑے پہنو! عجمیوں اور سرمایہ دار لوگوں کا لباس مت پہنو۔ تم دھوپ میں رہنے کی عادت ڈالو، کیونکہ یہ عربوں کا حمام ہے۔ درشت مزاج بنو، کھردرے کپڑے پہنو! رکابیں کاٹ دو اور چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہونا سیکھو اور ہدف پر نشانہ لگانے کی مشق کرو۔

یہ وہ جامع نصیحت ہے جو امیر المؤمنین عمر فاروق ؓ نے اپنے لشکروں کے کمانڈروں کو بطور آرڈر جاری فرمائی۔ انہیں خوف تھا کہ اگر ان کاموں کو چھوڑ دیا گیا تو دشمنوں کے سامنے فوجیوں کی حسی اور معنوی قوتیں کمزور پڑ جائیں گی۔

آپ نے فرمایا: (فاتـزروا......) افواج کو تہبند، اوپر والی چادر اور جوتے استعمال کرنے کا حکم دیا' کیونکہ یہی عربوں کا لباس ہے اور انہیں عجمیوں کی طرح کڑھائی کی ہوئی فاخرانہ شلواریں اور قیمتی موزے پہننے سے منع فرمایا کیونکہ انہوں نے جس اسلامی لباس کا حکم دیا تھا وہ عیش وعشرت سے دور ہے۔ نرم، ملائم اور فاخرانہ لباس پہننے سے مردوں میں عورتوں اور ہیجڑوں والے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ انسان سستی اور تن آسانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ نیز مشکلات پیش آنے پر بزدل ہو جاتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم ؓ نے فوجیوں کو کسی بھی معاملے میں عجمیوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا' تاکہ ان کا اسلامی، عربی اور بدوی تشخص برقرار رہے اور ان کے قدم اندھی تقلید کے باعث پھسل نہ جائیں۔ مسلمان کی شخصیت اسلامی، منفرد اور بلند و بالا ہے، جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ مسلمان اگر اس شخصیت کو بھلا دے گا تو وہ دشمنوں کو خوف زدہ کر دینے والی عظیم ترین معنوی قوت سے محروم ہو جائے گا۔ پس لباس، روایات اور زندگی کے طور طریقوں سے غیروں، خاص طور پر دشمنوں کی اندھی تقلید مسلمانوں کو مقتدی بنا دے گی، مقتدا نہیں بننے دے گی۔ عامۃ المسلمین کو ہر بھلائی ان کے پیچھے چلنے میں نظر آئے گی اور یہ اس طرح پگھل کر فنا ہو جائیں گے جس طرح نمک پانی میں فنا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب دشمن دیکھے گا کہ تم اس کی تقلید اور پیروی کر رہے ہو تو وہ تمہیں حقیر

جانے گا۔ اس کی نگاہ میں تمہارا مقام حقیر ہو جائے گا اور تمہاری ہیبت اس کے دل میں کم ہو جائے گی۔ بالفاظ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب آپ نے اپنی ذات اور شخصیت کو کھو دیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے بہت بڑا ہتھیار ضائع کر دیا۔

حضرت فاروق اعظم ؓ نے افواج کو مضبوط جوتوں کے پہننے کا حکم دیا۔ قیمتی اور ہلکے پھلکے موزے پہننے سے منع فرمایا' تاکہ پیدل چلنے سے ان کی ہڈی مضبوط ہو اور داد شجاعت دینے اور میدان جنگ میں ان کے پاؤں جہاد کے لئے مضبوط ہوں (نرم و نازک جوتے پہننے والا میدان جنگ میں مطلوبہ ثابت قدمی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا)

اسی طرح امیر المؤمنین نے سپاہیوں کو حتی الامکان دھوپ میں رہنے کا حکم دیا' تاکہ ان کے اجسام تندرست اور توانا رہیں کیونکہ دھوپ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ مجاہدین ایسے شہروں میں جا پہنچے تھے جن کی فضا جنگلوں والی تھی۔ انہیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں شہری آبادیوں کی سایہ دار جگہوں پر رہنے سے مجاہدین شہری بیماریوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں وہ نئی فضاء، نئے کھانے اور نئی ہوا سے مانوس نہیں تھے۔

حضرت فاروق اعظم ؓ نے حکم دیا کہ تم شہسواری اور اخلاق وعادات میں اپنے جد امجد معد بن عدنان کا طریقہ اپناؤ۔ فرمایا:

(تَمَعْدَدُوْا وَاخْشَوْشِنُوْا)

تم اپنے لباس اور طور اطوار میں درشتی اور کھردرا پن اپناؤ، تاکہ تمہارے اجسام جنگوں کے متحمل ہو سکیں اور دشمنوں کے مقابلے کے وقت مشقت، جفاکشی اور گرمی کو برداشت کر سکیں۔ رہا نرم و نازک اور عیش وعشرت کا عادی تو وہ اس طرح پگھل جائے گا، جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ اس میں اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ وہ ثابت قدم رہ سکے اور مصیبتیں برداشت کر سکے۔

آپ نے حکم دیا (اِخْلَوْلِقُوْا) کہ ہمیشہ جنگ کے لئے تیار رہو۔ بے مقصد فارغ رہ کر اپنی طاقت اور شہسواری کی صلاحیت ضائع نہ کرو بلکہ جب بھی جنگ کا پہیہ گردش میں آئے، تم آمادۂ جہاد رہو اور ایک آرڈر پر فوراً حرکت میں آ جاؤ۔

Scanned with CamScanner

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اِقْطَعُوا الرُّكُبَ یعنی گھوڑوں کی پشتوں سے رکابوں کو ختم کردو۔ (وَانْزُوْا عَلٰی ظُهُوْرِهَا) یعنی گھوڑوں کی رکابوں میں پاؤں رکھے بغیر چھلانگ لگا کر ان پر سوار ہو جاؤ اور رکابوں کے بغیر ان پر سوار ہونے کی عادت ڈالو۔ کبھی تمہیں فوری طور پر سوار ہونے کی ضرورت پڑی تو تم جست لگا کر ان پر سوار ہوسکو گے اور سرکش گھوڑے کو قابو کرسکو گے۔ طاقت ور بہادروں اور ماہر شہسواروں کا یہی طریقہ ہے۔ دشمن جب مجاہدین کو رکابوں کے بغیر ایک جست میں گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو ان سے مرعوب ہو جائیں گے۔ نیز ان کی چستی اور طاقت سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔

نیز افواج کو حکم دیا (اِرْتَمُوا الْاَغْرَاضَ) نشانوں پر تیر پھینکو اور صحیح نشانے پر تیر مارو۔ نشانہ بازی کی مشق کرو، تاکہ تمہیں جنگ میں کام دے اور تم دشمن کو صحیح نقصان پہنچا سکو۔ آج فوجیوں کو جنگی مشقیں کروائی جاتی ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ راکٹ اور بم برسائیں اور نشانے پر برسائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اندازی اور گھڑ سواری پر ابھارا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے: فَمَنْ لَّمْ يَرْمِ فَلَيْسَ مِنَّا جس شخص نے تیر اندازی نہیں کی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: رَمْيًا بَنِيْ اِسْمَاعِيْلَ فَاِنَّ اَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا۔ اے اولاد اسماعیل! خوب تیر اندازی کرو، تمہارے جد امجد بھی تیر انداز تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اِرْمِ سَعْدُ! فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ سعد! تیر چلاؤ! تم پر ہمارے والدین فدا ہوں۔

میں نے اسی سلسلے میں ایک قصیدے میں یہ اشعار کہے ہیں:

فَـرَمْيًـا بَـنِـيْ اِسْـمَـاعِيْلَ اِنَّ اَبَـاكُمْ
لَـقَـدْ كَـانَ يَـوْمَ النَّفْعِ اَكْيَـسَ رَامِيًـا
فَـرَمْيًـا فَـمَـنْ لَّـمْ يَـرْمِ لَيْـسَ بِمُفْلِحٍ
اِذَا شُـتَـجَـرَتْ بَيْـنَ الْـخَمِيْسِ الْعَوَالِيَا

اے اولاد اسمٰعیل! خوب تیر اندازی کرو، بے شک تمہارے جد امجد جنگ کے دن ماہر تیر انداز تھے۔

تو خوب تیر اندازی کرو اور جو تیر اندازی نہیں کرتا وہ اس وقت کامیاب نہیں ہوتا جب لشکر میں بلند و بالا نیزے گتھم گتھا ہو جائیں۔

(من نسمات الخلود للظفر فور)

یہ اسلامی افواج کے نام سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ سپاہ اسلام کے دلوں میں طاقت، مردانگی اور شہسواری کی روح پھونک دیں۔ انہیں افواج اسلام کے بارے میں سب سے زیادہ خوف خوش حالی اور عیش و عشرت کا تھا۔ یہ وہ اوصاف ہیں جو ایک مرد کے دل میں ہیجڑہ پن، زنانہ پن اور بزدلی پیدا کر دیتے ہیں۔ فوجیوں کے دل عیش و نشاط اور راحت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس طرح وہ فریضۂ دعوت ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے اور شدت جنگ میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اسلامی فوجوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تاکیدی حکم پر پورا پورا عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت میں اضافہ کیا اور عزت میں بھی برکت عطا فرمائی۔ انہوں نے روئے زمین کے اطراف و اکناف میں کلمۂ توحید کی تبلیغ کی اور جو ان کے مقابل آیا اس کا قلع قمع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دنیا کو فتح فرما دیا اور انہیں ان کے مقاصد کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ضروری ہے کہ حکمران اور امراء اپنے لشکروں کو یہی حکم دیں اور رغبت کرنے والوں کو اسی میں رغبت کرنی چاہیے۔

حضرت مصنف نے مسلمانوں میں پائی جانے والی خطرناک بیماری پر تنبیہ فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلموں کی نقالی مسلمانوں کے تشخص کو تباہ کرنے کا باعث بنتی ہے، جب ہمارے حکمران داڑھی اور پردے کا مذاق اڑائیں، بغلوں میں کتے لے کر تصویریں کھنچوائیں، بیگمات کو بے پردہ زینت محفل بنائیں تو عوام میں اسلامی تشخص اپنانے کا جذبہ کہاں سے پیدا ہوگا اور غیر مسلموں سے مرعوب ہونے کی روایت کب ختم ہوگی؟ کوئی شخص پینٹ کوٹ پہن کر

اور ٹائی لگا کر کسی بڑے سے بڑے افسر کے پاس چلا جائے اور انگریزی میں گفتگو کرے تو وہ افسر اس نیازمندی سے پیش آئے گا جیسے آنے والا افسر ہو اور یہ اس کا ماتحت، انڈیا کی نشریات کا سننا اور انڈین ٹیلیویژن دیکھنا اسی طرح غیر ملکی چینل دیکھنا کسی طرح بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم بول چال، لباس اور بے حیائی میں ان کی نقالی باعث فخر سمجھتے ہیں، دوسروں کا تو کیا رونا خود پاکستانی ٹیلیویژن بے پردگی اور بے حیائی میں دوسروں کے دوش بدوش چلنا ترقی سمجھتا ہے۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۱۱۷)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلۂ بنو سعد سے تھا۔ آپ نے پہلی وحی کے نزول کے ساتویں دن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ترغیب سے اسلام قبول کیا۔ انہوں نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا سعد رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ خلیفۂ ثانی عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اہل فارس کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی قیادت سونپی اور معرکۂ قادسیہ کی فتح انہی کی رہنمائی میں حاصل ہوئی۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے ایما پر مناذرہ کے دارالحکومت حیرہ سے چند میل جنوب میں کوفہ کا شہر آباد کیا۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ادوار میں کوفہ کے گورنر رہے۔ سعد رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ انہوں نے 55ھ میں وفات پائی۔ (اٹلس سیرت نبوی ص200-199)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ اہل کوفہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو کوفہ کے حاکم مقرر ہوئے تھے) کی شکایت کی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ کوفہ کا حاکم عمار رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا۔ اہل کوفہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت یہاں تک کی تھی کہ وہ نماز بھی اچھی طرح سے نہیں پڑھاتے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور پوچھا: اے ابواسحاق! (یہ حضرت سعد کی کنیت تھی) یہ کوفہ والے شکایت کرتے ہیں کہ آپ اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھا سکتے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں

انہیں رسول اکرم ﷺ کی نماز پڑھایا کرتا تھا، ان میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا تھا۔ عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت لمبی کرتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابواسحاق! آپ کے بارے میں میرا یہی گمان ہے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک آدمی کوفہ روانہ کیا۔ اس آدمی نے ساری مسجدوں میں گھوم پھر کر اہل کوفہ سے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا اور سبھی نے ان کے متعلق تعریفی کلمات کہے لیکن بنوعبس کی مسجد میں ابوسعدہ اسامہ قتادہ نامی ایک شخص نے (پوچھنے والے فرستادے سے) کہا: جب آپ ہمیں قسم دیتے ہیں تو ہماری شکایت ہے کہ سعد جنگ میں نہیں جاتے تھے، مالِ غنیمت برابر تقسیم نہیں کرتے تھے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ (فَاِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيْرُ بِالسَّرِيَّةِ وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے تین جھوٹی شکایتیں کی ہیں، میں بھی تجھے تین بددعائیں دیتا ہوں:

(اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَّ سُمْعَةً فَأَطِلْ عُمُرَهٗ وَ أَطِلْ فَقْرَهٗ وَ عَرِّضْهُ لِلْفِتَنِ)

''الٰہی! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور اس نے ریاکاری و شہرت کے لیے اٹھ کر میری شکایت کی ہے تو اس کی عمر لمبی کر، تادیر اس کو فقر میں مبتلا کر اور اسے (گناہ کے) فتنوں میں مبتلا کر۔''

(اس آدمی کو حضرت سعد کی بددعا لگ گئی) چنانچہ جب اس سے پوچھا جاتا تو وہ کہتا: بوڑھا آدمی ہوں، آزمائش میں ڈالا گیا ہوں، سعد کی بددعا مجھے لگ گئی ہے!!

عبدالملک (ایک راوی) کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے اس آدمی کو دیکھا، بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی پلکیں گر چکی تھیں اور وہ راستوں میں چھوکریوں کو آنکھیں مارتا تھا۔'' (بخاری کتاب الأذان، نمبر 765)

(۱۱۸)

معروف کرخی اور فضیل بن عیاض

حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں عرض کی گئی: ''حضور! آپ کیسے معروف ہوئے اور آپ محبت کی کس صفت سے متصف ہیں؟'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تم پر تعجب ہے، کیا معروف کو جاہل رکھا جاتا ہے؟ کیا محبوب کو ناپسند کیا جاتا ہے؟ کیا نابینے کے علاوہ چاند کسی پر پوشیدہ ہوتا ہے؟ کیا تم میرے دل کو گرفتارِ محبت نہیں پاتے؟ کیا میرے دماغ کو مشتاقِ دیدار اور میری عقل کو کھویا ہوا نہیں دیکھتے؟ میں نے محبت الٰہی میں کتنے ہی اونچے پہاڑ ڈالے اور موت کے کتنے پیالے گھونٹ گھونٹ کر کے پیے اور کتنی ہی بار محبت کے مشکل رموز کو پڑھا یہاں تک کہ میں اہل محبت کے درمیان معروف ہو گیا' اگر میں معروف نہ ہوتا تو سعادت کے راستے سے پھرا ہوا ہوتا کیونکہ غرور کی چادر میں چھپنے والا سب پر ظاہر ہو جاتا ہے اور جھوٹا دعویٰ کرنے والے کا دعویٰ رد کر دیا جاتا ہے۔''

☆...... حضرت سیّدنا فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: ''اے فضیل! آپ ڈکیتی سے راہ ہدایت پر کیسے آئے اور بدبختوں کے گروہ سے نکل کر خوش بختوں کے گروہ میں کیسے شامل ہوئے؟'' آپ نے جواب دیا: ''میں توفیق سے بہت دور اور راہ ہدایت سے بھٹکا ہوا تھا' مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے گناہوں کے سمندر سے نکال کر نوازشات و انعامات سے ڈھانپ دیا۔'' عرض کی گئی: ''کیسے ہوا اور کس طرح راہ حق آپ کے قریب ہوئی؟'' جواب میں فرمایا: ''حسب معمول ایک دن میں رہزنی کرنے کے لئے نکلا، میرے (برائی پر ابھارنے والے) نفس نے مجھے شر کی بیڑیاں ڈال رکھی تھیں، زمانے نے مجھے دھوکے میں ڈالا ہوا تھا،

Scanned with CamScanner

شیطان مجھ پر غالب تھا۔ چنانچہ، میں قتل و غارت گری اور سواریوں کو پریشان کرنے چل پڑا۔ میں تاریکی کے پردوں میں چھپا ہوا آ رہا تھا اور راہ ہدایت کا کوئی دروازہ مجھے معلوم نہ تھا کہ اچانک ہدایت کی توفیق کی جگہ مجھ پر ظاہر ہوئی، وہ یوں کہ ایک قاریٔ قرآن اس آیت مبارکہ کی تلاوت کر رہا تھا:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (پ۲۷، الحدید:۱۶)

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد کے لئے۔

میں نے اس کی طرف اپنے کان لگا دیئے۔ سنتے ہی میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میرے دل کے ہوش اڑ گئے۔ اسی کا اثر ہے کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا اور کلام باری تعالیٰ کا جواب دیتے ہوئے عرض کی: ''کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ وقت آ چکا ہے، میرے رحمٰن کی طرف رجوع کرنے اور نافرمانی سے خوفزدہ ہونے کا وقت آ چکا ہے لیکن ڈرنے والے کے لئے امان بھی ضروری ہے۔ پس قرآن کریم نے مجھے دائمی امان کی خوشخبری دی:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ○ (پ۲۷، الرحمٰن:۴۶)

اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

پھر میں ڈکیتی سے مصلے پر آ گیا، راہ شقاوت ترک کر کے سعادت کے راستے پر پلٹ آیا، اس کے قہر قدرت کا قیدی بن گیا اور اس کے دروازۂ رحمت پر فقیر بن کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دروازۂ عزت پر عاجزی وانکساری کا سر جھکا دیا اور میں نے عرض کی: ''یا اللہ! تیرا بندہ بھاگے ہوئے غلام کی طرح تیری بارگاہ میں لوٹ آیا ہے اور تیرے گزشتہ فضل وکرم کا طلبگار ہے، صبح میں شکاری بن کر نکلا تھا اب خود شکار ہو گیا ہوں، قائد بن کر نکلا تھا اب مطیع و فرمانبردار بن کر تیرے دروازے پر لوٹ آیا ہوں۔ (مختصراً یہ حکایت بھی لکھی گئی ہے ایک اور مقام پر)'' (عیون الحکایات، الحکایة الخامسة عشرة بعد المائتین، توبة الفضیل بن عیاض، ص ۲۱۲)

(۱۱۹)

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی

حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے جب قوم ثمود کو خدا کا فرمان سنا کر ایمان کی دعوت دی تو اس سرکش قوم نے آپ سے یہ معجزہ طلب کیا کہ آپ اس پہاڑ کی چٹان سے ایک گابھن اونٹنی نکالئے جو خوب فربہ اور ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہو۔ چنانچہ آپ نے چٹان کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ فوراً ہی پھٹ گئی اور اس میں سے ایک نہایت ہی خوبصورت وتندرست اور خوب بلند قامت اونٹنی نکل پڑی جو گابھن تھی اور نکل کر اس نے ایک بچہ بھی جنا اور یہ اپنے بچے کے ساتھ میدانوں میں چرتی پھرتی رہی۔

اس بستی میں ایک ہی تالاب تھا جس میں پہاڑوں کے چشموں سے پانی گر کر جمع ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! دیکھو یہ معجزہ کی اونٹنی ہے۔ ایک روز تمہارے تالاب کا سارا پانی یہ پی ڈالے گی اور ایک روز تم لوگ پینا۔ قوم نے اس کو مان لیا۔ پھر آپ نے قوم ثمود کے سامنے یہ تقریر فرمائی:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (الاعراف رکوع ۱۰ پارہ ۸)

اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آ گئی۔ یہ اللہ کی اونٹنی

ہے تمہارے لیے نشانی' تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں دردناک عذاب آئے گا۔

چند دن تو قوم ثمود نے تکلیف کو برداشت کیا کہ ایک دن ان کو پانی نہیں ملتا تھا کیونکہ اس دن تالاب کا سارا پانی اونٹنی پی جاتی تھی۔ اس لیے ان لوگوں نے طے کر لیا کہ اس اونٹنی کو قتل کر ڈالیں۔

چنانچہ اس قوم میں قدار بن سالف جو سرخ رنگ کا بھوری آنکھوں والا اور پستہ قد آدمی تھا اور ایک زنا کار عورت کا لڑکا تھا۔ ساری قوم کے حکم سے اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام منع ہی کرتے رہے لیکن قدار بن سالف نے پہلے تو اونٹنی کے چاروں پاؤں کو کاٹ ڈالا۔ پھر اس کو ذبح کر دیا اور انتہائی سرکشی کے ساتھ حضرت صالح علیہ السلام سے بے ادبانہ گفتگو کرنے لگا۔ چنانچہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ (الاعراف رکوع10)

ان لوگوں نے اونٹنی کو ذبح کر دیا اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور یہ بولے:

اے صالح! ہم پر لے آؤ وہ عذاب جس کا تم وعدہ دے رہے ہو' اگر تم رسول ہو۔

قوم ثمود کی اس سرکشی پر عذاب خداوندی کا ظہور اس طرح ہوا کہ پہلے ایک زبردست چنگھاڑ کی خوفناک آواز آئی۔ پھر شدید زلزلہ آیا جس سے پوری آبادی اتھل پتھل ہو کر چکنا چور ہو گئی' تو عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر تہس نہس ہو گئیں اور قوم ثمود کا ایک ایک آدمی گھٹنوں کے بل اوندھا گر کر مر گیا قرآن مجید نے فرمایا:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ○ (الاعراف رکوع ۱۰)

تو زلزلہ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا' تو وہ سب صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے مرے پڑے رہ گئے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ پوری بستی زلزلوں کے جھٹکوں سے تباہ و برباد ہو کر اینٹ پتھروں کا ڈھیر بن گئی اور پوری قوم ہلاک ہو گئی' تو آپ کو بڑا صدمہ اور قلق ہوا اور

آپ کو قوم ثمود اور ان کی بستی کے ویرانوں سے اس قدر نفرت ہو گئی کہ آپ نے ان لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اس بستی کو چھوڑ کر دوسری جگہ تشریف لے گئے اور چلتے وقت مردہ لاشوں سے یہ فرما کر روانہ ہو گئے کہ

یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ○ (الاعراف رکوع10)

اے میری قوم! بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کرتا رہا لیکن تم خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے!

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قوم ثمود کی پوری بستی برباد ویران ہو کر کھنڈر بن گئی اور پوری قوم فنا کے گھاٹ اتر گئی کہ آج ان کی نسل کا کوئی انسان روئے زمین پر باقی نہیں رہ گیا!

(صاوی ج ۲ ص ۸۳ تا ۸۵)

انتقام قدرت

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب ایک نبی کی ایک اونٹنی کو قتل کر دینے والی قوم عذاب الٰہی کی تباہکاریوں سے اس طرح فنا ہو گئی کہ ان کی نسل کا کوئی انسان بھی روئے زمین پر باقی نہ رہ گیا' تو جو قوم اپنے نبی کی آل واولاد کو قتل کر ڈالے گی وہ بھلا عذاب الٰہی کے قہر سے کب اور کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے؟ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ کربلا میں اہل بیت نبوت کو شہید کرنے والے یزیدی کوفیوں اور شامیوں کا یہی حشر ہوا کہ مختار بن عبید کے دور حکومت میں یزیدیوں کا بچہ بچہ قتل کر دیا گیا اور ان کے گھروں کو تاخت و تاراج کر کے ان پر گدھوں کے ہل چلائے گئے اور آج روئے زمین پر ان یزیدیوں کی نسل کا کوئی بچہ باقی نہیں رہ گیا۔

حاکم محدث نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر وحی بھیجی تھی کہ قوم یہود نے حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کر دیا' تو ان کے ایک خون کے بدلے ستر ہزار یہودی قتل ہوئے اور آپ کے نواسہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایک خون کے بدلے ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار کوفی وشامی مقتول ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ

کا وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ مختار بن عبید کی لڑائی میں ستر ہزار کوفی و شامی قتل ہوئے اور پھر عباسی سلطنت کے بانی عبداللہ سفاح کے حکم سے ستر ہزار کوفی و شامی مارے گئے۔ کل مل کر ایک لاکھ چالیس ہزار مقتول ہو گئے!

بہر حال یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی ہر ہر چیز کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ لہٰذا خدا کے محبوبوں کی آل و ازواج ہوں یا اصحاب و احباب یا ان سے نسبت و تعلق رکھنے والی کوئی بھی چیز ہو۔ ان میں سے کسی کی بھی توہین اور بے ادبی سے خداوند قہار کا قہر و غضب ضرور کسی نہ کسی عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جس کو اللہ کے محبوبوں سے نسبت حاصل ہو جائے اس کی تعظیم و تکریم لازم و ضروری ہے اور اس کی توہین و بے ادبی عذاب الٰہی کی ہری جھنڈی اور تباہی و بربادی کا سگنل ہے۔ (والعیاذ باللہ منہ)

روایت ہے کہ جب جنگ تبوک کے موقع پر سفر میں حضور ﷺ قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: خبردار! کوئی شخص اس گاؤں میں داخل نہ ہو اور نہ اس گاؤں کے کنویں کا کوئی شخص پانی پیئے اور تم لوگ اس عذاب کی جگہ سے خوف الٰہی میں ڈوب کر روتے ہوئے اور منہ ڈھانپے ہوئے جلد سے جلد گزر جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی عذاب اتر پڑے۔ (روح البیان ج ۳ ص ۱۹۴)

(۱۲۰)

فاتح اندلس نے رب کی رضا کو مقدم رکھا

موسیٰ ابن نصیر لخمی اہل حجاز میں سے تھے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۱۹ھ میں پیدا ہوئے، انہیں بچپن ہی میں دودھ کے ساتھ جہاد کا شوق پلا دیا گیا تھا، جوان ہوئے تو جنگ کا بھڑکتا ہوا شعلہ تھے، بڑے بہادر، صاحب دانش، دلیر، کریم النفس، متقی، زاہد اور یکے از تابعین تھے، خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر ۸۹ھ میں افریقہ کے گورنر بنائے گئے، اس وقت ان کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی، ۹۸ھ میں مدینہ طیبہ کے قریب وادی القریٰ میں ۸۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

ایک دفعہ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک فاتح اندلس موسیٰ ابن نصیر پر ناراض ہو گیا۔ اس کے حکم پر موسیٰ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا۔ موسیٰ بھاری جسم کا مالک تھا، تھوڑی دیر کے بعد بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو سلیمان بن عبدالملک نے جلال کے عالم میں غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا:

میں نے تمہیں تحریری طور پر آرڈر دیا تھا۔ تم نے میرے حکمنامے کو دیکھا تک نہیں۔ کیا اسی طرح حکم مانا جاتا ہے؟ اس نے دھمکی دینے کے انداز میں سر ہلایا۔ قریب تھا کہ وہ شدت غضب سے پھٹ جائے۔

پھر اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا: ایک لاکھ دینار لاؤ۔ پورے ایک

Scanned with CamScanner

لاکھ دینار نکالو۔ موسیٰ نے کہا:

امیر المؤمنین! میرے پاس جو مال واسباب تھا وہ آپ لے چکے ہیں۔ آپ نے مجھے نادار بنا دیا ہے۔ میں لاکھ دینار کہاں سے پیش کروں؟ میں تو فقیر بے نوا ہوں۔ میرے پاس ایک ٹیڈی پیسہ بھی نہیں ہے۔ حالات زمانہ نے اپنے دانت مجھ میں گاڑ دیئے ہیں۔ میں اس وقت بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

موسیٰ کا خیال تھا کہ سلیمان کو اس کی بے کسی پر ترس آئے گا۔ اس نے سلیمان کے جذبۂ ترحم کو ابھارنے کے لئے پورا زور بیان صرف کر دیا لیکن سلیمان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ الٹا اس کے طیش میں اضافہ ہو گیا۔ چہرے کے زاویے بدل گئے۔ گلا پھاڑتے ہوئے نیا حکم صادر کیا: دو لاکھ دینار پیش کرو۔ پورے دو لاکھ۔ ایک بھی کم ہوا تو جرمانہ قبول نہیں ہوگا۔

موسیٰ جیسے جرنیل کی آنکھوں کا پیمانہ چھلک پڑا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے زمین اپنے مشرق و مغرب سمیت اس پر گر پڑی ہے۔ اس نے گڑگڑاتے ہوئے اور معذرت کرتے ہوئے کہا:۔

جناب عالی! میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ میرے پاس مال کہاں؟ میں تو فقیر بے نوا ہو چکا ہوں۔ میں بالکل خالی ہاتھ ہوں، میرے پاس ایک پیسہ تک نہیں ہے۔

عجیب صورت حال تھی۔ بجائے پسیجنے کے اس کی سنگ دلی اور قہر وغضب میں اضافہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں اوپر چڑھ گئیں۔ فرط غضب سے اس کی شکل پہچانی نہیں جاتی تھی۔ اس نے چنگھاڑتے ہوئے کہا:

تم مانو یا نہ مانو۔ تمہیں ہر قیمت پر تین لاکھ دینار دینے پڑیں گے۔

پھر اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر شدید ترین سزا دو۔ پھر اس نے ارادہ کیا کہ اسے قتل کر کے قضیہ ہی ختم کر دیا جائے۔

موسیٰ نے اشک بار آنکھوں سے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ انہیں کسی طرف سے مدد مل جائے۔ اچانک ان کی نظر سلیمان بن عبد الملک کے وزیر یزید بن مہلب پر پڑ گئی۔ وہ سلیمان کے دربار میں بڑا معزز مقام رکھتے تھے۔ موسیٰ نے ان کی پناہ طلب کی۔ انہوں نے خلیفۂ وقت سے درخواست کی کہ آپ موسیٰ کو میرے سپرد کر دیں۔

خلیفہ نے کہا: میں اسے آپ کے سپرد کرتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ تین لاکھ دینار ادا کر دیں۔ یزید نے یہ خطیر رقم ادا کر دی اور موسیٰ کو پورے اعزاز اور احترام کے ساتھ اپنے گھر لے آئے۔

اب امیر موسیٰ ابن نصیر یزید بن مہلب کے مہمان تھے۔ ایک رات دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ یزید نے موسیٰ سے دریافت کیا:

ابو عبد الرحمٰن! یہ تو بتائیں کہ آپ نے اپنی جان ہلاکت میں کیوں ڈال دی تھی! آپ نے اپنی عزت اور اقتدار کے مقام کو برقرار کیوں نہیں رکھا؟ اگر اپنے مقام کو بحال رکھتے تو آپ سربراہ ہوتے، ماتحت نہ ہوتے۔ آپ حکمران ہوتے، تابع فرمان نہ ہوتے اور آپ اس حالت کو بھی نہ پہنچتے جس تک کہ آپ پہنچ چکے ہیں۔

موسیٰ کچھ دیر تک سر جھکائے مسکراتے رہے۔ پھر انہوں نے سر اٹھایا تو ان کے چہرے پر اخلاص اور وفا کی شعائیں جگمگا رہی تھیں۔ جو گفتگو انہوں نے کی وہ ان کے دل سے نکلی تھی اور ان کا چہرہ ان کے دل کا آئینہ بن گیا۔ کہنے لگے:

اللہ کی قسم! اگر میں دائرۂ فرمانبرداری سے نکلنا چاہتا یا سرکشی دکھانا چاہتا تو وہ میری گرد کو بھی نہ پا سکتے تھے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اختیار کیا اور امیر المؤمنین کی اطاعت کے ترک کرنے کو ایمان کے تقاضے کے خلاف جانا۔

یہ وہ گفتگو ہے جو موسیٰ بن نصیر کے دل کی ترجمان تھی۔ ان کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کی اطاعت، اخلاص اور ایمان سے لبریز تھا۔ انہوں نے قید، ذلت، عذاب اور فقر برداشت کر لیا، مگر وقت کے مسلمان حکمران کی نافرمانی اور بغاوت کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

موسیٰ ابن نصیر صرف تاریخ اسلام کے جلیل القدر فاتحین میں سے نہیں ہیں بلکہ دنیا کے عظیم ترین اور نامور جرنیل ہیں۔ انہوں نے بربروں پر غلبہ پایا۔ بربر قوم حملوں کی شدت اور سفا کی میں شہرۂ آفاق ہے۔ انہوں نے بے شمار حملے کر کے ہر طرف فتنہ وغارت گری کی

Scanned with CamScanner

آگ بھڑکا رکھی تھی۔ یہ لوگ بارہ دفعہ سے زیادہ مرتبہ اسلام سے برگشتہ ہوئے۔ موسیٰ ابن نصیر انہیں دفع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان میں نرمی پیدا ہوئی۔ وہ مشرف باسلام ہوئے اور دل و جان سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہ موسیٰ ابن نصیر ہی تھے جن کے ذریعہ بربروں کا ایمان مستحکم ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ افریقہ اور مغرب اقصیٰ میں اسلام کا پھیلاؤ اس عظیم فاتح اور جرنیل کا ممنون ہے۔ جس نے بربر کے شہروں کے فتح کرنے، دین اسلام کی اشاعت، اور ان میں اقتدار کے مستحکم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اندلس کی طرف متوجہ ہوا، اسے فتح کیا اور اس کے شہروں پر قبضہ مضبوط کیا۔ حالانکہ اس وقت ان کی عمر پچھتر سال تھی۔ اس عمر میں آدمی پر بڑھاپا چھا جاتا ہے اور اس کا عزم کمزور پڑ جاتا ہے۔

عجیب ترین بات یہ ہے کہ بڑی بڑی فتوحات میں موسیٰ ابن نصیر اور طارق بن زیاد کی فوجوں کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ انہوں نے اندلس پر حملہ کیا اور اسے پاؤں تلے روند ڈالا' اگر کوئی دوسرا جرنیل تین لاکھ مجاہدین کی فوج لے کر بھی حملہ آور ہوتا تو دشمن پر اتنی بڑی کامیابی حاصل نہ کر پاتا جو موسیٰ نے مختصر فوج کے ساتھ مختصری مدت میں حاصل کی۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے پیش نظر صرف اندلس نہیں تھا بلکہ اس عظیم جرنیل کی آرزو یہ تھی کہ میں پورے یورپ کو فتح کروں اور اسے روندتے ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچ جاؤں۔ پھر وہاں سے مشرق کا رخ کروں اور شام کے شہروں کو فتح کروں لیکن موت نے انہیں اپنے منصوبے پورے نہ کرنے دیئے۔ وہ کہا کرتے تھے:

افسوس! اگر میری فوج میرا کہنا مانتی تو میں اس کے ذریعے روم اور اس کے شہروں اور تمام علاقوں کو فتح کر ڈالتا۔

اللہ تعالیٰ موسیٰ ابن نصیر پر رحمتیں نازل فرمائے۔ انہوں نے ہر قسم کی سختی، مصیبت اور ناداری برداشت کی لیکن مسلمان سلطان وقت کی نافرمانی کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ یہ سب نتیجہ تھا اس ایمان کا جو ان کے دل میں راسخ تھا اور اللہ تعالیٰ کے خوف کا جو ان پر طاری تھا اور اس اخلاص کا جس پر وہ پیدا ہوئے تھے۔ (من نسمات الخلود)

(۱۲۱)

بادشاہ کا مقام عالم کی نگاہ میں

ملک الصالح نجم الدین ایوب سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی ملک العادل کا پوتا اور مصر و شام کے ایوبی خاندان کا ساتواں حکمران تھا۔ وہ 647ھ میں صلیبی عیسائیوں سے لڑائی میں شہید ہوا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج2 ص419)

شیخ عز الدین بن عبدالسلام عید کے روز قصر شاہی کی طرف نکلے۔ دیکھا کہ وہاں سپاہیوں کی جماعت بادشاہ نجم الدین کے آگے صف بندی کیے ہوئے ہے اور خود سلطان آرائش و زیبائش سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنی قوم کی زینت بنا ہوا ہے اور امراء زمین کو بوسہ دے رہے ہیں۔

شیخ عز الدین نے بآواز بلند فرمایا: اے ایوب! جب اللہ تعالیٰ تم سے پوچھے گا کہ ملک مصر میں ہم نے تمہاری حکومت مستحکم کی تھی اور تم شراب کی خرید و فروخت میں حصہ لیتے تھے، اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا؟ سلطان: کیا ایسا ہو رہا ہے؟

شیخ: ہاں، فلاں سرائے میں شراب بیچی جاتی ہے اور اس کے علاوہ دوسرے منکرات کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے، لیکن تم ہو کہ اس ملک میں ناز و نعم کے مزے لے رہے ہو؟

سلطان: اے میرے سردار! یہ بازار میں نے نہیں گرم کر رکھا اور نہ اس کا آغاز میرے دور حکومت میں ہوا ہے بلکہ یہ تو میرے والد کے زمانے ہی سے چلا آ رہا ہے۔

شیخ: کیا تو بھی ان ہی لوگوں میں سے ہے جنہوں نے کہا تھا:

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ o (الزخرف:23)

’’ہم نے اپنے باپ دادا کو (ایک راہ پر اور) ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔‘‘

چنانچہ سلطان نے فی الفور اس سرائے کو جلانے کا حکم دیا۔

جب شیخ عز الدین بن عبد السلام لوٹ کر مدرسے آئے تو ان کے ایک شاگرد نے پوچھا: استاد محترم! آپ نے ایسا کیوں کیا جبکہ آپ کے لیے اس کو صرف نصیحت کر دینا ہی کافی تھا۔

شیخ نے جواب دیا: اے میرے عزیز! میں نے سلطان کو جب اس عظمت کے ساتھ نکلتے دیکھا تو میں نے اس کی توہین کرنا چاہی تاکہ وہ اپنے آپ کو تکبر و غرور میں مبتلا نہ کرے جس سے بعد اسے نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔

شاگرد نے پوچھا: استاد محترم! آپ کو اس سے خوف محسوس نہیں ہوا؟

شیخ نے جواب دیا: (لَقَدِ اسْتَحْضَرْتُ هَيْبَةَ اللهِ تَعَالٰى اِذَا خَاطَبْتُهُ فَصَارَ السُّلْطَانُ اَمَامِي كَالْقِطِّ!)

’’میں نے سلطان سے مخاطب ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال کو اپنے سامنے رکھ لیا، چنانچہ سلطان میری نظر میں بلّے جیسا ہو گیا!!‘‘ (سنہرے فیصلے)

(۱۲۲)

راضی برضائے الٰہی رہنے والا عابد

بنی اسرائیل میں ایک عابد کسی پہاڑ کی ایک غار میں رہا کرتا تھا۔ نہ لوگ اس کو دیکھتے نہ وہ لوگوں کو دیکھتا تھا۔ اس کے ہاں پانی کا چشمہ بھی تھا، وہ اس سے وضو کرتا اور پانی پیتا۔ زمین میں اگے ہوئے پھلوں سے غذا حاصل کیا کرتا تھا۔ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا۔ عبادت میں بالکل سستی نہ کرتا۔ اس پر سعادت کے آثار نمایاں تھے۔ جب حضرت سیّدنا موسیٰ علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے سلام کرنے کے بعد فرمایا: ’’اے شخص! اپنی جان پر نرمی کرو۔‘‘ اس نے عرض کی: ’’اے اللہ کے نبی علیہ السلام! مجھے ڈر ہے کہ کہیں غافل نہ ہو جاؤں، موت کا وقت آ جائے اور میں عبادت الٰہی عزوجل میں کوتاہی کرنے والوں میں نہ ہو جاؤں۔‘‘ پھر حضرت سیّدنا موسیٰ علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استفسار فرمایا: ’’کیا کوئی حاجت وضرورت ہے؟‘‘ اس نے عرض کی: ’’بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض کیجئے کہ وہ مجھے اپنی رضا وخوشنودی عطا فرما دے اور تادم آخر اپنے علاوہ کسی کی طرف مائل نہ کرے۔‘‘ چنانچہ، جب حضرت سیّدنا موسیٰ علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام جبل طور پر مناجات کے لئے حاضر ہوئے اور کلام باری تعالیٰ کی لذت میں مستغرق ہو گئے تو آپ علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کو اس عابد کی بات یاد نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا: ’’اے موسیٰ! تجھے میرے عابد بندے نے کیا کہا؟‘‘ آپ علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام نے عرض کی: ’’یا الٰہی عزوجل! تو خوب

جانتا ہے، اس نے مجھے کہا ہے کہ میں تجھ سے دعا کروں کہ اسے اپنی رضا وخوشنودی عطا فرما دے اور اپنے علاوہ کسی میں مشغول نہ کر یہاں تک کہ وہ تجھ سے آملے۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’اے موسیٰ! اسے جا کر کہہ دو کہ وہ دن رات میری جتنی چاہے عبادت کر لے، پھر بھی اپنے گزشتہ گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے جہنمی ہے اور مجھے اس کی ایسی ذلیل ورسوا کن باتوں کا بھی علم ہے جو میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔‘‘ چنانچہ، حضرت سیّدنا موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام اس کے پاس تشریف لائے، اسے رب تعالیٰ کا فرمان سنایا اور اس کے گزشتہ بڑے بڑے گناہوں کے متعلق بتایا تو اس نے کہا: ’’مرحبا! میں اپنے رب تعالیٰ کا فیصلہ اور حکم دل وجان سے تسلیم کرتا ہوں، وہ ہر شئے کو دیکھنے والا ہے، اسے ہر شئے کا علم ہے، اس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں، اس کے فیصلہ کو پھیرنے والا کوئی نہیں۔ یہ کہہ کر وہ بہت زیادہ رونے لگا اور عرض کی: ’’اے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام! اس کی عزت وجلال کی قسم! وہ اگر مجھے اپنے دروازے سے دھتکار بھی دے تو بھی میں اسی کے دروازے پر پڑا رہوں گا، کبھی نہ ہٹوں گا، اور اگر مجھے جلا دے یا میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دے، تو بھی میں اس کی بارگاہ سے کبھی نہ پھروں گا۔‘‘

جب حضرت سیّدنا موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام مناجات کے لئے جبل طور پر تشریف لے گئے تو عرض کی: ’’یا اللہ! تو خوب جانتا ہے تیرے عابد بندے نے کیا جواب دیا ہے۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! اس کو خوشخبری سنا دو کہ وہ اہل جنت میں سے ہے اور اسے میری رحمت واحسان نے گھیر لیا ہے اور اسے یہ بھی کہنا کہ تو نے میرے فیصلے کو صبر ورضا سے گلے لگا لیا اور میرے سخت حکم وفیصلے کے باوجود راضی رہا۔ اب اگر تیرے گناہوں سے زمین وآسمان اور درمیانی فضا بھی بھر جائے اور تمام سمندر بھی بھر جائیں تو بھی میں تیری مغفرت فرمادوں گا کیونکہ میں بہت کریم اور بخشنے والا مہربان ہوں۔‘

جب حضرت سیّدنا موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام نے عابد کو یہ خوش خبری دی تو وہ سجدے میں گر پڑا اور اپنے رب تعالیٰ کی حمد کی اور سجدے میں پڑا رہا یہاں تک کہ اس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

اے شک میں پڑنے والو! کب تک تمہیں تمہارا رب تعالیٰ بلاتا رہے گا اور تم جواب دینے سے اعراض کرتے رہو گے، اس نے تمہیں کس قدر احسانات سے نوازا پھر بھی تم نافرمانیوں سے اس کا مقابلہ کرتے ہو، حالانکہ تم پر اس کی طرف سے محافظ فرشتہ مقرر ہے۔ جلدی سے توبہ کر لو کہ وہ تمہارے بہت قریب ہے اور اسی سے ہدایت وتوفیق کا سوال کرو اور غم وتنگدستی کو دور کرنے کے لئے اسی کا قصد کرو۔ بے شک اس کا قصد کرنے والا خسارے میں نہیں ہوتا اور اسے راضی کرنے والا عمل کرو اور اس کی نافرمانی کے کاموں سے بچو، وہ (علم وقدرت کے ساتھ) ہر جگہ موجود ہے، غائب نہیں۔

مناجات کے وقت اس کی بارگاہ میں دعا کرو اس لئے کہ وہ دعا کرنے والے کی دعا قبول فرمالیتا ہے۔ اسی وقت اس کے سامنے گریہ وزاری اور گڑگڑاتے ہوئے صدق دل سے توبہ کر لو۔ ممکن ہے کہ وہ اپنی عنایت کے لئے تمہیں چن لے اور تمہیں ہدایت سے بہرہ ور کر دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے قرب کے لئے چن لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اسے اپنی راہ دکھاتا ہے۔

اے مسلمان! تیرا رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ تو اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جا اور تو ہے کہ غائب رہتا ہے۔ کب تک اپنی لغزشوں اور خطاؤں کی بیماری میں مبتلا رہے گا' تو اپنی بیماری بیان نہیں کرتا کہ طبیب تیرا علاج کرے۔ اے گناہوں اور خطاؤں کے سمندر میں غرق! اے برائیوں اور عیبوں میں مشہور! اے علام الغیوب عزوجل کی عبادت سے اعراض کرنے والے! اگر تو گناہوں سے وحشت زدہ ہو چکا ہے تو جان لے کہ رب کریم عزوجل کا دروازہ اس بندے کے لئے کھلا ہے جو اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے۔ اے محبت الٰہی! کی رسی کو چھوڑنے والے! راہ حق کو مشکل سمجھ نہ توفیق کو دور خیال کر۔ بہت سے کمزوروں کو اٹھا لیا گیا اور بہت سے بھٹکے ہوؤں کو منزل تک پہنچا دیا گیا، تو بھی اپنے ہمت کے گھوڑے پر سوار ہو جا اور پختہ ارادے کی رکابوں پر قدم رکھ لے' اگر تیرے پاس تقویٰ کا توشہ نہیں تو اپنے شکوے کو توشہ بنا لے اور اسے جلتے دل کی جلن پر انڈیل اور دل پر بہتے آنسوؤں کا بادل برسا۔ جب بھڑکتے دل کا دھواں بلند ہو جائے اور تیری حسرتوں کی سانسیں گرم ہو جائیں تو جواب

Scanned with CamScanner

کے انتظار میں اس کے دروازے پر کھڑا ہو جا اور جب عتاب کرتے ہوئے تجھے کہا جائے کہ کون اجنبی دروازے پر کھڑا ہے؟ تو یوں عرض کرنا:

"تیرا بندہ ایک بھکاری کی طرح سر جھکائے، آنسو بہاتے ہوئے کھڑا ہے، جس کا اصل مال اس کا دل ہے جو خراب ہو چکا ہے، ہائے! حسرت، ولا پرواہی نے میرے اصل مال کو چھین لیا۔" پھر اگر تجھے جواب میں کہا جائے: "تو نے اپنا مطلوب حاصل کرنے میں تاخیر کیوں کی؟ کس چیز نے تجھے تیرے محبوب حقیقی سے دور کر دیا؟" تو تم یوں کہنا: "میں جہالت و نادانی کے سبب اپنے دوستوں سے ملاقات کے وقت کی قلت نہ جان سکا یہاں تک کہ میں ہجر و فراق کا شکار ہو گیا تو میرے دل پر ان کے وصال سے پردے ڈال دیئے گئے، میری عمر گزرتی جا رہی ہے، نہ جانے کب تک یہ رکاوٹ برقرار رہے گی۔ اے میرے دوستو! واپس آ جاؤ، تمہاری زندگی کی قسم! میں توبہ کرتا ہوں۔"

پھر اگر تجھ سے کہا گیا: "کب تک توبہ کرتا اور توڑتا رہے گا، کب تک ہم تجھ پر نظر کرم کرتے رہیں گے اور تو ہماری بارگاہ سے منہ موڑتا رہے گا۔" تو تم عرض کرنا: "اگر آپ تو مجھے معاف کر دے تو میرا دل سدھر جائے گا اور میری حالت ہر طرح کی پراگندگیوں سے صاف ستھری ہو جائے گی اور ناراضگی کے بعد ہماری صلح ہو جائے گی۔" پھر تم تنہائی کو ختم ہوتا پاؤ گے اور دیکھو گے کہ جدائی کے بعد وصال کیسا ہوتا ہے اور مقصود تک رسائی کیسے ہوتی ہے۔

میں حیران و پریشان رہوں گا یہاں تک کہ وہ دن آ جائے جب میں اپنے محبوب کے حسن و جمال کا دیدار کروں اور اس کی ملاقات سے میرا شکستہ دل جڑ جائے، میں ہادیٔ مکرم ﷺ کے روضۂ اطہر پہ حاضری دوں ان پہ اللہ کی رحمت ہو۔ (الروض الفائق)

(۱۲۳)

قوم عاد اور ان پر آنے والا عذاب

قوم "عاد" مقام "احقاف" میں رہتی تھی جو "عمان" و "حضر موت" کے درمیان ایک بڑا ریگستان ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ کا نام عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح ہے پوری قوم کے لوگ ان کو مورث اعلیٰ "عاد" کے نام سے پکارنے لگے۔ یہ لوگ بت پرست اور بہت بداعمال و بدکردار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کو ان لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا مگر اس قوم نے اپنے تکبر اور سرکشی کی وجہ سے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور اپنے کفر پر اڑے رہے۔ حضرت ہود علیہ السلام بار بار ان سرکشوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے رہے، مگر اس شریر قوم نے نہایت ہی بے باکی اور گستاخی کے ساتھ اپنے نبی سے یہ کہہ دیا:

أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ (الاعراف رکوع ۹ پ ۸)

کیا تم (اے ہود) ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کو پوجیں جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں، تو تم لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دے رہے ہو اگر سچے ہو۔

آخر عذاب الٰہی کی جھلکیاں شروع ہو گئیں۔ تین سال تک بارش نہیں ہوئی اور ہر طرف قحط و خشک سالی کا دور دورہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ لوگ اناج کے دانے دانے کو ترس گئے۔ اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی بلا اور مصیبت آتی تھی تو لوگ مکہ معظمہ جا کر خانہ

Scanned with CamScanner

کعبہ میں دعائیں مانگتے تھے تو بلائیں ٹل جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک جماعت مکہ معظمہ گئی۔ اس جماعت میں مرثد بن سعد نامی ایک شخص بھی تھا۔ جو مومن تھا مگر اپنے ایمان کو قوم سے چھپائے ہوئے تھا۔ جب ان لوگوں نے کعبہ معظمہ میں دعا مانگنی شروع کی تو مرثد بن سعد کا ایمانی جذبہ بیدار ہو گیا اور اس نے تڑپ کر کہا: اے میری قوم! تم لاکھ دعائیں مانگو، مگر خدا کی قسم اس وقت تک پانی نہیں برسے گا۔ جب تک تم لوگ اپنے نبی حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان نہ لاؤ گے۔ حضرت مرثد بن سعد نے جب اپنا ایمان ظاہر کر دیا تو قوم عاد کے شریروں نے ان کو مار پیٹ کر الگ کر دیا اور دعائیں مانگنے لگے اس وقت اللہ تعالیٰ نے تین بدلیاں بھیجیں۔ ایک سفید، ایک سرخ، ایک سیاہ اور آسمان سے ایک آواز آئی کہ اے قوم عاد! تم لوگ اپنی قوم کیلئے ان تین بدلیوں میں سے ایک بدلی کو پسند کر لو۔ ان لوگوں نے کالی بدلی کو پسند کر لیا اور یہ لوگ اس خیال میں مگن تھے کہ کالی بدلی خوب زیادہ بارش دے گی۔ چنانچہ وہ ابر سیاہ قوم عاد کی آبادیوں کی طرف چل پڑا قوم عاد کے لوگ کالی بدلی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! دیکھ لو عذاب الٰہی ابر کی صورت میں تمہاری طرف بڑھ رہا ہے مگر قوم کے گستاخوں نے اپنے نبی کو جھٹلا دیا اور کہا: کہاں کا عذاب اور کیسا عذاب؟

یہ تو بادل ہے جو ہمیں بارش دینے کے لیے آ رہا ہے۔ (روح البیان ج۳، ۱۸۸)

یہ بادل مغرب کی طرف سے آبادیوں کی طرف برابر بڑھتا رہا اور ایک دم ناگہاں اس میں سے ایک آندھی آئی جو اتنی شدید تھی کہ اونٹوں کو مع ان کے سوار کے اڑا کر کہیں سے کہیں پھینک دیتی تھی۔ پھر اتنی زوردار ہوگئی کہ درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر اڑا لے جانے لگی یہ دیکھ کر قوم عاد کے لوگوں نے اپنے سنگین محلوں میں داخل ہو کر دروازوں کو بند کر لیا، مگر آندھی کے جھونکے نہ صرف دروازوں کو اکھاڑ کر لے گئے بلکہ پوری عمارتوں کو جھنجھوڑ کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سات رات اور آٹھ دن مسلسل یہ آندھی چلتی رہی۔ یہاں تک کہ قوم عاد کا ایک ایک آدمی مر کر فنا ہو گیا اور اس قوم کا ایک بچہ بھی باقی نہ رہا۔ جب آندھی ختم ہوئی تو اس قوم کی لمبی لمبی لاشیں زمین پر اس طرح پڑی ہوئی تھیں جس طرح کھجوروں کے درخت

اکھڑ کر زمین پر پڑے ہوں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝ (الحاقہ رکوع ۱)

اور رہے عاد تو وہ ہلاک کیے گئے نہایت سخت گرجتی آندھی سے وہ ان پر قوت سے لگا دی گئی سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار۔ تو ان لوگوں کو پچھڑے ہوئے دیکھو گویا وہ کھجور کے درخت ہیں گرے ہوئے، تو تم ان میں سے کسی کو بچا ہوا دیکھ رہے ہو؟ پھر قدرت خداوندی سے کالے رنگ کے پرندوں کا ایک غول نمودار ہوا جنہوں نے ان کی لاشوں کو اٹھا اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور حضرت ہود علیہ السلام نے اس بستی کو چھوڑ دیا اور چند مومنین کو جو ایمان لائے تھے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ چلے گئے اور آخری زندگی تک بیت اللہ شریف میں عبادت کرتے رہے۔ (صاوی ج۲ ص۷۳)

نجات کا ایک ہی راستہ ہے

قرآن کریم کے اس دردناک واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ "قوم عاد" جو بڑی طاقتور اور قد آور قوم تھی اور ان لوگوں کی مالی خوشحالی بھی نہایت مستحکم تھی، کیونکہ لہلہاتی کھیتیاں اور ہرے بھرے باغات ان کے پاس تھے۔ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان لوگوں نے گرمیوں اور سردیوں کے لیے الگ الگ محلات تعمیر کیے تھے اور ان لوگوں کو اپنی کثرت اور طاقت پر بڑا اعتماد، اور اپنے تمول اور سامان عیش و عشرت پر بڑا ناز تھا، مگر کفر اور بداعمالیوں و بدکاریوں کی نحوست نے ان لوگوں کو قہر الٰہی کے عذاب میں اس طرح گرفتار کر دیا کہ آندھی کے جھونکوں اور جھٹکوں نے ان کی پوری آبادی کو جھنجھوڑ کر چکنا چور کر دیا اور اس پوری قوم کے وجود کو صفحہ ہستی سے اس طرح مٹا دیا کہ ان کی قبروں کا بھی کہیں نشان باقی نہ رہا، تو پھر بھلا ہم لوگوں جیسی کمزور قوموں کا کیا ٹھکانہ ہے؟ کہ عذاب الٰہی کے جھٹکوں کی تاب لا سکیں گی۔ اس لیے جن لوگوں کو اپنی اور اپنی نسلوں کی خیریت و بقا منظور ہے۔ انہیں لازم ہے کہ وہ اللہ و رسول کی نافرمانیوں

Scanned with CamScanner

اور بداعمالیوں سے ہمیشہ بچتے رہیں اور اپنی کوشش اور طاقت بھر اعمال صالحہ اور نیکیاں کرتے رہیں ورنہ قرآن مجید کی آیتیں ہمیں جھنجھوڑ کر یہ سبق دے رہی ہیں کہ نیکی کی تاثیر آبادی اور بدی کی تاثیر بربادی ہے۔ قرآن مجید میں پڑھ لو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝

(الاعراف رکوع ۱۲ پارہ ۹)

اور اگر بستیوں والے ایمان پر رہتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر برکتوں کے دروازے آسمان و زمین سے کھول دیتے لیکن ان لوگوں نے حق کو جھٹلا دیا' تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا۔

(۱۲۴)

کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

الملک الصالح کا دربان عفو و امان کا علامتی رومال لے کر سلطان العلماء عز بن عبدالسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ کے دربان نے عرض کیا:

حضرت استاذ العلماء! آپ جن مناصب پر فائز تھے، آپ ان پر دوبارہ فائز ہو سکتے ہیں بلکہ آپ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ آپ اپنے رویے میں لچک اختیار فرمائیں اور بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دے دیں۔

دربان کا خیال تھا کہ شیخ یہ کام تو بخوشی انجام دے دیں گے۔ اس کی دانست میں ترغیب کا یہ تیر اپنے نشانے پر لگا تھا کیونکہ جب کوئی اٹل ارادے کا مالک کسی دنیادار کے آگے جھکنے سے انکار کر دے تو وہ اس کو شکار کرنے کے لئے مکر و فریب کا جال پھینکتے ہیں۔ اسے کسی عہدہ کی پیشکش کرتے ہیں، مال کا لالچ دیتے ہیں یا پھر عورت پیش کرتے ہیں۔ لازمی بات ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی سر پھرا کیوں نہ ہو وہ ان میں سے کسی نہ کسی جال میں پھنس ہی جائے گا۔ ہو سکتا ہے تینوں جال پھینکے جائیں اور وہ ان تینوں میں پھنس جائے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو؟ لہٰذا دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔

لیکن خوددار، عظیم اور مطمئن نفوس جو دنیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر شے سے بے نیاز

Scanned with CamScanner

ہوتے ہیں۔ دنیا کی دولت اور جاہ ومنصب ان کے رویئے میں فرق نہیں لا سکتے۔ ان کی عظمت تو تنگی اور مشکل حالات میں ہی ظاہر ہوتی ہے۔

شیخ نے جب دربان کی چکنی چپڑی اور ترغیب آمیز گفتگو سنی تو وہ یک دم جنگل کے بادشاہ شیر کا روپ دھار گئے۔ ان میں کمزوری اور نرمی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ ان کے دل میں ایمان کی عزت جوش میں آ گئی۔ وہ عزت جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی عزت کا فیضان تھی۔ انہوں نے دربان کے منہ پر صاف لفظوں میں کہہ دیا:

اے مسکین! بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینا تو دور کی بات ہے۔ میں تو اس بات پر بھی راضی نہیں کہ بادشاہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے۔ پھر پورے جلال کے ساتھ طیش بھری آواز میں فرمایا:

اے لوگو! تم ایک وادی میں ہو اور ہم دوسری وادی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں جس ذلت میں بتلا کیا ہے، مجھے اس سے محفوظ رکھا ہے۔

دربان نے شیخ کی یہ گفتگو سنی تو حیران اور ششدر رہ گیا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے اس قسم کی گفتگو سننی پڑے گی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سر پر چٹان گر پڑی ہو۔ اسے یہ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا کہے؟ شیخ اپنی عزت نفس، ایمان کی سچائی اور اللہ تعالیٰ پر وثوق کی بدولت اس کے حواس پر چھا چکے تھے۔

دربان شیخ کی بات سن کر خاموش رہا۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد دھیمی اور عاجزانہ آواز کے ساتھ گویا ہوا۔ وہ کوشش کر کے بلند آواز میں گفتگو کرنا چاہتا تھا تاہم اس کی آواز میں خوف، ذلت اور عاجزی کی جھلک صاف طور پر محسوس کی جا سکتی تھی۔ جناب عالی! بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ اگر آپ میری پیشکش کو قبول نہ کریں تو آپ کو قید کر دوں۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟

اس کا خیال تھا کہ میری دھمکی شیخ کے دل پر اثر انداز ہو گی۔ شیخ کی تمام بیبا کی رخصت ہو جائے گی۔ انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانا آسان ہو جائے گا اور شیخ نہ چاہتے ہوئے بھی راضی ہو جائیں گے۔

لیکن شیخ کی قوت اور ثابت قدمی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ گویا ان پر وحی نازل ہوئی ہو جس نے ان کے دل کو تقویت بخش دی یا ان کو الہام ہوا ہو جس کی بنا پر وہ نہ بادشاہ کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ سزا کی اور ان کی نگاہوں میں دنیا اور دنیا والوں کا نام ونشان مٹ چکا ہو۔ وہ پاکیزہ نفوس اکابر جن کے دل دنیا کی محبت سے خالی تھے اور وہ دنیا سے کہیں بلند و بالا تھے، ان پر اکثر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی۔ شیخ سخت طیش میں آ گئے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی پھٹ پڑیں گے۔ پورے جلال کے ساتھ فرمایا:

تمہیں اختیار ہے، جو چاہے کر لو۔ ہاں ہاں! جو چاہے سزا دے لو۔

ان سے پوچھا تک نہیں کہ وہ کیا کریں گے؟ شاہ کے کارندوں نے سوچا کہ ان کا علاج سوائے قید کے کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ انہیں بادشاہ کے خیمے کے قریب ایک خیمے میں قید کر دیا اور گمان کیا کہ قید ہو کر ان میں نرمی آ جائے گی۔

لیکن شیخ کو اس تنہائی میں لطف آ گیا۔ انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت بھی کر رہے تھے اور قرآن کریم کے معانی پر غور وفکر بھی کر رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے خوش قسمتی سے انہیں فرصت وراحت کے یہ لمحات میسر آ گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گوشۂ تنہائی میں خوشبو کا معطر جھونکا عطا فرما دیا ہو۔

الملک الصالح کے پاس اس کے خیمے میں فرنگی بادشاہوں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ شاہ نے ان سے پوچھا: کیا آپ اس شیخ کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے سن رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں! بادشاہ نے بتایا کہ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا عالم ہے۔ میں نے مسلمانوں کے چند قلعے جو تمہارے سپرد کیے تھے، اس پر انہوں نے اعتراض کیا تھا۔ اس لئے میں نے انہیں قید کر دیا، دمشق کی خطابت اور دیگر ذمہ داریوں سے بھی برطرف کر دیا۔ اب یہ تمہاری وجہ سے قید میں ہیں۔

یہ سن کر شاہانِ فرنگ پر ہیبت طاری ہو گئی کہ یہ وہ عالم ہے جسے دنیا اپنی تمام تر چمک دمک کے باوجود اپنی طرف مائل نہیں کر سکی۔ یہ وقت کے بادشاہ سے نہیں ڈرے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رکھ

سکی۔ ان کے دل نے کہا کاش ایسا عالم ہمارے پاس ہوتا تو ہم اس پر فخر کرتے۔

انہوں نے کہا: اگر یہ عالم پادری ہوتا اور ہمارے پاس ہوتا تو ہم اس کے پاؤں دھوتے اور اس کے پاؤں کا دھوون پیتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرنگی حکمرانوں کو شکست دی اور مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا تو الملک الصالح شیخ عزالدین ابن عبدالسلام کی طرف متوجہ ہوا۔ لطف و کرم سے پیش آیا اور ان سے معذرت کی۔ انہیں دوبارہ مصر کا خطیب اور قاضی بنادیا، نیز مسجدوں کی تعمیر کا کام بھی ان کے سپرد کردیا۔

شیخ ملک صالح سے راضی ہوگئے اور اپنی ذمہ داریاں قبول کرلیں۔ کچھ عرصہ کے بعد منصب قضا سے استعفیٰ دے دیا۔ بادشاہ نے بڑے لطف و کرم سے کام لیتے ہوئے انہیں منصب قضا پر قائم رہنے کی اپیل کی جسے انہوں نے قبول کرلیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر انہوں نے استعفیٰ پیش کردیا۔ بادشاہ نے پھر اصرار کیا کہ اس منصب پر بحال رہیں لیکن انہوں نے درخواست کی کہ میرا استعفیٰ بہر صورت قبول کرلیا جائے۔ بالآخر بادشاہ نے بادل ناخواستہ ان کا استعفیٰ منظور کرلیا۔

یہ ہوتے ہیں خوددار نفوس، جنہیں ایمان کا پانی پلایا گیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر زمانے اور ہر جگہ میں عزت عطا فرماتا ہے اور بادشاہوں کو ایسی جگہ لاکر کھڑا کردیتا ہے کہ ان سے ڈرتے ہیں اور ان سے لطف و کرم کی امید رکھتے ہیں۔ یہ لوگ مسلم امہ کے لئے شاندار مثال اور مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں اور ایسا مرجع قرار پاتے ہیں جن سے مصائب اور مشقتوں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں۔

؎ کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

(طبقات الشافعیۃ۔ للامام السبکی' کسی قدر تصرف کے ساتھ)

(۱۲۵)

اعلانِ خداوندی کی کرشمہ سازی

قاضی ابوالحسن محمد بن عبدالواحد ہاشمی، محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ وہ البرقانی کے بقول ثقہ راوی حدیث، فاضل اور عابد و زاہد تھے۔

(تاریخ بغداد ج2 ص360-359)

قاضی ابوالحسن محمد بن عبدالواحد ہاشمی ایک تاجر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں اور اس تاجر کا بیان ہے کہ بغداد کے ایک امیر (گورنر) کے ذمے میرا بہت سا مال تھا۔ میں نے جب اس سے اپنے مال کا مطالبہ کیا تو وہ ٹال مٹول کرنے لگا: بلکہ میرا حق دینے سے انکار کر دیا۔ میں جب بھی اس کے گھر جا کر اپنے مال کا تقاضا کرتا وہ مجھ سے چھپ جاتا اور اپنے نوکروں کے ذریعے سے مجھے اذیت دیتا۔ میں جب عاجز آ گیا تو اس مقدمے کو آگے بڑھایا اور جا کر وزیر کے پاس شکوہ کیا' مگر میری شکایت صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ میں نے حکومت کے دیگر حکام و امرا کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا مگر وہاں بھی میری شکایت نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوئی۔ ادھر میرا مال غصب کرنے والا امیر مسلسل مجھے دھمکیاں دیتا رہا اور میرا مال لوٹانے سے انکار کرتا رہا۔

میں نے اپنے مال کے حصول کے لیے بڑی تگ و دو کی، جہاں جہاں اور جن جن سے مجھے امید تھی یا امید دلائی گئی میں وہاں شکایت لے کر پہنچا مگر میری تمام تر کوشش لاحاصل رہی۔ غرض میں مایوس ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے دل کو یہ کہہ کر مطمئن کرلیا کہ اب اپنے مال کی

Scanned with CamScanner

واپسی کی امید رکھنا فضول ہے اور وقت کا ضیاع ہے۔ میرا دل مطمئن کیا ہوتا امیر (گورنر) کے اس رویے سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ حزن وملال اور غم واندوہ کا ہجوم میرے دل و دماغ کو برابر کچوکے دے رہا تھا۔ میں حیرانی و پریشانی کی کشمکش میں تھا کہ کہاں جاؤں؟ جس سے شکایت کروں؟ میرا دکھ کون سنے گا؟ میری دادرسی کون کرے گا؟ میں اسی فکر میں تھا کہ ایک آدمی نے مجھ سے کہا: فلاں خیاط (درزی) کے پاس کیوں نہیں جاتے جو مسجد کی امامت بھی کرتا ہے؟ ہوسکتا ہے وہ تمہارے اس مقدمے کا کوئی مثبت حل نکال دے؟ میں نے اس سے کہا:

(وَمَا عَسٰی اَنْ یَّصْنَعَ خَیَّاطٌ مَّعَ هٰذَا الظَّالِمِ وَ اَعْیَانُ الدَّوْلَةِ لَمْ یَقْطَعُوْا فِیْهِ؟)

"بھلا وہ خیاط بیچارا اس ظالم امیر کا کیا کرسکتا ہے جبکہ حکومت کے سرکردہ لوگ بھی اس ظلم سے چھٹکارا نہیں دلا سکے؟"

اس آدمی نے مجھ سے کہا: تم نے آج تک جن جن سورماؤں کے پاس امیر کی شکایت کی ہے، وہ سبھی اس درزی امام کے سامنے ہیچ ہیں اور امیر اس امام سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہی خوفزدہ ہے۔ تم اسی امام کے پاس جا کر اپنا مقدمہ پیش کرو، ممکن ہے کوئی حل نکل آئے۔

چنانچہ میں نے اس آدمی کا مشورہ مان کر اس درزی امام کی خدمت میں جانے کا فیصلہ کرلیا جس کی اس نے نشاندہی کی تھی۔ امام کے پاس پہنچ کر میں نے اپنا مدعا اور اپنی حاجت بیان کی اور اس سلسلے میں جو ظلم وستم مجھ پر ہوا تھا اس کا بھی تذکرہ کیا۔ میری بات امام نے غور سے سنی اور مجھے لے کر اس ظالم امیر کے پاس پہنچا۔ امیر اسے دیکھتے ہی اس کے استقبال کو اٹھ کھڑا ہوا اور انتہائی عزت واحترام کے ساتھ پیش آیا۔ درزی امام نے امیر سے صرف اتنا ہی کہا:

(اِدْفَعْ اِلٰی هٰذَا الرَّجُلِ حَقَّهٗ وَاِلَّا اَذَّنْتُ)

"اس آدمی کا حق دے دو، ورنہ میں ابھی اذان دے دوں گا۔"

اتنا سننا تھا کہ امیر کا رنگ بدل گیا، اس پر کپکپی طاری ہوگئی، خوف ودہشت کے آثار اس کے چہرے سے ہویدا تھے۔ اس نے بلاچون وچرا میرا پورا مال لاکر دے دیا، ٹال مٹول یا پس وپیش کی ذرا سی بھی نوبت نہیں آئی۔

تاجر کا بیان ہے: میں یہ سب دیکھ کر سخت حیران تھا کہ یہ امام ایک معمولی آدمی ہے، اس کی حالت انتہائی خستہ ہے، جسمانی ساخت کمزور ہے، ظاہری وضع قطع بھی رعب ودبدبہ سے خالی ہے مگر بات کیا ہے کہ میرا مال ہڑپ کر جانے والے ظالم امیر نے اس معمولی سے امام کے آتے ہی بلاچون وچرا میرا حق ادا کر دیا اور کسی قسم کا احتجاج نہیں کیا۔

غرض میں نے امیر سے اپنا حق وصول کرنے کے بعد بطور شکرانہ درزی امام کو کچھ مال دینا چاہا مگر اس نے لینے سے انکار کردیا اور مجھ سے کہنے لگا:

(لَوْ اَرَدْتُّ هٰذَا الْمَکَانَ لِیْ مِنَ الْاَمْوَالِ مَالَا یُحْصٰی)

"اگر مجھے اس مال کی خواہش ہوتی تو میرے اتنے اموال اکٹھے ہوجاتے جن کا شمار ناممکن ہوتا۔"

میں نے درزی امام سے پوچھا: اچھا جناب! یہ تو بتائیں کہ اس ظالم امیر نے آپ کو دیکھتے ہی میرا حق کیوں ادا کر دیا جبکہ آپ سے قبل میں نے بڑی بڑی ہستیوں کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا، پھر بھی وہ امیر میری بات کو خاطر میں نہیں لایا؟

امام مسجد کی جرأت

درزی امام نے مجھے ایک واقعہ سنایا جو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔ امام نے بیان کیا:

کچھ دنوں قبل یہاں ایک ترک امیر تھا جو جوان بھی تھا اور خوبصورت بھی۔ ایک روز کی بات ہے کہ ایک عورت غسل خانے سے نہا دھو کر نکلی۔ اس عورت نے انتہائی بیش قیمت پوشاک زیب تن کر رکھی تھی اور حسن کی پری لگ رہی تھی۔ ترک امیر شراب پی کر مدہوش تھا، اس کی نگاہ جب غسل خانے سے نکلتی ہوئی اس حسین وجمیل عورت پر پڑی تو وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور عورت کو ورغلانے لگا کہ ہمارے گھر میں آجاؤ، مگر اس عورت نے اس کی پیشکش ٹھکرا

Scanned with CamScanner

دی اور اپنی عصمت وعفت کے تحفظ کے لیے باآواز بلند پکارنے لگی:

’’مسلمانو! میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ یہ امیر مجھے اپنے گھر لے جا کر مجھ پر دست درازی کرنا چاہتا ہے۔ میرے شوہر نے قسم کھا کر مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں اس کے علاوہ کسی کے گھر میں رات گزاروں تو مجھے طلاق۔ ایسی صورت میں اگر میں امیر کے گھر رات بھر رہ جاتی ہوں تو مجھے طلاق ہو جائے گی۔ نیز اس وجہ سے مجھے ننگ وعار کا سامنا بھی کرنا پڑے گا جو زندگی بھر میری بدنامی اور ذلت ورسوائی کا سبب بنا رہے گا، میرے آنسو اس ذلت ورسوائی اور بدنامی کو عمر بھر نہیں پونچھ سکیں گے۔‘‘ امام نے آگے بیان کیا:

عورت چیختی رہی، چلاتی رہی مگر کسی نے بھی اس کی آواز پر لبیک کہنے کی جرأت نہ کی۔ ادھر ظالم امیر عورت کو اپنے گھر میں داخل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے عورت کے ساتھ ترک امیر کا ظلم دیکھا تو میری غیرت وحمیت جاگ اٹھی اور میں نے عورت کو اس ظالم کے شکنجے سے چھڑانے کی ٹھان لی۔ میں امیر کے پاس پہنچا اور اس کی سرزنش کرنے لگا کہ عورت کو چھوڑ دو تا کہ وہ اپنے گھر جائے۔ اس ظالم نے میری ایک نہ سنی اور اپنی لاٹھی سے میرا سر پھوڑ دیا اور اس دوران میں وہ اس عورت کو مغلوب کر کے اپنے گھر کے اندر لے جانے میں کامیاب ہوگیا۔ میں پٹ کر اپنے گھر واپس آیا، خون دھویا اور سر پر پٹی کی۔ پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر ان سے یوں مخاطب ہوا:

(إِنَّ هٰذَا قَدْ فَعَلَ مَا قَدْ عَلِمْتُمْ فَقُومُوا مَعِيَ إِلَيْهِ لِنُنْكِرَ عَلَيْهِ وَنُخَلِّصَ الْمَرْأَةَ مِنْهُ)

’’اس امیر نے جو کچھ کیا ہے وہ تم لوگوں سے مخفی نہیں۔ آؤ چلو میرے ساتھ تا کہ ہم اس کے سامنے احتجاج کریں اور عورت کو اس کے شکنجے سے چھٹکارا دلائیں۔‘‘

سارے مقتدی میرے ساتھ ہو لیے، چنانچہ ہم لوگوں نے جا کر اس امیر کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ امیر اپنے سپاہیوں اور نوکروں کے ساتھ نکلا جو اپنے ہاتھوں میں لاٹھیاں اور

لوہے کے گرز لیے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے ہم لوگوں کو ایک طرف سے مارنا شروع کر دیا۔ امیر نے خاص طور سے مجھے گھیر لیا اور بہت مارا، حتیٰ کہ میں لہولہان ہو گیا۔ ہمیں وہاں سے دھکے دے کر نکالا گیا۔ یہ ہماری ذلت ورسوائی کی انتہا تھی۔

غرض ہمیں مقصد میں کامیابی کی بجائے ذلیل ہو کر وہاں سے لوٹنا پڑا۔ مجھے تو اس قدر شدید مار پڑی تھی کہ سخت تکلیف اور خون بہنے کی وجہ سے گھر کے راستے کی صحیح سمت بھی معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ میں جیسے تیسے گھر پہنچا اور فرش پر لیٹ رہا مگر نیند کہاں سے آئے۔ میں بے حد مضطرب و پریشان تھا کہ کون سا طریقہ اختیار کر کے اس مظلوم عورت کو اس ظالم امیر کے پنجے سے چھڑاؤں تا کہ وہ اپنے گھر چلی جائے اور اس کی طلاق واقع نہ ہو سکے۔

میں اسی کشمکش میں تھا کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک بات ڈالی، وہ یہ کہ میں اسی وقت صبح کی اذان پکاروں تا کہ امیر یہ سمجھ کر عورت کو اپنے گھر سے نکال دے کہ شاید فجر طلوع ہو چکی اور پھر وہ عورت اپنے گھر چلی جائے تا کہ اس کو طلاق نہ ہو، چنانچہ میں منارے پر چڑھ کر امیر کے گھر کی طرف دیکھنے لگا کہ دروازہ کھلا یا نہیں، اور کیا عورت گھر سے نکلی ہے یا نہیں؟ پھر میں نے اذان دے دی، پھر بھی عورت امیر کے گھر سے نکلتی ہوئی نظر نہیں آئی۔

اب میں نے عزم کر لیا کہ اقامت بھی کہہ دوں تا کہ امیر کو بالیقین معلوم ہو جائے کہ فجر طلوع ہو چکی ہے، پھر وہ عورت کو گھر سے نکال دے۔ میں ابھی اقامت کہنے کے لیے سوچ ہی رہا تھا کہ یکا یک راستہ گھڑسواروں اور پیدل چلنے والے سپاہیوں سے بھر گیا اور وہ سب یک زباں ہو کر کہنے لگے: (أَيْنَ الَّذِي أَذَّنَ هٰذِهِ السَّاعَةَ؟)

’’اس وقت اذان دینے والا کہاں ہے؟‘‘

میں کہنے لگا: میں نے اذان دی ہے۔ میں اس اذان سے تم لوگوں کی مدد حاصل کرنا چاہتا تھا، لہٰذا تم لوگ میری مدد کرو۔

سپاہیوں نے کہا: پہلے منارے سے نیچے اترو اور امیر المؤمنین معتضد باللہ کے پاس چل کر اپنی صفائی پیش کرو کہ اس وقت تم نے اذان کیوں دی ہے؟

جب میں خلیفہ معتضد باللہ کے پاس پہنچا تو وہ خلافت کی مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اسے دیکھ کر کانپ گیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خلیفہ نے مجھے قریب ہونے کو کہا۔ میں قریب ہوا اور میرا حال یہ تھا کہ میرا جسم تھرا رہا تھا۔ خلیفہ نے کہا:

(لِيَسْكُنْ رَوْعُكَ وَلْيَهْدَأْ قَلْبُكَ) ''تیرا خوف ختم اور تیرا دل مطمئن ہونا چاہیے۔''

پھر خلیفہ نے میرے خوف و دہشت کو ختم کرنے کے لیے انتہائی نرمی سے گفتگو کی اور میرے ساتھ ملاطفت کرتا رہا، حتیٰ کہ میں بالکل مطمئن ہو گیا اور دہشت کی وجہ سے جو کیفیت میرے اوپر طاری تھی وہ زائل ہو گئی۔ پھر خلیفہ گویا ہوا:

(أَنْتَ الَّذِي أَذَّنْتَ هٰذِهِ السَّاعَةَ؟) ''تم ہی ہو جس نے اس وقت اذان دی ہے؟''

میں نے عرض کی: جی ہاں، اے امیر المؤمنین!

خلیفہ نے پوچھا: بات کیا ہے؟ اس وقت اذان کیوں دی ہے جبکہ ابھی اذان فجر میں خاصا وقت باقی ہے؟ تمہاری اس اذان سے نہ جانے کتنے روزے داروں، مسافروں اور نمازیوں کو دھوکہ ہوا ہوگا؟

میں نے عرض کی: امیر المؤمنین اگر مجھے امان کا پروانہ جاری کر دیں تو میں حقیقت حال سے آگاہ کروں۔

خلیفہ نے کہا: ہاں میری طرف سے امان ہے، اپنی بات بلا جھجک بیان کرو۔

پھر میں نے خلیفہ کو پوری داستان سنا ڈالی۔ سنتے ہی خلیفہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس ظالم امیر اور اس کے شکنجے میں پھنسی عورت کو ہر حالت میں فوراً حاضر کیا جائے۔

آناً فاناً وہ دونوں حاضر کیے گئے۔ خلیفہ نے چند معتمد خواتین کے ساتھ اس عورت کو اس کے گھر بھیج دیا اور اس کے شوہر کو یہ کہلا بھیجا کہ وہ اپنی بیوی سے درگزر کرے اور اس کے ساتھ احسان کرے کیونکہ اس کی بیوی معذور ہے اور اس پر زبردستی دست درازی ہوئی ہے۔

پھر خلیفہ اس نوجوان ترک امیر کی طرف متوجہ ہوا: تیرے پاس مال و دولت کے ساتھ ساتھ بیویاں اور لونڈیاں کتنی ہیں؟ امیر نے خلیفہ کو بتایا کہ اس کے پاس بہت سارا مال ہے، بیویاں بھی ہیں اور بہت سی لونڈیاں بھی ہیں۔

خلیفہ نے کہا: تیری بربادی ہو، تیرا ناس ہو! اللہ تعالیٰ نے تیرے اوپر اتنے سارے احسانات کیے ہیں، پھر بھی تو حرمات و حدود الٰہی کو پھلانگ گیا اور اس قدر جرأت مندانہ اقدام کیا کہ جس آدمی نے تجھے برائی سے روکا اور بھلائی کا حکم دیا اس کی پٹائی کر دی، اس کو ذلیل و رسوا کیا اور اس کو لہولہان کر دیا؟

خلیفہ کی باتوں کا اس مجرم امیر کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ خلیفہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا: اس کے پاؤں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق ڈال کر بوری کے اندر ڈال دو اور لاٹھیوں سے اس کو خوب مارو۔

سپاہیوں نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔ مجرم امیر کے پیروں میں بیڑیاں پہنائی گئیں، اس کی گردن میں طوق ڈالا گیا، اور اسے بوری میں ڈال کر اس کے اوپر لاٹھیاں برسائی گئیں۔ وہ زور زور سے چیخ رہا تھا، ہائے ہائے کہہ کر چلا رہا تھا مگر کوئی اس کو رحم کی بھیک دینے کو تیار نہ تھا، کوئی اس کی آواز پر کان دھرنے والا نہ تھا۔ چلاتے چلاتے اس کی آواز یکا یک پست ہو گئی اور پھر اس کے بعد خلیفہ کے حکم سے اس کو اٹھا کر بوری سمیت دریائے دجلہ میں پھینک دیا گیا۔

اس عبرتناک سزا کے بعد خلیفہ معتضد باللہ نے اس کا وہ مال و جائیداد جسے اس نے ظالمانہ و غاصبانہ طور پر اپنے قبضے میں کر رکھا تھا، بیت المال میں ضم کرنے کا حکم دیا اور پھر غیرت و حمیت سے سرشار اس مرد صالح اور خیاط امام کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوا:

''امام صاحب! آپ جائیں۔ اس کے بعد کسی بھی قسم کا منکر دیکھیں اور اس کا ارتکاب کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو، اگر آپ مجھ تک پہنچ سکتے ہیں تو آ کر مجھ سے شکایت کریں اور اگر مجھ تک نہ پہنچ سکیں تو اسی وقت اذان دے دیں جیسے اس مقدمہ کو منظر عام پر لانے کے لیے آپ نے اذان دی تھی۔''

Scanned with CamScanner

تاجر کا بیان ہے: یہ تفصیلی داستان سنانے کے بعد خیاط امام نے مجھے بتایا کہ اس واقعے کے بعد اگر میں کسی بھی حکومتی آدمی کو کوئی بھلائی کا کام بتاتا ہوں تو اس کو قبول کرتا ہے اور جب کسی منکر سے روکتا ہوں فوراً رک جاتا ہے، کیونکہ ان کے اوپر خلیفہ معتضد باللہ کا خوف طاری رہتا ہے، مگر آج تک دوبارہ اس قسم کی اذان دینے کی نوبت نہیں آسکی اور اس اذان کی جو قدر و قیمت ہے وہ تم نے دیکھ ہی لی۔

(البداية والنهاية لابن كثير :704/14، 707 دار ہجر، المنتظم لابن الجوزی: 317/12)

(۱۲۶)

حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی مرویات

کرامات وارشادات

☆ حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ”جس نے اپنے مسلمان بھائی کی کسی حاجت کو پورا کیا اس کے لئے حج وعمرہ کرنے والے کی مثل ثواب ہے۔“

(تاریخ بغداد، الرقم: ۲۸۷، احمد بن محمد ابوالحسن النوری، ج ۵، ص ۳۳۹)

☆ ...... حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ اپنی سند کے ساتھ حضرت سیّدنا عمرو بن دینار علیہ الرحمۃ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”جس نے سوتے وقت یہ دعا پڑھی:

”اَللّٰھُمَّ اٰمِنَّا مِنْ مَکْرِكَ وَلَا تُنْسِنَا ذِکْرَكَ وَلَا تَکْشِفْ عَنَّا سِتْرَكَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْغَافِلِیْنَ، اَللّٰھُمَّ ابْعَثْنَا فِیْ اَحَبِّ السَّاعَاتِ اِلَیْكَ حَتّٰی نَذْکُرَكَ فَتَذْکُرَنَا وَنَسْاَلُكَ فَتُعْطِیَنَا وَ نَدْعُوْكَ فَتَسْتَجِیْبُ لَنَا وَ نَسْتَغْفِرُكَ فَتَغْفِرَلَنَا

یعنی اے اللہ تعالیٰ! ہمیں اپنی خفیہ تدبیر سے محفوظ فرما، ہمیں اپنا ذکر نہ بھلا، ہمارے گناہوں کو چھپائے رکھ، ہمیں غافلوں میں سے نہ کر، اے اللہ تعالیٰ! ہمیں اپنے پسندیدہ لمحات میں بیدار فرما کہ ہم تیرا ذکر کریں تو تو ہمارا چرچا کر، ہم تجھ سے سوال کریں تو تو ہمیں عطا کر، ہم تجھ سے دعا کریں تو تو ہماری دعا

Scanned with CamScanner

قبول کر، ہم تجھ سے مغفرت چاہیں تو تو ہمیں بخش دے۔'' تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس اپنی پسندیدہ ساعت میں (یعنی تہجد کے وقت) بیدار کرنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجتا ہے اگر وہ بیدار ہو جائے تو فبہا (ٹھیک ہے)، ورنہ وہ فرشتہ آسمان پر چلا جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ بھیجا جاتا ہے، وہ بیدار کرتا ہے اگر وہ اٹھ کر نماز ادا کر لے تو فبہا، ورنہ وہ فرشتہ بھی اپنے رفیق کے ساتھ جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ شخص اٹھ کر نماز تہجد پڑھے اور دعا کرے تو اس کی دعا قبول کر لی جاتی ہے اور اگر نماز نہ پڑھے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان ملائکہ کا ثواب لکھ دیتا ہے۔'' (کنز العمال، کتاب المعیشۃ والعادات قسم الاقوال، باب رابع، فصل اول، الحدیث ۴۳۱۹۱، ج ۱۵، ص ۱۴۹ ۔ بتغیر قلیل)

☆......حضرت سیّدنا ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے، اس دن میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک کھلا ہوا دیکھ کر عرض کی: ''اے ابو محفوظ! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ پانی پر چلتے ہیں؟'' تو ارشاد فرمایا: ''میں کبھی پانی پر نہیں چلا بلکہ جب میں پانی عبور کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کی دونوں طرفیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور میں اس پر قدم رکھ کر چلنے لگ جاتا ہوں۔

☆......حضرت سیّدنا محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اذان مغرب کے وقت حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کے پاس تھا اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر کسی چوٹ کا نشان نہ تھا لیکن جب اگلے دن حاضر ہوا تو چوٹ کا نشان دیکھا۔ میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے بزرگ جو کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے خاصے مانوس تھے، سے عرض کی: ''آپ ان سے اس کی وجہ پوچھئے۔'' چنانچہ، انہوں نے پوچھا: ''اے ابو محفوظ! کل تک تو آپ کے چہرے پر کوئی نشان نہ تھا، پھر آج یہ نشان کیسے بنا؟'' ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے! فضول باتوں کے متعلق سوال مت کرو۔'' لیکن اس بزرگ نے پھر عرض کی: ''میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمیں ضرور بتائیے؟'' حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ نے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، تمہیں کس نے یہ بات پوچھنے پر ابھارا؟'' پھر

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ متغیر ہو گیا پھر ارشاد فرمایا: ''رات نماز عشاء کے بعد میرے دل نے بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی خواہش کی تو میں مکہ شریف جا پہنچا۔ طواف کر کے زمزم شریف کی طرف پانی پینے گیا تو اچانک ایک حسین صورت دکھائی دی۔ میری نظر اس پر جم گئی تو اچانک میرا پاؤں دروازے میں پھسل گیا جس سے میرے چہرے پر چوٹ لگ گئی۔ پھر میں نے کسی کی آواز سنی: ''اگر تم مزید دیکھتے تو مزید چوٹیں کھاتے۔''

☆......حضرت سیّدنا علی حسن بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ پانی پر چلتے ہیں، اگر مجھے کہا جائے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہوا میں اڑتے ہیں تو میں اس بات کی بھی تصدیق کروں گا۔''

☆......حضرت سیّدنا عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ سے بڑا زاہد کوئی نہیں دیکھا۔ (تاریخ بغداد، الرقم ۷۱۷۷ معروف بن الفیرزان ابو محفوظ العابد المعروف بالکرخی، ج ۱۳، ص ۲۰۷)

☆......سیّدنا ابراہیم بکاء علیہ الرحمۃ اللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کو ارشاد فرماتے سنا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور بحث و مباحثہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے عمل کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور بحث و مباحثہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔'' (حلیۃ الاولیاء، معروف الکرخی، الحدیث ۱۲۶۹۰، ج ۸، ص ۴۰۵)

☆......حضرت سیّدنا یحییٰ بن معین اور حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما دونوں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سیّدنا یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں ان سے سجدۂ سہو کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خاموش رہنے کا حکم دیا لیکن وہ خاموش نہ رہے اور عرض کی: ''اے ابو محفوظ! آپ سجدۂ سہو کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟'' حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا: ''یہ دل کے لئے سزا ہے کہ وہ نماز سے غافل ہو کر دوسری طرف کیوں متوجہ ہوا۔'' یہ سن کر حضرت سیّدنا احمد

Scanned with CamScanner

بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''یہ بات آپ کی ذہانت پر دلالت کرتی ہے۔'' (تاریخ بغداد، الرقم ۷۱۷۷ معروف بن الفیرزان ابومحفوظ العابد المعروف بالکرخی، ج ۱۳، ص ۲۰۱)

☆......ایک دن حضرت سیّدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کے لئے اقامت کہی۔ پھر حضرت سیّدنا محمد بن ابی توبہ علیہ الرحمۃ سے ارشاد فرمایا: ''آگے بڑھ کر ہمیں نماز پڑھایئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ امامت نہیں کراتے تھے، بلکہ صرف اذان واقامت کہتے تھے جبکہ امامت کوئی اور کرتا تھا۔'' حضرت سیّدنا محمد بن ابی توبہ علیہ الرحمۃ نے عرض کی: ''اگر میں تمہیں یہ نماز پڑھاؤں تو دوسری نماز کی امامت نہیں کروں گا۔'' یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم دوسری نماز کی امید کرتے ہو؟ ہم لمبی امیدوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں کیونکہ یہ بہترین عمل سے روک دیتی ہے۔'' (حلیۃ الاولیاء، معروف الکرخی، الحدیث ۱۲۷۸۸، ج ۸، ص ۴۰۵)

☆......حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے: ''دنیا چار چیزوں کا نام ہے: (۱)......مال (۲)......کلام (۳)......سونا (۴)......کھانا کیونکہ مال سرکشی کا سبب ہے، کلام لہو ولعب میں مبتلا کر دیتا ہے، نیند غافل کر دیتی ہے اور کھانا دل کی سختی کا باعث ہے۔

☆......حضرت سیّدنا سری سقطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''جس نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بڑائی چاہنے کا ارادہ کیا تو وہ اسے بری طرح پچھاڑ دے گا، جس نے اس سے لڑائی کا ارادہ کیا تو وہ اسے ذلیل کر دے گا، جس نے اس کو دھوکہ دینا چاہا تو وہ اسے اس کی سزا دے گا اور جس نے اس پر بھروسہ کیا تو وہ اسے نفع دے گا اور جس نے اس کے لئے عاجزی کی تو وہ اسے بلند رتبہ عطا فرمائے گا۔'' (سیر اعلام النبلاء، الرقم ۱۴۲۵ معروف الکرخی، ج ۸، ص ۲۱۸)

☆......حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں عرض کی گئی: ''دل سے دنیا کی محبت نکالنے کا نسخہ کیا ہے؟'' ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے سچی محبت اور لوگوں کے ساتھ اچھا

برتاؤ کرنا اور خالص محبت کی علامات تین ہیں: (۱)......وعدہ پورا کرنا (۲)......بغیر سوال کے عطا کرنا (۳)......کوئی سخاوت نہ کرے پھر بھی اس کی تعریف کرنا اور محبین کی علامات بھی تین ہیں: (۱)......رضائے الٰہی عزوجل کی جستجو میں رہنا (۲)......اسی کی ذات میں مشغول رہنا (۳)......ہمیشہ اسی کی پناہ طلب کرنا۔''

(حلیۃ الاولیاء، معروف الکرخی، الحدیث ۱۲۷۱۸، ج ۸، ص ۴۱۱)

Scanned with CamScanner

(۱۲۷)

شہر سندوم کا حال

حضرت لوط علیہ السلام کا شہر ''سندوم'' ہے۔ جو ملک شام میں صوبہ ''حمص'' کا ایک مشہور شہر ہے حضرت لوط علیہ السلام بن ہاران بن تارخ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ یہ لوگ عراق میں شہر ''بابل'' کے باشندے تھے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے ہجرت کر کے ''فلسطین'' تشریف لے گئے اور حضرت لوط علیہ السلام ملک شام کے ایک شہر ''اردن'' میں مقیم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرما کر ''سندوم'' والوں کی ہدایت کیلئے بھیج دیا۔ (صاوی ج ۲ ص ۷۵)

شہر سندوم کی بستیاں بہت آباد اور نہایت سرسبز و شاداب تھیں اور وہاں طرح طرح کے اناج اور قسم قسم کے پھل اور میوے بکثرت پیدا ہوئے تھے۔ شہر کی خوشحالی کی وجہ سے اکثر جابجا کے لوگ مہمان بن کر ان آبادیوں میں آیا کرتے تھے اور شہر کے لوگوں کو ان مہمانوں کی مہمان نوازی کا بار اٹھانا پڑتا تھا۔ اس لیے اس شہر کے لوگ مہمانوں کی آمد سے بہت ہی کبیدہ خاطر اور تنگ ہو چکے تھے' مگر مہمانوں کو روکنے اور بھگانے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس ماحول میں ابلیس لعین ایک بوڑھے کی صورت میں نمودار ہوا اور ان لوگوں سے کہنے لگا: تم لوگ مہمانوں کی آمد سے نجات چاہتے ہو' تو اس کی یہ تدبیر ہے کہ جب بھی کوئی مہمان تمہاری بستی میں آئے' تو تم لوگ زبردستی اس کے ساتھ بدفعلی کرو۔ چنانچہ سب سے پہلے ابلیس خود ایک لڑکے کی شکل میں مہمان بن کر اس بستی میں داخل ہوا اور ان لوگوں سے خوب خوب بدفعلی

کرائی۔ اس طرح یہ فعل بد ان لوگوں نے شیطان سے سیکھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس برے کام کے یہ لوگ اس قدر عادی بن گئے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرنے لگے۔ (روح البیان ج ۳ ص ۱۹۷ اعراف) چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس فعل بد سے منع کرتے ہوئے اس طرح وعظ فرمایا:

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ○ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○

(الاعراف رکوع ۱۰ پ ۸)

کیا تم لوگ وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے بھی نہ کی۔ تم مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلا شبہ تم لوگ حد سے گزر گئے ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام کے اس اصلاحی اور مصلحانہ وعظ کو سن کر ان کی قوم نے نہایت بے باکی اور انتہائی بے حیائی کے ساتھ کیا کہا؟ اس کو قرآن کی زبان سے سنئے!

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ○ (الاعراف رکوع ۱۰)

اور ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ان (حضرت لوط) کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں۔ (از رہِ تمسخر کیا)

جب قوم لوط کی سرکشی اور بدفعلی قابل ہدایت نہ رہی' تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام چند فرشتوں کو ہمراہ لے کر آسمان سے اتر پڑے۔ پھر یہ فرشتے مہمان بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے اور یہ سب فرشتے بہت ہی حسین اور خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے۔ ان مہمانوں کے حسن و جمال کو دیکھ کر اور قوم کی بدکاری کا خیال کر کے حضرت لوط علیہ السلام بہت فکر مند ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں قوم کے بدفعلوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور ان مہمانوں کے ساتھ بدفعلی کے ارادے سے دیوار پر چڑھنے لگے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے نہایت دل سوزی کے ساتھ ان لوگوں کو سمجھانا اور اس برے کام

Scanned with CamScanner

سے منع کرنا شروع کر دیا' مگر یہ بدفعل اور سرکش قوم اپنے بیہودہ جواب اور برے اقدام سے باز نہ آئی' تو آپ اپنی تنہائی اور مہمانوں کے سامنے رسوائی سے تنگ دل ہو کر غمگین و رنجیدہ ہو گئے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ بالکل ہی کوئی فکر نہ کریں۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو ان بدکاروں پر عذاب لے کر اترے ہیں۔ لہٰذا آپ مومنین اور اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر صبح ہونے سے قبل ہی اس بستی سے دور نکل جائیں اور خبردار کوئی شخص پیچھے مڑ کر اس بستی کی طرف نہ دیکھے ورنہ وہ بھی اس عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں اور مومنین کو ہمراہ لے کر بستی سے باہر نکل گئے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اس شہر کی پانچوں بستیوں کو اپنے پروں پر اٹھا کر آسمان کی طرف بلند ہوئے اور کچھ اوپر جا کر ان بستیوں کو الٹ دیا اور یہ آبادیاں زمین پر گر کر چکنا چور ہو کر زمین پر بکھر گئیں۔ پھر کنکر کے پتھروں کا مینہ برسا اور اس زور کی سنگباری ہوئی کہ قوم لوط کا ایک ایک آدمی مر گیا اور ان کی لاشیں بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئیں عین اس وقت جب کہ یہ شہر الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی ایک بیوی جس کا نام ''واعلہ'' تھا جو درحقیقت منافقہ تھی اور قوم کے بدکاروں سے محبت رکھتی تھی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا اور یہ کہا: ''ہائے رے میری قوم!'' یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی، پھر عذاب الٰہی کا ایک پتھر اس کے اوپر بھی گر پڑا اور وہ بھی ہلاک ہو گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ○

(الاعراف رکوع ۱۰ پ ۸)

تو ہم نے حضرت لوط اور ان کے گھر والوں کو نجات دی۔ بجز ان کی ایک عورت کے کہ وہ رہ جانے والوں میں ہوئی اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا' تو دیکھو تو کیسا انجام ہوا مجرموں کا؟

جو پتھر اس قوم پر برسائے گئے وہ کنکروں کے ٹکڑے تھے اور ہر پتھر پر اس شخص کا نام

لکھا ہوا تھا جو اس پتھر سے ہلاک ہوا۔ (صاوی ج ۲ ص ۷۶)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ لواطت کس قدر شدید اور ہولناک گناہ کبیرہ ہے کہ اس جرم میں قوم لوط کی بستیاں الٹ پلٹ کر دی گئیں اور مجرمین پتھراؤ کے عذاب سے مر کر دنیا سے نیست و نابود ہو گئے!

منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ ابلیس لعین سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑھ کر کون سا گناہ ناپسند ہے؟ تو ابلیس نے کہا: سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو یہ گناہ ناپسند ہے کہ مرد مرد سے بدفعلی کرے اور عورت، عورت سے اپنی خواہش پوری کرے اور حدیث میں ہے کہ عورت کا اپنی فرج کو دوسری عورت کی فرج سے رگڑنا یہ ان دونوں کی زناکاری ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔ (روح البیان ج ۳ ص ۱۹۸)

☆ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ایک شخص نبی مکرم، نور مجسم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس حالت میں کہ اس کا خون بہہ رہا تھا تو آپ ﷺ نے اس سے استفسار فرمایا: ''تجھے کیا ہوا؟'' اس نے عرض کی: ''میرے پاس سے ایک عورت گزری تو میں نے اس کی طرف دیکھا اور میری نگاہیں مسلسل اس کا پیچھا کرتی رہیں کہ اچانک میرے سامنے ایک دیوار آ گئی جس نے مجھے زخمی کر دیا اور میرا یہ حال کر دیا جسے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔'' تو نبی کریم، رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دنیا ہی میں اس کی سزا دے دیتا ہے۔'' (مجمع الزوائد، کتاب التوبة، باب فيمن عوقب بذنبه في الدنيا، رقم ۱۷۴۷۱، ج ۱۰، ص ۳۱۳)

Scanned with CamScanner

(۱۲۸)

تین براعظموں کا غیرتمند بادشاہ

سلطان عبدالحمید ترکی کے وہ حکمران تھے جن کی حکومت تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی، جب یورپ میں نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ پر فلم بنائی گئی تو سلطان نے یورپ کے سفیر کو بلا کر تلوار میان سے باہر نکالی اور دھمکی دی کہ جب تک یہ فلم بند نہیں کی جاتی اور یورپ کے حکمران معذرت نہیں کرتے اس وقت تک یہ تلوار میان میں نہیں جائے گی، اس دھمکی پر پورا یورپ کانپ اٹھا تھا اور یورپ کے حکمرانوں نے معافی مانگی تھی۔

حیفا میں ایک یہودی نے سلطان عبدالحمید ثانی عثمانی کے خلاف مقدمہ درج کروایا کہ سلطان نے میری ملکیتی زمین ناحق مملکت کی املاک میں شامل کرلی ہے۔ اس نے حیفا کے خطیب قاضی ابونصر کے محکمہ میں باقاعدہ مقدمہ درج کروایا۔ وہ کئی سال سے مختلف قاضیوں کے پاس مقدمہ درج کروا رہا تھا۔ چونکہ یہ ایک یہودی کا مقدمہ تھا اور سلطان عبدالحمید کے خلاف تھا، اس لئے کسی قاضی نے اسے قابل توجہ نہ سمجھا۔

جب یہ دعویٰ حیفا کے خطیب اور قاضی کے پاس پہنچا تو انہوں نے فیصلے کے لئے مجلس منعقد کی۔ مملکت کی املاک کے وکیل کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ قانونی دستاویز پیش کرے۔ ادھر یہودی کو حکم دیا کہ تمہارے پاس جو ثبوت ہے پیش کرو۔ یہودی نے زمین کی ملکیت کی خصوصی دستاویز پیش کردیں۔ سلطان کے وکیل نے اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے کوئی ثبوت پیش نہ کیا کیونکہ اسے سلطان کے جاہ ومنصب اور قوت پر بھروسہ تھا اور وہ

جانتا تھا کہ قاضی حضرات مملکت کے سربراہوں کے سامنے بے بس ہوتے ہیں۔ اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کوئی بڑے سے بڑا قاضی سلطان وقت کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہ مقدمہ کئی سال سے لٹکتا چلا آرہا تھا۔ ایک کے بعد دوسرے قاضی کے سامنے پیش ہوتا رہا۔ جب فیصلہ کرنے کا وقت آتا تو اسے محفوظ کردیتے۔ وہ کاغذات اور رجسٹروں میں گم ہوجاتا اور اس کا نام ونشان تک غائب ہوجاتا۔

قاضی اور خطیب ابوالنصر ہیڈ منشی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے حکم دیا کہ سلطان عبدالحمید کے خلاف فیصلہ لکھو اور لکھو کہ غصب کی ہوئی زمین مظلوم یہودی کو واپس کی جائے۔ ہیڈ منشی مارے دہشت کے کانپ اٹھا۔ اس نے قاضی کی بات پر تعجب کرتے ہوئے قاضی کی طرف دیکھا اور اپنی نگاہیں قاضی کے چہرے پر مرکوز کردیں۔ گویا اسے یاد دلا رہا ہو کہ غور کرلیں! یہ فیصلہ سلطان وقت سلطان عبدالحمید کے خلاف ہے۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج کون سلطان کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے؟ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے فیصلہ تحریر کرنے سے معذرت کردی۔ قلم قاضی کے سامنے رکھ دیا اور کہنے لگا: جناب قاضی صاحب! مجھے یہ مشکل کام کرنے سے معذور رکھئے! اگر آپ چاہتے ہیں تو خود لکھ لیں جو آپ کے جی میں آئے لیکن قاضی ابوالنصر نے ہیڈ منشی اور اس کی معذرت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ وہ چونکہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ حق یہودی کی طرف ہے اور اس کے پاس اپنے حق کا ثبوت موجود ہے۔ اس لئے وہ سلطان کو خاطر میں لائے اور نہ اس کے انتقام کو۔ ان کی نگاہوں میں سلطان اور اس کے حاشیہ بردار سب چھوٹے چھوٹے افراد دکھائی دیئے۔ ان کے سامنے حق اس عظمت کے ساتھ جلوہ گر ہوا کہ اس کے منافی ہر شے ان کی نگاہوں سے غائب ہوگئی۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر آسمان سے وحی نازل ہوئی ہو یا ان کے دل میں القاء کیا گیا ہو کہ ہر قیمت پر حق کی حمایت کی جائے اور یہ آیہ کریمہ ان کی نگاہوں کے سامنے آگئی ہو جس کا ایک ایک حرف اور معنی پکار پکار کر ان کو متوجہ کررہا ہو:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ

Scanned with CamScanner

اَنْفُسِكُمْ (النساء:۴/۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر سختی سے قائم رہو، اللہ کے لئے گواہ ہو جاؤ اگر چہ اپنے خلاف ہی گواہی دینی پڑے۔

ایک لمحے میں قاضی نے فیصلہ کیا، کاغذ اور قلم اٹھایا اور چند کلمات تحریر کئے جنہیں تاریخ نے نورانی حروف میں صفحۂ دہر پر محفوظ کر دیا۔ یہ کلمات قاضیوں (ججوں) اور حکمرانوں کے لئے مشعل راہ ہونے چاہئیں۔ انہیں ان زریں کلمات پر عمل کرنا چاہئے اور حالات کیسے بھی ہوں جاہ و مرتبہ اور وقت کے حکمران کی طرف جھکاؤ قبول نہیں کرنا چاہئے۔ قاضی صاحب نے لکھا:

میں نے اپنے دین کو دنیا پر ترجیح دی ہے۔ میں نے امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین، خادم الحرمین الشریفین، سلطان ابن سلطان، سلطان ابن سلطان، غازی عبدالحمید خان ابن سلطان غازی عبدالحمید خان کے نام آرڈر جاری کیا ہے کہ آپ نے اپنے قصد اور اختیار سے فلاں فلاں تاریخ کو فلاں یہودی کی جو زمین غصب کی ہے، اسے واپس کر دیں۔

پھر اس تحریر پر مہر لگائی اسے لفافے میں ڈالا اور بے خوف وخطر اپنے محکمے سے صادر ہونے والا شرعی حکم سلطان عبدالحمید خان کے نام آستانہ بھجوا دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا حکم جاری کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کیا تھا:

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝

(المائدہ:۵/۴۴)

اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے پس وہی لوگ کافر ہیں۔

ایک دوسری آیت میں ہے کہ وہ ظالم ہیں۔ تیسری آیت میں ہے کہ وہ فاسق ہیں۔

حکومت کے افراد میں یہ خبر پھیل گئی کہ جینا کے قاضی ابوالنصر خطیب نے سلطان کے خلاف غصب کا فیصلہ دیا ہے اور اس سے مطالبہ کیا ہے کہ غصب کی ہوئی زمین اس کے مالک فلاں یہودی کو واپس کی جائے۔ یہ کاغذات جس کے پاس بھی جاتے وہ افسوس کرتا اور کہتا:

اللہ کی قسم! قاضی ابوالنصر زندہ نہیں رہ سکے گا۔

کوئی کہتا: اے خطیب ابوالنصر اللہ تعالیٰ کی تجھ پر رحمت ہو۔ اب تجھے سمندر میں غرق کیا جائے گا اور تو مچھلیوں کی خوراک بن جائے گا۔ کیا کسی قاضی کی یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ عبدالحمید خان جیسے سلطان کے خلاف فیصلہ دے؟

لیکن قاضی ابوالنصر نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی۔ ان کے لئے یہ کافی تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہی ہے۔ انہوں نے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ وہ جو چاہے کرے۔ لوگ انتظار میں تھے کہ یہ تلخ اور ناگوار فیصلہ سلطان کو پہنچے گا تو اس کا ردعمل کیا ہوگا؟

یہ کاغذات سلطان عبدالحمید کو پہنچے۔ انہوں نے ان کو خوب غور وفکر سے پڑھا۔ اس قاضی کے اخلاص، جرأت اور بلا خوف لومہ لائم حق کی حمایت سے بہت متاثر ہوئے۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس سے رجوع کیا اور توبہ کی اور قاضی ابوالنصر کو لکھا:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری رعایا میں ایسے علماء پیدا کئے ہیں کہ جب میں حق سے دور ہو جاؤں تو وہ مجھے حق کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت سے ہمکنار کرتے ہیں۔

پھر انہیں ترقی دی، ان کی تنخواہ میں اضافہ کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں شاباش دی۔ (شیخ فرفور علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں)

میرے ہم عصر استاذ، برادر محترم شیخ سہیل خطیب نے یہ واقعہ لکھ کر مجھے بھجوایا، میں نے اسے معمولی تصرف کے ساتھ تحریر کیا، جیسے کہ آپ کے سامنے ہے۔

شرف ملت علیہ الرحمۃ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

خلافت اسلامیہ کے دور میں تمام قاضی ایسے ہی تھے۔ جب حق ان پر واضح ہو جاتا تھا تو اس پر ڈٹ جاتے تھے اور اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے' اگر چہ اس سلسلے میں انہیں جان کی بازی لگانا پڑتی۔ اسی طرح حکمران اور سلاطین علماء کی راہنمائی سے فائدہ اٹھاتے اور حق کی پیروی کرتے تھے' اگر چہ وہ ان کے خلاف ہی ہوتا۔ اسی لئے عوام اور حکمرانوں کے درمیان

Scanned with CamScanner

قلبی تعلق ہوتا تھا اور دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور دونوں جب تک حق پر متفق رہے، انہیں عزت بھی ملی اور قوت بھی اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے؟

(ابوالنصر خطیب: محمد ناصر الدین ابوالنصر ابن شیخ عبدالقادر خطیب قادری حسنی ۲۳ ر جمادی الآخرۃ ۱۲۵۳ھ کو دمشق کے محلہ قیمریہ میں پیدا ہوئے۔ ۴ ر ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ کو وفات پائی۔ وہ فاضل علامہ شیخ ہاشم خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد کے چچا زاد بھائی تھے۔ شیخ ابوالنصر بہت سے شہروں میں قاضی رہے مثلاً حیفا، بیروت، شام اور مغرب کے شہروں میں بھی قاضی رہے۔ شام کے مشہور ترین علماء میں سے عالم جلیل تھے، علامہ سیّد محمد امین عابدین صاحب حاشیۂ درمختار (علامہ شامی) کے استاذ شیخ سعید حلبی سے علم حاصل کیا، نیز دمشق میں شیخ محمد العانی سے بھی اکتساب فیض کیا، مصر گئے اور علامہ باجوری نیز شیخ ابراہیم السقا وغیرہم سے علمی استفادہ کیا، پھر دمشق آ گئے اور تدریس میں مشغول ہو گئے، ان سے علماء کی بڑی جماعت نے استفادہ کیا۔ شیخ ابوالنصر خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے بہادر اور بلند ہمت تھے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت ان کا راستہ نہ روک سکتی تھی، بڑے بارعب اور صاحب جلالت تھے، ان کی بہت سی کرامات ہیں جو شام اور مغرب میں ظاہر ہوئیں)۔

(۱۲۹)

عدل وانصاف کا بول بالا

سمرقند کی ایک گہری سرد رات میں ایک شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے، چاروں طرف گھپ اندھیرا ہے۔ اس کا رخ شاہی محل کی طرف ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اندھیرے میں راستہ تلاش کرتا بالآخر محل کے قریب جا پہنچتا ہے۔ اس کے ایک جانب معبد ہے۔ جس کے دروازے پر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہوا ہے۔ جس پر مورتیاں کھدی ہوئی ہیں۔ اس پر رعب طاری ہے۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ معبد میں داخل ہونے والا ہے۔ اس سے پہلے اس کو کبھی یہ موقع میسر نہیں آیا۔

یہ بھاری بھرکم نوجوان بزدل نہیں بلکہ نہایت بہادر شخص ہے۔ اس کا قد خاصا لمبا ہے۔ نہایت ذہین وفطین ہے۔ سوچ اور فکر بلند ہے، وہ نہایت مدبر ہے۔ مقامی زبان تو اس کی مادری ہے مگر اس میں ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس کو عربی زبان پر عبور حاصل ہے اور وہ فرفر عربی زبان بولتا ہے۔ اسے معبد کے سب سے بڑے عہدے دار نے ملاقات کے لیے بلوا رکھا ہے۔ اس ملاقات کے شوق اور خوف نے اسے ایک عجیب کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس کا جسم کانپ رہا ہے۔ اس معبد میں بہت کم لوگ داخل ہو سکتے ہیں اور جو اس کے ذمہ داران ہیں وہ بس ایک مرتبہ اندر داخل ہوتے ہیں اور پھر ساری زندگی ان کو سورج کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا گیا۔ اس کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ اگلے کمرے

کے وسط میں اس نے ایک عظیم الجثہ شخص کو دیکھا۔ اس کی سفید لمبی داڑھی تھی۔ اس نے اس کو اس کے نام سے پکارا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ معبد کا چوکیدار ہے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ کئی غلام گردشوں سے گزرنے کے بعد کاہنوں کے سردار کے سامنے جا پہنچا۔ ان کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ معبد سے نہیں نکلتے تھے۔ بہت کم لوگ ہی ان سے ملاقات کر پاتے۔ اس ملک کے حقیقی حکمران یہی کاہن تھے۔ کوئی بھی ان کی مخالفت کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ لوگوں میں یہ بات معروف تھی کہ ان کی حکم عدولی دراصل خداؤں کی نافرمانی کے مترادف ہے اور ایسے لوگ لعنت کے مستحق ہوں گے۔

اس نوجوان کی نگاہیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ کاہن ایک صف میں کھڑے تھے۔ اس نے بڑے کاہن کی طرف اپنے کان لگا دیے جو آہستہ آہستہ گفتگو کر رہا تھا۔ پہلے تو اسے کچھ سمجھ نہ آئی مگر بتدریج اس کو مفہوم سمجھ آنے لگا کہ وہ سمرقند کی تاریخ اور اس کا ماضی بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ کس طرح مسلمانوں نے اس ملک پر قبضہ کرلیا ہے۔ ہم نے اس قبضے کے خلاف کتنی ہی ناکام کوششیں کیں مگران کا اقتدار بتدریج پکا ہوتا جارہا ہے۔ اب ہم ترپ کا پتہ پھینکنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم نے سنا ہے کہ اس قوم کا بادشاہ نہایت عادل شخص ہے، وہ دمشق میں رہتا ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے پاس اپنا ایلچی بھیجا جائے جس کے ہاتھ ہم اپنی شکایت ارسال کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا کرتا ہے۔ چونکہ تم عربی زبان سے واقف ہو، لہٰذا ہم نے تمہیں منتخب کیا ہے۔ تم نہایت ذہین اور دلیر بھی ہو۔ گفتگو کا فن جانتے ہو۔ کیا تم اس کام کے لیے آمادہ ہو؟ نوجوان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بڑا کاہن کہنے لگا کہ پھر فوری طور پر اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں زادراہ وافر مہیا کر دیا جائے گا۔ نوجوان وہاں سے نکلا تو خوشی اور مسرت اس کے چہرے پر عیاں تھی۔ آج سب سے بڑے کاہن نے مجھے شرف باریابی بخشا ہے۔ مجھے ایک عظیم مشن کے لیے منتخب کیا ہے۔ اب وقت ہے کہ میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرسکوں۔ سمرقند کو آزادی دلانے میں میرا بھی حصہ ہوگا۔ وہ گھر واپس آیا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔ معبد کی طرف سے اس کو زاد

راہ وافر مقدار میں مہیا کر دیا گیا۔ اس کا تیز رفتار گھوڑا اس کے ہمراہ تھا۔ وہ اس پر سوار ہوا اس کا رخ بخارا کی طرف تھا۔ وہ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا ہوا حلب پہنچ گیا۔ دمشق اس کی آخری منزل تھی جواب بالکل قریب تھی اور وہ دن بھی آیا جب وہ دمشق میں داخل ہو رہا تھا۔ دمشق جو مسلمانوں کا دارالخلافہ تھا، ان کی عظمت کا نشان، بہت بڑا شہر، نہایت صاف ستھرا، تہذیب یافتہ تھا۔ اسے یہ سمرقند سے کہیں بڑا نظر آیا۔ وہ ایک سرائے میں اترا اور اس کے مالک سے پوچھا: امیر المؤمنین سے ملنے کا کیا طریقہ ہے۔ سرائے کے مالک نے کہا: ہمارے امیر المؤمنین سے ملنا نہایت آسان ہے۔ تم مسجد اموی کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں کسی بھی شخص سے ان کے گھر کا راستہ پوچھ لینا۔ وہاں کوئی پہرے دار نہیں ہے نہ ملاقات پر کوئی پابندی ہے۔

وہ مسجد اموی میں داخل ہوا۔ ایسی خوبصورت عمارت اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ یہی شاہی محل ہوسکتا ہے، چنانچہ اس نے ایک شخص سے پوچھ ہی لیا۔ اس کے لہجے اور شکل سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس شہر میں اجنبی ہے۔ اس شخص نے کہا: کیا تم قصر خلافت کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟ مگر کیا یہ قصر خلافت نہیں ہے؟ اس نے تعجب سے پوچھا۔ اس شخص نے مسکراہٹ بھرے لہجے میں کہا: نہیں، اجنبی دوست، یہ تو اللہ کا گھر ہے، یہ مسجد ہے۔ کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ نماز...... میں کیسے نماز ادا کرسکتا ہوں؟ میں تو سمرقند کے کاہنوں کے دین پر ہوں۔ اس دین کو کاہنوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ اسرار سے بھرا ہوا ہے!

آدمی نے سمرقندی سے دوبارہ سوال کیا تو اس نے کہا: میں نماز کیسے پڑھوں؟ مجھے نماز کا طریقہ ہی معلوم نہیں۔ اس نے پوچھا: تمہارا دین کیا ہے؟

کہنے لگا: میں سمرقند کے کاہنوں کے دین پر ہوں۔

سوال ہوا: ان کا دین کیا ہے؟ جواب ملا: مجھے معلوم نہیں۔

سوال: پھر تمہارا رب کون ہے؟ اس نے جواب دیا: معبد کا خدا۔

اب اس نے اگلا سوال کیا: اگر تم اس سے مانگو تو کیا تمہیں عطا کرتا ہے اور اگر تم بیمار ہو

تو تمہیں شفا دیتا ہے؟ کہنے لگا: مجھے نہیں معلوم۔

اس شخص نے موقع غنیمت جانا کہ ایک شخص شکل وصورت سے ذہین وفطین ہے، اجنبی ہے۔ اس کا کوئی دین اور مذہب نہیں، اس کو دین کے اصول بتائے جائیں، چنانچہ اس نے اسلام کی خوبیاں بیان کیں اور پھر چند لمحوں کی بات تھی، اس سمرقندی کے دل کا غبار چھٹ گیا اور اس نے کلمہ توحید پڑھ لیا اور دین اسلام میں داخل ہو گیا۔

اب اس شخص نے اپنے اس نو مسلم بھائی سے کہا:

چلو ہم امیر المؤمنین سے ملنے کے لیے چلتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ وقت انہوں نے گھر والوں کے لیے مختص کیا ہوا ہے، پھر بھی وہ بڑے متواضع ہیں۔ مسجد سے نکل کر وہ گلی میں آئے۔ نہایت ہی سادہ سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے اس نے بتایا کہ یہ امیر المؤمنین کا گھر ہے۔ اس کو تعجب ہوا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ بڑا عالیشان محل ہو گا، مگر یہ تو معمولی گھر ہے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلیفۂ عادل عمر بن عبدالعزیز نے اس کا حال پوچھا اور آنے کا مقصد معلوم کیا: بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے عظیم سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ ہمارے ملک پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہے۔ یہ دھوکے سے قبضہ ہوا ہے، نہ تو اعلان جنگ ہوا اور نہ ہمیں اسلام کی دعوت دی گئی، ہمارے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز ؒ فرمانے لگے: اللہ کے نبی نے ہمیں ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ہمیں عدل وانصاف کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ آواز دی: اے غلام! کاغذ اور قلم لایا جائے۔

غلام کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر حاضر ہو گیا۔ اس پر دو سطریں لکھیں، اس پر مہر لگائی، پھر اس کو سربمہر کر کے سمرقندی سے کہا: اسے اپنے شہر کے حاکم کے پاس لے جاؤ۔

سمرقندی واپس ہوا۔ اب اس کا سینہ توحید کے نور سے بھرا ہوا تھا۔ جہاں جاتا وہاں سیدھا مسجد میں داخل ہوتا۔ نماز پڑھتا، اور اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کر کے اپنی منزل کو روانہ ہو جاتا۔ سفر کی ایک عجیب لذت تھی۔ اب اس کے لیے کوئی شخص اجنبی تھا نہ وہ دوسروں کے لیے اجنبی۔ وہ جس مسجد میں نماز ادا کرتا، لوگ اس کی طرف دیکھتے۔ اس کی

شکل وشباہت سے پتہ چل جاتا کہ وہ مسافر ہے۔ اس علاقے کا رہنے والا نہیں ہے اور پھر نمازیوں میں اس کی مہمان نوازی کے لیے بازی لے جانے کی کوشش ہوتی۔ ہر کوئی اسے اپنے گھر میں لے جانے اور اس کی ضیافت کرنے کے لیے اصرار کرتا۔ اب اس کو مسجد کی اہمیت اور اس دین حنیف کی بے شمار خوبیوں کا ادراک ہو چلا تھا۔ پھر ایک دن آیا جب وہ سمرقند میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سیدھا معبد کی طرف گیا۔ اس نے کاہنوں کو رپورٹ دینی تھی۔ ان کو خلیفۃ المسلمین کے جواب سے مطلع کرنا تھا۔ وہ معبد میں داخل ہوا۔ اب وہ اس کی تاریک گلیوں اور غلام گردشوں سے خائف نہیں تھا۔

پتھروں سے بنے ہوئے بت جو کبھی اس کے لیے معمہ سے کم نہ تھے، اب ان کی حقیقت سے واقف ہو گیا تھا۔ یہ بت تو ہاتھوں کے بنائے ہوئے تھے، کسی کاریگر کے ہاتھوں کا کمال، نہ نفع ونقصان کے مالک اور نہ اپنے آپ کو کلہاڑے کی ضرب سے بچا سکنے والے۔ وہ ان پر ایک حقارت کی نظر ڈالتا ہوا بڑے دروازے پر جا پہنچا۔ دربان اس کو خوب پہچانتا تھا اور پھر اس کے لیے دروازے کھلتے چلے گئے اور وہ چند منٹوں کے بعد بڑے کاہن کے سامنے کھڑا تھا۔ کاہن کو اسے دیکھ کر اعتبار نہ آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کو قتل کر دیا گیا ہو گا، مگر ان کا ایلچی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ان کے سامنے تفصیل سے سفر کے حالات بیان کیے۔ کیسے گیا، کہاں کہاں سے گزرا۔ اپنا اسلام لانے کا واقعہ وہ جان بوجھ کر گول کر گیا۔ خلیفہ سے ملاقات اور حکم نامہ حاصل کرنے تک ایک ایک بات ان کے گوش گزار کی گئی۔ کاہنوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔ بشاشت ان کے چہروں سے عیاں تھی۔

ہماری آزادی کا وقت آ گیا ہے۔ خلیفہ کی طرف سے واضح حکم ہے کہ قاضی کے سامنے اس مقدمے کو پیش کیا جائے۔ کاہنوں کو مکمل آزادی ہو گی کہ وہ اپنے دلائل دیں۔ مدعا علیہ قتیبہ بھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو گا اور پھر قاضی جو فیصلہ دے اس کو نافذ کیا جائے۔ اور پھر وہ دن آ گیا جس کا اہل سمرقند کو انتظار تھا۔ بے شمار لوگ اس تاریخی مقدمے کی کارروائی سننے کے لیے چلے آئے۔ عدالت مسجد میں لگی ہوئی ہے۔ وہ کاہن جن کو کبھی کسی

شخص نے نہ دیکھا تھا، مقدمے کی پیروی کے لیے حاضر ہیں۔ مسلمانوں کا سپہ سالار، امیر اور فاتح قتیبہ بھی حاضر ہے۔ سب کے سب قاضی کے منتظر ہیں۔

کاہن کس بات کی امید اور مقدمہ لے آئے ہیں؟ ذرا غور کیجیے، یہ کہ ایک فاتح قوم مفتوح علاقوں سے نکل جائے۔ مقدمہ جس شخصیت پر دائر کیا گیا ہے وہ عظیم قائد اور سپہ سالار ہے۔ نگاہیں مسجد کے دروازے کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ کب قاضی داخل ہوتا ہے۔ حاضرین کو بہت زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ ایک چھوٹے قد اور نحیف جسم والا شخص، معمولی لباس پہنے، سر پر عمامہ رکھے ہوئے دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے اس کا غلام ہے۔ لوگوں میں سناٹا چھا گیا ہے۔ بعض نے اپنی انگلیاں منہ میں دبالی ہیں۔ اچھا یہ ہے مسلمانوں کا قاضی۔ یہ خلیفہ اور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف فیصلہ دے گا۔

قاضی مسجد کے ایک کونے میں اپنی نشست سنبھالتا ہے۔ اس کا غلام اس کے سر پر کھڑا ہے۔ بغیر کسی لقب کے امیر کا نام لے کر اسے بلایا جا رہا ہے کہ وہ عدالت کے سامنے حاضر ہو۔ امیر شہر حاضر ہوا۔ عدالت نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اب غلام کاہنوں کے سردار کو بلوا رہا ہے جو امیر کے ایک طرف بیٹھ گیا ہے اور اب عدالت کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔ قاضی اپنی نہایت پست آواز میں کاہن سے مخاطب ہے: بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا:

(اِنَّ الْقَائِدَ الْمُجِيْلَ قُتَيْبَةَ بْنَ مُسْلِمٍ قَدْ دَخَلَ بَلَدَنَا غَدْرًا مِّنْ غَيْرِ مُنَابَذَةٍ وَلَا دَعْوَةٍ اِلَى الْاِسْلَامِ)

''قائد عصر قتیبہ بن مسلم ہمارے ملک میں دھوکے سے داخل ہوئے۔ اعلان جنگ نہیں کیا اور ہمیں اسلام کی دعوت بھی نہیں دی گئی۔''

قاضی نے اب امیر کی طرف دیکھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اس نے قاضی کو دیکھا اور گویا ہوا:

(اِنَّ الْحَرْبَ خُدْعَةٌ وَ هٰذَا بَلَدٌ عَظِيْمٌ قَدْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ بِنَا مِنَ الْكُفْرِ وَاَوْرَثَهُ الْمُسْلِمِيْنَ)

''لڑائی تو دھوکہ ہوتی ہے۔ یہ ملک بہت بڑا ملک ہے، اس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے کفر و شرک سے محفوظ فرمایا ہے اور اسے مسلمانوں کی ملکیت اور وراثت میں دے دیا ہے۔''

قاضی: کیا تم نے حملے سے پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دی تھی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا یا دونوں صورتوں میں انکار پر لڑائی کی دعوت دی تھی۔

سپہ سالار: نہیں ایسا تو نہیں ہوا۔ (اِنَّكَ قَدْ اَقْرَرْتَ)

''تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔'' اب آگے قاضی کے الفاظ پر غور کریں:

(وَاِنَّ اللّٰهَ مَا نَصَرَ هٰذِهِ الْاُمَّةَ اِلَّا بِاتِّبَاعِ الدِّيْنِ وَ اجْتِنَابِ الْغَدْرِ)

''اللہ رب العزت نے اس امت کی مدد اس لیے کی ہے کہ اس نے دین کی اتباع کی اور دھوکہ دہی سے اجتناب کیا۔''

(وَاِنَّا وَاللّٰهِ مَا خَرَجْنَا مِنْ بُيُوْتِنَا اِلَّا جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا خَرَجْنَا لِنَمْلِكَ الْاَرْضَ)

''اللہ کی قسم! ہم اپنے گھروں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں، ہمارا مقصود زمین پر قبضہ جمانا نہیں ہے۔''

(وَلَا لِنَعْلُوْ فِيْهَا بِغَيْرِ الْحَقِّ، حَكَمْتُ بِاَنْ يَّخْرُجَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنَ الْبَلَدِ)

''اور نہ حق کے بغیر وہاں حکومت کرنا ہمارا مقصد ہے۔ میں فیصلہ دیتا ہوں کہ مسلمان اس شہر سے نکل جائیں۔''

(وَيَرُدُّوْهُ اِلٰى اَهْلِهٖ ثُمَّ يَدْعُوْهُمْ وَيُنَابِذُوْهُمْ وَ يُعْلِنُوا الْحَرْبَ عَلَيْهِمْ)

''شہر اس کے اصل باشندوں کو واپس کریں۔ پھر ان کو دعوت دین دیں، جنگ کا چیلنج دیں اور ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔''

اہل سمرقند اور کاہنوں نے اس فیصلے کو سنا، ان کے کانوں اور آنکھوں نے جو سنا اور دیکھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے سوچا ہم کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ قاضی نے حکومت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ بہت سوں کو تو پتہ ہی نہ چلا کہ عدالت برخاست ہو چکی ہے اور قاضی اور امیر روانہ بھی ہو چکے ہیں۔

ہمارا سمرقندی (مسلم) سفیر بڑی حیرت سے بڑے کاہن کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس کے چہرے کے تاثرات کو خوب غور سے دیکھتا ہے۔ چہرے کے رنگ بدل رہے ہیں۔ وہ گہری سوچ میں مبتلا ہے۔ بڑے کاہن نے اپنے دماغ پر زور دینا شروع کیا ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ اس نے اپنی سابقہ زندگی پر غور کرنا شروع کیا ہے۔ اپنے عقیدے اور منہج کے بارے میں سوچتا ہے: کتنا عجیب و غریب عقیدہ ہے۔ اس کا دائرہ کتنا مختصر اور چھوٹا ہے جو صرف کاہنوں کے درمیان گھومتا ہے؟ اور اب اس کا ذہن دین اسلام کے حوالے سے سوچ رہا ہے۔ اس کا دائرہ کتنا وسیع اور بڑا ہے۔ خیر سے بھرپور، عدل و انصاف کرنے والا دین، جس کی بلندیوں کو سورج کی شعاعیں اور چاند کی روشنی بھی چھونے سے قاصر ہیں، وہ آنکھیں بند کر کے کتنی ہی دیر بیٹھا سوچتا رہتا ہے۔ اس کا ذہن اور فکر مسلسل بدل رہا ہے۔ میں کب تک اندھیروں میں رہوں گا؟ روشنی تو بڑی واضح ہے۔ یقیناً اسلام عدل و انصاف کا دین ہے۔ اس میں چھوٹا بڑا سب برابر ہیں۔ آج عدالت میں سب لوگوں نے دیکھا قاضی کے سامنے حاکم کس طرح سرنگوں ہو کر بیٹھا تھا۔ کیا ہمارا بادشاہ اس طرح عدالت کے سامنے پیش ہو سکتا ہے؟ وہ ابھی اسی غور و فکر میں تھا کہ اسے گھوڑوں کے چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ لوگ بازاروں سے گزر رہے تھے۔ شور برپا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ آوازوں کی طرف کان لگائے اور پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: یہ شور کیسا ہے؟

اسے بتایا گیا کہ قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے اور فوجیں واپس جا رہی ہیں۔ ہاں وہ عظیم افواج جن کے سامنے یثرب سے لے کر سمرقند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی، جنہوں نے قیصر و کسریٰ اور خاقان کی قوتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ جو طاقت بھی مسلمانوں کے راستے میں آئی اسے وہ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئے مگر آج اسلامی

فوج ایک کمزور سے، نحیف و نزار جسم کے مالک قاضی کے فیصلے کے سامنے دست بردار ہو گئی ہے۔ آج صبح کی بات ہے ایک شخص جس کے ساتھ صرف ایک غلام تھا، اس نے مقدمے کی ساعت کی۔ چند منٹوں کی ساعت۔ عدالت میں دو طرفہ بیانات سنے۔ سپہ سالار کا اقرار اور پھر دو تین فقروں پر مشتمل فیصلہ۔ مسلمانوں کے امیر کو عدالت نے شہر خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ عدالت کے حکم کے مطابق وہ باقاعدہ چیلنج دیں گے اور پھر دوبارہ لڑائی کریں گے۔

کاہن اپنے ساتھیوں کی باتیں سنتا جا رہا ہے اور پھر اس نے اپنے آپ سے سوال کیا: کیا اہل سمرقند اس سیل رواں کے سامنے ڈٹ سکیں گے؟ کیا ان کے پاس مقابلے کی قوت ہے؟ دنیا کے تمام ممالک ان کے سامنے جھک گئے۔ کیا ہمارا دین باطل اس حق کے سامنے ٹھہر سکے گا؟ کیا وہ نور اسلام کا مقابلہ کر پائے گا؟

نہیں ہرگز نہیں۔ رب کا فیصلہ آ چکا ہے کہ ظلم و ستم کی رات کو ختم ہونا ہے۔ دنیا پر نئی فجر طلوع ہو رہی ہے۔ اس نور کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟ ارے جواب کیوں نہیں دیتے؟ اس نے انہیں پکارا۔ سمرقندی مسلم ایلچی زور سے کہنے لگا: ساتھیو! میرا فیصلہ اور مشورہ سنو۔ کان اس کی طرف لگ گئے۔ اس نے کہا:

(فَلَقَدْ شَهِدْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)

''میں گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

اب بڑے کاہن کی یہ کہنے کی باری تھی: اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ سمرقند کی گلیاں اور چوک اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہے ہیں۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لی ہیں۔ اس ملک سے واپس مت جائیں۔ ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ ہم نے اپنوں کا راج دیکھا، ان کے ظلم و ستم سے ہم خوب واقف ہیں۔ آپ سب لوٹ

Scanned with CamScanner

آئیں۔ہم نے بھی تمہارے دین کو قبول کرلیا ہے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ مسلمان فوج واپس ایک مفتوح شہر میں داخل ہورہی ہے۔

(لَمْ یَبْقَ حَاکِمٌ وَّلَا مَحْکُوْمٌ وَّلَا غَالِبٌ وَّلَا مَغْلُوْبٌ صَارَ الْجَمِیْعُ اِخْوَانًا فِی اللہ)

''کوئی حاکم ومحکوم باقی نہیں رہا،کوئی غالب اور مغلوب نہیں رہا،تمام کے تمام اسلامی بھائی بن گئے ہیں۔''

کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں۔کوئی طاقتور کمزور پر بھاری نہیں۔ہاں فرق کرنے والی چیز صرف تقویٰ ہے۔

اس طرح سمرقند کی سرزمین میں اسلام کی دولت داخل ہوگئی اور پھر اس میں سے کبھی یہ دولت نہیں نکل سکی۔

(اس واقعے کو شام کے مشہور مؤلف اور مصنف الشیخ علی الطنطاوی رحمہ اللہ کی کتاب قصص من التاریخ سے اختصار اور معمولی تصرف کے بعد لیا گیا ہے۔)

(۱۳۰)

قربِ الٰہی عزوجل کا انوکھا طریقہ

ایک شخص حضرت سیدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: ''یاسیدی! مجھے بتائیے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک کیسے رسائی حاصل کرسکتا ہوں؟'' آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک امیر کے دروازے پر لے گئے۔دروازے پر ایک غلام کھڑا ہوا تھا جس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلام کی طرف اشارہ کیا اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: ''اس کی مثل ہو جاؤ، خود ہی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرلوگے۔'' (یعنی جس طرح یہ غلام ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے باوجود اپنے آقا کے دروازے پر حاضر ہے اس طرح تو بھی ہر حال میں اپنے رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہ اور اس کی عبادت کرتا رہ)

☆......حضرت سیدنا ابوبکر بن ابی طالب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں حضرت سیدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی مسجد میں داخل ہوا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر میں تشریف فرما تھے۔پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پاس تشریف لائے۔ہم قافلے کی صورت میں تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں سلام کیا ہم نے بھی جواباً سلام پیش کیا۔پھر ہمیں دعا دیتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ سب کو اسلامی مملکت میں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اور دنیا میں ہم سب کو احسان کی نعمت سے نوازے اور آخرت میں ہماری مغفرت فرمائے۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اذان دینی شروع کی۔جب آپ رحمۃ اللہ علیہ ''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' پر پہنچے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ پر شدت اضطراب سے لرزہ طاری ہوگیا اور ابرو اور داڑھی کے بال کھڑے ہوگئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر بے

Scanned with CamScanner

چین ہوئے کہ مجھے خوف ہوا کہ اذان مکمل نہ کر سکیں گے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر جھک گئے کہ قریب تھا کہ گر جاتے۔

(حلیۃ الاولیاء، معروف الکرخی، الحدیث ۱۲۶۸۵، ج ۸، ص ۴۰۴)

☆...... حضرت سیّدنا عبداللہ بن محمد وراق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کبھی کبھار ہم حضرت سیّدنا ابومحفوظ علیہ الرحمۃ کی مجلس میں ہوتے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھ کر غور وفکر کر رہے ہوتے، پھر اچانک آپ رحمۃ اللہ علیہ پر بے چینی طاری ہو جاتی اور بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض گزار ہوتے: "واغوثاہ" اے میرے مددگار! (یعنی اپنے حقیقی مددگار کو پکارتے)۔"

(المرجع السابق، الحدیث ۱۲۷۰۹، ص ۴۰۹)

☆...... حضرت سیّدنا قاسم بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "میں حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کا پڑوسی تھا، ایک رات میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو گریہ وزاری کرتے اور درج ذیل اشعار پڑھتے سنا:

أَیُّ شَیْءٍ تُرِیْدُ مِنِّی الذُّنُوْب شَغَفَتْ بِیْ فَلَیْسَ عَنِّیْ تَغِیْب
مَا یَضُرُّ الذُّنُوْبِ لَوْ اَعْتَقْتَنِیْ رَحْمَةً لِّیْ فَقَدْ عَلَانِیَ الْمَشِیْب

ترجمہ: (۱)...... کون سی چیز مجھ سے گناہ کرانا چاہتی ہے، مجھے گناہوں میں مشغول رکھتی ہے اور مجھ سے دور نہیں ہوتی۔

(۲)...... اگر تو مجھے رحم فرماتے ہوئے بخش دے تو گناہ مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، اب تو مجھ پر بڑھاپا آ چکا ہے۔

(صفۃ الصفوۃ، ذکر المصطفین من اھل بغداد، الرقم ۲۶۰ معروف بن الفیرزان الکرخی، ج ۲، ص ۲۱۲)

(۱۳۱)

سامری سنار اور اس کا عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خوار

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل اس کے پنجے سے آزاد ہو کر سب ایمان لائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خداوند کریم کا یہ حکم ہوا کہ وہ چالیس راتوں کا کوہ طور پر اعتکاف کریں اس کے بعد انہیں کتاب (توراۃ) دی جائے گی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چلے گئے اور بنی اسرائیل کو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ آپ چالیس دن تک دن بھر روزہ دار رہ کر ساری رات عبادت میں مشغول رہتے۔

بنی اسرائیل میں ایک حرامی شخص تھا جس کا نام سامری تھا جو طبعی طور پر نہایت گمراہ اور گمراہ کن آدمی تھا۔ اس کی ماں نے برادری میں رسوائی وبدنامی کے ڈر سے اس کو پیدا ہوتے ہی پہاڑ کی ایک غار میں چھوڑ دیا تھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کو اپنی انگلی سے دودھ پلا پلا کر پالا تھا۔ اس لیے یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پہچانتا تھا۔ اس کا پورا نام "موسیٰ سامری" ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام بھی "موسیٰ" ہے۔ موسیٰ سامری کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پالا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر میں ہوئی تھی مگر خدا کی شان فرعون کے گھر پرورش پانے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خدا کے رسول ہوئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پالا موسیٰ سامری کافر ہوا اور بنی اسرائیل کو گمراہ کر کے اس نے بچھڑے کی پوجا کرائی۔ اس بارے میں کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے:

اِذَا الْمَرْءُ لَمْ یُخْلَقْ سَعِیْدًا مِنَ الْاَزَلْ
فَقَدْ خَابَ مَنْ رَّبّٰی وَ خَابَ الْمُؤَمَّلْ

فَمُوْسَى الَّذِیْ رَبَّاهُ جِبْرِیْلُ كَافِرٌ

وَ مُوْسَى الَّذِیْ رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلُ

یعنی جب کوئی آدمی ازل ہی سے نیک بخت نہیں ہوتا تو وہ بھی نامراد ہوتا ہے اور اس کا پرورش کرنے والے بھی ناکام اور نامراد ہوتا ہے۔ دیکھ لو موسیٰ سامری جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پالا ہوا تھا وہ کافر ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو فرعون کی پرورش میں رہے وہ خدا کے رسول ہوئے۔ اس کا راز یہی ہے کہ موسیٰ سامری ازلی شقی اور پیدائشی بد بخت تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تربیت اور پرورش نے اس کو کچھ بھی نفع نہ دیا اور وہ کافر کا کافر ہی رہ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ ازلی سعید اور نیک بخت تھے اس لیے فرعون جیسے کافر کی پرورش سے بھی ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ (صاوی ج ۱ ص ۲۹)

جن دنوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر معتکف تھے۔ سامری نے آپ کی غیر موجودگی کو غنیمت جانا اور یہ فتنہ برپا کر دیا کہ اس نے بنی اسرائیل کے سونے چاندی کے زیورات کو مانگ کر پگھلایا اور اس سے ایک بچھڑا بنایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی خاک جو اس کے پاس محفوظ تھی۔ اس نے وہ خاک بچھڑے کے منہ میں ڈال دی تو وہ بچھڑا بولنے لگا۔ پھر سامری نے بنی اسرائیل سے یہ کہا: اے میری قوم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خدا کے دیدار کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ حالانکہ تمہارا خدا تو یہی بچھڑا ہے۔ لہٰذا تم لوگ اسی کی عبادت کرو۔ سامری کی اس تقریر سے بنی اسرائیل گمراہ ہو گئے اور بارہ ہزار آدمیوں کے سوا ساری قوم نے چاندی سونے کے بچھڑے کو بولتا دیکھ کر اس کو خدا مان لیا اور اس کے آگے سربسجود ہو کر اس بچھڑے کو پوجنے لگے۔ چنانچہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ

(الاعراف رکوع ۱۸ پارہ ۹)

اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی قوم نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا جو بے جان کا دھڑ تھا اور گائے کی طرح بولتا تھا۔

جب چالیس دنوں کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلام ہو کر اور توراۃ شریف

ساتھ لے کر بستی میں تشریف لائے اور قوم کو بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا تو آپ پر بیحد غضب و جلال طاری ہو گیا آپ نے جوش غضب میں توراۃ شریف کو زمین پر ڈال دیا اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر گھسیٹنا اور مارنا شروع کر دیا اور فرمانے لگے تم نے ان لوگوں کو اس کام سے نہیں روکا؟ حضرت ہارون علیہ السلام معذرت کرنے لگے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

(الاعراف رکوع ۱۸ پارہ ۹)

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے مار ڈالیں تو آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں میں نہ ملائیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی معذرت سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اس کے بعد آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر اور جلا کر اور اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیا۔ مذکورہ بالا قرآنی واقعہ سے خاص طور پر دو سبق ملتے ہیں۔

(۱) اس سے علماء کرام کو یہ سبق ملتا ہے کہ علماء کرام کو کبھی اپنے مذہب کے عوام کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہئے بلکہ ہمیشہ عوام کو مذہبی باتیں بتاتے رہنا چاہیے۔ آپ نے دیکھا کہ سامری نے چالیس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ساری قوم کو بہکا کر گمراہ کر دیا۔ اسی طرح اگر علمائے اہل سنت اپنی قوم کی ہدایت و خبر گیری سے غافل رہیں تو بدمذہبوں کو موقع مل جائے گا کہ ان لوگوں کو بہکا کر گمراہ کر دیں۔

(۲) حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی خاک میں جب یہ اثر تھا کہ بچھڑے کے منہ میں پڑتے ہی بچھڑا بولنے لگا تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے قدموں کے نیچے کی خاک میں بھی خیر و برکت کے اثرات ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا خدا کے نیک بندوں

Scanned with CamScanner

کے غبار آلود قدموں کو دھو کر مکانوں میں پانی چھڑکنا جیسا کہ بعض خوش عقیدہ مریدین کا طریقہ ہے یہ کوئی لغو اور بیکار کام نہیں بلکہ اس سے فیوض و برکات اور فوائد حاصل ہونے کی امید ہے اور یہ شرعاً جائز بھی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۱۳۲)

حضرت جعفر طیار اور شاہِ حبش کا دربار

(حضرت جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم کی کنیت ابوعبداللہ ہے، یہ نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے، اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ان کو اور حضرت معاذ بن جبل کو بھائی بنایا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان ہیں۔ نبی اکرم ﷺ انہیں ابوالمساکین کی کنیت سے یاد فرمایا کرتے تھے، حبشہ ہجرت کر کے گئے، نجاشی اور ان کے متبعین ان کے ہاتھ پر ایمان لائے، غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ)۔

ایک قدسی صفات گروہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلا گیا۔ انہیں خوف تھا کہ ظالم اور سرکش لوگ انہیں فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔ انہوں نے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہجرت کی تھی۔ ان کی ہجرت کا مقصد سیر و سیاحت تھا اور نہ ہی دنیا کا حصول۔ کسی عورت سے نکاح کرنا بھی ان کے پروگرام میں شامل نہ تھا۔ انہوں نے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہجرت کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم بغیر کسی روک ٹوک کے کہہ سکیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور ہم زمین میں دین اسلام کی اشاعت کر سکیں۔

جب یہ حضرات شاہ حبشہ نجاشی کے پاس پہنچے تو انہوں نے حبشہ میں سیاسی پناہ لے لی۔ اس مقدس جماعت میں رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام حضرت جعفر بن ابی طالب اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ قریش نے ان کے پیچھے نجاشی کے پاس وفد بھیجا، تاکہ یہ

Scanned with CamScanner

حضرات پناہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ایک دفعہ نجاشی انہیں واپس قریش کے پاس بھیج دیں۔ پھر قریش انہیں جو سزا دینا چاہیں گے دے دیں گے۔اس وفد میں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص شامل تھے۔

(عبداللہ بن ابی ربیعہ کا نام عمرو تھا، بعض علماء نے کہا: حذیفہ تھا "ذوالرمحین" (دو نیزوں والے) کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، ان کا نام بجیر تھا، نبی اکرم ﷺ نے اسے تبدیل فرمادیا۔ جب صحابۂ کرام ہجرت کر کے حبشہ گئے تو قریش نے انہیں عمرو بن عاص کے ہمراہ حبشہ بھیجا تھا۔ یہ ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی تھے۔ رضی اللہ عنہ)۔

(عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم قریشی سہمی، امیر مصر کی کنیت ابوعبداللہ اور ابومحمد تھی، تاریخ اسلام میں عرب کے نابغۂ روزگار دانشور تھے، فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے وابستہ رہے۔ ۹۹ سال عمر پائی اور ۴۳ھ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیس سال بعد وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ)۔

جب یہ وفد نجاشی کے شاہی دربار میں حاضر ہوا تو عمرو بن عاص نے انہیں درخواست پیش کرتے ہوئے کہا:

ہمارے کچھ کم عقل بچے آپ کے پاس آگئے ہیں۔انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے۔وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔انہوں نے ایک نیا اور من گھڑت دین اختیار کیا ہے، جسے ہم پہچانتے ہیں اور نہ ہی آپ۔ان کی قوم کے معزز افراد یعنی ان کے آباء اور قبیلے والوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ انہیں واپس ہمارے پاس بھیج دیں۔ وہ بہتر جانتے ہیں کہ انہیں ان پر کیا اعتراض ہے؟

نجاشی نے ان کی گفتگو سنی تو ارادہ کیا کہ ہجرت کر کے آنے والوں کو ان کے سپرد کر دیا جائے۔پھر انہوں نے سوچا کہ حکمت و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے دوسرے فریق کا موقف بھی سن لیا جائے اور ان کے دلائل کی سماعت بھی کی جائے۔

عادل اور منصف حکمران کا یہی انداز ہونا چاہئے کہ وہ تحقیق سے پہلے فیصلہ نہ

دے۔نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام کو پیغام بھیج کر بلایا۔وہ آئے تو ان سے پوچھا: یہ کون سا دین ہے؟ جسے تم نے اپنی قوم کو ناراض کر کے اختیار کیا ہے۔تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ہی اس ملک کے کسی دوسرے دین میں داخل ہوئے ہو' آخر یہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟

یہ وہ سوال تھا جو نجاشی نے اپنے بھرے دربار میں صحابۂ کرام کے سامنے پیش کیا۔ قریش کا گمان تھا کہ یہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں گے۔ان کو پناہ سے نکال کر عمرو بن عاص اور ان کے ساتھیوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔وہ انہیں قریش کے سپرد کر دیں گے اور قریش ان کو عبرت ناک سزا دیں گے۔

لیکن جرأت مند اور پیکر ایمان صحابی جن کو راہ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت متاثر نہیں کر سکتی تھی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پوری جماعت کے نمائندے بن گئے اور انہوں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ کیا ہوگا؟ کیونکہ ان کے سینے میں خالص ایمان موجزن تھا اور انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے اور وہ جس چیز کا ارادہ نہ فرمائے وہ ہو ہی نہیں سکتی۔

انہوں نے پوری فصاحت و بلاغت اور جامعیت سے لبریز جواب دیا:

اے بادشاہ! ہم سراپا جاہلیت تھے۔بتوں کی عبادت کرتے تھے۔مردار کھاتے تھے۔ بدکاریوں کا ارتکاب کرتے تھے۔قطع رحمی ہمارا معمول تھا۔پڑوسیوں کو اذیت دینا ہمارا شعار تھا۔ہم میں سے طاقت ور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ہم اسی ڈگر پر چل رہے تھے کہ رحمت باری تعالیٰ نے ہماری یاوری فرمائی۔ہم میں سے عظیم رسول مبعوث فرمایا۔ہم ان کے عالی نسب، صداقت اور امانت کو جانتے ہیں۔ان کی پاکدامنی کی تو فرشتے قسم کھا سکتے ہیں۔انہوں نے ہمیں اللہ وحدہٗ لاشریک کو واحد یگانہ ماننے اور اس کی عبادت کی دعوت دی۔انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اور ہمارے آباء واجداد اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں اور خودساختہ معبودوں کی عبادت کرتے تھے انہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں۔

انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت کے ادا کرنے، صلہ رحمی، خوش اخلاقی اور پڑوسی کی

Scanned with CamScanner

عزت کرنے کا حکم دیا۔ حرام کاموں اور ناحق خون ریزی سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ ہمیں بدکاریوں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور عفت مآب عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے سے منع کیا۔ ہمیں حکم دیا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔ ہم ان پر ایمان لائے ان کی تصدیق کی اور ان احکام کی پیروی کی جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے۔ ہم نے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں کیا اور جو کچھ حضور ﷺ نے ہم پر حرام کیا اسے حرام جانا اور جو کچھ ہمارے لئے لال قرار دیا اسے حلال جانا۔

ہماری قوم نے ہم پر چڑھائی کی۔ ہمیں طرح طرح کے عذابوں اور فتنوں میں مبتلا کیا انہوں نے سرتوڑ کوشش کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر بت پرستی کو دین بنالیں اور ہمیں مجبور کیا کہ جن خبیث اشیاء کو ہم پہلے حلال جانتے تھے اب بھی انہیں حلال مانیں۔ جب انہوں نے ہم پر ظلم کیا، جبر وتشدد کے پہاڑ توڑے، ہمارا جینا دوبھر کر دیا، ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی تو ہم آپ کے ملک میں آ گئے اور آپ کی رعایا بن گئے۔

پھر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی۔ نجاشی پر گریہ طاری ہوگیا، بے ساختہ رونے لگے اور آنسوان کے رخساروں پر بہنے لگے۔

پھر نجاشی نے کہا:

یہ اور جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہوئے نور ہیں۔ نجاشی نے قرآن پاک سنا تو ان کے دل میں ایمان کا نور جگمگا اٹھا۔ انہیں خوشی ہوئی کہ انہوں نے توقف سے کام لیا اور مسلمانوں کو قریش کے سپرد کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ پھر عبداللہ ابن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کی طرف متوجہ ہو کر انہیں حکم دیا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں انہیں تمہارے سپرد نہیں کروں گا، تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ یہاں سے شرافت سے رخصت ہو جاؤ۔ (من نسمات الخلود)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط

(سورۃ الطلاق: ۶۵/۲)

جو شخص اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے، اللہ اس کے لئے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے اپنے ایمان کی حقیقت کو نہیں چھپایا کیونکہ ان کا اٹل عقیدہ یہ تھا کہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف فرماتا ہے۔ انہوں نے پوری للہیت سے بات کی اور سچ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے نجاشی کا دل مسلمانوں کو قریش کے حوالے کرنے سے پھیر دیا اور دشمنان اسلام کو خائب وخاسر لوٹا دیا۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۱۳۳)

اور عورت رجم ہونے سے بچ گئی

خلیفۂ ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بنوامیہ سے تھے۔ عبد مناف پر ان کا سلسلۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ یہ ہجرت سے 47 سال پہلے پیدا ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا۔ وہ 24ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خلیفہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے عہد صدیقی میں قرآن کے مدون شدہ نسخے کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں اور دیگر نسخے تلف کرا دیے۔ یوں ساری امت کا ایک قرآن پر اتفاق ہو گیا۔ ان کے عہد میں طرابلس، قبرص، طبرستان، طخارستان (شمالی افغانستان)، کرمان، زابلستان (غزنہ)، خراسان اور سیستان فتح ہوئے۔ 27ھ میں عبداللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا۔ 32ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کے بیڑے کو شکست دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سبائی فتنے کے نتیجے میں 18 ذوالحجہ 35ھ کو شہید کر دیا گیا۔

(تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین ندوی ص 259-217)

سلف کا یہ دستور تھا کہ نوعیت مسئلہ سمجھنے کے بعد اجتہاد کی بنیاد پر اگر کوئی فیصلہ کرتے اور ان کے سامنے قرآن کی کوئی آیت یا کوئی صحیح حدیث ان کے اجتہاد کی تردید میں پیش کی جاتی تو وہ اپنے فیصلے پر اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو ترجیح دینے میں بالکل پس و پیش نہیں

کرتے تھے۔ اس کی ایک واضح مثال درج ذیل واقعہ ہے:

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک عورت نے اپنی شادی کے صرف چھ ماہ بعد ایک بچے کو جنم دیا جبکہ عورتیں عموماً نو یا کم سے کم سات ماہ کے بعد ہی بچہ جنتی ہیں۔ لوگوں کو شک ہو گیا کہ ضرور یہ عورت حقوق زوجیت میں خیانت کی مرتکب ہوئی ہے، چنانچہ ان کے مابین چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ یہ عورت حق زوجیت کی ادائیگی میں مخلص نہیں ہے، اس کا یہ حمل شادی سے پہلے کا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی اور اس سلسلے میں باقاعدہ مقدمہ پیش ہوا۔

چنانچہ اس عورت کو خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کیا گیا تا کہ اسے سزا دی جائے۔ وہاں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، اور خلیفہ کے قاضی وہی تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: لوگو! تم صرف اس وجہ سے کہ عورت نے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ جنم دیا ہے، اس کو سزا نہیں دے سکتے اور نہ اس پر یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے حق میں مخلص نہیں ہے۔

لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات پر بڑا تعجب کیا اور پوچھا: آخر آپ یہ بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف:۱۵)

”عورت کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے ہے۔“

یعنی حمل اور رضاعت کی پوری مدت تیس ماہ (دو سال چھ ماہ) کی ہے۔

اور سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرۃ:۲۳۳)

”مائیں اپنی اولادوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔“

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق دودھ پلانے کی مدت دو سال یعنی چوبیس مہینے ہے۔ گویا حمل اور رضاعت کی کل مدت تیس ماہ بنتی ہے۔ اس میں سے چوبیس مہینے تو دودھ پلانے کی مدت ہے اور باقی چھ ماہ حمل کے رہ گئے، لہٰذا چھ ماہ میں اگر کوئی عورت بچہ جنم دے

Scanned with CamScanner

تو وہ قابل سرزنش نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا بچہ اس کے شوہر ہی کا شمار ہوگا۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کی بنا پر عورت رجم ہوتے ہوتے بچ گئی۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مذکورہ دونوں آیات سے اور سورۂ لقمان کی آیت (14) (وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ) سے یہ استدلال کیا ہے کہ وضع حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ چھ ماہ میں اگر کوئی عورت بچہ جنے تو اس کی سرزنش نہیں کی جائے گی بلکہ اس کا بچہ اس کے شوہر ہی کا شمار ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استنباط صحیح اور قوی ہے۔ اس رائے سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اتفاق کیا ہے بلکہ مصنف عبدالرزاق کی حدیث (13444) کے مطابق امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اتفاق کیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق (۳۵۲/۷)، رقم (۱۳۴۴۸) نیز یہ اثر دیگر کتب حدیث و کتب تفسیر میں بھی مروی ہے۔)

(۱۳۴)

ایک نوجوان اور حضرت معروف کرخی

حضرت سیّدنا یحییٰ بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کو فرماتے سنا: ''میں نے ایک بستی میں خوبصورت اور صاف ستھرے لباس میں ملبوس ایک نوجوان دیکھا، اس نے زلفیں رکھی ہوئی تھیں، سر پر اونی چادر، جسم پر سوتی کپڑے کی قمیص اور پاؤں میں لکڑی کا جوتا تھا۔ مجھے اس کو اس جگہ دیکھ کر بڑی حیرانگی ہوئی۔ پھر میں نے اسے سلام کیا اور اس نے بھی سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا: ''کہاں سے آ رہے ہو؟'' کہنے لگا: ''دمشق سے آ رہا ہوں۔'' میں نے پھر پوچھا: ''وہاں سے کب چلے تھے؟'' جواب دیا: ''دوپہر کے وقت وہاں سے چلا تھا۔'' مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا کیونکہ دمشق اور اس بستی کے درمیان بہت زیادہ مسافت اور کئی منزلیں تھیں۔ بہرحال میں نے پھر پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' تو اس نے جواب دیا: ''مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تکریماً جانے کا ارادہ ہے۔'' میں سمجھ گیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے۔ خیر میں نے اسے الوداع کیا اور وہ چلا گیا۔ تین سال کے بعد ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھا سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہی شخص تھا۔ میں نے سلام کرنے کے بعد کہا: ''خوش آمدید!'' اور اسے اپنے گھر آنے کی اجازت دے دی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ حسرت زدہ، پریشان اور غمگین ہو۔ میں نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' تو اس نے بتایا: ''اے استاذ محترم! اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص کرم ہے یہاں تک کہ پہلے اس نے مجھے مصیبت

میں مبتلا کیا پھر اس سے نجات دی۔ وہ مجھ پر کبھی تو اپنے لطف وکرم کی بارش برساتا ہے اور کبھی خوف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کبھی بھوکا رکھتا ہے اور کبھی معزز بنا دیتا ہے۔ کاش! ایک مرتبہ وہ مجھے اپنے کسی خاص بندے کے بھیدوں پر آگاہ فرما دے پھر میرے ساتھ جو چاہے کرے۔'' حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس کے اس کلام سے مجھے رونا آ گیا۔ میں نے مزید پوچھا: ''جب سے تم مجھ سے جدا ہوئے اس وقت سے تمہارے ساتھ کیا کیا معاملات پیش آئے؟'' اس نے کہا: ''میں تو ان کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ مخفی رکھنا چاہتا ہے۔'' پھر وہ رونے لگا تو میں نے اس سے پوچھا: ''بتاؤ تو سہی کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا؟'' چنانچہ، اس نے بتانا شروع کیا: ''آپ سے ملاقات کے بعد میں تیس (30) دن تک بھوکا رہا۔ ایک وادی میں پہنچا جہاں ککڑیاں کاشت کی ہوئی تھیں۔ میں پتوں کو توڑ کر کھانے بیٹھ گیا۔ مالک نے جب دیکھا تو مجھے پکڑ لیا اور میری پشت اور پیٹ پر مکے مارتے ہوئے کہنے لگا: ''اے چور! تیرے علاوہ میری ککڑیاں کسی نے نہیں توڑیں، میں کب سے تیری تاک میں تھا کہ تو آئے اور میں تجھے پکڑ لوں، اللہ تعالیٰ کی قسم! اب تو میں تجھے سخت سزا دوں گا۔'' وہ ابھی مجھے مار ہی رہا تھا کہ ایک گھڑ سوار بڑی تیزی سے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا، اس کے سر پر کوڑا برسایا اور کہنے لگا: ''تم اللہ تعالیٰ کے ایک دوست کو چور کہہ رہے ہو اور اس کو مارتے اور ڈانٹتے ہو حالانکہ اس نے تو پتوں کے علاوہ کوئی چیز نہیں کھائی۔'' یہ سن کر وہ مالک میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں اور سر کو چومنے لگا۔ پھر مجھ سے معذرت کی اور اپنے گھر لے جا کر بہت عزت کی اور حسن سلوک سے پیش آیا۔ میرے لئے اپنی ککڑیاں فقراء ومساکین کو صدقہ کر دیں۔ پھر جب میں نے بتایا کہ میں حضرت سیّدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے دوستوں میں سے ہوں تو اس نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ بیان کرنے کو کہا۔ میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اوصاف بیان کئے تو اس نے پہچان لیا۔'' ابھی اس نوجوان کی گفتگو پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ککڑیوں کے مالک نے دروازے پر دستک دی اور ہمارے پاس آ گیا۔ وہ بہت خوشحال تھا اور اپنا سارا مال فقراء پر صدقہ کر کے ایک سال اس نوجوان کی صحبت میں رہا۔ پھر وہ دونوں حج کے لئے روانہ ہوئے، حج وعمرہ کیا اور دونوں کا وہیں انتقال ہو گیا

اور مکۂ مکرمہ کے قبرستان ''جنت المعلی'' میں مدفون ہوئے۔

(صفۃ الصفوۃ، ذکر المصطفین من عباد اھل الشام المجھولی الاسماء، الرقم ۸۱۳، عابد آخر، ج ۴، ص ۲۴۰)

حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ اس طرح دعا کیا کرتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ یَامَنْ وَّفَّقَ اَھْلَ الْخَیْرِ لِلْخَیْرِ وَاَعَانَھُمْ عَلَیْہِ وَ فِقْنَا لِلْخَیْرِ وَاَعِنَّا عَلَیْہِ اے اللہ تعالیٰ! اے وہ ذات جس نے نیک بندوں کو امورِ خیر کی توفیق دی اور اس پر ان کی مدد بھی فرمائی! ہمیں بھی بھلائی کی توفیق عطا فرما اور اس پر ہماری مدد بھی فرما۔''

ایک شخص نے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''دعا فرمائیں کہ اللہ میرے دل کو نرم کر دے۔'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اس دعا کی تلقین فرمائی: یَا مُلَیِّنَ الْقُلُوْبِ اَلِنْ قَلْبِیْ قَبْلَ اَنْ تُلَیِّنَہٗ عِنْدَ الْمَوْتِ اے دلوں کو نرم فرمانے والے! میرے دل کو بھی نرم کر دے اس سے پہلے کہ تو موت کے وقت اسے نرم کرے۔'' (آمین)

☆...... حضرت سیّدنا سری سقطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں بھی اسی مرض میں مبتلا ہوا تھا تو مجھے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی دعا کی برکت سے چھٹکارا مل گیا۔ ہوا یوں کہ میں نمازِ عید پڑھنے کے بعد واپس لوٹ رہا تھا کہ حضرت سیّدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا جس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ دل ٹوٹنے کے سبب روئے جا رہا تھا۔ میں نے عرض کی: ''یا سیدی! کیا ہوا؟ آپ کے ساتھ یہ بچہ کیوں روئے جا رہا ہے؟'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''میں نے چند بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا لیکن یہ بچہ ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ ان بچوں کے ساتھ نہ کھیلنے کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے بچے سے پوچھا تو اس نے بتایا: ''میں یتیم ہوں، میرا باپ انتقال کر گیا ہے، میرا کوئی سہارا نہیں اور میرے پاس کچھ رقم بھی نہیں کہ میں اخروٹ خرید کر ان بچوں کے ساتھ کھیل سکوں۔'' چنانچہ، میں اس کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں تا کہ اس کے لئے گٹھلیاں اکٹھی کروں جن سے یہ اخروٹ خرید کر دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل سکے۔'' میں نے عرض

Scanned with CamScanner

کی: ''آپ یہ بچہ مجھے دے دیں تاکہ میں اس کی حالت بدل سکوں۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''چلو اس کو پکڑ لو، اللہ تعالیٰ تمہارا دل ایمان کی برکت سے غنی کرے اور اپنے راستے کی ظاہری و باطنی پہچان عطا فرمادے۔''

حضرت سیّدنا سری سقطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''میں اس بچے کو لے کر بازار چلا گیا اور اچھے کپڑے پہنائے، اخروٹ خرید کر دیئے اور وہ عید کے دن دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے چلا گیا۔ دوسرے بچوں نے پوچھا: ''تجھ پر یہ احسان کس نے کیا؟'' اس نے جواب دیا: ''حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ اور سری سقطی علیہ الرحمۃ نے۔'' جب بچے کھیل کود کے بعد چلے گئے تو وہ بچہ خوشی خوشی میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''بتاؤ! عید کا دن کیسا گزرا؟'' اس نے کہا: ''اے میرے محترم! آپ نے مجھے اچھا کپڑا پہنایا، مجھے خوش کر کے بچوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے بھیجا، میرے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑا، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی کمی پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے لئے اپنا راستہ کھول دے۔'' حضرت سیّدنا سقطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: مجھے بچے کے اس کلام سے بے حد خوشی ہوئی جس نے عید کی خوشیاں دوبالا کر دیں۔

(تذکرۃ الاولیاء، ج ا، حصہ اول، حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ، ص ۲۴۳-۲۴۲ ملخصاً)

(۱۳۵)

عقل کی تکمیل کیسے ہوتی ہے؟

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے شاگرد تمیم بن عدی یربوعی نے سوال کیا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے!

آدمی کی عقل کس چیز سے مکمل ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: جب

1- وہ احسان کرنے میں پہل کرے۔

2- جس چیز کی خود اسے حاجت ہو وہ دوسروں کو بخش دے۔

3- دوسرے کی لغزش معاف کرے۔

4- احسان کا بدلہ احسان سے دے۔

5- معذرت کے مواقع سے بچے۔ تو اس کی عقل مکمل ہے۔

تمیم کہتے ہیں: مجھے ان کی بات بہت اچھی لگی۔ میں نے اسے یاد کر لیا اور پلے باندھ لیا۔

تمیم کہتے ہیں: پھر کچھ دن کے بعد میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا اور ہم ایسی جگہ اترے جہاں کھانے کے لئے کچھ میسر نہیں تھا، جسے کھا کر ہم سفر جاری رکھ سکتے۔ ابن عباس نے اپنے کارندے کو فرمایا: اس جنگل میں جاؤ ممکن ہے وہاں تمہیں کوئی چرواہا مل جائے اور اس سے کچھ کھانے پینے کا سامان مل جائے۔

کارندہ چند نوجوانوں کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ دیر تک تلاش کرنے کے باوجود انہیں کوئی چرواہا نہ مل سکا۔ البتہ دور سے ایک چھوٹا سا خیمہ دکھائی دیا۔ وہاں پہنچے تو ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی۔ اسے پوچھا: ہم کھانا خریدنا چاہتے ہیں، کیا آپ کے پاس مل جائے گا؟ اس

Scanned with CamScanner

نے کہا: میرے پاس کھانا تو ہے، لیکن وہ میرے اور میری اولاد کے لئے ہے۔ بیچنے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

ان سے پوچھا: آپ کی اولاد کہاں ہے؟ انہوں نے کہا وہ جانور چرانے گئے ہوئے ہیں۔ان کی واپسی کا وقت ہو چکا ہے۔ وہ آیا ہی چاہتے ہیں۔

ان سے پوچھا: آپ نے ان کے لئے کیا تیار کیا ہے؟ کہنے لگیں: میں نے ایک چھوٹی سی روٹی پکائی ہے۔ وہ اپنے پاس رکھے ہوئے بچوں کا انتظار کر رہی ہوں۔ کارندوں نے کہا: براہ مہربانی آپ ہمیں آدھی روٹی ہی دے دیں اور دل میں سوچا کہ اگر پوری روٹی نہیں دیں گی تو ممکن ہے آدھی ہی دے دیں۔ انہوں نے کہا آدھی نہیں، آپ پوری روٹی لے جائیں۔

کارندے ان کی بات سن کر حیران رہ گئے اور انہیں یہ نکتہ سمجھ نہ آسکا کہ وہ آدھی کی بجائے پوری روٹی دینے پر کیوں تیار ہیں؟

آخر انہوں نے پوچھ ہی لیا کہ بڑی اماں! آپ کے پاس صرف ایک روٹی ہے اس کے باوجود آپ آدھی کی بجائے پوری روٹی دینے پر کیوں آمادہ ہیں؟ انہوں نے کہا: آدھی روٹی دینا عیب ہے۔ میں ایسا کام نہیں کرنا چاہتی جو مجھے عیب لگائے۔ میں فضیلت حاصل کرنے کے لئے سخاوت کرنا چاہتی ہوں۔ لہٰذا پوری روٹی لے لو۔

ان کا تعجب اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور انہیں یہ بوڑھی خاتون عظیم ترین دکھائی دینے لگی۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ خاتون ملکہ ہے جو اپنے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کا خیمہ معمولی سا خیمہ نہیں بلکہ وسیع وعریض میدان میں سجا ہوا کسی تاجدار کا دربار ہے۔

وہ لوگ سراپا حیرت بنے ہوئے واپس ہوئے۔ بزرگ خاتون نے ان سے نہیں پوچھا: وہ کون ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ یہ تھی اخلاق کی بلندی اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی شاندار مثال۔

کارندے حیرت کی تصویر بنے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے معمر خاتون کا پورا واقعہ بیان کر دیا کہ کس طرح انہوں نے آدھی روٹی دینے سے انکار کیا اور پوری دے دی۔ انہیں بھی تعجب ہوا۔ حکم دیا کہ اس محترم خاتون کو مکمل اعزاز اور

احترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ۔ وہ لوگ پھر اس بزرگ خاتون کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: ہمارے صاحب نے آپ کی سخاوت کا تذکرہ سنا ہے، اس لئے وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

کہنے لگیں: آپ کے صاحب کون ہیں؟ انہیں بتایا: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، تو کہنے لگیں: میں اس نام کو نہیں جانتی۔ انہیں بتایا گیا: ان کے والد حضرت عبدالمطلب کے بیٹے اور نبی اکرم ﷺ کے چچا ہیں۔

کہنے لگیں: اللہ کی قسم! یہ بلند شرافت اور عظمت کی انتہائی اونچی چوٹی ہے۔

وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ کارندوں نے کہا: آپ کے احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں۔

کہنے لگیں: اس ہاشمی نے وہ دولت ضائع کر دی جو اس کے چچا کے بیٹے نے اسے عطا کی تھی۔

پھر کہنے لگیں: اللہ کی قسم! اگر میں نے کوئی نیکی کی تھی تو میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گی کیونکہ یہ تو ہر انسان پر واجب ہے۔ میں نے تو کوئی انوکھا کام نہیں کیا تھا۔

ان کی نظروں میں خاتون کی عزت اور وقار میں مزید اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا: ابن عباس آپ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کی گفتگو سننا چاہتے ہیں۔ بزرگ خاتون نے کہا: میں ان کے پاس جاؤں گی کیونکہ میں خود نبی اکرم ﷺ کے خاندان کے فرد اور قریبی رشتے دار کی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔

جب وہ بزرگ خاتون تشریف لائیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے پاس بٹھایا۔ ان سے پوچھا: آپ کس قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں؟ کہنے لگیں: میرا تعلق قبیلۂ کلب سے ہے۔ فرمایا: آپ کا کیا حال ہے؟ کہنے لگیں: دنیا کی کوئی خوشی ایسی نہیں ہے جو مجھے حاصل نہ ہوئی ہو۔ اس وقت قناعت سے زندگی گزار رہی ہوں۔ اپنے رشتے داروں کی حفاظت کر رہی ہوں اور مجھے توقع ہے کہ آج کل میں دنیا چھوڑ جاؤں گی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس خاتون کی گفتگو بہت پسند آئی اور انہوں نے بچشم حیرت دیکھا

3231

Scanned with CamScanner

کہ اس نے دنیا کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر کامل بھروسہ رکھتی ہے۔ فرمایا: یہ بتائیں کہ جب ہمارے کارندے روٹی لے کر آ گئے تھے تو آپ نے اپنے بیٹوں کی واپسی پر ان کے لئے کیا تیار کیا تھا؟ کہنے لگیں: میں نے ان کے لئے ایک عرب شاعر کا یہ شعر تیار کیا تھا:

وَلَقَدْ اَبِیْتُ عَلَی الطَّوٰی وَاَظَلُّہٗ
حَتّٰی اَنَالَ بِہٖ کَرِیْمَ الْمَاٰکَلِ

(حاتم طائی)

میں نے رات دن اپنے پیٹ کو لپیٹ کر رکھا تا کہ میں اس کے ذریعے بہترین کھانا حاصل کروں۔

بے آب و گیاہ جنگل میں رہنے والی خاتون کی بلند فکر اور اخلاق عالیہ کو دیکھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما انگشت بدنداں رہ گئے۔

آپ نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ اس خاتون کے ساتھ ان کے خیمے میں جاؤ اور جب ان کے بیٹے آ جائیں تو انہیں بھی میرے پاس لے آؤ۔

خاتون نے غلام کو کہا: ہمارے صحن میں جاؤ تمہاری ملاقات میرے ایسے تین بیٹوں سے ہو گی کہ

1- ہمیشہ زمین کی طرف دیکھتا ہے۔ وقار نے اس کے اردگرد ہالہ بنایا ہوا ہے۔ وہ فصیح گفتگو کرتا ہے اور جب کسی چیز کو طلب کرتا ہے تو اسے حاصل کر کے رہتا ہے۔

2- تیز نظر والا ہے۔ بڑا محتاط۔ جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے اور اگر اس پر ظلم کیا جائے تو وہ ظالم کو کیفر کردار تک پہنچا دیتا ہے۔

3- یوں ہے جیسے آگ کا شعلہ۔ یا اس طرح ہے جیسے اس سے قتل کا انتقام طلب کیا جا رہا ہو۔ وہ سخت موت ہے اور لاعلاج بیماری۔

جب تم ان کی یہ صفت دیکھو تو انہیں میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر میرے پاس پہنچ جاؤ۔ غلام خیمے کے پاس گیا تو وہ تینوں مل گئے۔ غلام نے انہیں پیغام دیا تو

وہ تاخیر کئے بغیر حاضر ہو گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں اپنے قریب بٹھایا، ان کی عزت افزائی کی اور فرمایا:

میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو صرف تمہارے احوال کی اصلاح اور تمہاری امداد کرنے کے لئے بلایا ہے۔

خاتون کے بیٹوں نے کہا: جناب احسان کرنے کی چند صورتیں ہی ہو سکتی ہیں:

1- درخواست دی گئی ہو اور ہماری طرف سے تو کوئی درخواست نہیں دی گئی۔

2- کسی اچھے فعل کے بدلے کے طور پر ہو۔ جب کہ ہم نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ ہم پر واجب تھا اور واجب کے ادا کرنے کا تو شکریہ ادا نہیں کیا جاتا۔

3- آپ پہل کرتے ہوئے احسان فرما رہے ہوں، اگر ایسا ہے تو ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نیکی قبول و منظور فرمائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہیں سات ہزار درہم اور دس اونٹنیاں دی جائیں۔

خاتون نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ تم میں سے ہر ایک اپنے ایک ایک شعر کا نذرانہ پیش کرے۔ چنانچہ بڑے لڑکے نے کہا:

شَهِدْتُ عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْمَقَالْ
وَصِدْقِ الْفِعَالِ وَ طِيْبِ الْخَبَرْ

میں آپ کے بارے میں اچھی گفتگو، کردار کی سچائی اور شاندار خبر کی گواہی دیتا ہوں۔ درمیانے لڑکے نے کہا:

تَبَرَّعْتَ بِالْبَذْلِ قَبْلَ السُّؤَالْ
فِعَالَ كَرِيْمٍ عَظِيْمِ الْخَطَرْ

آپ نے مانگنے سے پہلے جود و عطا کی نہریں بہا کر عظیم الشان سخی کا کردار ادا کیا ہے۔ سب سے چھوٹے نے کہا:

وَحُقَّ لِمَنْ كَانَ ذَا فِعْلِهٖ
بِاَنْ يَّسْتَرِقَّ رِقَابَ الْبَشَرْ

Scanned with CamScanner

جس کا یہ عظیم کردار ہو وہ اس لائق ہے کہ انسانوں کی گردنوں کا مالک ہو۔

خاتون نے کہا:

فَـعَـمَّـرَكَ اللهُ مِـنْ مَّـاجِـدٍ
وَوُقِّيـتَ مَـا عِشْـتَ شَـرَّ الْقَدَرْ

اللہ تعالیٰ آپ جیسے بزرگ کو عمر دراز عطا فرمائے، اور عمر بھر بری تقدیر سے محفوظ رکھے۔

پھر سب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو رخصت کیا اور خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ وہ ان کے لئے ہر بھلائی کی دعا کر رہے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انتہائی دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے تمیم کو فرمایا: اللہ کی قسم! میری خواہش ہے کہ کاش میرے پاس ان لوگوں کو دینے کے لئے کچھ اور مال ہوتا۔

انہیں اس بات کا صدمہ تھا کہ حسب خواہش ان کی خدمت نہ کر سکے اور ان کے حسن معاملہ کا اچھی طرح بدلہ نہ چکا سکے۔ تمیم نے عرض کیا:

آپ نے بڑا اچھا کام کیا اور ان کے معاملے سے بڑھ کر انہیں نوازا ہے۔ آپ نے جو اس سے پہلے فرمایا تھا، آپ کے عمل نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ واقعی آپ کی عقل سب لوگوں سے زیادہ کامل ہے اور آپ مروت میں سب سے آگے ہیں۔

(وفیات الاعیان بتصرف)

مہمان نوازی، فراخ دلی، عالی ظرفی اور جود و سخا ان لوگوں کا وطیرہ ہوتا ہے جو تزکیۂ نفس کے مرحلے سے گزر کر اپنے دل کو کسی حد تک پاک کر چکے ہوں، ورنہ محض علم دماغ کو روشن کرتا ہے دل کو نہیں، یہی وجہ ہے کہ محض علم حاصل کرنے والے لوگ اخلاق عالیہ مثلاً حلم، تحمل، بردباری، اصاغر نوازی اور مہمان نوازی جیسے اوصاف سے عاری ہوتے ہیں۔

اقبال نے بجا کہا ہے:

علم و حکمت از کتب دیں از نظر

(۱۳۶)

قوم موسیٰ کے ساتھ اللہ کا معاملہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توراۃ شریف کے احکام پڑھ کر بنی اسرائیل کو سنائے اور فرمایا: تم لوگ اس پر عمل کرو۔ جب بنی اسرائیل نے توراۃ شریف کے احکام کو سنا تو ایک دم انہوں نے ان احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سرکشی پر اللہ تعالیٰ کا یہ غضب نازل ہوا کہ ناگہاں کوہ طور جڑ سے اکھڑ کر ہوا میں اڑتا ہوا بنی اسرائیل کے سروں کے اوپر ہوا میں معلق ہو گیا جو تین میل لمبی اور تین میل چوڑی زمین میں ڈیرے ڈالے ہوئے مقیم تھے۔ جب بنی اسرائیل نے یہ دیکھا کہ پہاڑ ان کے سروں پر لٹک رہا ہے تو سب کے سب سجدہ میں گر کر عہد کرنے لگے کہ ہم نے توراۃ کے سب احکام کو قبول کیا اور ہم ان پر عمل بھی کریں گے، مگر ان لوگوں نے سجدہ میں اپنے رخسار اور بائیں بھنوؤں کو زمین پر رکھا اور داہنی آنکھ سے پہاڑ کو دیکھتے رہے کہ کہیں ہمارے اوپر گر تو نہیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھی یہودی اسی طرح سجدہ کرتے ہیں کہ بایاں رخسار اور بایاں بھنوؤں زمین پر رکھتے ہیں۔ بہرحال بنی اسرائیل نے جب توبہ کر لی اور توراۃ کے احکام پر عمل کرنے کا عہد کر لیا تو پھر یہ پہاڑ اڑ کر اپنی جگہ پر چلا گیا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو چند جگہوں پر بیان فرمایا ہے مثلاً سورہ اعراف میں ہے:

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(الاعراف رکوع ۲۱ پ ۹)

Scanned with CamScanner

اور جب ہم نے پہاڑ ان کے اوپر اٹھایا گویا کہ وہ سائبان ہے اور ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب یہ پہاڑ ان پر گر پڑے گا پھر ہم نے کہا: لو جو ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد کر لو جو اس میں ہے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ناواقفوں یا سرکشوں کو کسی نیک کام کے کرنے یا اچھی بات کو قبول کرنے پر ڈرا دھمکا کر مجبور کرنا یہ عین حکمت اور خداوند قدوس کی مقدس سنت ہے۔

(عجائب وغرائب القرآن)

☆ ایک دانا سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ ہم علم کو سنتے ہیں مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے فرمایا یا پانچ وجہ ہیں پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام فرمایا ہے تم نے اس کا شکر ادا نہیں کیا' دوسری یہ کہ جب تم گناہ کرتے ہو تو اس پر استغفار نہیں کرتے' تیسری یہ کہ اپنے علم و عمل نہیں کرتے' چوتھی یہ کہ تم اچھے لوگوں کے پاس بیٹھتے ہو مگر ان کی پیروی نہیں کرتے' پانچویں یہ کہ اپنے ہاتھوں سے میت کو دفن کرتے ہو مگر عبرت حاصل نہیں کرتے۔

(تنبیہ الغافلین ص۳۹۴)

☆ یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ حکمت آسمان سے قلوب میں اترتی ہے اور ایسے قلب میں نہیں ٹھہرتی جس میں چار خصلتیں ہوں۔ اوّل دنیا کی طرف میلان' دوسرے کل کی فکر' تیسرے بھائیوں سے حسد اور چوتھے جاہ و شرافت کی محبت۔

(تنبیہ الغافلین ص۲۶۲)

(۱۳۷)

جب قاضی نے وزیر کا حکم ٹھکرا دیا

وزیر منکوتمر نے اپنا دربان قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ابن دقیق العید کے پاس بھیجا اور مطالبہ کیا کہ میری گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دیا جائے۔ ابن دقیق نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔ انہوں نے کہا: وزیر کی گواہی سے کیا ثابت ہوگا؟

دربان نے کہا: جناب عالی! کیا آپ کے نزدیک وہ عادل اور معتبر نہیں ہیں؟

جسٹس صاحب نے مسکراتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

يَقُوْلُوْنَ هٰذَا عِنْدَنَا غَيْرُ جَائِزٍ
وَمَنْ اَنْتُمُوْ حَتّٰى يَكُوْنَ لَكُمْ عِنْدُ؟!

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کام ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے، ان سے پوچھا جائے کہ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ کہ تمہیں یہ کہنے کا حق ہو کہ "ہمارے نزدیک" یہ مسئلہ اس طرح ہے۔ اور خاص طور پر یہ مصرع بار بار پڑھا:

وَمَنْ اَنْتُمُوْ حَتّٰى يَكُوْنَ لَكُمْ عِنْدُ؟

پھر قاضی صاحب نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! جو کچھ تمہارا امیر کہہ رہا ہے اس کے بارے میں میرے پاس شرعی گواہی قائم نہیں ہے۔ لہٰذا کسی شے کے بارے میں کبھی بھی فیصلہ نہیں کروں گا۔

پھر دربان کو کہا: بِسْمِ اللهِ...... آپ جا سکتے ہیں۔

دربان ناکام ونامراد اٹھ کر چلا گیا لیکن وہ کہہ رہا تھا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ اسلام ہے۔ دنیا اس وقت تک خیر کے ساتھ رہے گی، جب تک ایسے پاکیزہ صفات قاضی موجود رہیں گے، جنہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت گرفت میں نہیں لیتی۔'

وزیر کو اطلاع ملی تو اس نے قاضی صاحب سے معذرت کی لیکن انہوں نے وزیر کی معذرت قبول نہیں کی۔ وہ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ انہیں وزیر اور اس کے حکم کی پرواہ نہیں۔ دوسرے دن قاضی صاحب حسب معمول قلعہ پر تشریف لے گئے۔ وزیر کے دفتر کے پاس سے گزرے۔ وہاں وزیر صاحب اپنے نوکروں چاکروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا ایک ایک دربان حاضر ہوا اور کہنے لگا: جناب عالی! وزیر صاحب آپ کے بیٹے ہیں۔ وہ برکت حاصل کرنے کے لئے آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں لیکن قاضی صاحب نے کسی کی طرف توجہ نہیں دی۔ وزیر کے کارندے بار بار درخواست پیش کر رہے تھے اور اصرار کر رہے تھے لیکن قاضی صاحب جلال کے عالم میں بے رخی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر بلند آواز سے گویا ہوئے:

اسے کہہ دو! کہ تمہاری اطاعت مجھ پر واجب نہیں ہے۔

ہاں پھر سن لو! کہ تمہاری اطاعت مجھ پر واجب نہیں ہے۔

پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنے آپ کو منصب قضا سے معزول کر دیا ہے۔ اسے کہو کہ اس منصب پر کسی دوسرے کو مقرر کر دے۔ ہاں ہاں! میں جا رہا ہوں، کسی دوسرے کو قاضی بنا دے اور وزیر سے ملاقات کئے بغیر واپس آ گئے۔ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور دروازے کو اندر سے تالا لگا دیا۔ اپنے نائبوں کو پیغام بھیج دیا کہ وزیر کے کہنے کے مطابق ہرگز فیصلہ نہ کرو کیونکہ وہ شریعت اسلام کا مخالف ہے۔ لہٰذا اس کی اطاعت صحیح نہیں ہے۔ شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ قاضی ابن دقیق العید نے وزیر کی منشا کے مطابق فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا ہے اور خود استعفیٰ دے کر گھر میں بیٹھ گئے ہیں۔ بادشاہ وقت منصور حسام الدین کو اس خبر سے بڑا صدمہ پہنچا۔ اس نے وزیر منکوتمر کو ڈانٹ پلائی۔

اس دور کے عظیم عالم شیخ نجم الدین حسین اور اپنے کچھ درباریوں کو قاضی صاحب کے پاس بھیجا۔ اس وفد نے قاضی صاحب کے سامنے بادشاہ کی معذرت پیش کی اور پرزور انداز میں بتایا کہ بادشاہ نے آپ کا استعفیٰ قبول نہیں کیا۔ وہ آپ کا دلی احترام کرتے ہیں اور آپ کا مطالبہ پورا کرتے ہیں۔ قاضی صاحب نے معذرت قبول کر لی اور وفد کے ہمراہ دربار شاہی میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب بادشاہ نے انہیں دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ آگے بڑھ کر گرمجوشی سے استقبال کیا۔ قاضی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اشارہ کیا کہ تخت شاہی پر بیٹھ جائیں۔ قاضی ابن دقیق العید نے اپنے آستین سے کپڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور تخت پر بچھا دیا اور اس پر بیٹھ گئے۔ بات یہ تھی کہ تخت شاہی پر ریشمی کپڑا بچھا ہوا تھا۔ قاضی صاحب نے بادشاہ کو عملی سبق دیا۔ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ یہ حرام ہے۔ تمہارے لئے اس پر بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ بادشاہ قاضی صاحب کا غصہ ٹھنڈا کرنے لگا۔ وزیر کی طرف سے معذرت بھی کئے جا رہا تھا۔ لطف وکرم پر مشتمل گفتگو کر کے انہیں منصب قضا دوبارہ قبول کرنے پر آمادہ کرنے لگا۔ شاہ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ آپ جو چاہیں فیصلہ دیں۔ کوئی شخص آپ پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

قاضی صاحب نے بادشاہ کی پیشکش کے مطابق منصب قضا دوبارہ قبول کر لیا۔

پھر شاہ نے منکوتمر کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

یہ منکوتمر آپ کا بیٹا ہے۔ اس کا خاص خیال رکھیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ بہرحال آپ کا بیٹا ہے۔

قاضی صاحب نے گہری نظروں سے منکوتمر کی طرف دیکھا۔ گویا اپنی فراست سے اس کے دل کی تحریرات کو پڑھ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ کبھی اپنے دونوں ہاتھوں کو کھولتے اور کبھی انہیں الٹا کر کے دیکھتے۔ اس کے ساتھ ہی کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب دیکھتے۔ پھر بادشاہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے:

مَا يَجِيئُ مِنْهُ شَيْءٌ؟ یہ کسی کام کا نہیں؟ یہ کون سا اچھا کام کرے گا؟

تین دفعہ یہ جملہ دہرایا۔ (وفیات الاعیان۔ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

شرف ملت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں ایسے ایسے قاضی ہوا کرتے تھے۔ جو برملا کلمۂ حق کہہ دیتے تھے اگرچہ کڑوا ہو۔ وہ دین کے راستے میں اپنی دنیا کو قربان کردیتے تھے۔ حق کے خلاف کسی سے موافقت نہیں کرتے تھے اور فیصلے میں کسی کی رورعایت نہیں کرتے تھے۔ امراء اور وزراء بھی غیر عادل ہوتے تو ان کی گواہی رد کر دیتے تھے۔ جب کہ اسی دور میں بہت سے بڑے بڑے لوگ، امراء اور کمزور دل نام نہاد علماء (حقیقی علماء نہیں) ارباب حکومت کی چاپلوسی کرتے تھے اور ان کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے' تاکہ انہیں مال، مرتبہ اور دنیاوی منصب حاصل ہو جائے جو کسی وقت بھی ہاتھ سے جا سکتا ہے۔ (یہ تو پرانے زمانے کی بات ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اب کیا حالت ہو گی)

ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے   انجامِ گلستاں کیا ہوگا

(۱۳۸)

سیکرٹری کی خیانت پر اس کا محاسبہ

قاضی ایاس بن معاویہ حدیث کے ثقہ راوی ہیں۔ ان کی ذہانت وفطانت ضرب المثل تھی۔ صحیح مسلم کے مقدمے میں ان کا ذکر آتا ہے۔ انہوں نے خاصے بڑھاپے کی حالت میں 121ھ کے اندر وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء جلد5 ص155)

ایاس بن معاویہ اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور قاضی تھے۔ ایک آدمی نے ان کے ایک سیکرٹری (امین) کے پاس کچھ مال بطور امانت رکھا۔ وہ آدمی امانت رکھوا کر مکہ روانہ ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد واپس آیا تو قاضی کے سیکرٹری سے اپنی رکھی ہوئی امانت طلب کی لیکن اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

وہ آدمی قاضی ایاس کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاملے کی نوعیت سے آگاہ کیا۔

قاضی ایاس: کیا میں تجھے جانتا ہوں، پہلے کبھی میرے پاس آئے ہو؟

وہ بولا: نہیں

قاضی ایاس: میرے سیکرٹری کے پاس مال بطور امانت رکھتے ہوئے کسی کو بتایا تھا؟

اس نے جواب دیا: نہیں، اس معاملے سے کوئی دوسرا واقف نہیں۔

قاضی ایاس: واپس جاؤ اور اپنا معاملہ چھپائے رکھو، پھر دو دنوں کے بعد میرے پاس واپس آنا۔ وہ آدمی واپس چلا گیا تو قاضی ایاس نے اپنے سیکرٹری کو بلایا اور کہا: میرے پاس بہت سارا مال اکٹھا ہو گیا ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تیرے پاس رکھ دوں، کیا تیرا گھر

Scanned with CamScanner

محفوظ ہے؟ سیکرٹری نے عرض کی: ہاں۔

قاضی ایاس نے کہا: مال رکھنے کے لیے جگہ تیار کرو اور دو روز بعد چند آدمیوں کو لاؤ جو مال وہاں لے جا کر رکھیں۔

دو دن بعد وہ آدمی قاضی ایاس بن معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو قاضی نے اس سے کہا: تم نے جس سیکرٹری کے پاس مال بطور امانت رکھا تھا اس کے پاس جاؤ اور اپنا مال طلب کرو، اگر وہ تمہاری امانت واپس کر دیتا ہے تو ٹھیک ورنہ اس سے کہنا کہ میں اس مقدمے کو قاضی تک پہنچاؤں گا۔

وہ آدمی اس سیکرٹری کے پاس آیا اور کہا: میرا مال واپس کرو، ورنہ قاضی کے پاس جا کر یہ داستان کہہ سناؤں گا، چنانچہ سیکرٹری نے اس کا مال واپس کر دیا۔

پھر وہ سیکرٹری قاضی ایاس کے فرمان کے مطابق اپنے گھر ان کا مال رکھنے کے لیے حاضر ہوا، تو قاضی ایاس نے اسے بری طرح جھڑکا اور کہا: ''لا تقربنی یا خائن'' تم میرے قریب بھی مت آ؛ اے خائن! (ظرائف من التراث العربی، لعبدہ الامیر علی مہنا)

(۱۳۹)

عیسائی والدین کا قبول اسلام

حضرت سیّدنا عامر بن عبداللہ کرخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میرے پڑوس میں ایک عیسائی رہا کرتا تھا۔ ایک دن میں اپنے گھر میں موجود تھا کہ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اے ابو عامر! پڑوسی ہونے کی حیثیت سے میرا آپ پر حق ہے، میں آپ کو رات اور دن کے خالق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ'' مجھے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کے پاس لے چلئے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے بیٹے کی دعا کرے۔ میرے دل میں اولاد کی بہت خواہش ہے اور میرا جگر جلتا رہتا ہے۔'' چنانچہ، میں اس کو ساتھ لے کر حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں اس عیسائی کا معاملہ عرض کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو کہنے لگا: ''اے معروف! جب تک اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت نہ دے آپ نہیں دے سکتے، میں آپ کے پاس صرف دعا کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کی: ''یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں عرض کرتا ہوں کہ اسے ایسا لڑکا عطا فرما جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور یہ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائیں۔'' چنانچہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس کو ایک ایسا لڑکا عطا فرمایا جو اپنی عقل کامل کے سبب تمام اہل زمانہ پر فوقیت لے گیا، وہ اپنی شرافت کی بلندی کے باعث اپنے جیسے تمام لڑکوں پر بلند مقام رکھتا تھا۔ جب وہ کچھ بڑا ہوا تو باپ اسے عیسائیت کی تعلیم دلانے کے لئے ایک پادری کے پاس چھوڑ آیا۔ پادری نے اسے سامنے

Scanned with CamScanner

بٹھایا اور ہاتھ میں تختی پکڑا کر ابھی ”بولو“ ہی کہا تھا تو وہ بچہ کہنے لگا: ”کیا بولوں؟ میری زبان تمہارے تین خدا ماننے کے عقیدے سے روک دی گئی ہے اور میرا دل میرے رب تعالیٰ کی محبت میں مشغول ہے۔“ پادری کہنے لگا: ”اے بیٹے! میں نے تجھے یہ تو نہیں کہا تھا۔“ تو بچے نے کہا: ”پھر تم نے مجھے کیا کہا تھا؟“ پادری نے کہا: ”تم میرے پاس جس تعلیم کے لئے آئے ہو میں تو تمہیں وہ سکھا رہا ہوں جبکہ تم نے مجھے پڑھانا شروع کر دیا۔“ یہ سن کر بچہ کہنے لگا: ”پھر مجھے کوئی ایسی بات بتلایئے، جسے میری عقل بھی قبول کرے اور میرا ذہن بھی تسلیم کرے۔“

استاد نے کہا: ”ٹھیک ہے تو پھر کہو! الف۔“ بچے نے کہا: الف تو وصلی یعنی ملانے والا ہے، جس نے ہر دل کو اس محبوب حقیقی کا گرویدہ کر دیا جس کی صفات ازلی ہیں۔“ استاد نے کہا: ”اے بیٹے! کہو! باء۔“ بچے نے کہا: ”باء سے مراد حقیقی بقاء ہے، جس نے دلوں کو زندہ کیا اور ان میں محبت الٰہی عزوجل کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔“ استاد نے کہا: ”اے بیٹے! کہو! تاء۔“ تو بچے نے کہا: ”تاء سے مراد دل کا جذبہ وشوق ہے جو ذات باری تعالیٰ کے متعلق دل میں کھٹکنے والے تمام شکوک وشبہات کو دور کرتا ہے۔“ پادری نے کہا: ”اے بیٹے! کہو! ثاء۔“ تو بچے نے کہا: ثاء سے مراد اس نورانی لباس کے لئے پردہ ہے جو مقام قرب پانے والوں کو ثابت رکھے ہوئے ہے۔ استاد نے کہا: ”اے بیٹے! کہو! جیم۔“ تو بچے نے کہا: ”جیم تو نور جمال الٰہی عزوجل کا نام ہے، جو انسانوں پر صبح وشام اپنے انوار وتجلیات ڈالتا ہے۔“ استاد نے کہا: ”اے بیٹے! پڑھو! حاء۔“ تو بچے نے کہا: ”حاء سے مراد اللہ تعالیٰ کی حمد ہے، جس نے دلوں کی حفاظت کی اور بری خصلتوں سے پاک وصاف کر دیا۔“ استاد نے کہا: ”اے بیٹے! کہو! خاء۔“ تو بچے نے کہا: ”خاء سے مراد خوف خدا عزوجل ہے، جس نے برگزیدہ بندوں کی تمام تکالیف اور دکھ درد دور کر دیئے۔“

یہاں تک کہ پادری بچے کو ایک ایک حرف پڑھنے کے لئے کہتا رہا اور بچہ اس حرف کے متعلق ہم وزن ومنظوم کلام سے جواب دیتا رہا۔ پادری کی عقل دنگ رہ گئی اور ایسی گفتگو سن کر اس کا دل زندہ ہو گیا اور اس نے جان لیا کہ دین اسلام ہی سچا دین ہے۔ پھر کہنے لگا:

اے وحدانیت الٰہی عزوجل کو ماننے والے پیارے بچے! میں تجھے شاباش دیتا ہوں۔“ اس کے بعد بچے نے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم کچھ یوں ہے:

”کیا وہی برحق نہیں جو رلاتا وہنساتا، زندگی وموت دیتا اور مخلوق کے لئے کھیتی اگاتا ہے؟ یقیناً وہی معبود حقیقی ہے لہٰذا جو اس کا دروازہ چھوڑ کر کسی اور کے دروازے پر جاتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے اور جو اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کرتا ہے گمراہ ہو جاتا ہے۔ اے خائب وخاسر کوشش کرنے والے! جب بندے کا مقصود حقیقی وہی ذات ہے تو اب کون اس مقصد کے غیر کی طرف کامیاب کوشش کر سکتا ہے؟ پس وہی برتر، غالب اور رحیم ہے کہ اس کی طاقت کے بغیر کوئی کسی کو نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ اپنے بندے کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے پھر بھی اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور اس کو بن مانگے عطا کرتا ہے۔ عاصیوں اور گنہگاروں سے بخشش کا معاملہ کرتا ہے اور ہجر وفراق کے ماروں کو وصال کی دولت سے نوازتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے علاوہ حقیقی پروردگار کوئی نہیں، وہ اپنے اس بندے کو پسند کرتا ہے جو اس کا حکم توجہ سے سنتا ہے۔“

راوی کہتے ہیں کہ جب پادری نے بچے کا ایسا کلام سنا جس نے اس کے ہوش اڑا دیئے اور اسے رنج وغم میں مبتلا کر دیا تو اس نے جان لیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اس بچے کو قوت گویائی عطا کرنے والا وہی ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ، اس نے دل ہی دل میں کلمہ شہادت ”اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ پڑھا۔ پھر بچے کو اس کے باپ کے پاس لے آیا۔ جب باپ نے ان دونوں کو آتے دیکھا تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ اس نے پادری سے پوچھا: ”آپ نے میرے بچے کی ذہانت کو کیسا پایا؟“ تو وہ کہنے لگا: ”ذرا اس کا عارفانہ کلام تو سنیں۔“ پھر اس نے ساری گفتگو بچے کے باپ کو سنا دی۔ یہ سن کر باپ بولا: ”اس خدا کی قسم جو ہر لاچار وبے بس کی مدد فرماتا ہے! میرا بیٹا محض حضرت سیّدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی برکت سے اس مقام ومرتبے تک پہنچا

ہے۔" پھر کہنے لگا: "اے میرے بیٹے! سب خوبیاں خدائے واحد عزوجل کے لئے ہیں جس نے تیرے سبب ہم سب کو گمراہی سے نجات عطا فرمائی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت سیّدنا محمد ﷺ اس کے سچے رسول ہیں۔" اس کے بعد بچے کی ماں اور تمام گھر والے اسلام لے آئے اور اپنے گلے سے (عیسائیوں کے نشان) صلیب کو اتار پھینکا۔ (سُبْحَانَ اللہ) اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی دعا کی بدولت ان سب کو جہنم سے چھٹکارا دے دیا۔ (الروض الفائق)

(۱۴۰)

سیّدنا الیاس علیہ السلام اور ان کے معجزات

آپ حضرت حزقیل علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ بیشتر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ان کا نسب نامہ یہ ہے الیاس بن یاسین بن فخاس بن عیزار بن ہارون علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت کے متعلق مفسرین و مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ شام کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے اور "بعلبک" کا مشہور شہر ان کی رسالت و ہدایت کا مرکز تھا۔

ان دنوں "بعلبک" شہر پر "ارحب" نامی بادشاہ کی حکومت تھی جو ساری قوم کو بت پرستی پر مجبور کئے ہوئے تھا اور ان لوگوں کا سب سے بڑا بت "بعل" تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا اور بیس گز لمبا تھا اور اس کے چار چہرے بنے ہوئے تھے اور چار سو خدام اس بت کی خدمت کرتے تھے جن کو ساری قوم بیٹوں کی طرح مانتی تھی اور اس بت میں سے شیطان کی آواز آتی تھی جو لوگوں کو توحید اور خدا پرستی کی دعوت دینے لگے مگر قوم ان پر ایمان نہیں لائی بلکہ شہر کا بادشاہ "ارحب" ان کا دشمن بن گیا اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا چنانچہ آپ شہر سے ہجرت فرما کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں میں روپوش ہو گئے اور پورے سات برس تک خوف و ہراس کے عالم میں رہے اور جنگلی گھاسوں اور جنگل کے پھولوں اور پھلوں پر زندگی بسر فرماتے رہے۔ بادشاہ نے آپ کی گرفتاری کے لئے بہت سے جاسوس مقرر کر دیئے تھے آپ نے مشکلات سے تنگ آ کر یہ دعا مانگی کہ الٰہی! مجھے ان

Scanned with CamScanner

ظالموں سے نجات اور راحت عطا فرماتو آپ پر وحی آئی کہ تم فلاں دن فلاں جگہ پر جاؤ اور وہاں جو سواری ملے بلاخوف اس پر سوار ہو جاؤ چنانچہ اس دن اس مقام پر آپ پہنچے تو ایک سرخ رنگ کا گھوڑا کھڑا تھا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے اور گھوڑا اچل پڑا تو آپ کے چچازاد بھائی حضرت ''الیسع علیہ السلام'' نے آپ کو پکارا اور عرض کیا: اب میں کیا کروں؟ تو آپ نے اپنا کمبل ان پر ڈال دیا۔ یہ نشانی تھی کہ میں نے تم کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے اپنا خلیفہ بنا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل فرما دیا اور آپ کو کھانے اور پینے سے بے نیاز کر دیا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعت میں شامل فرمالیا اور حضرت الیسع علیہ السلام نہایت عزم و ہمت کے ساتھ لوگوں کو ہدایت کرنے لگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر دم ہر قدم پر ان کی مدد فرمائی اور بنی اسرائیل آپ پر ایمان لائے اور آپ کی وفات تک ایمان پر قائم رہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے تمام پہاڑوں اور حیوانات کو آپ کے لئے مسخر فرما دیا اور آپ کو ستر انبیاء کی طاقت بخش دی اور غضب و جلال اور قوت و طاقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم پلہ بنا دیا۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال کے روزے بیت المقدس میں ادا کرتے ہیں اور ہر سال حج کے لئے مکہ مکرمہ جایا کرتے ہیں اور سال کے باقی دنوں میں حضرت الیاس علیہ السلام تو جنگلوں اور میدانوں میں گشت فرماتے رہتے ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام دریاؤں اور سمندروں کی سیر فرماتے رہتے ہیں اور یہ دونوں حضرات آخری زمانے میں وفات پائیں گے جبکہ قرآن مجید اٹھا لیا جائے گا۔

حضور ﷺ سے ملاقات

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ہم لوگ ایک جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو راستہ میں ایک آواز آئی کہ یا اللہ! تو مجھ کو حضرت محمد ﷺ کی امت میں بنا دے جو امت مرحومہ اور مستجاب الدعوات ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے انس! تم اس آواز کا پتہ لگاؤ: چنانچہ میں پہاڑ میں داخل ہوا تو اچانک یہ نظر آیا کہ ایک آدمی نہایت سفید کپڑوں میں ملبوس داڑھی والا نظر آیا جب اس نے مجھے دیکھا تو پوچھا: تم

رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! انہوں نے فرمایا: تم جا کر حضور ﷺ سے میرا اسلام عرض کرو اور یہ کہہ دو کہ آپ کے بھائی الیاس علیہ السلام آپ سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ مجھ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور جب آپ ان کے قریب پہنچ گئے تو میں پیچھے ہٹ گیا پھر دونوں صاحبان دیر تک گفتگو فرماتے رہے اور آسمان سے ایک دستر خوان اتر پڑا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بلایا اور میں نے دونوں حضرات کے ساتھ کھانا کھایا جب ہم لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آسمان سے ایک بدلی آئی اور وہ حضرت الیاس علیہ السلام کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئی اور میں ان کے سفید کپڑوں کو دیکھتا رہ گیا۔

(صاوی ج ۳ ص ۲۸۶)

قرآن مجید میں ذکر خیر

قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ دو جگہ آیا ہے سورہ انعام میں اور سورہ والصفّٰت میں، سورہ انعام میں صرف ان کو انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں شمار کیا گیا اور سورہ والصفّٰت میں آپ کی بعثت اور قوم کی ہدایت کے متعلق مختصر طور پر بیان فرمایا چنانچہ سورہ انعام میں ہے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانعام رکوع ۱۰)

اور حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط علیہم السلام کو اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔ اور سورہ والصفت میں اس طرح ارشاد فرمایا:

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ۝ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ

Scanned with CamScanner

الْاَوَّلِیْنَ ○ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ اِلَّا عِبَادَاللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ○ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلْ یَاسِیْنَ ○ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (الصافات رکوع ۴)

اور بیشک الیاس علیہ السلام پیغمبروں میں سے ہیں جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں کیا بعل کو پوجتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑے ہوئے ہو۔ یعنی اللہ کو جو رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا، پھر لوگوں نے انہیں جھٹلا دیا تو وہ لوگ ضرور پکڑ کر لائے جائیں گے بجز اللہ کے برگزیدہ بندوں کے اور ہم نے پچھلوں میں ان کی تعریف باقی رکھی اور سلام ہو الیاس پر۔ بیشک ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیک بندوں کو بیشک وہ اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں سے ہیں۔

یہود کی ذہنیت

حضرت الیاس علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ اگرچہ قرآن مجید میں بہت ہی مختصر مذکور ہے تاہم اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ یہودیوں کی ذہنیت اس قدر مسخ ہو گئی تھی کہ کوئی ایسی برائی نہیں تھی جس کے کرنے پر یہ حریص نہ ہوں باوجودیکہ ان میں ہدایت کیلئے مسلسل انبیاء کرام تشریف لاتے رہے مگر پھر بھی بت پرستی، کواکب پرستی اور غیر اللہ کی عبادت ان لوگوں سے نہ چھوٹ سکی پھر یہ لوگ اعلیٰ درجے کے جھوٹے، بدعہد اور رشوت خور بھی رہے اور اللہ تعالیٰ کے مقدس نبیوں کو ایذائیں دینا اور ان کو قتل کر دینا ان ظالموں کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ بہرحال ان ظالموں کے واقعات سے جہاں ان لوگوں کی بدبختی و کجروی اور مجرمانہ شقاوت پر روشنی پڑتی ہے، وہیں ہم لوگوں کو یہ نصیحت و عبرت بھی حاصل ہوتی ہے کہ اب جبکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا تو ہمارے لئے بے حد ضروری ہے کہ خدا کے آخری پیغام یعنی اسلام پر مضبوطی سے قائم رہ کر یہودیوں کے ظالمانہ طریقوں کی مخالفت کریں اور کفار کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کر کے خدا کے مقدس نبیوں کے اسوہ حسنہ کی پیروی کریں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عجائب وغرائب القرآن)

(۱۴۱)

حرفِ را کے بغیر عربی خطبہ کا ترجمہ

ابوحذیفہ واصل بن عطا غزال بنومخزوم کے آزاد کردہ غلام، معتزلی اور علم کلام کے ایک امام تھے، ان کے ہمنواؤں کو معتزلہ کا لقب اس لئے دیا گیا کہ وہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس سے الگ ہو گئے تھے (اور اہل سنت سے الگ ایک مکتب فکر کے بانی قرار پائے، اعتزال کا معنی ہے الگ ہونا) معتزلہ کا ایک فرقہ ''واصلیہ'' ان کی طرف منسوب ہے، مدینہ منورہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، بصرہ میں پلے بڑھے اور ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے، ان کی زبان میں لکنت تھی، جس کی بنا پر ان کے لئے ''حرف راء'' کا تلفظ دشوار تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے کلام میں راء کے لانے سے اجتناب کرتے تھے۔

(۱۲ فرفور)

واصل بن عطاء کے خطبہ سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لئے عربی خطبہ کا پڑھنا ضروری ہے، اسی میں آپ دیکھیں گے کہ وہ ایک جگہ کے علاوہ کہیں بھی ''راء'' نہیں لائے۔ کہتے ہیں کہ انہیں زبان و بیان پر اتنا عبور تھا کہ ان کی گفتگو سن کر معلوم ہوتا تھا کہ حرف راء کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس خطبہ کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو قدیم اور بے کنار ہے۔ وہ باقی ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ اپنے قرب میں بلند ہے۔ تمام تر بلندی کے باوجود قریب ہے۔ کوئی مکان اس کا احاطہ نہیں کرتا۔ تمام مخلوقات کی حفاظت اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔ اس نے جو کچھ پیدا کیا

Scanned with CamScanner

ماڈل کو سامنے رکھے بغیر پیدا کیا۔ ہر چیز کو ابتداء پیدا کیا۔ اسے نہایت شاندار بنایا۔ ہر چیز کو حسن اور زیبائی عطا کی۔ جو چاہا اسے پورا کیا۔ اپنی حکومت کو بے حجاب کیا۔ ہر چیز اس کے خدا ہونے کی گواہ ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ اس کے حکم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ ہر شے اس کی عظمت کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے۔ ہر شے اس کی حکمرانی کے آگے عاجز و بے بس ہے۔ اس کا فضل ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز اس کے فضل سے خارج نہیں اور وہی سننے جاننے والا ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اس کا ہر نام مقدس ہے۔ اس کی نعمتیں عظیم ہیں۔ وہ ہر مخلوق کی صفات سے بلند و بالا ہے۔ اس کی بارگاہ قدس تک وہموں کی رسائی نہیں۔ کوئی عقل اور سمجھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کی نافرمانی کی جاتی ہے اس کے باوجود وہ درگزر فرماتا ہے۔ اس کی بارگاہ میں دعا کی جاتی ہے جسے وہ قبول فرماتا ہے۔ بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہ معاف فرماتا ہے اور ہر اس کام کو جانتا ہے جو بندے کرتے ہیں۔

میں برحق گواہی دیتا ہوں اور سچی بات کہتا ہوں۔ پورے خلوص اور دل کی گہرائی سے کہتا ہوں کہ حضرت محمد بن عبداللہ، اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم نبی معظم، منتخب اور برگزیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخلوق کی طرف روشن دلائل، ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ آپ نے احکام کی تبلیغ کی اور امت کی خیر خواہی فرمائی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس طرح جہاد کیا کہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت آپ کے راستے میں حائل نہیں ہو سکی اور کسی گمان کرنے والے کا گمان آپ کا راستہ نہ روک سکا۔ آپ پوری استقامت کے ساتھ اپنے طریقے پر قائم رہے۔ اپنے مشن کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کر دی۔ یہاں تک کہ آپ کی رحلت کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل پاک پر وہ افضل و اکمل، پاکیزہ ترین اور اجل و اعلیٰ رحمتیں نازل فرمائے جو اس نے اپنے برگزیدہ ترین انبیاء کرام اور ملائکہ عظام پر نازل فرمائیں بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ بے شک وہ

تعریف کیا ہوا، بزرگی والا ہے۔

اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اور اپنے آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس کی فرمانبرداری کرو۔ اس کی نافرمانی سے بچو۔ میں تمہیں ان کاموں کی ترغیب دیتا ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں اور اس کے مقربین کے زمرے میں شامل کر دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا بہترین زاد راہ اور قیامت کے دن بہترین ذخیرہ ہے۔ تمہیں دنیا کی زندگی اپنی زیب و زینت، مکر و فریب، لذتوں کے حملوں اور آرزوؤں کی خواہشات کے ساتھ ہرگز نہ الجھا دے کیونکہ یہ سامان بہت تھوڑا اور مدت بہت مختصر ہے۔ اس دنیا کی ہر چیز زائل ہو جائے گی۔ تم نے اس کے کتنے حیران کن شعبدے دیکھے ہیں؟ اس نے تمہیں شکار کرنے کے لئے کتنے جال بچھائے ہیں؟ اس نے کتنے ایسے لوگوں کو ہلاکت کی وادیوں میں دھکیل دیا جنہوں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کی طرف مائل ہوئے؟ اس نے ایسے لوگوں کو میٹھی چیزیں چکھائیں اور ان میں زہر ملا دی۔ وہ بادشاہ کہاں ہیں جنہوں نے شہر آباد کئے؟ مضبوط قلعے تیار کئے۔ مستحکم گیٹ بنائے۔ تیز رفتار گھوڑے تیار کئے۔ شہروں کے مالک بنے۔ انہوں نے خانہ زاد غلاموں سے خدمت لی۔ دنیا نے انہیں کجاووں سمیت ضبط کر لیا۔ اپنے سینے کے نیچے کچل دیا۔ دانتوں سے چبا ڈالا۔ انہیں وسعت کی جگہ تنگی، عزت کی جگہ ذلت دی۔ بقا کی بجائے فنا سے دوچار کیا۔ وہ قبروں میں جا بسے۔ ان کے جسم کیڑوں نے کھا لئے۔ اب صرف ان کے گھر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی یادگاریں ہی ملتی ہیں۔ خود ان میں سے کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے تم سفر خرچ تیار کر لو۔ بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ اے اصحاب عقول! اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جو اس کی نصیحتوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اپنے حصۂ آخرت اور سعادت کے لئے عمل کرتے ہیں اور گفتگو کو توجہ سے سن کر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے اور یہی ارباب دانش ہیں۔ بے شک ایمانداروں کے لئے بہترین قصہ اور متقین

Scanned with CamScanner

کے لئے بلیغ ترین نصیحت اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ جس کی آیات بڑی پاکیزہ اور دلائل بہت واضح ہیں۔ جب تمہارے سامنے اس کی تلاوت کی جائے تو تم اس کے احترام میں خاموش ہو جاؤ اور اس امید پر سنو کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ میں قوت والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، گمراہ شیطان سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سننے جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حکمت والی کتاب اور روشن وحی سے فائدہ عطا فرمائے۔ ہمیں اور آپ کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے۔ ہمیں اور آپ کو جنات النعیم میں داخل فرمائے۔ (من نسمات الخلود)

(۱۴۲)

اور اس کی خیانت ثابت ہوگئی

ایک آدمی نے حکومت کے بڑے عہدے دار کے پاس ایک تھیلی بطور امانت رکھوائی اور بتایا کہ یہ دیناروں سے بھری ہوئی ہے اور خود ایک طویل مدت تک غائب رہا۔ جب امانت رکھوانے والا شخص طویل عرصہ اس اعلیٰ افسر کے پاس نہ آیا تو اس نے ایک چال چلی اور وہ یہ کہ اس نے تھیلی کے نچلے حصے سے نہایت احتیاط کے ساتھ ڈوری کاٹ دی اور اس میں سے سارے دینار نکال کر اس کی جگہ درہم رکھ دیئے۔ پھر تھیلی کو اسی طرح سی دیا جیسی پہلے تھی۔ صاحب مال پندرہ سال کے بعد اس اعلیٰ افسر کے پاس آیا اور اس نے بطور امانت رکھوائی ہوئی اپنی تھیلی طلب کی۔ افسر نے صاحب مال کو اس کی تھیلی واپس کر دی جو اسی طرح سر بمہر تھی جس طرح کہ اس نے پندرہ سال قبل امانت رکھوائی تھی۔

جب صاحب مال نے تھیلی کھولی تو اس میں دینار کے بجائے درہم تھے۔ وہ یہ دیکھ کر جھنجھلا اٹھا اور بولا: یہ تھیلی میری نہیں ہے۔ میری تھیلی میں دینار تھے جبکہ اس میں درہم ہیں، مجھے اپنی دیناروں والی تھیلی چاہئے۔

عہدے دار نے کہا: بھئی! غور سے دیکھو۔ تھیلی وہی ہے جو تم نے میرے پاس رکھوائی تھی، آج تک یہ سربند ہے۔ یہی تھیلی تمہاری ہے۔ میں نے تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دیا ہے۔ ادھر وہ شخص اس سے اصرار کرتا رہا کہ مجھے دینار چاہئیں، میری تھیلی وہ ہے جس میں دینار تھے۔ جب بات نہیں بنی تو صاحب مال نے اس وقت کے امیر عمر بن ہبیرہ کے پاس مقدمہ دائر کر دیا۔ عمر بن ہبیرہ نے قاضی ایاس بن معاویہ کے پاس یہ مقدمہ بھیج دیا۔

قاضی ایاس نے صاحب مال سے پوچھا: نوعیت مقدمہ بیان کرو؟

صاحب مال نے عرض کیا: میں نے اس عہدے دار کے پاس دیناروں کی تھیلی بطور امانت رکھوائی تھی مگر یہ مجھے درہموں کی تھیلی دے رہا ہے۔ قاضی ایاس نے پوچھا: کتنا عرصہ پہلے؟ صاحب مال نے جواب دیا: پندرہ سال قبل۔

اب قاضی ایاس عہدے دار کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: تم کیا کہتے ہو؟

عہدے دار نے کہا: اس کی تھیلی سر بمہر رکھی ہوئی ہے۔ قاضی ایاس نے پوچھا: کتنے برسوں سے؟ عہدے دار نے بتایا: پندرہ برسوں سے۔

قاضی ایاس نے خادموں کو حکم دیا کہ اس تھیلی کا بندھن کھول کر اس کے دراہم بکھیر دو۔ خادموں نے حکم کی تعمیل کی اور تھیلی کے پورے دراہم بکھیر دیئے۔

بکھرے ہوئے دراہم میں کچھ تو دس سال پرانے سکے تھے اور کچھ پانچ سال پرانے، اور کچھ اس کے آگے پیچھے سالوں کے سکے تھے۔ قاضی ایاس عہدے دار سے مخاطب ہوئے: تم نے اقرار کیا ہے کہ یہ تھیلی تمہارے پاس پندرہ سال سے تھی اور اس تھیلی کے اندر دس پانچ سال پرانے سکے بھی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تھیلی اس پندرہ سالہ مدت میں کبھی کھلی ضرور ہے، اور اس وقت دیناروں کو دراہم سے بدلا گیا ہے۔

قاضی ایاس کی دلیل نے مجرم کو اقرار جرم پر مجبور کر دیا اور بالآخر عہدے دار نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ یوں وہ مجرم کے زمرے میں شامل ہوا اور اس کی خیانت کی قلعی کھل گئی۔ (تاریخ دمشق الکبیر (۲۲/۱۰)، ابن عساکر، دار احیاء التراث العربی)

(۱۴۳)

مزاراتِ اولیاء کی برکات

حضرت سیّدنا احمد بن عباس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں بغداد سے حج کے ارادے سے نکلا تو ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جس پر عبادت کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے پوچھا: ''آپ کہاں سے آرہے ہیں؟'' میں نے جواب دیا: ''بغداد سے بھاگ کر آرہا ہوں کیونکہ میں نے وہاں فساد دیکھا ہے، مجھے خوف ہے کہ اہل بغداد کو چاند گرہن نہ لگ جائے۔'' اس بزرگ نے فرمایا: ''آپ واپس چلے جائیے اور ڈریئے مت، کیونکہ بغداد میں چار ایسے اولیائے کرام رحمہم اللہ کی قبریں ہیں جن کی برکت سے اہل بغداد تمام بلاؤں اور مصائب سے محفوظ ہیں۔'' میں نے پوچھا: ''وہ کون ہیں؟'' جواب دیا: ''وہ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل، حضرت سیّدنا معروف کرخی، حضرت سیّدنا بشر حافی اور حضرت سیّدنا منصور بن عمار رحمہم اللہ ہیں۔'' چنانچہ میں واپس آگیا اور ان مردان حق کی قبروں کی زیارت کی تو مجھے بہت کیف و سرور حاصل ہوا۔ (تاریخ بغداد، باب ماذکر فی مقابر بغداد المخصوصة بالعلماء والزهاد، ج ۱، ص ۱۳۳)

Scanned with CamScanner

(۱۴۴)

بلعم بن باعوراء کا عبرتناک واقعہ

یہ شخص اپنے دور کا بہت بڑا عالم اور عابد وزاہد تھا اور اس کو اسم اعظم کا بھی علم تھا۔ یہ اپنی جگہ بیٹھا ہوا اپنی روحانیت سے عرش اعظم کو دیکھ لیا کرتا تھا اور بہت ہی مستجاب الدعوات تھا یعنی اس کی دعائیں بہت زیادہ مقبول ہوا کرتی تھیں۔ اس کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ مشہور یہ ہے کہ اس کی درسگاہ میں طالب علموں کی دواتیں بارہ ہزار تھیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ''قوم جبارین'' سے جہاد کرنے کے لیے بنی اسرائیل کے لشکروں کو لے کر روانہ ہوئے تو بلعم بن باعوراء کی قوم اس کے پاس گھبرائی ہوئی آئی اور کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت ہی بڑا اور نہایت ہی طاقتور لشکر لے کر حملہ آور ہونے والے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ہماری زمینوں سے نکال کر یہ زمین اپنی قوم بنی اسرائیل کو دے دیں۔ اس لیے آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسی بددعا کر دیجئے کہ وہ شکست کھا کر واپس لوٹ جائیں۔ آپ چونکہ مستجاب الدعوات ہیں اس لیے آپ کی دعا ضرور مقبول ہو جائے گی۔ یہ سن کر بلعم بن باعوراء کانپ اٹھا اور کہنے لگا تمہارا برا ہو: خدا کی پناہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور ان کے لشکر میں مومنوں اور فرشتوں کی جماعت ہے۔ ان پر بھلا میں کیسے اور کس طرح بددعا کر سکتا ہوں؟ لیکن اس کی قوم نے رو رو کر اور گڑگڑا کر اس طرح اصرار کیا کہ اس نے یہ کہہ دیا کہ استخارہ کر لینے کے بعد اگر مجھے اجازت مل گئی تو بددعا کر دوں گا، مگر استخارہ کے بعد بھی جب اس کو بددعا کی اجازت نہیں ملی تو اس نے صاف صاف جواب دے دیا کہ اگر میں بددعا کروں گا' تو میری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائے گی۔ اس کے بعد اس کی قوم نے بہت سے گراں قدر ہدایا اور تحائف اس کی خدمت میں پیش کر

کے بے پناہ اصرار کیا۔ یہاں تک کہ بلعم بن باعوراء پر حرص اور لالچ کا بھوت سوار ہو گیا اور وہ مال کے جال میں پھنس گیا اور اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددعا کے لیے چل پڑا۔ راستہ میں بار بار اس کی گدھی ٹھہر جاتی اور منہ موڑ کر بھاگ جانا چاہتی تھی، مگر یہ اس کو مار مار کر آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ گدھی کو اللہ تعالیٰ نے گویائی کی طاقت عطا فرمائی اور اس نے کہا: افسوس! اے بلعم بن باعوراء تو کہاں اور کدھر جا رہا ہے؟ دیکھ میرے آگے فرشتے ہیں جو میرا راستہ روکتے اور میرا منہ موڑ کر مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ اے بلعم! تیرا برا ہو' کیا تو اللہ کے نبی اور مومنین کی جماعت پر بددعا کرے گا؟ گدھی کی تقریر سن کر بھی بلعم بن باعوراء واپس نہیں لوٹا۔ یہاں تک کہ ''حسبان'' نامی پہاڑ پر چڑھ گیا اور بلندی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکروں کو بغور دیکھا اور مال و دولت کے لالچ میں اس نے بددعا شروع کر دی لیکن خدا کی شان کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بددعا کرتا تھا' مگر اس کی زبان پر اس قوم کے لیے بددعا جاری ہو جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر کئی مرتبہ اس کی قوم نے ٹوکا کہ اے بلعم! تم تو الٹی بددعا کر رہے ہو' تو اس نے کہا اے میری قوم! میں کیا کروں؟ میں بولتا کچھ ہوں اور میری زبان سے کچھ اور ہی نکلتا ہے۔ پھر اچانک اس پر یہ غضب الٰہی نازل ہو گیا کہ ناگہاں اس کی زبان لٹک کر اس کے سینے پر آ گئی۔ اس وقت بلعم بن باعوراء نے اپنی قوم سے رو کر کہا: افسوس! میری دنیا و آخرت دونوں برباد و غارت ہو گئی میرا ایمان جاتا رہا اور میں قہر قہار و غضب میں گرفتار ہو گیا۔ اب میری کوئی دعا قبول نہیں ہو سکتی' مگر میں تم لوگوں کو مکر کی ایک چال بتاتا ہوں۔ تم لوگ ایسا کرو تو شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکروں کو شکست ہو جائے۔ تم لوگ ہزاروں خوبصورت لڑکیوں کو بہترین پوشاک اور زیورات پہنا کر بنی اسرائیل کے لشکروں میں بھیج دو' اگر ان کا ایک آدمی بھی زنا کر لے گا تو پورے لشکر کو شکست ہو جائے گی۔ چنانچہ بلعم بن باعوراء کی قوم نے اس کے بتائے ہوئے مکر کا جال بچھایا اور بہت سی خوبصورت دوشیزہ لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کرا کر بنی اسرائیل کے لشکروں میں بھیجا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کا ایک رئیس ایک لڑکی کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اس کو اپنی گود میں اٹھا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے گیا اور فتویٰ پوچھا: اے اللہ کے نبی! یہ عورت میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟

آپ نے فرمایا: خبردار یہ تیرے لیے حرام ہے۔ فوراً اس کو اپنے سے الگ کر دے۔ اور اللہ کے عذاب سے ڈر' مگر اس رئیس پر غلبہ شہوت کا ایسا زبردست بھوت سوار ہو گیا تھا کہ وہ اپنے نبی کے فرمان کو ٹھکرا کر اس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور زنا کاری میں مشغول ہو گیا اس گناہ کی نحوست کا یہ اثر ہوا کہ بنی اسرائیل کے لشکر میں اچانک طاعون کی وبا پھیل گئی اور گھنٹے بھر میں ستر ہزار آدمی مر گئے اور سارا لشکر تتر بتر ہو کر ناکام و نامراد واپس لوٹ آیا جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب مبارک پر بہت ہی صدمہ گزرا۔ (صاوی ج ۲ ص ۹۴ وجلالین وغیرہ)

قرآن میں کتے کی مثال

بلعم بن باعوراء پہاڑ سے اتر کر مردود بارگاہ الٰہی ہو گیا۔ آخری دم تک اس کی زبان اس کے سینے پر لٹکتی رہی اور وہ بے ایمان ہو کر مر گیا۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ج فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ط ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ج فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (الاعراف رکوع ۲۲ پارہ ۹)

اے محبوب! انہیں اس (بلعم) کے احوال سنایئے جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں' تو وہ ان آیتوں سے صاف نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ گمراہ ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو آیتوں کے سبب اوپر اٹھا لیتے' مگر وہ تو زمین پکڑ کر رہ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہو گیا' تو اس کا حال کتے کی طرح ہے کہ تو اس پر حملہ کرے جب بھی وہ زبان نکالے اور چھوڑ دے جب بھی وہ زبان نکالے۔ یہی حال ہے ان لوگوں کا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں' تو اے محبوب! آپ لوگوں کو نصیحت سناتے رہیے تا کہ لوگ دھیان رکھیں۔

روایت ہے کہ بعض انبیاء کرام نے خدا تعالیٰ سے دریافت کیا: تو نے بلعم باعوراء کو اتنی

کرامتیں عطا فرما کر پھر اس کو کیوں اس قعر مذلت میں گرا دیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے میری نعمتوں کا کبھی شکر ادا نہیں کیا' اگر وہ شکر گزار ہوتا تو میں اس کی کرامتوں کو سلب کر کے اس کو دونوں جہان میں اس طرح ذلیل و خوار اور خائب و خاسر نہ کرتا۔ (روح البیان ج ۳ ص ۱۳۹)

عبرت و ہدایت کے اسباق

(۱) اس سے ان عالموں اور لیڈروں کو سبق حاصل کرنا چاہئے جو جان بوجھ کر اپنے دین و ایمان کا سودا کرتے رہتے ہیں۔ دیکھ لو! بلعم باعوراء کیا تھا، اور کیا ہو گیا؟ یہ کیوں ہوا؟ اس لیے اور صرف اس لیے کہ وہ مال و دولت کے لالچ میں گرفتار ہو گیا اور دانستہ اللہ کے نبی پر بددعا کرنے کے لیے تیار ہو گیا' تو اس کا اس پر یہ وبال پڑا کہ دنیا و آخرت میں ملعون ہو کر اس طرح مردود و مطرود ہو گیا کہ عمر بھر کتے کی طرح لٹکتی ہوئی زبان لیے پھرا اور آخرت میں جہنم کی بھڑکتی اور شعلہ بار آگ کا ایندھن بن گیا۔ لہٰذا ہر مسلمان خصوصاً علماء و مشائخ کو مال و دولت کے حرص اور لالچ کے جال سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئے اور ہرگز ہرگز کبھی بھی مال کی طمع میں دین کے اندر مداہنت نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ خوب سمجھ لو کہ قہر الٰہی کی تلوار لٹک رہی ہے۔ (والعیاذ باللہ منہ)

(۲) اس سانحہ سے عام مسلمان بھی یہ سبق سیکھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر جس میں ملائکہ اور مومنین تھے۔ ظاہر ہے کہ اس لشکر کے ناکام ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کیونکہ یہ ایسا روحانی اور ملکوتی لشکر تھا کہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپ سے پہاڑ لرزہ براندام ہو جاتے مگر صرف ایک بدنصیب کے گناہ کے سبب ایسی نحوست پھیل گئی کہ ملائکہ لشکر سے الگ ہو گئے اور طاعون کے عذاب نے پورے لشکر میں ایسی ابتری پھیلا دی کہ پورا لشکر بکھر گیا اور یہ فوج ظفر موج ناکام و نامراد ہو کر پسپا ہو گئی۔ اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر وہ کفار کے مقابلہ میں مظفر و منصور اور فتحیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہر وقت گناہوں اور بدکاریوں کی نحوستوں سے بچتے رہیں ورنہ فرشتوں کی مدد ختم ہو جائے گی اور مسلمانوں کا رعب کفار کے دلوں سے نکل جائے گا اور مسلمانوں کو نہ صرف ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا' بلکہ ان کی عسکری طاقت ہی فنا ہو جائے گی اور پوری قوم بھاگتے ہوئے کتوں بلکہ چوہوں کی طرح کفار کی مار اور ان کی تلوار کا لقمہ بن کر صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے گی۔ (نعوذ باللہ منہ)

Scanned with CamScanner

(۱۴۵)

قرآن مجید کی معجزانہ شان

ارباب عقول کا اس امر پر اجماع ہے کہ قرآن پاک نے تمام انسانیت کو مقابلہ کرنے سے عاجز کر دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور قرآن پاک کے معجزہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب برحق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسے لانے والے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ مشرکوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ پھر جتنے منہ اتنی باتیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: کافروں نے کہا: یہ تو صرف بہتان ہے جو انہوں نے خود بنالیا ہے اور اس پر کچھ اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے (الفرقان: ۲۵/۴) کچھ کافروں نے کہا: یہ تو صرف جادو ہے جو اگلوں سے نقل کیا گیا ہے (المدثر: ۷۴/۲۴) لیکن قرآن کریم نے انہیں چیلنج کیا کہ اس جیسی کوئی کتاب یا اس کی سورت جیسی سورت لا کر دکھاؤ۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی تو تم اس کی مثل ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمائتیوں کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ اگر تم نہ لا سکو اور ہم بتائے دیتے ہیں کہ تم نہ لا سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (البقرہ: ۲/۲۳)

لیکن دنیائے کفر اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہی۔ ان کی گردنیں قرآن کے آگے جھک گئیں اور ایسی جھکیں کہ پھر نہ اٹھ سکیں۔ ان کی آرزوئیں تشنۂ تکمیل رہ گئیں۔ آج تک کوئی ایسا سپوت پیدا نہیں ہوا جو اس کا مقابلہ کر سکے اور قیامت تک کوئی شخص اس کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور تم ہرگز اس کی مثل نہ لا سکو گے۔

قرآن پاک کے معجزہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے

نزدیک اس لئے معجزہ ہے کہ اس میں غیبی خبریں دی گئی ہیں۔ بعض کے نزدیک اس لئے کہ ٹھوس اور رواں دواں کلام ہے۔

حضرت مغیرہ ابن شعبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوفہ کے گورنر تھے۔ اسی دور میں انہوں نے دنیائے عرب کے نامور شاعر حضرت لبید عامری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اسلام لانے کے بعد آپ نے جو کلام لکھا ہے وہ مجھے بھجوائیں۔ انہوں نے جواباً سورۂ بقرہ لکھ کر بھجوا دی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام میں شعر کی جگہ یہ سورت عطا فرما دی ہے (یعنی اس سورت کو پڑھ کر میں نے شاعری چھوڑ دی ہے) یہ ہماری کتنی بدقسمتی ہے کہ ہم مسلم اور غیر مسلم شعراء کا کلام بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں اور اپنے رب کا کلام پڑھنے کی ہمیں فرصت نہیں۔

دیکھئے! یہ لوگ فصاحت وبلاغت میں شہرۂ آفاق تھے لیکن قرآن کریم یا اس کی کسی جزء کی مثال لانے سے کس طرح بے بس ہو گئے؟

امام خطابی فرماتے ہیں: قرآن پاک کا اعجاز یہ ہے کہ اس کی طرح کوئی کلام دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں فرماتے ہیں: قرآن پاک کے اعجاز کی ایک وجہ وہ ہے جسے خال خال لوگ ہی جانتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ دلوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے اور انسانی نفوس اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ آپ کو قرآن کریم کے علاوہ کوئی کلام ایسا نہیں ملے گا، خواہ وہ نظم ہو یا نثر جو کانوں سے ٹکرائے تو کبھی دل کو لذت وحلاوت سے معمور کر دے اور کبھی دل پر رعب اور ہیبت طاری کر دے۔ انسانی نفوس اس سے مسرور ہو جائیں اور سینے اس کے لئے اپنے سب دروازے کھول دیں۔ یہاں تک کہ جب انسانی نفوس اس سے اپنا حصہ حاصل کر لیتے ہیں تو خوش بھی ہوتے ہیں اور انہیں قلق اور اضطراب بھی لاحق ہوتا ہے۔ ان پر ایسا خوف وہراس طاری ہوتا ہے جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل دہل جاتے ہیں۔ یہ رعب اور خوف ایسا ہوتا ہے جو انسانی نفوس اور ان کے مخفی عزائم اور پختہ عقائد کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ عربوں کے کتنے دلاور اور شہ زور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور آپ کو اچانک حملہ کر کے شہید کرنا چاہتے تھے لیکن جونہی انہوں نے قرآن پاک کی چند آیات سنیں تو انہوں نے فوراً اپنی پہلی سوچ کو چھوڑ دیا۔ آپ کے ساتھ صلح کر لی، آپ کے

Scanned with CamScanner

دین میں داخل ہو گئے اور ان کی دشمنی دوستی میں اور ان کا کفر ایمان میں تبدیل ہو گیا۔

(امام خطابی کے رسالہ ''البیان'' کا اقتباس۔ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

☆...... ابو عامر مغیرہ ابن شعبہ ؓ جلیل القدر صحابی ہیں، صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے، حدیبیہ اور بیعت رضوان میں حاضر ہوئے، وسیع فکر کے مالک تھے، انہیں ''مغیرۃ الرائی'' کہا جاتا ہے گویا وہ سراپا فکر اور رائے تھے، یمامہ میں حاضر ہوئے، شام اور عراق کی فتوحات میں حصہ لیا، عرب کے عالی فکر دانشور تھے، پہلے پہل انہوں نے بصرہ کا دفتر قائم کیا، ۵۰ھ میں رحلت ہوئی۔ ؓ۔

☆...... ابو عقیل لبید عامری بڑے شہسوار اور بہادر تھے، حضرت عمر فاروق ؓ نے انہیں تحریر کیا کہ اپنے تازہ اشعار ارسال کریں، انہوں نے جواباً تحریر کیا کہ میں سورۂ آل عمران یاد کر چکا ہوں، اب شعر کیسے کہہ سکتا ہوں؟ (یعنی شعر وشاعری کی آب وتاب قرآن پاک کے آگے ماند پڑ گئی ہے) ایک سو پینتالیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا، انہوں نے پچپن سال اسلام میں اور نوے سال جاہلیت میں گزارے، بخاری اور مسلم میں ہے کہ کسی شاعر نے جو بہت ہی سچی بات کہی ہے وہ لبید کی بات ہے۔ ع

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ سنو ہر شے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے باطل ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْ لَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ یُزْرِی
لَکُنْتُ الْیَوْمَ اَشْعَرَ مِنْ لَّبِیْدِ

اگر شعر علماء کو عیب نہ لگاتا (یعنی اگر ان کے شایانِ شان ہوتا) تو میں آج لبید (ؓ) سے بڑا شاعر ہوتا۔

☆...... ابو سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی جلیل القدر عالم تھے، فصاحت و بلاغت اور لغت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ (عظیم شارح حدیث بھی تھے) قرآن پاک کے اعجاز کے بیان میں ان کا ایک رسالہ ہے۔ اسی کا اقتباس اوپر مذکور ہوا ہے، ۳۸۸ھ میں ان کی رحلت ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۱۴۶)

اور غلامی کی زنجیریں ٹوٹ گئیں

حضرت عمرو بن عاص ؓ کا بیان ہے کہ حضرت زنباع بن سلامہ جذامی ؓ کے پاس ایک غلام تھا جس کا نام ''سندرا'' یا ''ابن سندر'' تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے دیکھا کہ سندرا ان کی ایک لونڈی کو بوسہ دے رہا ہے، چنانچہ انہوں نے (غصے میں آکر) اپنے اس غلام کا عضو تناسل کاٹ دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس کے کان اور ناک بھی کاٹ دیئے۔ غلام شکایت نامہ لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے جب اس کی یہ حالت زار دیکھی تو زنباع ؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(مَا حَمَلَکَ عَلٰی مَا فَعَلْتَ؟) ''تمہیں یہ سزا دینے پر کس بات نے آمادہ کیا؟''

انہوں نے عرض کی: بات یہ ہے کہ اس نے میری ایک لونڈی کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟؟ رسول اکرم ﷺ نے انہیں تنبیہ فرمائی اور فرمایا:

(لَا تُحَمِّلُوْهُمْ مَالَا یُطِیْقُوْنَ وَاَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاكْسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ وَمَا كَرِهْتُمْ فَبِيْعُوْا وَمَا رَضِيْتُمْ فَاَمْسِكُوْا وَلَا تُعَذِّبُوْا خَلْقَ اللّٰهِ)

''یہ غلام لوگ جس کام کی انجام دہی کی طاقت نہیں رکھتے وہ کام ان کے سپرد نہ کیا کرو۔ جو کچھ تم خود کھاتے ہو وہی ان غلاموں کو بھی کھلایا کرو۔ جو لباس تم خود زیب تن کرتے

Scanned with CamScanner

ہو وہی انہیں بھی پہنایا کرو، اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو بیچ دو اور جن غلاموں سے تم خوش ہو انہیں اپنے پاس ہی رہنے دو، مگر اللہ کی مخلوق کو (اس طرح دردناک) سزا نہ دیا کرو۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ مُثِّلَ بِهٖ اَوْ اُحْرِقَ بِالنَّارِ فَهُوَ حُرٌّ، وَهُوَ مَوْلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ)

''جس غلام کا مثلہ کر دیا جائے یا اس کو آگ سے جلا کر سزا دی جائے، وہ آزاد ہے اور (جس غلام کو اس قسم کی سزا دی جائے) وہ اللہ اور اس کے رسول کا آزاد کردہ غلام ہے۔''

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس غلام کو اسی وقت آزاد فرما دیا۔

غلام نے اپنی آزادی کا پروانہ سن کر عرض کی: (يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْصِ بِيْ)

''اے اللہ کے رسول! میرے لیے کسی کو وصیت فرما دیجئے۔''

رسول اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ کن وصیت فرمائی: (اُوْصِيْ بِكَ كُلَّ مُسْلِمٍ)

''میں تیرے لیے ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہوں (کہ وہ تیرے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرے)''

چنانچہ اس وصیت کا اثر یہ ہوا کہ خلفائے راشدین اور مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ کی وصیت کا حق کما حقہ ادا کیا۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں یہ غلام حاضر ہوا۔ انہوں نے اس کے ساتھ حسب استطاعت بہت اچھا سلوک کیا۔ جب ان کی وفات ہوگئی تو وہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب ؓ کے پاس آیا اور عرض کی:

(اِحْفَظْ وَصِيَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

''(میرے بارے میں) رسول اکرم ﷺ کی وصیت کا پاس کریں۔''

عمر بن خطاب ؓ فرمانے لگے: ہاں ہاں، ضرور ضرور۔ پھر آپ ؓ نے فرمایا:

(اِنْ رَضِيْتَ اَنْ تُقِيْمَ عِنْدِيْ اَجْرَيْتُ عَلَيْكَ مَا كَانَ يَجْرِيْ عَلَيْكَ وَاِلَّا فَانْظُرْ اَيَّ الْمَوَاضِعِ اَكْتُبْ لَكَ)

''اگر تم چاہو تو میرے پاس ہی ٹھہر جاؤ۔ تمہارے اوپر جو کچھ اخراجات ہوتے

تھے، میں دوں گا یا جس مناسب مقام کی طرف جانا چاہو بتاؤ، میں تمہارے لیے لکھ دوں گا (تاکہ وہاں کا گورنر تمہارا خیال رکھے)۔''

سندرا نے عرض کی: میں مصر جانے کی خواہش رکھتا ہوں، کیونکہ وہ سرسبز و شاداب اور زرخیز زمین ہے۔

امیر المؤمنین نے اس کی خواہش کے مطابق مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاص ؓ کو لکھا کہ یہ سندرا آپ کی خدمت میں آ رہا ہے، اس کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کی وصیت کا خاص خیال رکھیں۔

جب سندرا مصر میں حضرت عمرو بن عاص ؓ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے اس کا پرتپاک استقبال کیا اور اسے ہر ممکن سہولیات فراہم کیں۔ ایک وسیع و عریض زمین بھی اسے عطا کی اور اس کی رہائش کے لیے ایک گھر بھی عنایت کیا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو یہ سب کچھ بیت المال میں ضم کر دیا گیا۔

غرض اس غلام کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کے دیئے ہوئے فیصلے یعنی وصیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی مسلمانوں نے اس کے ساتھ انتہائی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اور اپنے پیارے نبی کے فیصلے یعنی وصیت کو بسر و چشم قبول کیا۔ (اسد الغابۃ: 1759، اقضیۃ رسول اللہ ﷺ لابن الطلاع: 648/2، مجمع الزوائد: 239/4، الاصابۃ: 2824، ابن ماجہ: کتاب الدیات: 2680، ابوداود: 4519، طبرانی 310/5 وغیرہ ملخصا)

(۱۴۷)

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

حضرت سیّدنا ابوالفتح بن بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے عالم خواب میں حضرت سیّدنا بشر حافی علیہ الرحمۃ کو ایک باغیچہ میں دیکھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا: ''مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''اس نے رحم فرماتے ہوئے مجھے بخش دیا اور تخت پر بٹھا کر فرمایا: ''اس دسترخوان پر موجود پھلوں میں سے جو چاہو کھاؤ اور لطف اٹھاؤ کیونکہ تم دنیا میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکتے تھے۔'' میں نے پوچھا: ''آپ کے بھائی حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہاں ہیں؟'' فرمایا: ''وہ جنت کے دروازے پر کھڑے اہل سنت کے ان افراد کی شفاعت کر رہے ہیں جن کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن کریم غیر مخلوق ہے۔'' میں نے پھر پوچھا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا: ''افسوس! مجھے معلوم نہیں کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان پردے حائل ہیں، انہوں نے جنت کے شوق یا جہنم کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی تھی بلکہ ان کی عبادت تو محض دیدار الٰہی عزوجل کے لئے تھی۔ چنانچہ، اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا اور اپنے اور ان کے درمیان سب پردے اٹھا دیئے۔ اب جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی حاجت پیش کرنی ہو تو اسے چاہئے کہ حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کے مزار پرانوار پر حاضر ہو کر دعا کرے، ان

شآء اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کی جائے گی۔''

(صفة الصفوة، ذكر المصطفين من اهل بغداد، الرقم، ٢٦، ج ٢، ص ٢١٣)

☆ حضرت سیّدنا محمد بن عبدالرحمٰن زہری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ حضرت سیّدنا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ ''حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی قبر انور پر تمام حاجات پوری ہوتی ہیں۔''

☆ حضرت سیّدنا یحیٰی بن سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: مجھے ایک حاجت تھی اور میں کافی تنگدست تھا۔ حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی قبر انور پر میری حاضری ہوئی، میں نے تین بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کی اور اس کا ثواب آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اور تمام مسلمانوں کی ارواح کو پہنچایا، پھر اپنی حاجت بیان کی۔ جوں ہی میں وہاں سے واپس گیا میری حاجت پوری ہو چکی تھی۔

☆ حضرت سیّدنا ابوبکر خیاط علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں نے عالم خواب میں خود کو قبرستان میں دیکھا۔ قبر والے اپنی قبروں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے پھولوں کے پودے ہیں۔ اچانک حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کو ان کے درمیان کھڑا پایا کہ کبھی ادھر جاتے ہیں اور کبھی ادھر۔ میں نے پوچھا: ''اے ابومحفوظ! ''مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' اور کیا آپ اس دنیا سے کوچ نہیں کر چکے؟'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا: ''کیوں نہیں، پھر چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم کچھ یوں ہے:

''متقی انسان کی موت درحقیقت حیات جاودانی ہے یعنی ایسی زندگی ہے جو ختم ہونے والی نہیں۔ کئی لوگ اس جہان فانی سے کوچ کر چکے ہیں لیکن ان کا نام ابھی تک لوگوں میں (اچھائی کے ساتھ) زندہ ہے۔ فخر کرنا صرف اہل علم کو روا ہے کیونکہ وہ ہدایت پر ہوتے ہیں اور جو بھی ان سے ہدایت حاصل کرنا چاہے، یقیناً ہدایت پا جاتا ہے۔ وہ خود تو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے لیکن ان کے چاہنے والے ان کے وصال کے بعد بھی ان کا نام زندہ رکھے ہوئے ہیں، اور ہم بھی انہی مرنے والوں کی صف میں ہیں جو زندہ ہیں۔''

☆ حضرت سیّدنا ابوبکر عجوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت سیّدنا ثعلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

Scanned with CamScanner

ہیں: ''حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی وفات 200ھ میں ہوئی۔''

☆ حضرت سیّدنا ابوالقاسم نضری علیہ الرحمۃ جن کا تعلق قبیلہ بنونضر بن معین سے ہے، فرماتے ہیں: ''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی نماز جنازہ میں تین لاکھ افراد نے شرکت کی۔''

☆ حضرت سیّدنا عبدالرحمٰن بن محمد وراق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ایک شامی شخص حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا: ''مجھے خواب میں حکم ہوا ہے کہ حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرو کیونکہ وہ زمین و آسمان والوں میں مشہور و معروف ہیں۔''

☆ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ میں نے اپنے بھائی کو مرنے کے ایک سال بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا: ''اے میرے بھائی! ''مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' تو اس نے جواب دیا: ''اب مجھے آزاد کر دیا گیا ہے کیونکہ جب حضرت سیّدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ ہمارے پاس مدفون ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے سے عذاب میں گرفتار تیس ہزار گنہگاروں کو نجات دے دی گئی۔''

(الروض الفائق)

(۱۴۸)

جنگ بدر کی بارش

جنگ بدر میں نصرت الٰہی نے بارش کی صورت میں جو تجلی فرمائی جس سے میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا اس کا ایک جلوہ ملاحظہ ہو۔

واقعہ یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ صحابہ کرام کی جماعت کو ہمراہ لے کر مقام بدر میں تشریف لے گئے اور بدر کے قریب پہنچ کر مدینہ کی جانب رخ (عدوۃ الدنیا) پر خیمہ زن ہو گئے اور مشرکین آگے بڑھے تو بدر پہنچ کر مدینہ سے دور مکہ کی جانب والے (عدوۃ القصویٰ) پر اترے اور محاذ جنگ کا نقشہ اس طرح بنا کر مشرکین اور مسلمان بالکل آمنے سامنے تھے مگر مسلمانوں کا محاذ جنگ اس قدر ریتلا تھا کہ انسانوں اور گھوڑوں دونوں کے قدم ریت میں دھنسے جا رہے تھے اور وہاں چلنا پھرنا دشوار تھا اور مشرکین کا محاذ جنگ بالکل ہموار اور پختہ فرش کی طرح تھا۔ غرض دشمن تعداد میں تین گنا سے زیادہ، سامان جنگ سے پوری طرح، مکمل رسل و رسائل میں ہر طرح مطمئن تھے پھر مزید برآں ان کا محاذ جنگ بھی اپنے محل وقوع کے لحاظ سے نہایت عمدہ تھا ان سہولتوں کے علاوہ پانی کے سب کنوئیں بھی دشمنوں ہی کے قبضے میں تھے اس لئے مسلمانوں کو پانی کی بے حد تکلیف تھی خود پینے کے لئے کہاں سے پانی لائیں؟ جانوروں کو کیسے سیراب کریں؟ وضو اور غسل کی کیا صورت ہوگی؟ غرض صحابہ کرام انتہائی فکرمند اور پریشان تھے۔ اس موقع پر شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ اے مسلمانو! تم گمان کرتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تم میں اللہ

کا رسول بھی موجود ہے اور تم اللہ والے ہو اور یہ حال ہے کہ مشرکین پانی پر قابض ہیں اور تم بغیر وضو و غسل کے نمازیں پڑھتے ہو اور تم اور تمہارے جانور پیاس سے بیتاب ہو رہے ہیں۔

اس موقع پر ناگہاں نصرت آسمانی نے اس طرح جلوہ سامانی فرمائی کہ زوردار بارش ہو گئی جس نے مسلمانوں کیلئے ریتلی زمین کو جما کر پختہ فرش کی طرح ہموار بنا دیا اور نشیب کی وجہ سے حوض نما گڑھوں میں پانی کا ذخیرہ مہیا کر دیا اور دشمنوں کی زمین کو کیچڑ والی دلدل بنا دیا جس پر کافروں کا چلنا پھرنا دشوار ہو گیا اور مسلمان ان پانی کے ذخیروں کی وجہ سے کنوؤں سے بے نیاز ہو گئے اور مسلمانوں کے دلوں سے شیطانی وسوسہ دور ہو گیا اور لوگ مطمئن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس عجیب وغریب بارش کی منظر کشی ان الفاظ میں فرمائی ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ۝

(الانفال رکوع ۲)

اور اللہ نے آسمان سے تم پر پانی اتارا کہ تمہیں اس سے ستھرا کر دے اور ناپاک شیطانی وسوسہ کو تم سے دور کر دے اور تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے اور اس سے تمہارے قدم جما دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدر میں ناگہانی بارش کے چار فائدے بیان فرمائے۔

(۱) تاکہ جو بے وضو اور بے غسل ہوں وہ وضو اور غسل کر کے پاک و صاف اور ستھرے ہو جائیں۔ (۲) مسلمانوں کے دلوں سے شیطانی وسوسہ دور ہو جائے۔ (۳) مسلمانوں کے دلوں کو ڈھارس مل جائے کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا۔ (۴) محاذ جنگ کی ریتلی زمین اس قابل ہو جائے کہ اس پر قدم جم سکیں الغرض جنگ بدر کی یہ بارش مسلمانوں کے لئے باران رحمت اور کفار کے لئے سامان زحمت بن گئی۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کے نظارے

جنگ بدر میں مسلمانوں کو جن مشکل حالات کا سامنا تھا۔ ظاہر ہے کہ عقل انسانی عالم

اسباب پر نظر کرتے ہوئے اس کے سوا اور کیا فیصلہ کر سکتی تھی کہ وہ اس جنگ کو ٹال دیں مگر صادق الایمان مسلمانوں نے اپنے رسول کی مرضی پا کر ہر قسم کی بے سروسامانی کے باوجود حق و باطل کی معرکہ آرائی کے لئے والہانہ اور فداکارانہ جذبات کے ساتھ خود کو پیش کر دیا اور نہایت ثابت قدمی اور اولوالعزمی کے ساتھ میدان جنگ میں کود پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی کس کس طرح امداد و نصرت فرمائی ان پر ایک نظر ڈال کر خداوند قدوس کے فضل عظیم کی جلوہ سامانیوں کا نظارہ کیجئے اور یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں کس کس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی؟

(۱) مسلمانوں کی نگاہ میں دشمنوں کی تعداد اصل تعداد سے کم نظر آئی تاکہ مسلمان مرعوب نہ ہوں اور مشرکین کی نظروں میں مسلمان مٹھی بھر نظر آئے تاکہ وہ جنگ سے جی نہ چرائیں اور یہ حق و باطل کی جنگ ٹل نہ جائے۔ (انفال)

(۲) ایک وقت میں مسلمان مشرکین کی نظر میں دگنے نظر آئے تاکہ مشرکین مسلمانوں سے شکست کھا جائیں۔ (آل عمران)

(۳) پہلے مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک ہزار فرشتے بھیجے گئے۔ پھر فرشتوں کی تعداد بڑھا کر تین ہزار کر دی گئی پھر فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار ہو گئی۔ (آل عمران)

(۴) مسلمانوں پر عین معرکہ کے وقت تھوڑی دیر کے لئے غنودگی اور نیند طاری کر دی گئی جس کے چند منٹ بعد ان کی بیداری نے ان میں ایک نئی تازگی اور نئی روح پیدا کر دی۔ (انفال)

(۵) آسمان سے پانی برسا کر مسلمانوں کے لئے ریتلی زمین کو پختہ زمین کی طرح بنا دیا۔ مشرکین کے محاذ جنگ کی زمین کو کیچڑ اور پھسلن والی دلدل بنا دیا۔ (انفال)

(۶) نتیجہ جنگ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں مشرکین کے بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان اور جنگجو شہسوار مارے گئے چنانچہ ستر مشرکین قتل ہوئے اور ستر گرفتار ہو کر قیدی بنائے گئے اور مشرکین کا لشکر اپنا سارا سامان چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور یہ سارا سامان مسلمانوں کو مال غنیمت میں مل گیا۔ مسلمان اگرچہ خداوند قدوس کی مذکورہ بالا امداد اور اس

Scanned with CamScanner

کے فضل سے فتح یاب ہوئے تاہم اس جنگ میں چودہ مجاہدین اسلام نے بھی جام شہادت نوش کیا۔(زرقانی ج ا ص ۴۴۴)

یہ واقعہ ہمیں متنبہ کر رہا ہے کہ اگر مسلمان خدا پر بھروسہ کر کے حق و باطل کی جنگ میں ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ ڈٹے رہیں تو تعداد کی کمی اور بے سروسامانی کے باوجود ضرور خدا کی مدد اترے گی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی۔ یہ رب العزت کے فضل و کرم کا وہ دستور ہے کہ جس میں انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ بس شرط یہ ہے کہ مسلمان نہ بدل جائیں اور ان کے اسلامی خصائل و کردار میں کوئی تبدیلی نہ ہو ورنہ خدا کا دستور تو نہ بدلا ہے نہ کبھی بدلے گا اس کا وعدہ ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ہرگز ہرگز خدا کے دستور میں کوئی ردوبدل نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۴۹)

خوددار لوگوں کی شان ہی الگ ہے

ہشام بن عبدالملک ایک دن اپنے دور خلافت میں شکار کے لئے نکلا۔ اس نے ایک ہرن کو دیکھ کر اس کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ ایک مکان کے پاس پہنچا، جہاں ایک لڑکا کھیل رہا تھا۔ ہشام نے اسے کہا:

اے لڑکے! اس ہرن کو پکڑ کر میرے پاس لا۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ لڑکا بڑا خوددار ہے۔ ذلت اور توہین کو پسند نہیں کرتا اور ظلم برداشت نہیں کرتا۔ لڑکا تحقیر اور استہزا کے انداز میں مسکرایا اور کہنے لگا:

لگتا ہے کہ تم حیا سے بالکل عاری ہو کیونکہ تم نے مجھے تحقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور میرے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کیا ہے۔ تمہاری گفتگو کا انداز جابرانہ ہے اور تمہارا کام گدھوں والا ہے۔

ہشام نے دیکھا کہ یہ لڑکا میری توہین کر رہا ہے تو اس کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں۔ چہرہ سرخ ہو گیا پھر شدت غضب سے سیاہ پڑ گیا۔ اس نے چلاتے ہوئے کہا: لڑکے! کیا تو نے مجھے نہیں پہچانا؟ اس کا گمان تھا کہ لڑکے نے اسے نہیں پہچانا۔ اس لئے حد ادب سے آگے نکل گیا ہے۔ اس نے کہا: کیوں نہیں پہچانا؟ تمہاری بے ادبی نے تمہارا مکمل تعارف کرا دیا ہے۔ تم نے سلام کئے بغیر گفتگو شروع کر دی ہے۔

ہشام سمجھ گیا کہ اس نے مجھے نہیں پہچانا' اگر پہچان لیتا تو خوف زدہ ہوتا یا شرماتا اور ایسی گفتگو ہرگز نہ کرتا۔ اس نے کہا: میں خلفیۂ وقت ہشام بن عبدالملک ہوں۔

اس سے لڑکے کی جرأت اور درشتی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ کہنے لگا: اللہ تعالیٰ تمہیں

Scanned with CamScanner

قرب عطا نہ فرمائے اور دیر تک برقرار نہ رکھے۔

لڑکے کی گفتگو ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ہر طرف سے گھوڑوں اور فوجیوں نے ہشام کا احاطہ کر لیا۔ ہر شخص کہہ رہا تھا: السلام علیک یا امیر المؤمنین! السلام علیک یا امیر المؤمنین! ہشام نے حکم دیا: سلسلہ سلام بند کرو۔ اس لڑکے کو حراست میں لے لو اور اسے میری خدمت میں پیش کرو۔

پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لڑکے نے اس کے ساتھ جو اہانت آمیز سلوک کیا تھا اس پر وہ غصے سے کھول رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے محل میں پہنچ گیا اور تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ ابھی تک اس کا غیظ وغضب عروج پر تھا، اس میں کچھ بھی تو کمی نہیں ہوئی تھی۔ حکومت کے امراء، وزراء اور منشی آ کر امیر المؤمنین! کہہ کر اسے سلام کر رہے تھے۔ لڑکا خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس نے امیر المؤمنین کو سلام بھی نہیں کیا بلکہ آنکھیں بند کیے سر جھکائے کھڑا رہا۔ اسے اس طرح بے تعلقی سے کھڑا دیکھ کر امراء، وزراء اور دربان پیچ وتاب کھا رہے تھے۔ بادشاہوں اور امراء کے چہیتوں اور حاشیہ برداروں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہوتی جو منافقت سے کام لیتے ہیں۔ دل کھول کر خوشامد کرتے ہیں اور بڑے لوگوں کی خواہشات کے مطابق کام کرتے ہیں، اگرچہ انہیں حق کی مخالفت اور باطل کی حمایت کرنا پڑے۔ ان کا مقصد زندگی یہ ہوتا ہے کہ سلاطین اور امراء کا قرب حاصل ہو جائے اور ہمیں دولت واقتدار مل جائے۔

ایک وزیر نے اس لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

او عرب کے کتے! تو نے امیر المؤمنین کو سلام کیوں نہیں کیا؟

اس کا گمان تھا کہ یہ مجھ سے مرعوب ہو جائے گا۔ جھک جائے گا۔ اسے قابو کرنا آسان ہو گا لیکن اس کا گمان غلط ثابت ہوا اور اس کا تیر خطا گیا۔ لڑکے نے مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا: گدھے کے پالان کے نیچے بچھائے جانے والے کمبل! (اس نے اشارۃً ہشام کو گدھا اور وزیر کو اس کی پشت پر بچھایا جانے والا کمبل قرار دیا)

ایک دوسرے وزیر نے اس کی گفتگو کو کاٹتے ہوئے کہا:

عربوں کے گدھے کے بچے! کیا تیری بیہودگی یہاں تک پہنچ گئی کہ تو امیر المؤمنین کو اس طرح مخاطب کرتا ہے؟ لڑکے نے کہا:

تیری ماں تجھے گم کرے! کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول گرامی ﷺ پر نازل کردہ کتاب میں کیا فرمایا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا (النحل ۱۶/۱۱۱)

جس دن ہر جان اپنی طرف سے جھگڑتی آئے گی۔

جب اللہ تعالیٰ ہر جان کا جھگڑا سنے گا تو ہشام کون ہے؟ کہ اس سے بات نہ کی جا سکے۔ اب تو ہشام کا پارہ آخری ڈگری کو چھونے لگا۔ اس کی زبان قابو سے باہر ہو گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ اس نے کہا: یہ لڑکا بہت زبان درازی کر چکا ہے۔

مجھے اس کا سر چاہیے، بس۔ مجھے اس کا سر چاہیے۔

منافقین ہر طرف سے دوڑے۔ وہ تو ہشام کی زبان سے اسی بات کے سننے کے منتظر تھے۔ انہوں نے لڑکے کو اٹھایا اور چمڑے کے بستر پر بٹھا دیا۔ ایک شخص ننگی تلوار لے کر اس کی گردن اڑانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

جلاد نے اجازت لینے کے لئے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

آپ کا یہ غلام خود اپنے آپ کو ذلیل کرنے والا اور عنقریب اپنی قبر میں جانے والا ہے۔ کیا میں اس کی گردن مار دوں اور کیا میں اس کے خون سے بری ہوں؟

ہشام نے کہا: ہاں اس کی گردن اڑا دو۔

جلاد نے وہی کلمات دہرا کر اجازت طلب کی۔ ہشام نے دوسری دفعہ بھی اجازت دے دی۔ جلاد نے تیسری دفعہ اجازت طلب کی۔ ہشام نے تیسری دفعہ بھی اجازت دے دی۔ تمام حاضرین یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہ لڑکا موت کے بستر پر بیٹھ کر بھی مسکرا رہا ہے۔ ہشام نے کہا اسے کھڑا کرو! پھر اس نے کہا:

لڑکے! تو زندگی میں جھگڑا کرتا ہے اور موت کے بستر پر مسکرا رہا ہے۔ سچ سچ بتا کہ تو ہمارا مذاق اڑاتا ہے یا اپنا؟ لڑکے نے کہا:

Scanned with CamScanner

امیر المؤمنین! میری دو باتیں سن لیں۔ اس کے بعد جو چاہیں کریں۔

ہشام نے کہا: کہو۔ لڑکے نے کہا: اللہ کی قسم! یہ میری آخرت کا پہلا اور دنیا کا آخری وقت ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مدت کم ہو یا موت کا وقت مؤخر ہو جائے تو آپ کے ساتھ ہم کلام ہونا چاہوں گا، چاہے کلام تھوڑا ہو یا زیادہ مجھے نقصان دے گا اور نہ ہی فائدہ دے گا۔

لیکن امیر المؤمنین! چند اشعار میرے ذہن میں آئے ہیں وہ سن لیں۔

ہشام نے کہا: سناؤ! تو اس لڑکے نے یہ اشعار پڑھے:

نُبِّئْتُ اَنَّ الْبَازَ خَلَّفَ مَرَّةً ... عُصْفُوْرَ بَرٍّ سَاقَهُ مَقْدُوْرُ

فَتَكَلَّمَ الْعُصْفُوْرُ فِی اَظْفَارِهٖ ... وَالْبَازُ مُنْهَمِكٌ عَلَيْهِ يَطِيْرُ

مَا فِیَّ مَا يُغْنِیْ لِمِثْلِكَ شَبْعًا ... وَلَئِنْ اُكِلْتُ فَاِنَّنِیْ لَحَقِيْرُ

فَتَعَجَّبَ الْبَازُ الْمُدِلُّ بِنَفْسِهٖ ... عَجَبًا وَاَفْلَتَ ذٰلِكَ الْعُصْفُوْرُ

- مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک دفعہ باز نے جنگل کی چڑیا کو پکڑ لیا، جسے تقدیر گھیر کر لے آئی تھی۔
- چڑیا نے اس کے پنجوں میں گفتگو کی، جب کہ باز اسے پکڑے ہوئے محو پرواز تھا۔
- میں بہت ہی حقیر ہوں، اگر مجھے کھا بھی لیا جائے تو مجھ میں اتنا گوشت نہیں ہے، کہ تجھ جیسے باز کا پیٹ بھر سکے۔
- باز جسے اپنے اوپر بڑا ناز تھا حیران رہ گیا اور وہ چڑیا اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

ہشام ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا اور اس کی گفتگو سے حد درجہ محظوظ ہوا۔ کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر تو ابتدا ہی میں مجھے یہ شعر سنا دیتا اور خلافت کے علاوہ جو بھی مانگتا، میں تجھے دے دیتا۔ اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس کا منہ موتیوں اور جواہر سے بھر دے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ اسے عظیم اور قیمتی انعام دیا، نیز دل کش لباس دیا اور وہ خوش خوش عزت و احترام سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ (قصص العرب۔ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

(۱۵۰)

زندگی کی پہلی آمدنی

عمر بن ہبیرہ بنو فزارہ سے تھے۔ یزید بن عبدالملک نے انہیں قسطنطنیہ کی مہم کا امیر بنا کر بھیجا اور 103ھ میں ان کو عراق کا والی بنا دیا مگر خلیفہ ہشام نے انہیں معزول کر دیا۔ عمر بن ہبیرہ 107ھ میں انتقال کر گئے۔ (سیر اعلام النبلاء جلد 4) عمر کی طرح اس کا بیٹا ابو خالد یزید بھی ''ابن ہبیرہ'' کے نام سے معروف ہوا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

عمر بن ہبیرہ نے ایاس بن معاویہ کو بلایا اور پوچھا:

آپ قرآن پڑھتے ہیں؟ ایاس بن معاویہ: ہاں۔

عمر بن ہبیرہ: فرائض کا علم ہے؟ ایاس بن معاویہ: ہاں۔

عمر بن ہبیرہ: عجم کی تاریخ سے دلچسپی ہے؟ ایاس بن معاویہ: پڑھ رکھی ہے۔

عمر بن ہبیرہ: عرب کی تاریخ پڑھی ہے؟ ایاس بن معاویہ: ہاں، پڑھی ہے۔

عمر بن ہبیرہ: میری تمنا ہے کہ آپ کو اپنے ساتھ بحیثیت معاون مقرر کروں؟ (عمر بن ہبیرہ اس وقت امیر تھا)۔

ایاس بن معاویہ: میرے اندر تین خصلتیں ہیں اور ان تینوں کے ہوتے ہوئے میں منصب قضا کے لیے مناسب نہیں ہو سکتا۔ عمر بن ہبیرہ: وہ تین خصلتیں کون سی ہیں؟

ایاس بن معاویہ: پہلی خصلت یہ ہے کہ میں بدصورت ہوں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ دوسری یہ ہے کہ میرے اندر حدت (تیز مزاجی) ہے اور تیسری یہ ہے کہ میں اس ذمہ داری

کے نبھانے سے عاجز ہوں۔

عمر بن ہبیرہ: آپ بدصورت ہیں تو مجھے کوئی لوگوں کے سامنے بازار حسن نہیں لگانا ہے۔ آپ اپنی عاجزی کی بات کہہ رہے ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ آپ تکلف سے کام لے رہے ہیں ورنہ آپ منصب قضا کے لیے بالکل موزوں ہیں اور جہاں تک آپ کی حدت اور گرم مزاجی کی بات ہے تو کوڑا آپ کو درست کر دے گا۔ جائیے میں نے آپ کو قاضی مقرر کر دیا۔ پھر امیر عمر بن ہبیرہ نے قاضی ایاس بن معاویہ کو سو درہم عطا کیے، یہ ان کی زندگی کی پہلی آمدنی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر (۱۰/۱۹))

(۱۵۱)

ایک ولی اللہ کا ذوق عبادت

حضرت سیّدنا ابن ظفر علیہ الرحمۃ بیان فرماتے ہیں: ''حضرت سیّدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہ النورانی کو بچپن میں جب مدرسہ داخل کیا گیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے اس آیت مبارکہ پر پہنچے: ''یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (پ۲۹، المزمل ۱-۲) اے جھرمٹ مارنے والے! رات میں قیام فرما سوا کچھ رات کے۔'' تو اپنے والد محترم حضرت سیّدنا طیفور بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی: ''یہاں اللہ تعالیٰ کس سے مخاطب ہے؟'' انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''اے میرے بیٹے! یہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت سیّدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔'' پوچھا: ''اے میرے ابا جان! پھر آپ بھی حضور نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیوں نہیں کرتے۔'' انہوں نے جواب دیا: ''پیارے بیٹے! یہ حکم خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا پھر سورۂ طٰہٰ میں اس میں تخفیف کر دی گئی۔''

جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سبق اس آیت مبارکہ پر پہنچا: ''اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ؕ (پ۲۹، المزمل: ۲۰) بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی۔'' تو پھر پوچھنے لگے: ''اے میرے والد محترم! میں سن رہا ہوں کہ اس میں ایک ایسے گروہ کا ذکر خیر بھی ہے جو راتوں کو قیام کرتا ہے۔'' والد

محترم نے بتایا: ''جی ہاں! وہ ہمارے پیارے آقا ﷺ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی: ''اس چیز کو ترک کرنے میں کوئی بھلائی نہیں جو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کیا کرتے تھے۔''

چنانچہ، اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم ساری ساری رات قیام کرنے لگے۔ ایک رات آپ رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہوئے اور اپنے والد محترم سے عرض کی: ''مجھے بھی سکھائیے، میں بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کروں گا۔'' والد صاحب فرمانے لگے: ''بیٹے! ابھی تم چھوٹے ہو۔'' عرض کی: ''اے میرے ابا جان! جس دن لوگ الگ الگ اپنے رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے تاکہ اپنے اعمال دیکھیں، اور اگر میرے رب تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ لیا، ''اے ابو یزید! تم نے کیا کیا؟'' تو میں جواب دوں گا: ''میں نے اپنے والد محترم سے عرض کی تھی کہ مجھے سکھلائیے تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھا کروں تو انہوں نے مجھے کہا تھا، ''ابھی تم چھوٹے ہو۔'' یہ سن کر فوراً آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم کہنے لگے: ''نہیں، خدا عزوجل کی قسم! میں نہیں چاہتا کہ تم ایسی بات کہو۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو والد صاحب نے نماز سکھائی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی رات کا اکثر حصہ نماز ادا کرتے رہتے۔

سبحان اللہ تعالیٰ! کیا شان ہے ان لوگوں کی جن کے ذوق وشوق کی سواری مقصد کے حصول کے لئے راتوں کو چلتی رہتی یہاں تک کہ وہ اپنی منزل مراد پر پہنچ جاتے اور انہیں عنایت خداوندی حاصل ہو جاتی۔ (الروض)

(۱۵۲)

غزوۂ حنین کا حال

فتح مکہ کے بعد مشرکین عرب کی شوکت کا قریب قریب خاتمہ ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر ہوازن اور ثقیف کے دونوں قبائل کے سرداروں کا اجتماع ہوا اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا محمد (محمد ﷺ) اپنی قوم قریش کو مغلوب کر کے مطمئن ہو گئے لہٰذا اب ہماری باری ہے تو کیوں نہ ہم پیش قدمی کر کے حملہ آور ہو کر ان مسلمانوں کا قلع قمع کر کے رکھ دیں۔ چنانچہ ہوازن اور ثقیف کے دونوں قبائل نے مالک بن عوف نضری کو اپنا بادشاہ بنا کر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ یہ خبر پا کر ۱۰ شوال ۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء کو دس ہزار مہاجرین وانصار اور دو ہزار مکہ کے نو مسلم اور اسی وہ مشرکین جو اسلام نہ قبول کرنے کے باوجود اپنی خواہش سے مسلمانوں کے رفیق جنگ بن گئے کل تقریباً بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر ساتھ لے کر نبی اکرم ﷺ مقام حنین پہنچ گئے جب دشمن کے مقابلہ میں صف آرائی کا وقت آیا تو آپ نے مہاجرین کا پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور انصار میں بنی خزرج کا علمبردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو بنایا اور اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور خود نبی اکرم ﷺ بہ نفس نفیس بدن پر ہتھیار سجا کر ڈبل زرہ پہن کر اور سر انور پر آہنی ٹوپی رکھ کر اپنے خچر پر سوار ہوئے اور اسلامی فوج کی کمان سنبھال لی۔

مسلمانوں کے دلوں میں اپنے لشکر کی اکثریت دیکھ کر کچھ گھمنڈ پیدا ہو گیا یہاں تک

Scanned with CamScanner

کہ بعض لوگوں کی زبان سے بغیر ان شاء اللہ کہے یہ لفظ نکل گیا کہ آج ہماری قوت کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ مسلمانوں کا اپنی فوج کی عددی اکثریت اور عسکری طاقت پر بھروسہ کر کے فخر کرنا خداوند تعالیٰ کو پسند نہیں آیا لہٰذا مسلمانوں پر خدا کی طرف سے یہ تازیانہ عبرت لگا کہ جب جنگ شروع ہوئی تو اچانک دشمن کی ان ٹولیوں نے جو گوریلا جنگ کے لئے پہاڑوں کی مختلف گھاٹیوں میں گھات لگائے بیٹھی تھیں اس زور وشور کے ساتھ تیر اندازی شروع کر دی کہ مسلمان تیروں کی بارش سے بدحواس ہو گئے اور اس ناگہانی تیر بارانی کی بوچھاڑ سے ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور تھوڑی ہی دیر میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور چند مہاجرین وانصار کے سوا تمام لشکر میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔

اس خطرناک صورت حال اور نازک گھڑی میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار برابر آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور رجز کا یہ شعر بلند آواز میں پڑھ رہے تھے

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ   اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

یعنی میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹی بات نہیں میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔

بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند بھاگے ہوئے مسلمانوں کو پکارا اور یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ یَا اَصْحَابَ بَیْعَةِ الرِّضْوَانِ کہہ کر للکارا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی یہ للکار اور پکار سن کر تمام جاں نثار مسلمان پلٹ پڑے اور پرچم نبوت کے نیچے جمع ہو کر ایسی جاں نثاری کے ساتھ داد شجاعت دینے لگے کہ دم زدن میں میدان جنگ کا نقشہ ہی پلٹ گیا اور یہ نتیجہ نکلا کہ شکست کے بعد مسلمان فتح مند ہو گئے اور پرچم اسلام سر بلند ہو گیا ہزاروں کفار گرفتار ہو گئے اور بہت سے تلوار کا لقمہ بن گئے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور کفار عرب کی طاقت وشوکت کا جنازہ نکل گیا۔

جنگ حنین میں مسلمانوں کے اپنی اکثریت تعداد پر غرور کے انجام میں شکست اور پھر فتح ونصرت کا حال خداوند ذوالجلال نے قرآن کریم میں ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے کہ

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا

رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (التوبہ رکوع ۴)

بے شک اللہ نے بہت جگہ تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ گئے پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول اور مسلمانوں پر اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کی یہی سزا ہے۔

جنگ حنین کا یہ واقعہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں فتح وکامرانی فوجوں کی کثرت اور سامان جنگ کی فراوانی سے نہیں ملتی بلکہ فتح ونصرت کا دارومدار درحقیقت پروردگار کے فضل عظیم پر ہے اگر وہ رب کریم اپنا فضل عظیم فرما دے تو چھوٹے سے چھوٹا لشکر بڑی سے بڑی فوج پر غالب ہو کر مظفر ومنصور ہو سکتا ہے اور اگر اس کا فضل وکرم شامل حال نہ ہو تو بڑے سے بڑا لشکر چھوٹی سے چھوٹی فوج سے مغلوب ہو کر شکست کھا جاتا ہے لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ کبھی بھی اپنے لشکر کی کثرت پر اعتماد نہ رکھیں بلکہ ہمیشہ خداوند قدوس کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عجائب وغرائب القرآن)

(۱۵۳)

یہ کام نعیمان ہی کا ہوسکتا ہے

ابو رقیہ تمیم داری ابن اوس بن حارثہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، پہلے عیسائی تھے، مدینہ منورہ حاضر ہو کر ۹ھ میں اپنے بھائی سمیت حلقہ بگوش اسلام ہوئے، نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوئے، سب سے پہلے آپ ہی نے مسجدوں میں چراغ روشن کئے اور مسجدوں کو منور کیا، پھر شام منتقل ہو گئے اور فلسطین میں اقامت اختیار کی۔ (الاصابہ بتصرف)

نعیمان بن عمرو بن رفاعہ انصاری صحابی ہیں بدر وغیرہ غزوات میں حاضر ہوئے، نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کے ساتھ بکثرت مزاح کیا کرتے تھے، ان کے ہنسانے والے مسائل بہت ہیں اور بطور مزاح ان کی زیادتیاں بھی بکثرت ہیں، ان کو نبی اکرم ﷺ برداشت کیا کرتے تھے اور ان کی طرف سے مال بھی ادا کر دیا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ۔ (اصابہ بتصرف)

بہر حال: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ تجارت کے بڑے ماہر تھے۔ وہ شام کے شہروں کا سفر کر کے واپس آئے تو حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا آپ ایسا غلام خریدنا چاہتے ہیں جو صاحب فضیلت بھی ہے اور دیندار بھی اور اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ تجارت کا ماہر بھی ہے؟ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں میں اسے کس طرح دیکھ سکتا ہوں؟ حضرت نعیمان نے کہا: جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ ہم اسے بیچ رہے ہیں تو وہ راضی نہیں ہوگا اور آپ اس سے نفع بھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو دکھا دیتا ہوں لیکن اس کے سامنے کوئی بات نہیں ہونی چاہئے۔ وہ ہمیں اپنی سگی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے دکھا دو، ممکن ہے میں خرید ہی لوں۔

انہیں نعیمان کے معاملات کا علم نہیں تھا۔ ان کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے۔ نعیمان نے انہیں ایک بانکا سجیلا اور حسین وجمیل نوجوان دکھایا۔ جس کے چہرے بشرے سے ذکاوت ٹپک رہی تھی۔ اس کا نام سویط بن عبدالعزیٰ تھا۔ تمیم نے اسے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور وہ نوجوان انہیں بہت پسند آیا۔ فرمایا: یہ غلام کتنے میں بیچو گے؟ کہنے لگے: ایک سو دینار میں۔ فرمایا: مجھے منظور ہے۔ لو سو دینار اور اب غلام میرے حوالے کرو۔ نعیمان ان کے ساتھ مسجد میں گئے اور کہنے لگے: اس غلام کو قبضے میں لے لیں۔

حضرت تمیم رضی اللہ عنہ آئے اور دیکھا کہ غلام نماز پڑھ رہا ہے۔ آپ نے بھی اس کے پاس نماز پڑھی اور فرمایا: نماز مختصر کرو۔ سویط نے جلدی جلدی نماز پوری کی۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ تمیم ان سے کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: فرمایئے مجھ سے کیا کام ہے؟ تمیم نے کہا: تمہارے مالک نے تمہیں میرے پاس بیچ دیا ہے۔ سویط یہ بات سن کر حیران و پریشان رہ گئے۔ کہنے لگے: میرا مالک کون ہے؟ کہا وہی جس نے مجھ سے تمہارے سو دینار وصول کئے ہیں۔ سویط نے کہا: کون سے سو دینار اور کس نے مجھے بیچا ہے؟ میں تو آزاد ہوں، میرا باپ بھی آزاد ہے۔ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کاشانۂ مبارکہ سے باہر تشریف لے آئے۔ فرمایا: کیا بات ہے؟ تمیم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ اس غلام کے مالک نے یہ غلام میرے پاس فروخت کیا ہے اور اس کے بدلے مجھ سے سو دینار بھی وصول کر لئے ہیں لیکن یہ صاحب غلام ہونے سے ہی انکاری ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا گمان ہے کہ یہ نعیمان ہی کا کام ہے۔ انہیں ہمارے پاس بلا کر لاؤ۔

جب نعیمان آئے تو فرمایا: بندۂ خدا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرے والدین آپ پر فدا ہوں! میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا ہے۔ میرے پاس اسے نان ونفقہ اور حق مہر دینے کے لئے کچھ نہیں تھا یا رسول اللہ! مجھے وہی ایک سو دینار مل سکے ہیں جو آپ کے علم میں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کو فرمایا: سو دینار ہم سے لے لینا۔

(الاصابہ۔ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

Scanned with CamScanner

(۱۵۴)

میں مسلمانوں ہی میں سے ایک فرد ہوں

حضرت جریر بن عبداللہ بن جابر البجلی رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو بجیلہ سے تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے ایمان لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذی خلصہ کا بت گرانے کا حکم دیا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ جریر اپنے قبیلے کے ڈیڑھ سو افراد لے کر گئے اور اس بت کو جلا دیا۔ وہ 51ھ یا 54ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے حسن صورت کی بنا پر انہیں ''اس امت کے یوسف'' قرار دیا۔ (اسد الغابہ۔ ج1 ص529)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جن دنوں مجاہدین اسلام، سرزمین عراق اور دیگر عجمی ممالک میں دشمنان اسلام سے برسر پیکار تھے، امیر المؤمنین نے مجھ سے فرمایا: اے جریر! اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ محاذ پر پہنچو، اگر تم اپنی قوم کے ساتھ دشمنوں پر غالب آ جاؤ گے تو مالِ غنیمت میں سے چوتھائی حصہ تمہیں ملے گا۔

امیر المؤمنین کا حکم ملتے ہی حضرت جریر رضی اللہ عنہ محاذ پر پہنچے جہاں کفر و اسلام کے درمیان گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے نوازا اور دشمنوں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ مجاہدین کو غنیمت کے طور پر بہت سارا مال میسر آیا۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے چوتھائی مالِ غنیمت کا تقاضا کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیر

المؤمنین کو حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی فرمائش کی تفصیل لکھ بھیجی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جواب میں لکھا:

(صَدَقَ جَرِيْرٌ، قَدْ قُلْتُ ذٰلِكَ لَهٗ، فَإِنْ شَاءَ أَنْ يَكُوْنَ قَاتَلَ هُوَ وَقَوْمُهٗ عَلٰى جُعْلٍ فَأَعْطُوْهُ جُعْلَهٗ، وَإِنْ يَكُنْ إِنَّمَا قَاتَلَ لِلّٰهِ وَلِدِيْنِهٖ وَلِحَسَبِهٖ فَهُوَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ، لَهٗ مَا لَهُمْ وَعَلَيْهِ مَا عَلَيْهِمْ)

''جریر کا تقاضا برحق ہے، واقعی میں نے اس سے چوتھائی مال کا وعدہ کیا تھا' اگر اس نے اور اس کی قوم کے لوگوں نے مزدوری کی خاطر جنگ لڑی ہے تو پھر اس کی چاہت کے مطابق اس کو مزدوری دے دیں، اور اگر اس نے یہ جنگ اللہ، اس کے دین اور اس کے رسول کی خاطر لڑی ہے تو پھر وہ مسلمانوں کا ایک فرد ہے، وہی حق اسے ملے گا جو مسلمانوں کو ملے گا اور وہی حکم اس پر جاری ہوگا جس کے مکلف دیگر مسلمان ہوں گے۔''

جب امیر المؤمنین کا جواب نامہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے امیر المؤمنین کے خط سے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے:

(صَدَقَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا حَاجَةَ لِيْ بِهٖ بَلْ أَنَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ)

''امیر المؤمنین نے سچ فرمایا۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں مسلمانوں ہی میں سے ایک فرد ہوں۔'' (اخبار الأذکیاء، ابن جوزی ص ۱۵۳)

(۱۵۵)

اور شیر ڈھیر ہو گیا

جحدر بن ربیعہ نادرِ زمانہ دلاور اور اپنے دور کا نامور ڈاکو تھا۔ اس نے اہلِ یمامہ کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اس نے ان سے دن کا سکھ چین اور رات کا آرام و سکون چھین لیا تھا۔ وہ اتنا تیز طرار تھا کہ قابو میں نہ آتا تھا۔ یمامہ کے امیر نے کسی حیلے بہانے سے اسے گرفتار کر لیا اور حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس بھیج دیا' تا کہ اس کو سزا دے کر اپنے دل کی پیاس بجھالے اور جو چاہے اسے سزا دے۔

جحدر کی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی خبروں نے حجاج کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔

جب جحدر گرفتار کر کے اس کے پاس لایا گیا اور لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو لوگ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ وہ اس ہیبت ناک درندے کو دیکھنا چاہتے تھے جس کا شہرہ چار دانگ عالم میں پہنچ گیا تھا۔ وہ خوں ریز اور خونخوار جس کا نام سن کر لوگ کانپ جاتے تھے لیکن اسے دیکھ کر انہیں انتہائی مایوسی ہوئی۔ ان کے سامنے لمبا تڑنگا، نحیف و نزار اور چھوٹے سر والا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا، جسے کوئی بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس کی کیفیت وہی تھی (تَسْمَعُ بِالْمُعَيْدِيِّ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَرَاهُ) معیدی کی سننے کی چیز ہے دیکھنے کی نہیں۔

جب وہ حجاج کے سامنے پیش ہوا تو حجاج نے اسے بنظر حقارت دیکھتے ہوئے کہا: کیا تو جحدر ہے؟

اس نے باوقار اور ٹھہرے ہوئے لہجے، پورے اطمینان اور فصاحت کے ساتھ کہا: جی

ہاں! میں ہی جحدر بن ربیعہ ہوں۔

حجاج نے دوسرا سوال یہ کیا کہ جحدر! تمہیں ہمارے خلاف کس چیز نے جری کر دیا؟

حجاج کا گمان تھا کہ وہ خوف زدہ ہو جائے گا، نرم ہو جائے گا، ذلت اور جھکاؤ اختیار کرے گا اور معذرت کا راستہ اپنائے گا (یاد رہے کہ وہ دنیا بھر کے ظالم ترین شخص کے سامنے کھڑا تھا، جس نے ایک لاکھ سے زیادہ افراد کو اپنے سامنے قتل کروایا تھا۔ وہ نفسیاتی مریض تھا اور مقتول کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر لطف اندوز ہوتا تھا) لیکن جحدر جیسا جہاں دیدہ گرگ باراں اور دلاور بالکل متاثر نہیں ہوا۔ نہ اس میں کسی طرح کی لچک پیدا ہوئی اور نہ ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

وَاللهِ مَا اَخْرَجَنَا عَلَيْكُمْ اِلَّا جَوْرُ الزَّمَانِ وَجُرْأَةُ الْجَنَانِ وَ ظُلْمُ السُّلْطَانِ ○

اللہ کی قسم! ہمیں آپ کے خلاف نکالا ہے تو زمانے کے ظلم، دل کی جرأت اور حاکم وقت کے ظلم نے۔

حجاج یہ جواب سن کر دہل گیا۔ اسے اتنے کھرے جواب کی توقع نہیں تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ شخص موت کو تو کسی حساب ہی میں نہیں لاتا۔

حجاج: تجھے معلوم ہے؟ کہ تیرے معاملے کا انجام کیا ہے؟

جحدر: اگر امیر میرا امتحان لے اور مجھے اپنے شاہ سواروں میں شامل کر لے تو مجھ سے وہ کچھ دیکھے گا جو اسے ششدر کر دے گا۔

حجاج: ہم تمہارا تجربہ کر کے دیکھیں گے لیکن یہ انوکھا تجربہ ہو گا جس کی کوئی مثال نہیں ہو گی۔ جحدر: آپ جو چاہتے ہیں حکم دیں۔

حجاج: یہ ایک سنگ دلانہ تجربہ ہے لیکن میدان جنگ میں نہیں۔

جحدر: پھر تو یہ بہت آسان ہو گا۔

حجاج: اس کی جرأت و ہمت پر حیران رہ گیا۔ کہنے لگا: لیکن یہ تجربہ کسی انسان کے ساتھ نہیں ہے؟ جحدر: خوف زدہ ہوئے بغیر، مسکراتے ہوئے کہنے لگا: پھر کسی جن کے ساتھ ہو جائے۔

Scanned with CamScanner

حجاج: یہ مقابلہ جن کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ مقابلہ ایک خونخوار شیر کے ساتھ ہوگا۔ ہم تمہیں اچانک حملہ کرنے والے اور غضب ناک شیر کے آگے ڈالیں گے۔ تمہارے پاس سوائے تلوار کے کچھ نہیں ہوگا' اگر اس نے تمہیں قتل کر دیا تو ہم تمہارے قتل کی مشقت سے چھوٹ جائیں گے اور تم اپنی کچھ سزا پالو گے اور اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔

یہ سن کر جحدر کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس کے چہرے سے مسرت وشادمانی کی کرنیں نمودار ہونے لگیں۔ جیسے وہ کسی شادی کے ولیمے میں جا رہا ہو۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر کو بہتری عطا فرمائے! رہائی اور معافی کا وقت قریب آ گیا ہے۔

جحدر کی جرأت وہمت اور خود اعتمادی نے حجاج کو مزید حیران کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ اسے قید کر دیا جائے اور یمن حکم بھیجا کہ میرے پاس خطرناک قسم کا شیر بھجوایا جائے' تا کہ جحدر کو اس کے آگے ڈالا جائے۔ شیر لایا گیا اور اسے تین دن بھوکا رکھا گیا' تا کہ اس کے غیظ وغضب میں اضافہ ہو جائے۔ اعلان عام کر دیا گیا کہ فلاں دن جحدر اور شیر کا مقابلہ ہوگا۔ جو دیکھنا چاہے آ جائے۔ دور دراز سے لوگ کھنچے چلے آئے۔ گرمی کا موسم اور چاشت کا وقت تھا۔ سورج کی شعاعیں ان کے جسموں پر اس طرح پڑ رہی تھیں جیسے انگاروں کی طرح جلتی ہوئی تانبے کی تاریں ہوں لیکن لوگ بڑے گڑھے کے گرد سراپا شوق بنے ہوئے جمع تھے۔ انہیں نہ گرمی کی پرواہ تھی اور نہ ہجوم سے تنگ تھے۔ انہوں نے ایسا تماشا زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کے جوش وخروش کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے عید کا موقع ہو۔

ایک بلند ٹیلے پر حجاج، اس کے کمانڈروں، امراء اور وزراء کے لئے تخت بچھائے گئے۔ اچانک معلوم ہوا کہ جحدر بجلی کی طرح شیر پر جا گرا ہے۔ شیر پوری قوت کے ساتھ دھاڑا۔ جحدر نے جواباً ویسی ہی آواز نکالی۔ اب شیر اس پر عقاب کی طرح جھپٹا۔ جحدر تلوار لہراتے ہوئے اپنی جگہ جم کر کھڑا رہا۔ اب ایک لمحے کی بات تھی، جو اس میں پہل کر جاتا کامیاب رہتا۔ جحدر پھرتی کے ساتھ وار کرنے میں پہل کر گیا۔ اس کی آب دار تلوار شیر کی کھوپڑی کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔ شیر ایک دفعہ پھر دھاڑا لیکن اس دفعہ اس کے دھاڑنے میں

طاقت کے ساتھ رونے کی آواز بھی شامل تھی۔ یہ اتنا سنسنی خیز مقابلہ تھا کہ لہو دیکھنے والوں کی رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ اچانک کسی نے نعرۂ تکبیر بلند کر دیا۔ ماحول یک دم بدل گیا۔ جو لوگ جحدر کے دشمن تھے وہ دوست بن گئے اور جو اس پر ناراض تھے وہ اس پر فخر کرنے لگے۔

جحدر ایک لمحہ میدان میں ٹھہرا۔ بائیں ہاتھ سے پیشانی کا پسینہ پونچھا اور حجاج کی طرف چل دیا۔ حجاج نے اسے شاباش دینے کے لئے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ حجاج کے پاس پہنچا تو اس نے جحدر کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے بھینچا اور کہا: لِلّٰهِ مَا اَشْجَعَكَ يَا جَحْدَرُ مَا اَشْجَعَكَ

اللہ تعالیٰ کے لئے عظمت ہے۔ جحدر تم کتنے بہادر ہو؟ واقعی تم بہت ہی بہادر ہو۔

میں تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو عزت وتکریم کے ساتھ میرے پاس ٹھہرو اور اگر چاہو تو میں تمہیں یمامہ بھجوا دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آئندہ تم کسی کو اذیت نہ دو اور کسی جرم کا ارتکاب نہ کرو۔

جحدر نے کہا: اے امیر! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے! میں آپ کے پاس قیام کرنے پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دوں گا۔ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں نافرمانوں اور باغیوں کے خلاف آپ کی برہنہ تلوار بنوں گا۔

حجاج اس کی بات پر بہت خوش ہوا۔ اس نے صاف محسوس کیا کہ اسے جحدر کی صورت میں مضبوط طاقت مل گئی ہے جو اسے سرنگوں نہیں ہونے دے گی۔ جحدر عزت واحترام کے ساتھ حجاج کے پاس رہا۔ حجاج نے اس کی بہترین تربیت کی، یہاں تک کہ وہ کارآمد انسان بن گیا۔

چند سال کے بعد یمامہ میں شورش پیدا ہو گئی۔ وہاں کے لوگ سرکشی دکھانے لگے۔ حجاج کو جحدر سے بہتر کوئی آدمی دکھائی نہ دیا، چنانچہ اسے یمامہ کا گورنر بنا دیا۔ اس نے نافرمانوں کو سیدھا کر دیا اور باغیوں کو نکیل ڈال دی اور وہاں کا سیاسی نظام سیٹ کر دیا۔ جانوں اور مالوں کی حفاظت اور عدالت میں لوگوں کے لئے ایک مثال بن گئی اور حجاج کی امیدوں کو پورا کر دیا۔

(من نسمات الخلود)

Scanned with CamScanner

(۱۵۶)

اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا

ابو اسحٰق معتصم باللہ بن ہارون الرشید (218ھ تا 227ھ) آٹھواں عباسی خلیفہ تھا جو مامون رشید کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس نے بغداد سے 90 میل شمال میں دجلہ کے کنارے نیا دارالحکومت (سُرَّ مَنْ رَاٰ) تعمیر کرایا جو کثرت استعمال سے سامراء مشہور ہوا۔ 223ھ میں رومیوں نے زبطرہ وملطیہ (اناطولیہ) میں غارتگری کی اور ایک مظلوم مسلمان عورت نے وامعتصماہ (اے معتصم) کی دہائی دی تو معتصم نے لشکرکشی کر کے رومیوں کو عبرتناک شکست دی، قیصر روم نوفل کی جائے پیدائش عموریہ کو 55 روزہ محاصرے کے بعد فتح کر لیا اور اسے مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔

(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی جلد اول)

اور قاضی احمد بن ابی دواد جہمی معتزلی بصرہ میں 160ھ میں پیدا ہوا۔ وہ بڑا سخی اور فصیح و بلیغ شاعر تھا۔ خلق القرآن کے مسئلے پر قاضی احمد نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ امام احمد بن حنبل ؒ کو قتل کر دیا جائے۔ امام احمد کو کوڑوں سے بری طرح پیٹا گیا مگر وہ ثابت قدم رہے۔ قاضی احمد کو معتصم، واثق اور متوکل کے عہد میں بڑا اثر ورسوخ حاصل رہا۔ 237ھ میں خلیفہ متوکل نے قاضی احمد کو معزول کر کے قید کر دیا اور اس کا مال واسباب اور جاگیر ضبط کرنے کا حکم دیا۔ قاضی احمد ان دنوں فالج میں مبتلا تھا۔ اس نے 240ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج11 ص169-171۔ تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

جب خلیفہ معتصم باللہ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو احمد بن ابی دواد قاضی نے اس کی زیارت کی۔ احمد قاضی معتصم کے پاس بیٹھے تو دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں موت گردش کر رہی ہے اور وہ اب چند ہی لمحوں کا مہمان ہے۔ اتنے میں خلیفہ نے ان سے شدید تکلیف کی شکایت کی۔

احمد نے کہا: اے امیر المؤمنین! قید خانوں میں ہزاروں بے قصور لوگ پڑے ہوئے ہیں جو خود اور ان کے گھر والے آپ کو بددعائیں دے رہے ہیں، اور مظلوم کی بددعا تو اپنی تاثیر لائے بغیر رہتی نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ ان مظلوموں کو آزاد کر دیتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی زبانیں بددعا کی بجائے آپ کے حق میں دعا میں رطب اللسان ہو جاتیں۔ یہ تقریر سن کر خلیفہ نے تمام قیدیوں کو چھوڑنے کا حکم دے دیا۔

احمد قاضی نے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ قیدی اپنے گھروں کو خالی ہاتھ روانہ ہو رہے ہیں، کچھ بھی مال ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اچھا ہوتا کہ آپ ان کے اموال واپس کر دینے کا بھی حکم فرما دیتے اور کچھ عطیات بھی عنایت فرماتے۔

خلیفہ پر احمد قاضی کی بات کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس نے فوری قیدیوں کے اموال واپس کرنے اور انہیں عطیات سے نوازنے کا حکم صادر کر دیا۔ (باقیات الورود النضرۃ)

(۱۵۷)

ایک نوجوان کی توبہ

منقول ہے، ''ایک دن حضرت سیّدنا منصور بن عمار علیہ الرحمۃ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لئے منبر پر تشریف لائے اور انہیں عذاب الٰہی عزوجل سے ڈرانے اور گناہوں پر ڈانٹنے لگے۔ قریب تھا کہ لوگ شدت اضطراب سے تڑپ تڑپ کر مر جاتے۔ اس محفل میں ایک گنہگار نوجوان بھی موجود تھا جو اپنے گناہوں کی وجہ سے قبر میں اترنے کے متعلق کافی پریشان تھا۔ جب وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتماع سے واپس گیا تو یوں لگتا تھا جیسے بیان اس کے دل پر بہت زیادہ اثر انداز ہو چکا ہو۔ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''اے میری امی جان! تم چاہتی تھی کہ میں شیطانی لہو ولعب اور خدائے رحمٰن عزوجل کی نافرمانی چھوڑ دوں لہٰذا آج سے میں اسے ترک کرتا ہوں۔'' اور اس نے اپنی امی جان کو یہ بھی بتایا کہ میں حضرت سیّدنا منصور بن عمار علیہ الرحمۃ کے اجتماع پاک میں حاضر ہوا اور اپنے گناہوں پر بہت نادم ہوا۔ چنانچہ، ماں نے کہا: ''اے میرے بیٹے! تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے تجھے بڑے اچھے انداز سے اپنی بارگاہ کی طرف لوٹایا اور گناہوں کی بیماری سے شفا عطا فرمائی اور مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے تجھ پر رونے کے سبب تجھ پر ضرور رحم فرمائے گا اور تجھے قبول فرما کر تجھ پر احسان فرمائے گا، پھر اس نے پوچھا: اے بیٹے! نصیحت بھرا بیان سنتے وقت تیرا کیا حال تھا؟'' اس نے جواب میں چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

''میں نے توبہ کے لئے اپنا دامن پھیلا دیا ہے اور اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے مطیع و فرماں بردار بن گیا ہوں۔ جب بیان کرنے والے نے میرے دل کو اطاعت خداوندی کی طرف بلایا تو میرے دل کے تمام قفل (تالے) کھل گئے۔ اے میری امی جان! کیا میرا مالک و مولیٰ عزوجل میری گناہوں بھری زندگی کے باوجود مجھے قبول فرما لے گا۔ ہائے افسوس! اگر میرا مالک مجھے ناکام و نامراد واپس لوٹا دے یا اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے سے روک دے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔''

پھر وہ نوجوان دن کو روزے رکھتا اور راتوں کو قیام کرتا یہاں تک کہ اس کا جسم لاغر و کمزور ہو گیا، گوشت جھڑ گیا، ہڈیاں خشک ہو گئیں اور رنگ زرد ہو گیا۔ ایک دن اس کی والدۂ محترمہ اس کے لئے پیالے میں ستو لے کر آئی اور اصرار کرتے ہوئے کہا: ''میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ یہ پی لو، تمہارا جسم بہت مشقت اٹھا چکا ہے۔'' چنانچہ، ماں کی بات مانتے ہوئے جب اس نے پیالہ ہاتھ میں لیا تو بے چینی و پریشانی سے رونے لگا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان کو یاد کرنے لگا:

یَتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ (پ۱۳، ابراہیم: ۱۷)

ترجمہ: بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا اور گلے سے نیچے اتارنے کی امید نہ ہو گی۔

پھر اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اور زمین پر گر گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ ہے خشیت الٰہی عزوجل کا اعلیٰ مقام۔ اے وہ شخص جس نے اپنی ساری زندگی یہ کہتے ہوئے ضائع کر دی کہ عنقریب توبہ کر کے نیک اعمال شروع کر دوں گا۔

اے رات کی تاریکیوں میں اپنے رب تعالیٰ سے تعلق جوڑنے والے پاک باز بندو! اے گروہ تائبین! تمام خوبیاں اسی کے لئے ہیں جس نے تمہیں اپنی عبادت کی توفیق عطا کی اور ہمیں پیچھے رکھا، سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں جس نے تمہیں اپنا قرب عطا فرمایا اور ہمیں

Scanned with CamScanner

دور رکھا۔ (کیونکہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ چنانچہ، فرمان باری تعالیٰ ہے:)

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ (پ۱۳، ابراہیم:۱۱)

ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔ (الروض الفائق)

(۱۵۸)

غار میں دو یار

ہجرت کی رات حضور رحمت عالم ﷺ اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام ''حزورہ'' کے پاس کھڑے ہوگئے اور بڑی حسرت کے ساتھ ''کعبہ مکرمہ'' کو دیکھا اور فرمایا: اے شہر مکہ تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا اور کسی جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی قرارداد ہو چکی تھی وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کہ کفار ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور ﷺ کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنے کندھوں پر سوار کرالیا اور اس طرح خاردار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات ''غار ثور'' پہنچے۔

(مدارج النبوۃ ج۲ ص۵۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا پھر حضور اکرم ﷺ غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا۔ سوراخ کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یار غار کے پاؤں میں کاٹا مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جاں نثار نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمت عالم ﷺ کے خواب راحت میں خلل نہ پڑ جائے مگر

درد کی شدت سے یار غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرور کائنات کے رخسار پر نثار ہو گئے جس سے رحمت عالم بیدار ہو گئے اور اپنے یار غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے پوچھا ابوبکر کیا ہوا؟ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی سارا درد جاتا رہا اور زخم بھی اچھا ہو گیا تین رات حضور رحمت عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس غار میں رونق افروز رہے۔ کفار مکہ نے آپ ﷺ کی تلاش میں مکہ کا چپہ چپہ چھان مارا۔ یہاں تک کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور تک پہنچ گئے مگر غار کے منہ پر حفاظت خداوندی کا پہرہ لگا ہوا تھا یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے یہ منظر دیکھ کر کفار آپس میں کہنے لگے کہ اگر اس غار میں کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالا تنتی نہ کبوتری یہاں انڈے دیتی۔ کفار کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ گھبرائے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اب ہمارے دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر وہ اپنے قدموں پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو دیکھ لیں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔ مت گھبراؤ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سکینہ اتار دیا

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکینہ اتر پڑا کہ وہ بالکل ہی مطمئن اور بے خوف ہو گئے اور چوتھے دن یکم ربیع الاول دوشنبہ کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار سے باہر تشریف لائے اور مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔

اس غار ثور کے واقعہ کو قرآن مجید نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی ؕ وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ○

(التوبہ، رکوع ٦)

اگر تم لوگ محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے یار سے فرماتے تھے کہ غم نہ کھاؤ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے ان کی مدد فرمائی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈال دی اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

یہ آیت اور غار ثور کا واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی محبت و جاں نثاری رسول کا وہ نشان اعظم ہے جو قیامت تک آفتاب عالم تاب کی طرح درخشاں اور روشن رہے گا کیوں نہ ہو کہ پروردگار نے انہیں اپنے رسول کے ''یار غار'' ہونے کی سند مستند قرآن میں دے دی ہے جو کبھی ہرگز ہرگز نہیں مٹ سکتی ہے۔

سبحان اللہ! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ وہ فضل و شرف ہے جو نہ کسی کو ملا ہے نہ کسی کو ملے گا۔

مرتبہ حضرت صدیق کا ہو کس سے بیان
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

Scanned with CamScanner

(۱۵۹)

امام اصمعی کا جذبہ حصول علم

ابوسعید عبدالملک بن قُریب بن علی بن اصمع الباہلی عرب کے عظیم راوی، لغت، شعر اور شہروں کا علم رکھنے والے علماء کے امام تھے، جنگلوں اور دیہاتوں میں بکثرت گھومتے رہتے تھے۔ ہارون رشید انہیں ''شیطان الشعر'' کہا کرتا تھا، اخفش کہتے ہیں کہ میں نے اصمعی سے بڑا شعر کا عالم نہیں دیکھا، لغت اور شعر کے امام تھے، حافظہ غضب کا رکھتے تھے۔ ۱۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

طلباء علم کو مستعد بنانے کے لئے اصمعی اپنی زندگی کا ایک ورق الٹتے ہیں۔ میں طالب علمی کے زمانے میں محتاج اور نادار تھا۔ ہمارے دروازے پر ایک سبزی فروش تھا۔ میں جب صبح جاتا تو وہ مجھے روک کر پوچھتا تھا: کہاں جا رہے ہو؟ میں کہتا: فلاں محدث کے پاس اور جب شام کو واپس آتا تو مجھ سے پوچھتا: کہاں سے آئے ہو؟ میں اسے بتاتا کہ فلاں مؤرخ یا ماہر لغت کے پاس سے آرہا ہوں۔ وہ مجھے کہتا: برخوردار! میری نصیحت مان لو اور اس پر عمل کرو، کامیاب رہو گے۔ تم اپنے آپ کو ضائع نہ کرو۔ تم کوئی ذریعۂ معاش تلاش کرو، اس کا تمہیں فائدہ ہوگا۔ تمہارے پاس جتنی کتابیں ہیں وہ سب مجھے دے دو۔ میں وہ سب اس مٹکے میں ڈال کر اوپر سے پانی ڈال دوں گا۔ میں ان کا نبیذ بناؤں گا اور دیکھوں گا کہ ان سے کیا بنتا ہے؟ اللہ کی قسم! اگر تم اپنی تمام کتابوں کے بدلے مجھ سے ایک اخروٹ مانگو تو میں وہ بھی نہیں دوں گا۔

میں جب بھی اس کی گفتگو سنتا تو اس کے بیہودہ کلام اور ٹھنڈی نصیحت سے بہت تنگ دل ہوتا۔ اس نے یہ وطیرہ بنالیا تھا کہ جب بھی میں جاتا یا آتا تو وہ مجھے یہی نصیحت کرتا۔ یہاں تک کہ میں نے تنگ آکر رات کے وقت جانے آنے کا معمول بنالیا تاکہ اس کا سامنا ہی نہ ہو۔ دوسری طرف میری ناداری دن بدن بڑھتی رہی۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں نے اپنے گھر کی کچھ اینٹیں اور لکڑیاں بیچ دیں۔ مجھے روزانہ کا پورا خرچ میسر نہیں ہوتا تھا۔ میرے بال لمبے لمبے ہوگئے۔ کپڑے پرانے ہوگئے۔ جسم میل کچیل سے بھر گیا۔ اتنی آمدن بھی نہیں تھی کہ ضروریات ہی پوری کرلوں۔ میں اپنے معاملے میں حیران تھا۔ میری اتنی حیثیت بھی نہ تھی کہ میں اپنا کام چلانے کے لئے کہیں سے قرض ہی حاصل کرلوں۔ کیا بے کسی اور بے بسی تھی؟

اچانک امیر محمد بن سلیمان کا خادم میرے پاس آیا اور کہنے لگا: جناب امیر نے آپ کو یاد کیا ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ امیر اس شخص کو کیا کرے گا جو فقر و فاقہ اور افلاس کی آخری حد کو پہنچ چکا ہے

جب اس خادم نے میری خستہ حالی اور بدحالی دیکھی تو جا کر امیر کو اطلاع دی۔ کچھ دیر کے بعد واپس آیا، اس کے پاس کپڑوں کا بیگ اور خوشبوؤں کی صندوقچی تھی۔ کہنے لگا: امیر نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو حمام میں لے جاؤں اور غسل کے بعد آپ کو نئے کپڑے پہناؤں۔ باقی کپڑے آپ کے سپرد کردوں اور آپ کو یہ عمدہ خوشبو لگاؤں' تاکہ آپ کی روح تروتازہ ہوجائے۔ اور آپ کو یہ کھانا کھلاؤں۔ میں نے دیکھا کہ بڑے دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے ہیں' پھر میں آپ کو امیر کے پاس لے چلوں۔

میں یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور اس کے لئے دل کی گہرائی سے دعا کی اور میں نے اپنے دل میں کہا: پاک ہے وہ جس نے نہایت تنگ حالات میں اسے میرا معاون بنا دیا ہے۔

میں نے اٹھ کر وہ سب کام کئے جو اس نے کہے تھے اور ان کاموں سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ روانہ ہوا اور امیر محمد بن سلیمان کے پاس پہنچا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ وہ

Scanned with CamScanner

بڑے تپاک سے ملا اور مجھے اپنے قریب بٹھالیا۔ اس نے مجھے اونچی سیٹ پر بٹھایا اور کہنے لگا:

اے عبدالملک! میں نے آپ کو امیر المؤمنین ہارون الرشید کے بیٹے کی تعلیم وتربیت کے لئے منتخب کیا ہے۔ آپ دربار شاہی میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو جائیں اور دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے لئے دعا کی اور رخصت ہوتے ہوئے کہا: میں تعمیل کے لئے تیار ہوں۔ میں اپنی کچھ کتابیں لے لوں، پھر امیر المؤمنین کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔ میں نے ضروری کتابیں لیں اور محمد بن سلیمان کے قاصد کے ہمراہ بغداد روانہ ہو گیا۔ ہارون الرشید کے دربار میں پہنچ کر میں نے سلام کیا۔ انہوں نے مجھے جواب دیا۔ اور کہا: آپ عبدالملک اصمعی ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔

انہوں نے کہا: آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کی اولاد اس کے جسم کی روح اور دل کا سکون ہوتی ہے۔ میں نے اپنا بیٹا محمد آپ کے سپرد کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ آپ اسے ایسی تعلیم نہ دیں جو اس کے دین کو بگاڑ دے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کسی وقت مسلمانوں کا امام بنے۔

اصمعی کو ہارون الرشید کی یہ بات سن کر تعجب ہوا کہ ”آپ اسے ایسی تعلیم نہ دیں جو اس کے دین کو بگاڑ دے۔“ انہوں نے اپنے دل میں کہا: بادشاہوں کا اپنے بیٹوں کے لئے ایسا ہی اہتمام ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے بزرگوں کے طریقے پر تیار ہوں اور لوگوں کو نفع دیں۔ اصمعی کہتے ہیں: میں نے کہا: حکم کی تعمیل کی جائے گی۔

ہارون الرشید نے اپنا بیٹا میرے سپرد کر دیا۔ میں اس کے ساتھ ایک حویلی میں منتقل ہو گیا جس میں کئی قسم کے خوش کن خدام اور طرح طرح کے بستر تھے۔ ہارون الرشید نے ہر ماہ میرا مشاہرہ دس ہزار درہم مقرر کیا اور حکم دیا کہ ہر دن میرے لئے پرتکلف کھانا پیش کیا جائے۔ میں نے یہ سب کچھ قبول کر لیا۔ میرے پاس جو مال جمع ہوتا تھا وہ میں وقتاً فوقتاً بصرہ بھیج دیتا تھا۔ اس طرح میں نے اپنا گھر تعمیر کیا اور اس کے علاوہ جائیداد بھی خرید لی۔

شہزادہ فقہ، ادب، شعر وسخن اور لغت میں کمال کو پہنچا۔ عربوں کی تاریخ پر بھی اسے عبور حاصل ہو گیا۔ ہارون الرشید نے اس کا امتحان لیا اور خوش ہوا۔

ایک دن کہا: عبدالملک! میں چاہتا ہوں کہ یہ جمعہ کے دن امامت کرائے اور جمعہ سے پہلے خطبہ بھی دے۔ اس لئے آپ اس کو ایک خطبہ تیار کر دیں۔

چنانچہ جمعہ کے دن شہزادے نے خطبہ دیا اور نماز بھی پڑھائی۔ ہارون الرشید اس پر بھی بہت خوش ہوا۔ ہر طرف سے میرے پاس ہدیے اور تحفے آئے۔

پھر ہارون الرشید نے اپنے نمائندے کو میرے پیچھے بھیجا اور کہا:

آپ نے شہزادے کی بہت اچھی تربیت کی ہے۔ مانگیں! کیا مانگتے ہیں؟

میں نے کہا: اب میں کس چیز کی آرزو کروں؟ میں تو پہلے ہی اپنی آرزوؤں کو حاصل کر چکا ہوں۔ ہارون الرشید کے حکم پر مجھے ڈھیروں مال، بہت سے کپڑے، عمدہ خوشبوئیں، غلام اور لونڈیاں دی گئیں۔ یہاں تک کہ مجھے ہر چیز سے بے نیاز کر دیا۔

میں نے درخواست کی کہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت عطا فرمائیں۔ نیز وہاں کے گورنر کو تحریری طور پر یہ حکم صادر فرمائیں کہ وہ بصرہ کے تمام عوام اور خواص کو اس بات کا پابند کریں کہ وہ تین دن تک آکر مجھے سلام کریں اور اس کے بعد میرے ساتھ احترام سے پیش آئیں۔

ہارون الرشید نے میری درخواست کے مطابق حکم لکھ دیا۔ پھر میں بصرہ روانہ ہو گیا۔ میرا گھر تعمیر کیا جا چکا تھا۔ میری جائیداد وسیع تھی اور میری دولت کا چرچا عام تھا۔ بصرہ کا کوئی شخص ایسا نہ رہا جو مجھے سلام کرنے حاضر نہ ہوا ہو۔ تیسرے دن میں نے آنے والوں کو غور سے دیکھا۔ اچانک میری نظر اس سبزی فروش پر پڑی جو مجھے علم حاصل کرنے پر ملامت کیا کرتا تھا۔ اس کے کپڑے میلے، اوڑھنے والی چادر بوسیدہ، جبہ چھوٹا اور قمیص لمبی تھی۔ اس نے مجھے کہا: عبدالملک تمہارا کیا حال تھا؟

اس نے مجھے زمانہ ماضی کا فقر اور افلاس یاد دلایا۔ میں نے اس کی نصیحت کو یاد کیا کہ وہ کس طرح مجھے علم کے چھوڑنے کا مشورہ دیا کرتا تھا۔ مجھے اس کی حماقت اور اس بات پر ہنسی آئی کہ اس نے مجھے نام لے کر مخاطب کیا۔ جب کہ خلیفہ ہارون الرشید بھی میرا نام (عبدالملک) لے کر خطاب کیا کرتا تھا۔

Scanned with CamScanner

میں نے اس کے جواب میں کہا: میں خیریت کے ساتھ تھا۔ میں نے آپ کی وصیت قبول کر لی تھی اور آپ کے کہنے کے مطابق اپنی تمام کتابوں کو مٹکے میں ڈال کر اوپر پانی ڈال دیا تھا اور اس میں سے جو کچھ نکلا وہ آپ سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر میں نے بعد میں اس پر احسان کیا۔ اسے اپنا وکیل بنا لیا اور اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا۔

(الفرج بعد الشدۃ۔ للتنوخی)

یہ اس حقیقت کی بڑی دلیل ہے کہ اگرچہ طالب علم کو ابتدائی دور میں رزق کی کمی سے واسطہ پڑتا ہے لیکن اس کے لئے مقرر کیا ہوا رزق موت کی طرح لازماً آتا ہے۔ اس کے لئے صبر ضروری ہے تاکہ اسے ثواب حاصل ہو اور اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی سبق ملے۔

شاعر نے سچ کہا ہے:

وَمَنْ يَصْطَبِرْ لِلْعِلْمِ يَحْظَ بِنَيْلِهٖ
وَمَنْ يَخْطُبِ الْحَسْنَاءَ يَصْبِرْ عَلَى الْبَذْلِ
وَمَنْ لَمْ يُذِلَّ النَّفْسَ فِيْ طَلَبِ الْعُلَا
يَسِيْرًا يَعِشْ دَهْرًا طَوِيْلًا أَخَاذُلِّ

○ جو شخص علم کے لئے صبر کرتا ہے وہ علم کے حاصل کرنے میں کامیاب رہتا ہے اور جو شخص کسی حسینہ کو پیغام نکاح دیتا ہے وہ خرچ پر صبر کرتا ہے۔

○ اور جو شخص بلندیوں کی طلب میں اپنے آپ کو تھوڑی دیر ذلیل نہیں کرتا وہ طویل عرصہ ذلیل ہو کر زندہ رہتا ہے۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۱۶۰)

ایک عورت کی آزادانہ گفتگو

مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا زاد تھا۔ اس کا والد حکم، ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا چچا زاد تھا۔ مروان 2ھ میں پیدا ہوا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں میر منشی رہا۔ اس نے مرج راہط کی جنگ (64ھ) میں خلیفہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سپہ سالار ضحاک بن قیس کو شکست دے کر دمشق میں اموی خلافت کا احیا کیا اور یزید بن معاویہ کی بیوہ ام خالد سے نکاح کر لیا۔ رمضان 65ھ میں ام خالد کے ایما پر اس کی باندیوں نے مروان کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔

(تاریخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی۔ اٹلس سیرت نبوی)

معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان مدینے کا گورنر تھا۔ اکثر لوگ اس کی خود رائیوں اور سختیوں کے شاکی تھے مگر دربار معاویہ میں کسی کو شکایت کی جرأت نہ تھی۔ مروان نے ایک لڑکے کو کسی قصور پر یا کسی بہانے سے قید کر دیا۔ اس کی دادی ام سنان بنت خیثمہ، مروان کے پاس پہنچی اور اس کی بے گناہی اور اپنی ضعیفی کا اظہار کیا مگر مروان نے ایک نہ سنی۔ آخر وہ تنگ آ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا:

بنت خیثمہ! میرے پاس آنے کی زحمت کیسے کی؟ آخر تم وہی تو ہو جو ہمارے دشمنوں کو ہمارے مقابلے پر برانگیختہ کرتی تھیں۔ ام سنان نے کہا:

(يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ لِبَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ أَخْلَاقًا طَاهِرَةً أَعْلَامًا

ظَاهِرَةً، لَا يَجْهَلُوْنَ بَعْدَ حِلْمٍ وَّلَا يَسْفَهُوْنَ بَعْدَ عَفْوٍ، وَاَنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاتِّبَاعِ سُنَنِ آبَائِهِ لَاَنْتَ)

"اے امیر المؤمنین! عبد مناف کی اولاد کو پاکیزہ اخلاق اور نمایاں خوبیوں سے نوازا گیا ہے۔ وہ واقف ہو کر انجان نہیں بنتے، اور حلم کے بعد سفاہت اختیار نہیں کرتے، اور عفو کے بعد انتقام نہیں لیتے، اور آپ تمام دوسرے لوگوں سے بڑھ کر اپنے آباؤ اجداد کی روایات کے امین ہونے کے لائق ہیں۔"

امیر معاویہ: بے شک ہم ایسے ہی ہیں، مگر کیا تم وہی نہیں ہو جس نے اپنے اشعار میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا اور ان کے مخالفین کی تضحیک کی تھی۔

انہوں نے کچھ اشعار بھی جو ام سنان نے لکھے تھے سنا دیے۔

ام سنان: بے شک یہ اشعار میرے ہی ہیں لیکن میں امید کرتی ہوں کہ آپ ہمارے لیے علی رضی اللہ عنہ کے بعد بہتر خلیفہ ثابت ہوں گے۔

امیر کے ایک درباری نے جو پاس ہی بیٹھا تھا، ام سنان کے کچھ اور اشعار پڑھے جو بہت زیادہ سخت الفاظ میں تھے۔ امیر کا دل اور مکدر ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر ام سنان نے کہا:

"اے امیر المؤمنین! تیرے ایسے ہی ساتھیوں نے مسلمانوں کو تجھ سے ناراض کر رکھا ہے۔ ان کی باتوں کو، جو خود غرضی اور جھوٹی خوشامد پر محمول ہوتی ہیں، حقیر جان اور ان کو اپنا مقرب نہ بنا' اگر تو ایسے ساتھیوں سے بچتا رہے گا تو اللہ کا قرب نصیب ہونے کے علاوہ مؤمنوں کے دلوں میں تیری جگہ ہوگی۔"

امیر معاویہ: کیا واقعی تم نے یہ اشعار کہے ہیں؟ ام سنان بولی:

(كَانَ وَاللّٰهِ عَلِيٌّ أَحَبَّ اِلَيْنَا مِنْكَ اِذْ كَانَ حَيًّا وَ أَنْتَ أَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ غَيْرِكَ اِذْ أَنْتَ بَاقٍ)

"اللہ کی قسم! علی اپنی زندگی میں ہمیں آپ سے زیادہ محبوب تھے، مگر اب جبکہ وہ نہیں ہیں، آپ ہمیں اور لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔"

اس نے مزید کہا: ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو منہ پر تعریف کریں اور پیٹھ پیچھے

برا بھلا کہیں۔ جو چیز میرے دل میں جاگزیں تھی، میں نے کہہ دی ہے۔

امیر معاویہ: اور لوگوں سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

ام سنان: مروان بن حکم اور سعید بن عاص جو تجھے اور تیری حکومت کو بدنام کر رہے ہیں۔

امیر معاویہ: میرے ساتھ محبت وعقیدت کی کیا وجہ ہے؟

ام سنان: تمہارے حلم و بردباری کی وسعت اور تمہارے عفو ودرگزر کے سبب سے۔

امیر معاویہ: یہاں کیونکر آنا ہوا؟

ام سنان: حاکم مدینہ مروان کی شکایت لے کر آئی ہوں۔ نہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کرتا ہے نہ شریعت کے موافق فیصلے، مسلمانوں کی لغزشوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور ان کے راز کا پردہ فاش کرتا ہے۔ سارے لوگ اس سے تنگ ہیں۔ اس نے میرے پوتے کو جیل میں ڈال رکھا ہے۔ میں دادخواہی کے لیے اس کے پاس گئی مگر اس نے میری ایک نہ سنی اور الٹا مجھ ہی پر برس پڑا اور برا بھلا کہنے لگا۔

(فَأَلْقَمْتُهُ أَخْشَنَ الْحَجَرِ وَ أَلْعَقْتُهُ أَمَرَّ مِنَ الصَّابِ)

"چنانچہ میں نے اسے سخت ترین پتھر سے اور اندرائن سے زیادہ کڑوے جواب کا مزہ چکھایا۔"

اب میں مجبور ہو کر آپ کے دربار میں آئی ہوں جہاں مروان کی نسبت زیادہ عفو و درگزر کی امید ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام سنان کی باتیں سن کر اپنے منشی کو حکم دیا کہ ام سنان کے پوتے کی رہائی کا حکم لکھ کر اس کے حوالے کر دو۔

ام سنان گویا ہوئی: اے امیر المؤمنین! میں اپنے گھر کیسے جا سکتی ہوں جبکہ میرا زادِ راہ ختم ہو چکا ہے اور میری سواری کمزور ہو چکی ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے سواری کے لیے ایک اونٹ اور زادِ راہ کے لیے پانچ ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ (یہ واقعہ تاریخ کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ میں نے اس کا بیشتر حصہ ابن عساکر کی تاریخ دمشق الکبیر (182/74) سے لیا ہے)

36

(۱۶۱)

سارنگی بجانے والی لڑکی کی توبہ

حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''ایک دن میرا دل کچھ بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ، میں دریائے نیل کے کنارے سیر کرنے کے لئے نکلا۔ میرے دل میں اسے عبور کرنے کا خیال آیا تو میں نے کشتی میں سوار ہو کر اپنا سر گھٹنوں میں چھپالیا اور پھر نہ اٹھایا۔ جب کشتی دریا کے درمیان پہنچی تو میں نے اپنا سر گھٹنوں سے اٹھایا تو اپنی دائیں جانب ایک حسین لڑکی دکھائی دی جس کی گود میں سارنگی پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے شراب اور دائیں جانب صاف ستھرے لباس میں ملبوس ایک خوبصورت نوجوان کھڑا تھا۔ میں نے دل میں کہا: اے نفس! تو ستر سال کی عبادت کے بعد بھی اس کشتی میں ایک ایسی شرابی قوم کے درمیان پھنس گیا ہے جو اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتی ہے۔ اتنے میں وہ لڑکی میری طرف متوجہ ہوئی اور بولی: ''اے بزرگ انسان! کیا آپ کچھ پینا چاہیں گے؟'' میں نے جواب دیا: ''اگر میرے اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ پلایا تو پی لوں گا۔'' چنانچہ، اس لڑکی نے اپنے غلام کو اشارہ کیا کہ وہ میرے لئے شراب کا پیالہ بھر دے، اس نے حکم کے مطابق شراب کا جام بھر کر مجھے پیش کر دیا۔ جب پیالہ میرے ہاتھ میں آیا تو مجھے کپکپی طاری ہوگئی۔ لڑکی نے پوچھا: ''اے شیخ! شراب کیوں نہیں پیتے؟'' کیا تم چاہتے ہو کہ میں گانا گاؤں تاکہ تم شراب پیو یا پھر تم گانا گاؤ تاکہ ہم شراب پئیں؟'' میں نے کہا: ''میں نغمہ سناتا ہوں، تم شراب پیو۔'' وہ بولی: ''ٹھیک ہے، تم سناؤ، ہم تمہارا نغمہ سنتے ہیں۔'' پھر میں نے کچھ اشعار

پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

''قرآن پاک پڑھنے والے قاری کی تلاوت رات کی تاریکی میں گانا گانے والی لڑکی اور بانسری سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔ اے قرآن مجید کو دلکش آواز سے پڑھنے والے! تیری کیا شان ہے! اس خوبصورت قرأت کو رب جلیل عزوجل سماعت فرما رہا ہے، تیرے آنسو بہہ رہے ہیں، رخسار مٹی میں لت پت ہیں اور دل محبت الٰہی عزوجل میں مگن، یہ کہہ رہا ہے: اے میرے مالک ومولیٰ عزوجل! مجھے گناہوں کے بوجھ نے تجھ سے غافل رکھا۔ میرے گناہ بخش دے کیونکہ اب یہ بہت بڑھ چکے ہیں۔ اے میرے رب جلیل عزوجل! تو نے ہمیشہ میرے عیبوں پر پردہ ڈالا۔ پس ایسے قاریٔ قرآن کا ٹھکانہ کل بروز قیامت جنت میں ہوگا اور وہ قرب الٰہی عزوجل پائے گا اور اپنی رفیقۂ جنت کے ساتھ رہے گا۔ اے اس کے لئے بہترین اختیار کرنے والے جو تجھے اختیار کرتا ہے!''

جب اس لڑکی نے ایسے پُراثر اشعار سنے تو بے ہوش ہو کر نیچے گر گئی۔ جب افاقہ ہوا تو ریشمی لباس اتار پھینکا، سارنگی توڑ دی اور شراب دریا میں بہا دی اور پھر عرض کرنے لگی: ''اے محترم بزرگ! اگر میں توبہ کر لوں تو کیا اللہ مجھے قبول فرما لے گا؟'' میں نے کہا: ''کیوں نہیں، جبکہ وہ اپنی مقدس کتاب میں خود ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ

(پ۲۵، الشوریٰ: ۲۵)

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

پھر اس نے منہ سے نقاب ہٹایا اور کہنے لگی: ''اے محترم بزرگ! آپ میری اصلاح کا سبب بنے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے گزشتہ گناہوں کی معافی اور درگزر کا سوال کریں۔'' حضرت سیّدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''پھر ہم سب کشتی سے اتر کر

Scanned with CamScanner

ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس کے بعد وہ لڑکی مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ پھر ایک دفعہ میں حج کی سعادت سے بہرہ مند ہوا تو وہاں ایک پراگندہ بالوں والی لڑکی دیکھی۔ وہ کعبۃ اللہ شریف زادھا اللہ شرفا و تکریما کے غلاف سے لپٹ کر رو رو کر عرض کر رہی تھی: ''اے میرے معبود! میری رات کی مدہوشی اور نشے کا واسطہ! میرے گناہوں کو بخش دے۔'' میں نے کہا: ''رک جا! ایسے عزت والے مقام پر کیسا کلام کر رہی ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''اے ذوالنون! مجھ سے دور ہو جاؤ! کیونکہ جب میں نے گزشتہ رات خوشی و مسرت سے محبت حقیقی کا جام پیا تو آج یوں صبح کی کہ اپنے آقا و مولیٰ عزوجل کی محبت میں مدہوش تھی۔'' میں نے پوچھا: ''تمہیں میرا نام کس نے بتایا۔'' کہنے لگی: ''میں وہی لڑکی ہوں جو مصر کے دریائے نیل میں آپ کے ہاتھوں پر تائب ہوئی تھی۔'' میں نے پوچھا: ''تمہارا حسن و جمال کہاں گیا؟'' تو اس نے جواب میں درج ذیل اشعار پڑھے:

ذَهَبَتْ لَذَّةُ الصِّبَا فِي الْمَعَاصِيْ   وَبَقِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَخْذُ النَّوَاصِيْ
وَمَضَى الْحُسْنُ وَالْجَمَالُ وَمَالِيْ   عَمَلٌ اَرْتَجِيْهِ يَوْمَ الْخَلَاصِ
غَيْرَ ظَنِّيْ بِاللّٰهِ وَهُوَ جَمِيْلٌ   فِيْهِ اَخْلَصْتُ غَايَةَ الْاِخْلَاصِ

ترجمہ: (۱)...... بچپن کی لذت گناہوں میں ختم ہو گئی اور اس کے بعد صرف افسوس سے پیشانی پکڑنا باقی رہ گیا ہے۔

(۲)...... سب حسن و جمال چلا گیا اور میرے پاس کوئی ایسا عمل بھی نہیں جس کی وجہ سے بروز قیامت نجات کی امید کر سکوں۔

(۳)...... البتہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن کی دولت ہے اور اس میں میری نیت بالکل خالص ہے۔

اس کے بعد کہنے لگی: ''اے ذوالنون! میرے واپس آنے تک اسی جگہ ٹھہریے۔'' پھر وہ ایک لمحہ میں غائب ہو گئی۔ جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی جس میں ایک طرف تر کھجوریں اور دوسری طرف انجیر اور انگور رکھے ہوئے تھے۔ اس نے پلیٹ میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ستر سال عبادت کرنے کے باوجود میں اس مقام تک نہ

پہنچ سکا جہاں یہ لڑکی چند دنوں میں پہنچ گئی۔ پھر کہنے لگی: ''اے شیخ! جب میں نے بارگاہ الٰہی عزوجل میں حاضر ہو کر گناہوں کا اعتراف کیا اور سچی توبہ کی تو اس نے مجھے سچا توکل عطا فرمایا پھر اس نے مزید اشعار پڑھے:

عِشْ غَرِيْبًا وَّلَا تَذُلَّ لِخَلْقٍ   وَاطْلُبِ الرِّزْقَ فِيْ بِلَادِ الْحَبِيْبِ
ثُمَّ سِرْ فِي الْبِلَادِ شَرْقًا وَّ غَرْبًا   وَتَوَكَّلْ عَلَى الْقَرِيْبِ الْمُجِيْبِ
فَعَسٰى اَنْ تَنَالَ مَا تَرْتَجِيْهِ   بِيَدِ اللُّطْفِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبِ

ترجمہ: (۱)...... دنیا میں اجنبی کی سی زندگی گزار، مخلوق کے سامنے کبھی نہ جھک اور اپنا رزق محبوب حقیقی کی بارگاہ میں تلاش کر۔

(۲)...... پھر مشرق و مغرب کے ممالک میں سیر و سیاحت کر اور ہمیشہ شہ رگ سے زیادہ قریب اور دعائیں قبول کرنے والے پر ہی بھروسہ کر۔

(۳)...... قریب ہے کہ تو اپنے نزدیک سے ہی اللہ تعالیٰ کے دست فضل و احسان سے اس چیز کو پالے جس کی تجھے امید ہے۔

حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''پھر میں اس کی طرف متوجہ ہو لیکن وہ آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔''

اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ ہیں تائبین کی صفات اور مقربین کی علامات۔ اے بھائی! اپنے مولیٰ کی بارگاہ سے کبھی مت ہٹنا اگرچہ وہ تجھے دھتکار دے اور اس کے باب رحمت سے کبھی قدم نہ ہٹانا اگرچہ وہ تجھے قبول نہ کرے۔ (الروض)

(۱۶۲)

اور جب مسجد ضرار کو جلا دیا گیا

منافقین کو یہ تو جرات ہوتی نہ تھی کہ اعلانیہ اسلام کی مخالفت کرتے مگر وہ لوگ در پردہ اسلام کی بیخ کنی میں ہمیشہ مصروف رہتے اور اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ مسلمانوں میں اختلاف اور پھوٹ ڈال کر اسلام کو نقصان پہنچائیں۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے جہاں ان بے ایمانوں نے دوسری بہت سی فتنہ سامانیاں برپا کر رکھی تھیں ان میں سے ایک واقعہ رجب ۹ھ میں بھی رونما ہوا جو درحقیقت نہایت ہی خطرناک سازش تھی مگر حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس خوفناک مہم سے بذریعہ وحی آگاہ فرما دیا اور دشمنان اسلام کی ساری سکیموں پر پانی پھر گیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ رجب ۹ھ میں حضور اقدس ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ "تبوک" کے میدان میں جو مدینہ منورہ سے چودہ منزل پر دمشق کے راستہ پر واقع ہے۔ "ہرقل" شاہ روم مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے لشکر جمع کر رہا ہے آپ نے عرب میں سخت گرمی اور قحط کے باوجود جہاد کے لئے اعلان فرما دیا اور مسلمان جوق در جوق شوق جہاد میں مدینہ کے اندر جمع ہونے لگے۔

ابھی نبی اکرم ﷺ تیاریوں ہی میں مصروف تھے کہ منافقین نے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوچا کہ مسجد "قبا" کے مقابلہ میں اس حیلہ سے ایک مسجد تیار کریں اور منافقوں کا خاص مقصد یہ تھا کہ اس مسجد کو اسلام کی تخریب کاری کے لئے اڈا بنا کر اور اس میں جمع ہو کر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے اور سکیمیں بناتے رہیں اور شاہ روم کی خفیہ امدادوں اور اسلحہ وغیرہ کے ذخیروں کا اس مسجد کو مرکز بنائیں اور یہیں سے اسلام کے خلاف

ریشہ دوانیوں کا جال پورے عالم اسلام میں بچھاتے رہیں۔ یہ سوچ کر منافقین خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم لوگوں نے ضعیفوں اور کمزوروں کے لئے قریب ہی میں ایک مسجد بنائی ہے اب ہماری تمنا ہے کہ حضور ﷺ وہاں چل کر اس میں نماز پڑھ دیں تو وہ مسجد عنداللہ مقبول ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا: اس وقت تو میں ایک بہت ہی اہم جہاد کے لئے مدینہ سے باہر جا رہا ہوں واپسی پر دیکھا جائے گا۔

مگر جب آپ بخیریت اور فتح و کامرانی کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لائے تو وحی الٰہی کے ذریعہ اس مسجد کی تعمیر کا حقیقی سبب آپ کو معلوم ہو چکا تھا اور منافقین کی خفیہ اور خطرناک سازش بے نقاب ہو چکی تھی چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کو یہ حکم دے کر وہاں بھیجا کہ وہ وہاں جائیں اور اس مسجد کو آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیں۔

چونکہ اس مسجد کی بنیاد حقیقتاً تقویٰ اور للّٰہیت کی جگہ تفریق بین المسلمین اور تخریب اسلام پر رکھی گئی تھی اس لئے بلاشبہ وہ اس کی مستحق تھی کہ اس کو جلا کر برباد کر دیا جائے اور درحقیقت اس تخریب کاری کے اڈے کو مسجد کہنا حقیقت کے خلاف تھا اس لئے قرآن مجید نے اس حقیقت حال کو ظاہر کرتے ہوئے اعلان فرما دیا کہ یہ مسجد تقویٰ نہیں بلکہ "مسجد ضرار" کہلانے کی مستحق ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اس مسجد کے بارے میں قرآن مجید کے غضبناک تیور اور پرجلال الفاظ!

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (التوبہ رکوع ۱۳)

اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب سے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس

Scanned with CamScanner

کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا بیشک وہ مسجد کہ پہلے دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے لوگ اللہ کو پیارے ہیں۔

ایک ہی عمل، عمل کرنے والے کی نیت کے فرق سے ''اچھا'' بھی ہوسکتا ہے اور ''برا بھی''، طیب بھی بن سکتا ہے اور خبیث بھی۔

مسجد کی تعمیر ایک عمل خیر ہے مگر جب ''لوجہ اللہ'' کی نیت ہو تو ثواب ہی ثواب ہے اور اگر ''شر و فساد'' کی نیت ہو تو عذاب ہی عذاب ہے مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر مقبول بارگاہ اور باعث ثواب ہوئی کیونکہ ان دونوں مسجدوں کے بنانے والوں کی نیت خدا کی رضا اور ان دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی اور منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد مردود بارگاہ الٰہی ہو گئی اور سراسر باعث عذاب بن گئی کیونکہ اس مسجد کو تعمیر کرنے والوں کی نیت رضائے الٰہی نہیں تھی اور اس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ ان لوگوں کی غرض فاسد تخریب اسلام اور تفریق بین المسلمین تھی تو یہ مسجد قطعاً غیر مقبول ہو گئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس مسجد میں قدم رکھنے کی بھی ممانعت فرما دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسجد کو نہ صرف ویران فرما دیا بلکہ اس کو جلا کر نیست و نابود کر ڈالا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اگر کسی مسجد کو گمراہ فرقوں والے اہل حق کے خلاف کمین گاہ اور جاسوسی کا مرکز بنا کر اہل حق کے خلاف فتنہ پردازیاں کرنے لگیں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس مسجد میں نماز کے لئے نہ جائیں بلکہ اس کا بائیکاٹ کر کے اس کو ویران کر دیں اور ہرگز ہرگز نہ اس مسجد میں نماز پڑھیں نہ اس کی تعمیر و آبادکاری میں کوئی امداد و تعاون کریں۔

یا پھر تمام مسلمان مل کر گمراہ فرقوں کو اس مسجد سے بے دخل کر دیں اور اس مسجد کو اپنے قبضہ میں لے کر گمراہوں کا تسلط ختم کر دیں تا کہ ان لوگوں کے شر و فساد اور فتنہ انگیزیوں سے مسجد ہمیشہ کے لئے پاک ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۶۳)

کیا یہ محل آباد ہے؟

ایک دن مامون الرشید اپنے محل کی چھت پر گیا، کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص کوئلے کے ساتھ محل کی دیوار پر کچھ لکھ رہا ہے۔ اس نے اپنے ایک نوکر کو حکم دیا: جا کر دیکھو یہ شخص کیا لکھ رہا ہے اور اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ؟ نوکر دوڑتا ہوا گیا اور اسے پکڑ لیا۔ پوچھا: کیا لکھ رہے ہو؟ دیوار کی طرف دیکھا تو اس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

یَا قَصْرُ جُمِّعَ فِیْکَ الشُّوْمُ وَاللُّوْمُ
مَتٰی یُعَشِّشُ فِیْ اَرْکَانِکَ الْبُوْمُ

اے محل! تیرے اندر نحوست اور کمینگی جمع کی گئی ہے۔ تیرے گوشوں میں الو کب تک گھونسلہ بناتا رہے گا؟ خادم: تمہیں امیر المؤمنین یاد کر رہے ہیں۔

اجنبی: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے ان کے پاس نہ لے جاؤ!

خادم: تمہیں جانا پڑے گا۔

خادم اسے لے کر مامون کے پاس پہنچ گیا۔ جب یہ اجنبی اس کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے کہا: کم بخت! تجھے اس حرکت پر کس چیز نے ابھارا؟ اس نے کہا: امیر المؤمنین! آپ جانتے ہیں کہ اس محل میں کیا کچھ ہے؟ اس میں اموال کے خزانے، پوشاکیں، کھانے پینے کی انواع، بستر اور قالین، دوسرا ساز و سامان، لونڈیاں، خدام اور لڑکے وغیرہ ہیں۔ میں اس وقت اس کے پاس سے گزرا ہوں تو مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے اور میں بہت ہی تنگدست ہوں۔

Scanned with CamScanner

میں نے یہاں کھڑے ہو کر اپنے بارے میں سوچا اور اپنے دل میں کہا: میں بھوکا ہوں، یہ آباد محل میرے کس کام کا؟ اگر یہ ویران ہوتا اور میرا یہاں سے گزر ہوتا تو مجھے کوئی لکڑی ہی مل جاتی، پتھر مل جاتا یا کوئی کیل ہی مل جاتا جسے بیچ کر میں اپنی بھوک مٹا سکتا تھا۔ کیا امیر المؤمنین کو شاعر کا یہ قول معلوم نہیں ہے؟

اِذَا لَمْ یَکُنْ لِلْمَرْءِ فِیْ دَوْلَةِ امْرِیْءٍ
نَصِیْبٌ وَّلَا حَظٌّ تَمَنّٰی زَوَالَهَا
وَمَا ذَاكَ مِنْ بُغْضٍ لَّهَا غَیْرَ اَنَّهٗ
یُرَجّٰی سِوَاهَا فَهُوَ یَهْوِیْ اِنْتِقَالَهَا

○ جب کسی شخص کے لئے کسی مرد کی دولت میں حصہ اور نصیب نہ ہو تو وہ اس کے زوال کی آرزو کرے گا۔

○ یہ اس لئے نہیں کہ اسے اس دولت سے دشمنی ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ وہ اس کے ماسوا سے امید رکھتا ہے (یعنی اسے اس دولت والے سے فائدے کی امید نہیں ہاں کسی دوسرے کے پاس چلی جائے تو ممکن ہے فائدہ حاصل ہو جائے) لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ کسی دوسرے کے پاس چلی جائے۔

مامون نے اس شخص کی گفتگو سنی تو مسکرایا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ یہ شخص ادیب ہے اور محرومیت کا شکار ہے۔ بھوک اور ناداری نے اس کی ہڈیوں تک کو متاثر کر دیا ہے۔ اس نے ارادہ کیا کہ اس کی ناداری کا علاج ہونا چاہئے۔ غلام کو حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم پیش کرو۔ پھر کہا: جب تک ہمارا محل اپنے باشندوں کے ساتھ آباد اور اپنی دولت کے ساتھ مسرور رہے گا آپ کو ہر سال یہ رقم ملتی رہے گی۔ (دعا لینے کا کیا خوبصورت انداز ہے؟)

(مجانی الادب ج ۲ ص ۱۸۷۔ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

یہ کیسے سلاطین اور امراء تھے؟ جو فقراء اور مساکین پر شفقت کیا کرتے تھے؟ خصوصاً جب ادیبوں اور طالب علموں کی ذکاوت اور غیر معمولی استعداد دیکھتے تھے تو انہیں مالی امداد دیتے تھے تاکہ وہ اپنی دنیاوی ضروریات پوری کر لیں۔ اس طرح وہ علمی ترقی اور ادبی تحریک

کی سرپرستی کرتے تھے۔

آج بھی ارباب اقتدار ادیبوں، کالم نگاروں، دانشوروں اور عالموں کو نوازتے ہیں، لیکن وہ ان کے استحقاق (اور میرٹ) کو نہیں دیکھتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارا حامی ہے یا اسے حامی بنایا جا سکتا ہے یا اس کے پیچھے مؤثر سفارش ہے۔ مولانا قاضی عبدالنبی کوکب قدیم اور جدید علوم کے جامع اور بے باک خطیب تھے جب وہ حکومت پر تنقید کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ایوان حکومت تک دھمک پہنچ رہی ہے، انہوں نے ایک دفعہ کہا: صحیح عالم وہ ہے جسے خریدنے کے لئے حکومت کے خزانے میں سرمایہ نہ ہو۔

(ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۱۶۴)

یہ ہے فرض شناسی

ابوالعباس سفاح کا ولی عہد اس کا بھائی ابوجعفر منصور تھا۔ جب وہ طلب علم کے لیے ادھر ادھر پھرا کرتا تھا تو ایک دن ایک منزل پر اترا جہاں ہر آدمی سے دو درہم محصول لیا جاتا تھا۔ چوکیدار نے کہا: جب تک آپ محصول ادا نہ کریں گے، یہاں قیام پذیر نہیں ہو سکتے۔

منصور نے کہا: میں بنو ہاشم میں سے ہوں اور ابوالعباس کا بھائی ہوں، محصول سے درگزر کرو۔ اس نے کہا: حکم حاکم سے مجبور ہوں۔

منصور نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹوں میں سے ہوں۔

چوکیدار نے کہا: جو آئین ہے اس کے خلاف کس طرح عمل کر سکتا ہوں؟

منصور نے کہا: میں قرآن مجید جانتا ہوں، عالم، فقیہ اور ماہر فرائض ہوں۔ دو درہم کیا میں ہزار ہزار درہم کا ایک نکتہ بیان کروں گا۔ چوکیدار نے کہا: یہ سب صحیح ہے لیکن آئین سلطنت میں کسی کے ساتھ رواداری جائز نہیں ہے، اس لیے مجھے اس معاملے میں معذور سمجھو۔

ایک ادنیٰ چوکیدار اپنے فرائض کی بجا آوری میں اس شخص کا جو بنو ہاشم میں سے ہے، عالم اور فقیہ ہے اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد خلیفہ بننے والا ہے، کوئی لحاظ نہیں کرتا۔ کیا آج بھی ملازمین اور غیر ملازمین اپنے فرائض کی بجا آوری میں ایسی ہی مستعدی کے ساتھ مساوات اور حریت کا اظہار کر رہے ہیں۔ (ناقابل فراموش واقعات از محمد دین فوق 139)

(۱۶۵)

مقبولیت اسے کہتے ہیں

منقول ہے، جب حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ممنوعہ درخت سے کھایا اور آپ علیہ الصلوٰۃ و السلام کو رب تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ بھلا دیا گیا تو جنتی لباس علیحدہ ہو گیا۔ وہاں کی ہر چیز آپ علیہ الصلوٰۃ و السلام سے نامانوس ہو گئی۔ چنانچہ، آپ علیہ الصلوٰۃ و السلام جلدی سے بھاگتے ہوئے جنتی درختوں کے پتوں میں چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: ''اے آدم! کیا تم مجھ سے بھاگتے ہو؟'' عرض کی: ''نہیں، اے میرے رب عزوجل! بلکہ مجھے تجھ سے حیاء آتی ہے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں نے تجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا؟ کیا میں نے تیرے لئے ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم نہ دیا؟ کیا میں نے تجھ میں اپنی طرف سے خاص روح نہ پھونکی؟ کیا میں نے تجھے اپنے قرب میں جگہ عطا نہ فرمائی؟ کیا میں نے تیرے لئے اپنی جنت مباح نہ کی؟ پس یہاں سے الگ ہو جا کیونکہ لغزش والا یہاں نہیں رہتا۔'' اس پر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ و السلام جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا، روتے رہے۔ پھر عرض کی: ''اے میرے معبود! اگر تو مجھ پر رحم نہ کرے گا تو کون کرے گا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ یوں دعا کر: "سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْٓءًا اَوْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ" یعنی اے اللہ تعالیٰ! تو ہر عیب سے پاک ہے اور تعریف کے لائق تیری ہی ذات ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، مجھ سے

Scanned with CamScanner

لغزش ہوئی اور میں نے اپنی جان پر زیادتی کی پس تو میری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور مہربان ہے۔"

(مذکورہ کلمات کے متعلق) حضرت سیّدنا مجاہد علیہ الرحمۃ اللہ اور مفسرین کے ایک گروہ کا قول ہے کہ "یہ وہ کلمات ہیں جو حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے سیکھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ والسلام کی توبہ قبول فرمائی۔" (الروض)

(۱۶۶)

مردودیّت اسے کہتے ہیں

فرعون جب اپنے لشکروں کے ساتھ دریا میں غرق ہونے لگا تو ڈوبتے وقت تین مرتبہ اس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا مگر اس کا ایمان مقبول نہیں ہوا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرا لہٰذا بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ فرعون مومن ہو کر مرا۔ اس کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔

(صاوی ج۲ص۸۷۲)

ڈوبتے وقت ایک مرتبہ فرعون نے "امنت" کہا یعنی میں ایمان لایا دوسری مرتبہ اٰنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ کہا یعنی اس اللہ کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے دوسرا کوئی خدا نہیں ہے اور تیسری بار یہ کہا: وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ میں مسلمان ہوں۔ روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرعون کے منہ میں خداوند تعالیٰ کے حکم سے کیچڑ بھر دی اور وہ اچھی طرح کلمہ ایمان ادا نہیں کر سکا۔ (جلالین)

یہ بھی ایک حکایت منقول ہے کہ جب فرعون تخت سلطنت پر بیٹھ کر خدائی کا دعویٰ کرتا تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آدمی کی شکل میں اس کے پاس یہ فتویٰ طلب کرنے کے لئے تشریف لے گئے وہ کیا کہتے ہو؟ بادشاہ اس غلام کے بارے میں جو اپنے مولیٰ کے دیئے ہوئے مال اور اس کی نعمتوں میں پلا بڑھا پھر اس نے اپنے مولیٰ کی ناشکری کی اور اس کے حقوق کا انکار کرتے ہوئے خود اپنی سیادت کا اعلان کر دیا بلکہ خدائی کا دعویٰ کرنے لگا؟ فرعون نے اس کا جواب یہ لکھا کہ ایسا غلام جو اپنے مولیٰ کی ناشکری کر کے اپنے مولیٰ کا باغی

Scanned with CamScanner

ہو گیا اس کی سزا یہی ہے کہ وہ دریا میں غرق کر دیا جائے چنانچہ جب ڈوبتے وقت فرعون پر موت کا غرغرہ سوار ہو گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرعون کا وہ دستخطی فتویٰ اس کو دکھایا اس کے بعد فرعون مر گیا۔ (صاوی ج ۲ ص ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ (یونس رکوع ۹)

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو بولا میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں کیا اب؟ اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا آج ہم تیری لاش کو تیرا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی ہو اور بیشک بہت سے لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔

فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد بھی بنی اسرائیل پر اس کی ہیبت کا اس درجہ دبدبہ چھایا ہوا تھا کہ لوگوں کو فرعون کی موت میں شک و شبہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو خشکی پر پہنچا دیا اور دریا کی موجوں نے اس کی لاش کو ساحل پر ڈال دیا تا کہ لوگ اس کو دیکھ کر اس کی موت کا یقین بھی کر لیں اور اس کے انجام سے عبرت بھی حاصل کریں۔

مشہور ہے کہ اس کے بعد ہی سے پانی نے لاشوں کو قبول کرنا چھوڑ دیا اور ہمیشہ پانی لاشوں کو اوپر تیراتا رہتا ہے یا کنارے پر پھینک دیتا ہے۔ (صاوی ج ۲ ص ۱۷۲)

ایک ضروری مسئلہ

فرعون نے باوجودیکہ تین مرتبہ اس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا مگر پھر بھی اس کا

ایمان مقبول نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے تین وجہیں بیان فرمائی ہیں۔

اول یہ کہ فرعون نے اپنے ایمان کا اقرار اس وقت کیا جب عذاب الٰہی اس کے سر پر مسلط ہو گیا اور موت کا غرغرہ اس پر طاری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آ جاتا ہے تو اس وقت ان کا ایمان لانا ان کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچاتا۔

چونکہ فرعون عذاب آ جانے کے بعد جب موت کا غرغرہ سوار ہو گیا اس وقت ایمان لایا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ایمان کو قبول نہیں فرمایا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کے منہ میں کیچڑ بھر دیں اور یہ کہہ دیں کہ اب تو ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو ہمیشہ ایمان لانے سے انکار کرتا رہا اور لوگوں کو گمراہ کر کے فساد پھیلاتا رہا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خدا کی توحید کے ساتھ رسول کی رسالت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور فرعون نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ" کہا یعنی صرف خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان نہیں لایا اس لئے وہ مومن نہ ہو سکا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ فرعون نے ایمان لانے کے قصد سے کلمہ ایمان کا تلفظ نہیں کیا تھا بلکہ صرف غرق سے بچنے کے لئے یہ کلمہ کہا تھا جیسا کہ اس کی عادت تھی کہ ہر مصیبت اور عذاب نازل ہونے کے وقت وہ گڑگڑا کر خدا کی طرف رجوع کرتا تھا لیکن مصیبت ٹل جانے کے بعد پھر اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کہہ کر اپنی خدائی کا ڈنکا بجایا کرتا تھا۔ معلوم ہوا کہ صرف کلمہ اسلام کا تلفظ جب کہ ایمان لانے کی نیت نہ ہو بلکہ جان بچانے کے لئے کہا ہو یہ ایمان کے لئے کافی نہیں ہے لہٰذا فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہوا اور صحیح قول یہی ہے کہ فرعون کفر ہی کی حالت میں غرق ہو کر مرا اس پر قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں شاہد عدل ہیں اسی لئے علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا: جن بعض لوگوں نے یہ کہا: فرعون مومن ہو کر مرا ان لوگوں کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

Scanned with CamScanner

(۱۶۷)

اللہ کی مدد شامل حال ہو تو غلبہ یقینی ہے

ہرمزان ایرانیوں کا ایک بڑا کمانڈر، شہرتُستر کی فتح کے وقت مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا، اسے امیرالمؤمنین عمر فاروق ؓ کے پاس لایا گیا تو وہ اسلام لے آیا۔ جب ایرانیوں کا عظیم کمانڈر ہرمزان اپنی قوم کے ساتھ مدینہ منورہ آیا تو اس کے سر پر سونے کا تاج تھا۔ اس نے ریشم اور دیباج کا لباس پہن رکھا تھا جس پر سونے کے تاروں کی کڑھائی کی ہوئی تھی۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی ملاقات کے لئے ان کے گھر گیا تو ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ پوچھا: وہ کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ وہ مسجد میں کوفہ سے آئے ہوئے وفد سے ملاقات کر رہے ہیں۔ مسجد میں گئے تو امیرالمؤمنین وہاں بھی نہیں تھے۔ واپسی پر مدینہ منورہ کے کچھ بچوں سے ملاقات ہوگئی جو کھیل رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا: کیا آپ امیرالمؤمنین سے ملنا چاہتے ہیں؟ وہ مسجد نبوی کی دائیں جانب اپنی چادر کا تکیہ بنا کر آرام فرما رہے ہیں۔ جب بتائی ہوئی جگہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس کوئی بھی نہیں ہے۔ حیرت کی بات یہ کہ مسجد میں بھی کوئی نہیں تھا۔ درۂ فاروقی ان کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ ہرمزان: عمر کہاں ہیں؟

حاضرین: یہ جو تمہارے سامنے آرام فرما ہیں۔

ہرمزان: ان کے محافظ اور دربان کہاں ہیں؟

حاضرین: ان کا کوئی محافظ اور دربان نہیں ہے، نہ ہی ان کا کوئی دفتر ہے۔

ہرمزان انگشت بدنداں رہ گیا کہ دنیا کی دو سپر طاقتوں کو چیلنج کرنے والا یوں تن تنہا زمین

پر آرام کر رہا ہے۔ نہ قالین کی حاجت، نہ سکیورٹی کی ضرورت، بے ساختہ پکار اٹھا کہ انہیں تو نبی ہونا چاہئے؟ حاضرین نے یہ نبی تو نہیں ہیں، نبیوں والے کام ضرور کرتے ہیں۔

لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا۔ ان کی ملی جلی آوازیں سن کر حضرت عمر فاروق ؓ بیدار ہو گئے۔ ہرمزان کو دیکھا تو فرمایا: ہرمزان ہو؟ حاضرین نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپ نے اسے اور اس کے لباس کو غور سے دیکھا اور چند کلمات ارشاد فرمائے، جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

میں اہل نار سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے اسلام کے ذریعے اسے (ہرمزان) اور اس کے ساتھیوں کو ذلیل کیا۔ اے گروہ مسلمین! تمہیں دنیا ہرگز ناشکرانہ بنا دے کیونکہ یہ دھوکہ دینے والی ہے۔ وفد نے کہا: یہ اہواز کا بادشاہ ہے۔ اس کے ساتھ گفتگو فرمائیں۔

فرمایا: اس سے اس وقت تک گفتگو نہیں ہوگی جب تک اس کے زیورات میں سے کوئی چیز موجود ہے۔ زیب و زینت کا تمام سامان اتار دیا گیا۔ صرف اتنا لباس رہنے دیا گیا جو اس کے جسم کو ڈھانپ سکے۔ نیز اسے موٹا کپڑا پہنایا گیا۔

تب آپ نے فرمایا: ہرمزان! بتاؤ! تم نے عہد شکنی کا وبال اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انجام کیسا پایا؟ بولو! ہرمزان: زندوں والی گفتگو کروں یا مردوں والی؟

امیرالمؤمنین: تو بات کر تجھ پر کچھ حرج نہیں ہے۔

ہرمزان: اے عمر! اے گروہ عرب! جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور تمہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا تو ہم تمہیں قتل کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ ہمارے ساتھ تھا اور نہ تمہارے ساتھ لیکن اب اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تھا۔ اس لئے ہمارے بازوؤں میں جان نہ رہی۔

فاروق اعظم نے فرمایا: دور جاہلیت میں تم ہم پر اس لئے غالب تھے کہ تم مجتمع تھے اور ہم بکھرے ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاروق اعظم ؓ کی زبان پر حکمت و دانش جاری فرما دی کیونکہ کسی بھی قوم کا بکھرا ہوا ہونا اس کی ناکامی کا سبب ہے اور ان کا مجتمع ہونا فتح و نصرت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ

رِيْحُكُمْ ۔

تم آپس میں نہ جھگڑو! ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

پھر فرمایا: تیرے پاس بغاوت کرنے اور یکے بعد دیگرے معاہدہ توڑنے کا کیا عذر ہے؟ اور کیا حجت ہے؟

ہرمزان: مجھے خوف ہے کہ آپ مجھے بیان کرنے سے پہلے قتل کر دیں گے۔

فاروق اعظم: تو اس بات کا خوف نہ کر۔

ہرمزان نے پانی مانگا، اسے پانی لا کر دیا گیا۔ اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔

ہرمزان: مجھے خوف ہے کہ مجھے پانی پیتے ہوئے قتل کر دیا جائے گا۔

فاروق اعظم: تمہارے پانی پینے تک کوئی حرج نہیں ہے۔ (تمہیں قتل نہیں کیا جائیگا) ہرمزان پانی زمین پر گرا دیتا ہے۔

فاروق اعظم: اسے دوبارہ پانی لا دو۔ اس کے لئے قتل اور پیاس دو چیزوں کو جمع نہ کرو۔

ہرمزان کا چہرہ اس شخص کی طرح فرط مسرت سے جگمگا اٹھا جسے گم ہونے کے بعد مقصد پھر سے دستیاب ہو جائے۔

کہنے لگا: مجھے پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا مقصد تو امن حاصل کرنا تھا۔

فاروق اعظم: میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔

ہرمزان: امیر المؤمنین! آپ مجھے امن دے چکے ہیں۔

فاروق اعظم: تم جھوٹ بولتے ہو۔

حضرت انس بن مالک ؓ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: امیر المؤمنین! آپ اسے امن دے چکے ہیں۔

فاروق اعظم: اَرے بندۂ خدا انس! کیا میں اس جیسے شخص کو امن دوں گا؟

براء بن مالک: ہاں! آپ اسے امن دے چکے ہیں۔ کیا آپ نے اسے یہ نہیں کہا؟ کہ تجھ پر کوئی حرج نہیں، یہاں تک کہ تو مجھے خبر دے۔

فاروق اعظم: ہاں! یہ تو میں نے کہا ہے۔

براء بن مالک: کیا آپ نے اسے یہ نہیں فرمایا: تو امن والا ہے یہاں تک کہ تو پانی پی لے۔

حضرت فاروق اعظم ؓ نے حق کی طرف رجوع کر لیا اور جان لیا کہ وہ اسے امن دے چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو حق کا پابند کیا اور شریعت کے حکم سے تجاوز نہیں کیا۔ سلاطین اور امراء کو اسی طرح ہونا چاہئے۔

فاروق اعظم ؓ نے ہرمزان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں سوائے مسلمان کے کسی سے دھوکہ نہیں کھاتا لیکن تو نے مجھے دھوکہ دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسی طرح منظور تھا۔

پھر ہرمزان اسلام لے آیا۔ حضرت فاروق اعظم ؓ نے اسے مدینہ منورہ میں ٹھہرایا اور نگرانی میں رکھا۔ (تاریخ طبری۔ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

یہ حال تھا مسلمان حکمرانوں اور رعایا کے معاہدوں کا۔ وہ ان کی پاسداری کرتے تھے اگرچہ بھول کر یا خطا ہی سے ہو جائیں کیونکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات ایفائے عہد کا تقاضا کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۸/۲۳)

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے ہیں۔

برخلاف غیر مسلموں کے انہیں اپنے عہد و پیمان کا اتنا پاس ہرگز نہیں ہوتا۔

یاد رہے! براء بن مالک بن نضر خزرجی جلیل القدر صحابی اور انتہائی بہادر لوگوں میں سے تھے، یہ حضرت انس بن مالک کے بھائی تھے (ؓ) ایک سو افراد کو چیلنج کر کے قتل کیا، مبارزت کے بغیر جنگوں میں جن کو قتل کیا وہ ان کے علاوہ تھے۔ تستر کی فتح کے دن حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے میمنہ کے کمانڈر تھے، تستر کے مشرقی دروازے پر ۲۰ھ میں شہید ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

Scanned with CamScanner

(۱۶۸)

حق گو مشیر

مبارک بن فضالہ خلیفہ منصور کے مشیران میں سے تھے۔ایک دن وہ منصور کے پاس بیٹھے تھے۔منصور نے ایک شخص کو اس کے کسی قصور پر قتل کی سزا دی۔مبارک نے کہا:

امیر المؤمنین! میں نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

قیامت کے دن منادی کی جائے گی کہ جن لوگوں کا کوئی اجر اللہ کے اوپر ہو وہ کھڑے ہو جائیں۔کوئی شخص کھڑا نہ ہوگا سوائے اس کے جس نے کسی کی جان بخشی کی ہو۔پھر اس کا قصور بھی ایسا سخت نہیں ہے۔عفو اور جان بخشی کے نتائج بہت اچھے نکلا کرتے ہیں۔منصور نے حکم دیا کہ اس شخص کو (تنبیہ کر کے) رہا کر دیا جائے۔

اسی طرح ایک اور شخص سزا یابی کے لیے خلیفہ کے حضور پیش کیا گیا۔اس شخص نے کہا: امیر المؤمنین! عفو انتقام سے بہتر ہے۔ہم آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔اللہ آپ کو کسی لغزش اور سختی میں مبتلا نہ کرے اور اعلیٰ مراتب پر پہنچائے۔منصور نے اس کا قصور بھی معاف کر دیا۔

(تاریخ الخلفاء:۱۴۴)

(۱۶۹)

ماں کی محبت سے بڑھ کر ہے

حضرت سیدنا کعب الاحبار رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: ''بروز قیامت جب عدن کے سمندر کی گہرائی سے آگ نکلے گی تو تمام لوگ میدان محشر کی طرف ہانکے جائیں گے۔ میدان قیامت کی ہولناکیوں سے لوگ متحیر، پیاسے، مدہوش اور کانپتے ہوں گے کہ اسی دوران اللہ تعالیٰ تجلی فرمائے گا تو اس کے نور سے زمین روشن ہو جائے گی اور مخلوق ایک دوسرے کو دیکھ لے گی اور ماں اپنے بیٹے کو دیکھے گی جس سے دنیا میں وہ بہت محبت کرتی تھی۔ وہ اسے پہچان کر کہے گی: ''اے میرے بیٹے! کیا میرا پیٹ تیری پناہ گاہ نہ تھا؟ کیا میری گود تیرے لئے نرم بستر نہ تھی؟ کیا میرا دودھ تیرے لئے سیرابی کا باعث نہ تھا؟'' تو بیٹا پوچھے گا: ''اے میری ماں! تو کیا چاہتی ہے؟'' وہ کہے گی: ''میرے گناہ مجھ پر بھاری ہو گئے ہیں تو ان میں سے صرف ایک گناہ اٹھا لے۔'' تو وہ کہے گا: ''یہ بات ناممکن ہے! آج ہر جان اپنے عملوں میں گروی (یعنی رہن) ہے۔ اے میری ماں! اگر میں تیرا بوجھ اٹھا لوں تو میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟'' اسی دوران اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک منادی اعلان کرے گا: ''اے فلاں بن فلاں! آؤ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو جاؤ۔'' یہ اعلان سنتے ہی اس شخص کا رنگ متغیر ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے حیاء کے سبب اس کے اعضاء بے چین ہو جائیں گے۔ جب ماں اپنے بیٹے کی گھبراہٹ ملاحظہ کرے گی تو پوچھے گی: ''اے میرے بیٹے! کیا ہوا؟'' وہ جواب میں کہے گا: ''اے میری ماں! مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کے

Scanned with CamScanner

لئے بلایا گیا ہے، اب میں اس سے بھاگ کر کہاں چھپوں یا میرا چھٹکارا کیسے ہو؟'' اسی دوران دو فرشتے اس کی طرف بڑھیں گے اور اسے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیں گے۔ جب اس کی ماں دیکھے گی تو اسے سینے کی طرف کھینچے گی اور اپنے بالوں سے چھپائے گی اور اپنی پوری طاقت سے فرشتوں کو اس سے دور کرنے کی کوشش کرے گی لیکن دور نہ کر سکے گی۔ جب دیکھے گی کہ وہ ان سے اپنا بیٹا نہیں لے سکتی تو روتے ہوئے فرشتوں سے کہے گی: ''اس ذات کی قسم جس نے مجھے میری قبر سے اٹھایا ہے! اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تم دونوں کو اپنا بیٹا نہ لے جانے دیتی۔'' پھر وہ اسے روتے ہوئے الوداع کرے گی اور کہے گی: ''اے میرے بیٹے! میں تجھے اس ذات کی قسم دیتی ہوں جس نے اپنی بارگاہ میں پیشی اور حساب کتاب کے لئے تجھے بلایا! اگر تجھے نجات ملے تو مجھے مت بھولنا۔ میں بہت دیر سے کھڑی ہوں، بہت حسرت زدہ ہوں اور میری تکلیف اور پیاس بہت شدت اختیار کر گئی ہے۔''

حضرت سیّدنا کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''پھر دو فرشتے اس کے بیٹے کو ''سدرۃ المنتھی'' پر مقرر فرشتے کے سپرد کر دیں گے۔'' وہ پوچھے گا: ''تمہارا تعلق کس امت سے ہے؟'' تو لڑکا جواب میں کہے گا: ''میں حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا امتی ہوں۔'' فرشتہ کہے گا: ''خوشخبری ہے تیرے لئے اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے۔'' پھر وہ فرشتہ اسے نور میں داخل کر دے گا۔ کوئی اندازے سے نہیں جان سکتا کہ وہ کہاں جائے گا، دائیں یا بائیں، آگے یا پیچھے۔ (واللہ اعلم بالصواب) اچانک اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز سنائی دے گی: ''ٹھہر جا! میں تیرا رب ہوں، اپنے اعضاء کو پرسکون رہنے دے اور اپنے دل کو اطمینان دے۔ میرے عزت وجلال کی قسم! تجھے تیری ماں اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور اپنے سینے سے چمٹا رہی تھی تو میں تجھ پر اس سے بھی بڑھ کر شفیق ہوں۔'' پھر ارشاد ہوگا: ''اے میرے بندے! اپنا نامۂ اعمال پڑھ۔'' تو وہ اسے پڑھے گا لیکن جب کوئی گناہ پائے گا تو آواز آہستہ کر لے گا اور جب کوئی نیکی پائے گا تو آواز بلند کر لے گا' تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اے میرے بندے! اپنی نیکی کو بلند آواز سے اور برائی کو پست آواز سے کیوں پڑھتا ہے؟'' تو وہ روتے ہوئے عرض کرے گا: ''یا اللہ! مجھے معلوم ہے کہ تو اچھائی کو ظاہر کرتا ہے

اور برائی کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اے میرے بندے! میں نے تیرے گناہوں اور عیبوں کو مخلوق سے کیسے پوشیدہ رکھا جبکہ تو نے ان کے ذریعے میرا مقابلہ کیا۔ کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میں تجھ سے باخبر تھا اور تجھے دیکھ رہا تھا؟'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے مالک و مولیٰ عزوجل! مجھ میں تیری ڈانٹ ڈپٹ سننے کی طاقت نہیں تو مجھے جہنم میں جانے کا حکم دے دے۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اگر میں تجھے جہنم میں جانے کا حکم دے دوں تو میرا جود وکرم اور عفو و درگزر کس کے لئے ہوگا؟ (پھر اللہ تعالیٰ فرمائیگا) اے فرشتو! میرے بندے کو میرے فضل ورحمت سے جنت میں لے جاؤ۔'' وہ پھر عرض کرے گا: ''اے میرے معبود و مالک عزوجل! میری والدہ دنیا میں مجھے بہت چاہتی تھی اور مجھ پر بہت شفقت کرتی تھی اور آج اس نے مجھے دیکھا تو مجھ سے مدد مانگی اور چاہا کہ میں اس کی مدد کروں۔ اے میرے مولیٰ عزوجل! اگر تو نے مجھے معاف کر دیا ہے تو میرا ٹھکانہ میری بجائے میری والدہ کو بخش دے، اب وہ جس عذاب میں ہے اس سے برداشت نہیں ہو رہا۔'' تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ''میرے عزت وجلال کی قسم! تم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتا بلکہ تم پر رحم کر چکا ہوں (پھر فرمائے گا) اے میرے فرشتو! ان دونوں کو میری جنت میں لے جاؤ اور میں سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہوں۔ (الروض الفائق)

(۱۷۰)

یونس علیہ السلام کا واقعہ

حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شہر ''نینویٰ'' کے باشندوں کی ہدایت کے لیے رسول بنا کر بھیجا تھا! یہ موصل کے علاقہ کا ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں کے لوگ بت پرستی کرتے تھے اور کفر وشرک وغیرہ بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان لوگوں کو ایمان لانے اور بت پرستی چھوڑنے کا حکم دیا، مگر ان لوگوں نے اپنی سرکشی اور تمرد کی وجہ سے اللہ کے رسول کو جھٹلا دیا اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں خبر دی کہ تم لوگوں پر عنقریب عذاب آنے والا ہے۔ یہ سن کر شہر کے لوگوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہی ہے۔ اس لیے یہ دیکھو کہ اگر وہ رات کو اس شہر میں رہیں جب تو سمجھ لو کہ کوئی خطرہ نہیں ہے اور اگر انہوں نے اس شہر میں رات نہ گزاری تو یقین کر لینا چاہیے کہ ضرور عذاب آئے گا۔ رات کو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت یونس علیہ السلام شہر سے باہر تشریف لے گئے اور واقعی صبح ہوتے ہی عذاب کے آثار نظر آنے لگے، کیوں چاروں طرف سے کالی بدلیاں نمودار ہوئیں اور ہر طرف سے دھواں اٹھا کہ شہر پر چھا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر شہر کے باشندوں کو یقین ہو گیا کہ عذاب آنے ہی والا ہے تو لوگوں کو حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش وجستجو ہوئی، مگر وہ دور دور تک کہیں نظر نہیں آئے۔ اب شہر والوں کو اور زیادہ خطرہ اور اندیشہ ہو گیا۔ چنانچہ شہر کے تمام لوگ خوف خداوندی سے ڈر کر کانپ اٹھے، اور سب کے سب عورتوں بچوں بلکہ اپنے مویشیوں کو ساتھ لے کر اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر روتے ہوئے جنگل میں نکل گئے اور رو رو کر صدق دل سے حضرت

یونس علیہ السلام پر ایمان لانے کا اقرار واعلان کرنے لگے۔ شوہر بیوی سے اور مائیں بچوں سے الگ ہو کر سب کے سب توبہ واستغفار میں مشغول ہو گئے اور دربار باری میں گڑگڑا کر گریہ وزاری شروع کر دی۔ جو مظالم آپس میں ہوتے تھے ایک دوسرے سے معاف کرانے لگے اور جتنی حق تلفیاں ہوئی تھیں سب کی آپس میں معافی تلافی کرنے لگے۔ غرض سچی توبہ کر کے خدا سے یہ عہد کر لیا کہ حضرت یونس علیہ السلام جو کچھ خدا کا پیغام لائے ہیں ہم ان پر صدق دل سے ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ کو شہر والوں کی بیقراری اور مخلصانہ گریہ وزاری پر رحم آیا اور عذاب اٹھا لیا گیا۔ ناگہاں دھواں اور عذاب کی بدلیاں رفع ہو گئیں اور تمام لوگ پھر شہر میں آ کر امن وچین کے ساتھ رہنے لگے۔

امتیازی سلوک

اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے خداوند قدوس نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (یونس رکوع ۱۰ پ ۱۱)

تو ہوئی ہوگی نہ کوئی بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان کام آتا، ہاں یونس کی قوم جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں ہٹا دیا اور ایک وقت تک انہیں فائدہ اٹھانے کا موقع دے دیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آ جاتا ہے تو عذاب آ جانے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں ہوتا مگر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی بدلیاں آ جانے کے بعد بھی جب وہ لوگ ایمان لائے تو ان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔

طبرانی شریف کی روایت ہے کہ شہر نینویٰ پر جب عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگے اور حضرت یونس علیہ السلام باوجود تلاش وجستجو کے لوگوں کو نہیں ملے تو شہر والے گھبرا کر اپنے ایک عالم کے پاس گئے۔ جو صاحب ایمان اور شیخ وقت تھے اور ان سے فریاد کرنے لگے، تو انہوں نے حکم دیا کہ تم لوگ یہ وظیفہ پڑھ کر دعا مانگو: یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ وَیَا حَیُّ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَ

یَا حَیُّ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ چنانچہ لوگوں نے یہ پڑھ کر دعا مانگی تو عذاب ٹل گیا لیکن مشہور محدث اور صاحب کرامت ولی حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ شہر نینویٰ کا عذاب جس دعا کی برکت سے دفع ہوا وہ دعا یہ تھی اَللّٰھُمَّ اِنَّ ذُنُوْبَنَا قَدْ عَظُمَتْ وَجَلَّتْ وَاَنْتَ اَعْظَمُ وَاَجَلُّ فَافْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَھْلُهٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَھْلُهٗ بہرحال عذاب ٹل جانے کے بعد جب حضرت یونس علیہ السلام شہر کے قریب آئے تو آپ نے شہر میں عذاب کا کوئی اثر نہیں دیکھا۔ لوگوں نے عرض کیا: آپ اپنی قوم میں تشریف لے جائیے' آپ نے فرمایا: کس طرح اپنی قوم میں جا سکتا ہوں؟ میں تو ان لوگوں کو عذاب کی خبر دے کر شہر سے نکل گیا تھا' مگر عذاب نہیں آیا' اب وہ لوگ مجھے جھوٹا سمجھ کر قتل کر دیں گے۔ آپ یہ فرما کر اور غصہ میں بھر کر شہر سے پلٹ آئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے یہ کشتی جب بیچ سمندر میں پہنچی تو کھڑی ہو گئی وہاں کے لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وہی کشتی سمندر میں کھڑی ہو جایا کرتی ہے جس کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کشتی والوں نے قرعہ نکالا' تو حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا قرعہ نکلا' تو کشتی والوں نے آپ کو سمندر میں پھینک دیا اور کشتی لے کر روانہ ہو گئے اور فوراً ہی ایک مچھلی آپ کو نگل گئی اور مچھلی کے پیٹ میں جہاں بالکل اندھیرا تھا آپ مقید ہو گئے' مگر اسی حالت میں آپ نے آیت کریمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ کا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا' تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اندھیری کوٹھڑی سے نجات دی اور مچھلی نے کنارے پر آ کر آپ کو اگل دیا۔ اس وقت آپ بہت ہی نحیف و کمزور ہو چکے تھے۔ خدا کی شان کہ اس جگہ کدو کی ایک بیل اگ گئی اور آپ اس کے سایہ میں آرام کرتے رہے۔ پھر جب آپ میں کچھ توانائی آ گئی تو اپنی قوم میں تشریف لائے اور سب لوگ انتہائی محبت و احترام کے ساتھ پیش آ کر آپ پر ایمان لائے۔ (صاوی ج ۳ ص ۴۷ وغیرہ کتب تفاسیر) حضرت یونس علیہ السلام کی اس دردناک سرگزشت کو قرآن کریم نے ان لفظوں میں بیان فرمایا:

آپ کی رسالت اور قرآن کی ہدایت

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ۝
فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝
فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ۝
وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ ۝

(الصّٰفّٰت رکوع ۵ پارہ ۲۳)

اور بیشک یونس علیہ السلام پیغمبروں میں سے ہیں جب کہ وہ بھری کشتی کی طرف نکل گئے' قرعہ ڈالا' تو وہ دریا میں دھکیل دیئے گئے۔ پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتے تھے' اگر وہ تسبیح کرنے والے نہ ہوتے تو ضرور اس کے پیٹ میں رہتے جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے پھر ہم نے انہیں میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھے اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ اگایا اور ہم نے ان کو ایک لاکھ آدمیوں کی طرف بلکہ کچھ زیادہ کی طرف بھیجا تو وہ ایمان لائے پھر ہم نے انہیں ایک وقت تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔

(۱) نینویٰ والوں کی سرگزشت سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب کسی قوم پر کوئی بلا عذاب بن کر نازل ہو تو اس بلا سے نجات پانے کا یہی طریقہ ہے کہ لوگوں کو توبہ و استغفار میں مشغول ہو کر دعائیں مانگنی چاہئے' تو امید ہے کہ بندوں کی بے قراری اور ان کی گریہ و زاری پر ارحم الراحمین رحم فرما کر بلاؤں کے عذاب کو دفع فرما دے گا!

(۲) حضرت یونس علیہ السلام کی دل ہلا دینے والی مصیبت اور مشکلات سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کس کس طرح امتحان میں ڈالتا ہے لیکن جب بندے امتحان میں پڑ کر صبر و استقامت کا دامن نہیں چھوڑتے اور عین بلاؤں کے طوفان میں بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتے' تو ارحم الراحمین اپنے بندوں کی نجات کا غیب سے ایسا انتظام فرما دیتا ہے کہ کوئی اس کو سوچ بھی نہیں سکتا۔ غور کیجئے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب کشتی والوں نے سمندر میں پھینک دیا تو ان کی زندگی اور سلامتی کا کون سا ذریعہ باقی رہ گیا تھا؟ پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا تو اب بھلا ان کی حیات کا کون سا سہارا رہ گیا تھا؟ مگر اسی حالت میں

Scanned with CamScanner

آپ نے جب آیت کریمہ کا وظیفہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ و سلامت رکھا اور پھر مچھلی کے پیٹ سے انہیں ایک میدان میں پہنچا دیا اور پھر انہیں تندرستی و سلامتی کے ساتھ ان کی قوم اور وطن میں پہنچا دیا اور ان کی تبلیغ کی بدولت ایک لاکھ سے زائد آدمیوں کو ہدایت مل گئی!

(عجائب وغرائب القرآن)

(۱۷۱)

آپ خلیفہ کے احترام میں کھڑے کیوں نہیں ہوئے؟

عظیم الشان سلطنت کا فرماں روا، خلیفۂ عباسی ہارون الرشید اپنے دفتر میں جاتا ہے۔ خلیفہ کی تعظیم وتکریم اور خوشنودی کے لئے درباری سرکاری لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ ہے، جو دیکھتا ہے سروقد کھڑا ہو کر تعظیم بجا لاتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور نامور فقیہ، امام محمد بن حسن شیبانی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ انہوں نے حرکت تک نہیں کی۔ ہارون الرشید نے بھی دیکھ لیا کہ وہ کھڑے نہیں ہوئے، بلکہ بیٹھے رہے ہیں۔ وہ چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے دفتر میں داخل ہو گیا۔ اس کی تعظیم بجا لانے والے لوگوں کا ہجوم بھی اس کے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔

تاہم اسے امام محمد بن حسن پر غصہ ضرور آیا کہ سب لوگ احتراماً کھڑے ہوئے لیکن وہ کھڑے نہیں ہوئے۔ تھوڑے وقفے کے بعد ہارون نے انہیں طلب کیا۔ وہ اندر گئے تو ان کے شاگرد پریشان ہو گئے کیونکہ جب دوسرے لوگ احتراماً کھڑے ہوئے تھے تو امام محمد کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ ان کے شاگردوں کا غالب گمان یہ تھا کہ خلیفہ انہیں ضرور سزا دے گا لیکن امام محمد تھوڑی دیر خلیفہ کے پاس ٹھہرنے کے بعد شاداں اور فرحاں واپس تشریف لے آئے۔ شاگردوں نے پوچھا: جتنی دیر آپ خلیفہ کے پاس رہے، وہاں کیا واقعہ پیش آیا؟

کہنے لگے: جب میں خلیفہ کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے پوچھا: دوسرے لوگ احتراماً کھڑے ہوئے اور میرے ساتھ اندر آئے تھے۔ آپ نہ تو کھڑے ہوئے اور نہ ہی اندر

Scanned with CamScanner

آئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ یہ سوال کرتے وقت غیظ وغضب کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں طور پر پائے جاتے تھے۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ تا دیر امیر المؤمنین کو سلامت رکھے۔ آپ نے مجھے طبقۂ علماء میں شامل کیا ہے۔ آپ نے مجھے صف علماء میں شامل ہونے کے قابل قرار دیا ہے۔ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ جس طبقے میں آپ نے مجھے شامل کیا ہے اس سے نکل کر خادموں اور بازاری لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ امیر المؤمنین! میں نے آپ کی مخالفت کو پسند نہیں کیا۔ آپ کے چچا کے بیٹے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے سروقد کھڑے ہوں اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہیے۔

اس سے مراد علماء ہیں۔ پس جو شخص خدمت اور بادشاہ کے اعزاز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ اس کی طرف سے عطیہ ہے اور جو شخص آپ حضرات سے حاصل کی گئی سنت کی پیروی کے لئے بیٹھتا ہے تو وہ آپ کے لئے زینت ہے۔ ہارون الرشید نے کہا: اے محمد! آپ نے سچ کہا ہے۔

مجھے ایک مسئلے میں مشورہ دیں کہ میں کیا کروں؟

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بنو تغلب کے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کو عیسائی بنایا ہے۔ اس لئے انہیں قتل کرنا جائز ہے۔ اس مسئلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ہارون الرشید کا ارادہ یہ تھا کہ چونکہ انہوں نے عہد اور ذمہ کی مخالفت کی ہے؟ اس لئے ان کے قتل کا فتویٰ حاصل کیا جائے۔

امام محمد بن حسن فرماتے ہیں: میں نے کہا: امیر المؤمنین! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں پابند کیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہ بنائیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے انہوں نے بنو تغلب کو بحال رکھا۔ ان کے بعد آپ کے چچا کے بیٹے ابو الحسن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آئے اور وہ علم وتقویٰ کے جس مقام پر ہیں، وہ آپ سے مخفی نہیں۔ پھر یہی طریقہ چلتا رہا۔ یہ حضرات بعد کے خلفاء سے زیادہ نیک تھے۔ امیر المؤمنین! اس

سلسلے میں آپ کو کوئی گناہ لاحق نہیں ہوگا۔ اس لئے جو چیز جس حالت پر ہے اسے اسی حالت پر رہنے دیں۔ آپ کے لئے پہلے حضرات بہترین مقتدا ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے علم کا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے اگر آپ کچھ اور فیصلہ کرنا چاہیں تو آپ کی رائے عالی ہے۔

ہارون الرشید نے امام محمد رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنی تو اسے وہ صحیح دکھائی دیئے اور اس نے فیصلہ کیا کہ بنو تغلب کو ان کے حال پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ اس کا دل امام محمد کی رائے پر خوش ہو گیا۔ ہارون الرشید نے کہا:

ہم ان کا معاملہ اسی طرح جاری رکھیں گے جس طرح مجھ سے پہلے خلفاء نے جاری رکھا۔ یعنی ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ مشورہ بہت اچھی چیز ہے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پاس یقینی علم لے کر آتے تھے۔ اس کے باوجود آپ اپنے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے لیکن آپ اس شخص کے لئے دعا کرتے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاملہ کا ذمہ دار بنایا ہے اور مسلمانوں کا محافظ بنایا ہے۔ آپ اپنے شاگردوں سے بھی دعا کروائیں۔ میں نے حکم دیا ہے کہ کچھ مال آپ کو پیش کیا جائے، آپ اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دیں۔

امام محمد بہت سارا مال لے کر باہر آئے اور اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دیا۔

علماء کی بڑی خوشی اور راحت یہی ہوتی تھی کہ ان کے شاگرد راضی اور خوش ہو جائیں۔

(من نسمات الخلود)

ہاں! دور اول کے علماء کا یہ طریقہ تھا کہ اگر سلطان وقت راہ راست سے بھٹک جاتا تھا تو اس کی ہیبت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ہر صورت میں شریعت ہی کی حمایت کرتے تھے، چاہے نتیجہ کچھ بھی نکلے۔ اصل اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی ﷺ کی ہے۔ اس کے بعد وقت کے حکمرانوں کی اطاعت ہے، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کریں۔ جیسے کہ اس وقت کے حکمران اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتے تھے، بلکہ حق کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس شخص سے خوش ہوتے تھے جو ان کی خطا کو درست کرتا تھا۔ اخلاص شعار اور خیر خواہ قسم کے علماء کو بکثرت اپنے پاس جمع کرتے تھے اور انہیں

Scanned with CamScanner

خصوصی ہم نشین اور مشیر بناتے تھے۔ چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی امداد کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد فرمائی۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (سورۃ الحج)

اور اللہ تعالیٰ ضرور اس شخص کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(۱۷۲)

مجھے علم کی اشاعت چاہیے عہدۂ قضاء نہیں

اصفہان میں زفر بن ہذیل بن قیس بن سلم الخیری البصری نامی ایک فقیہ گزرے ہیں۔ 110ھ میں ہشام بن عبدالملک بن مروان کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ وہ امام ابوحنیفہ کے ان دس اصحاب میں سے تھے جنہوں نے امام صاحب کی کتب فقہ کی تدوین میں تعاون کیا۔

امام زفر کو حاکم وقت کی طرف سے عہدۂ قضا کے لیے کہا گیا تو آپ نے اس بنا پر انکار کیا کہ وہاں تو خطا کا اندیشہ ہے اور گناہ کا احتمال، یہاں دینی مسائل پر درس وتدریس جاری ہے جو ثواب ہی ثواب ہے، اس لیے میں احکام شریعت اور علم کی ترویج کو عہدۂ قضا سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حاکم نے اس پر ناراضی ظاہر کی مگر آپ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ کسی نہ کسی بہانے سے دو مرتبہ آپ کا مکان بھی گرا دیا گیا اور آپ کو اور بھی کئی قسم کی تکالیف دی گئیں مگر آپ نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ (حدائق الحنفیہ: ۲/۱۰۹)

(۱۷۳)

دریائے نیل کے متعلق حکایت

منقول ہے کہ فرعون زمین میں سرکشی کے ساتھ ساتھ خدائی کا بھی دعوے دار تھا۔اس نے اپنی قوم کو دریائے نیل کے ذریعے گمراہ کر رکھا تھا وہ یوں کہ جب "یوم نیروز" (آتش پرستوں کی عید کا دن) آتا اور دریائے نیل انتہائی ٹھاٹھیں مارنے لگتا تو لوگوں میں یہ اعلان کر دیا جاتا کہ تمہارے لئے فرعون نے دریائے نیل کو پرجوش کر دیا ہے لہٰذا تم اسے سجدہ کرو تو جاہل لوگ اس کی بات پر یقین کرتے ہوئے اسے سجدہ کرتے۔ایک سال دریائے نیل کا پانی کم ہونا شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے پرشور موجیں مارنے کی اجازت نہ دی۔لوگ بھوک کے سبب نڈھال ہو گئے اور قحط میں مبتلا ہو گئے۔چنانچہ،پوری قوم اکٹھی ہو کر فرعون کے پاس گئی اور اس سے مطالبہ کیا،"ہمارے اہل وعیال،اولاد اور جانور سب ہلاک ہوئے جا رہے ہیں،اگر تم ہمارے خدا ہو تو دریائے نیل کا پانی جاری کر دو۔" تو اس لعین نے جواب دیا:"ایسا ہی ہو گا۔" پھر وہ اونی لباس،بالوں کی بنی ہوئی ٹوپی اور راکھ بھری تھیلی لے کر ایک ویران جزیرے کی طرف چلا گیا جو اب تک "مقیاس" کے نام سے مشہور ومعروف ہے اور حکم دیا کہ اس کی رعایا اور قوم میں سے کوئی شخص اس کے پیچھے نہ آئے۔اس نے جزیرے میں داخل ہوتے ہی شاہی لباس اور سر کا تاج اتار کر اونی لباس اور بالوں سے بنی ہوئی ٹوپی پہن لی اور راکھ زمین پر بکھیر کر اس پر لوٹ پوٹ ہونے لگا اور روتے ہوئے بارگاہ الٰہی عزوجل میں سجدہ ریز ہو گیا اور اپنا چہرہ راکھ پر الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہنے لگا:

"اے میرے مالک ومولیٰ!میں جانتا ہوں کہ تو ہی زمین وآسمان کا مالک اور اولین وآخرین کا معبود ہے لیکن مجھ پر بدبختی غالب آ گئی،میں تیری نافرمانی و سرکشی میں بہت آگے بڑھ گیا' تو میرا معبود ہے اور میں تیرا بندہ ہوں،تو نے میرے متعلق جو فیصلہ فرمادیا،فرمادیا۔مولیٰ!اب مجھے میری قوم میں ذلیل و رسوا نہ کرا اور تو ہی سب سے بڑھ کر کرم فرمانے والا ہے۔"

ابھی فرعون کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت دریائے نیل کو جاری ہونے کا حکم دے دیا اور اسے فرمایا: جہاں تک فرعون جائے وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلے۔چنانچہ،فرعون اپنی قوم میں اس حالت میں جا رہا تھا کہ دریا کا پانی اس کے دامن کو تر کرتے ہوئے ساتھ ساتھ جا رہا تھا اور لوگ اپنی آستینوں کو پانی اور کیچڑ میں ڈبو کر خوشی سے ایک دوسرے کو مار رہے تھے۔اس وقت سے اب تک مصر میں خوشی منانے کا یہ طریقہ رائج ہے اور اہل مصر اسے یوم نوروز یعنی دریائے نیل کی طغیانی کا دن کہتے ہیں۔

مسلمانو!دیکھا آپ نے!فرعون اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا جو لمحہ بھر اس کے لئے مخلص ہوا تو اسے بارگاہ الٰہی عزوجل سے طلب کے مطابق عطا کیا گیا،اس کی پردہ پوشی کی گئی اور قوم میں اس کو ذلیل و رسوا ہونے سے بچا لیا گیا' تو جو شخص ساری زندگی اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کرتا رہے تو وہ اسے کس قدر انعامات سے نوازے گا اور اسے آخرت میں کیا کچھ عطا نہ فرمائے گا۔اسی طرح جب نافرمان بندہ اپنے گناہوں سے تائب ہو جائے اور اپنی خامیوں اور گناہوں کا اعتراف کر لے۔بارگاہ الٰہی عزوجل میں اونچی اور آہستہ آواز سے گڑگڑائے تو اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ بروز قیامت اسے عذاب دے یا سب کے سامنے ذلیل ورسوا کرے۔(الروض)

(۱۷۴)

سفینہ حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس تک اپنی قوم کو خدا کا پیغام سناتے رہے مگر ان کی بدنصیب قوم ایمان نہیں لائی بلکہ طرح طرح سے آپ کی تحقیر وتذلیل کرتی رہی اور قسم قسم کی اذیتوں اور تکلیفوں سے آپ کو ستاتی رہی یہاں تک کہ کئی بار ان ظالموں نے آپ کو اس قدر زدوکوب کیا کہ آپ کو مردہ خیال کر کے کپڑوں میں لپیٹ کر مکان میں ڈال دیا مگر آپ پھر مکان سے نکل کر دین کی تبلیغ فرمانے لگے اسی طرح بارہا آپ کا گلا گھونٹتے رہے یہاں تک کہ آپ کا دم گھٹنے لگتا اور آپ بے ہوش ہو جاتے مگر ان ایذاؤں اور مصیبتوں پر بھی آپ یہی دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے پروردگار! تو میری قوم کو بخش دے اور ہدایت عطا فرما کیونکہ یہ مجھ کو نہیں جانتے ہیں۔

اور قوم کا یہ حال تھا کہ ہر بوڑھا باپ اپنے بچوں کو یہ وصیت کر کے مرتا تھا کہ نوح (علیہ السلام) بہت پرانے پاگل ہیں اس لئے کوئی ان کی باتوں کو نہ سنے اور نہ ان کی باتوں پر دھیان دے یہاں تک کہ ایک دن یہ وحی نازل ہوگئی کہ اے نوح علیہ السلام اب تک جو لوگ مومن ہو چکے ہیں ان کے سوا اور دوسرے لوگ کبھی ہرگز ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کے بعد آپ اپنی قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے اور پھر آپ نے اس قوم کی ہلاکت کے لئے دعا فرمادی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ایک کشتی تیار کریں چنانچہ ایک سو برس میں آپ کے لگائے ہوئے ساگوان کے درخت تیار ہو گئے اور آپ نے ان درختوں کی

لکڑیوں سے ایک کشتی بنائی جو ۸۰ گز لمبی اور پچاس گز چوڑی تھی اور اس میں تین درجے تھے نچلے طبقے میں درندے، پرندے اور حشرات الارض وغیرہ اور درمیانی طبقہ چوپائے وغیرہ جانوروں کے لئے اور بالائی طبقے میں اپنے اور مومنین کے لئے جگہ بنائی اس طرح یہ شاندار کشتی آپ نے بنائی اور ایک سو برس کی مدت میں یہ تاریخی کشتی بن کر تیار ہوئی جو آپ کی اور مومنوں کی محنت اور کاریگری کا ثمرہ تھی جنہوں نے بے پناہ محنت کر کے یہ کشتی بنائی تھی۔

جب آپ کشتی بنانے میں مصروف تھے تو آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی تھی کوئی کہتا: اے نوح! اب تم بڑھئی بن گئے؟ حالانکہ پہلے تم کہا کرتے تھے کہ میں اللہ کا نبی ہوں' کوئی کہتا اے نوح اس خشک زمین میں تم کشتی کیوں بنارہے ہو؟ کیا تمہاری عقل ماری گئی ہے؟ غرض طرح طرح کا تمسخر اور استہزاء کرتے اور قسم قسم کی طعنہ بازیاں اور بدزبانیاں کرتے رہتے تھے اور آپ ان کے جواب میں یہی فرماتے تھے کہ آج تم ہم سے مذاق کرتے ہو لیکن مت گھبراؤ جب خدا کا عذاب بصورت طوفان آجائے گا تو ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ یعنی تمہارے اس مذاق کا بدلہ چکائیں گے۔

جب طوفان آگیا تو آپ نے کشتی میں درندوں، چرندوں اور پرندوں اور قسم قسم کے حشرات الارض کا ایک ایک جوڑا نر و مادہ سوار کرادیا اور خود آپ اور آپ کے تینوں فرزند یعنی حام وسام و یافث اور ان تینوں کی بیویاں اور آپ کی مومنہ بیوی اور بہتر مومنین مرد وعورتیں کل اسی انسان کشتی میں سوار ہو گئے اور آپ کی ایک بیوی "واعلہ" جو کافرہ تھی اور آپ کا ایک لڑکا جس کا نام کنعان تھا یہ دونوں کشتی میں سوار نہیں ہوئے اور طوفان میں غرق ہو گئے۔

روایت ہے کہ جب سانپ اور بچھو کشتی میں سوار ہونے لگے تو آپ سے ان دونوں نے کہا: ہم کو سوار کر لیجئے ہم عہد کرتے ہیں کہ جو شخص سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ پڑھ لے گا ہم دونوں اس کو ضرر نہیں پہنچائیں گے تو آپ نے ان دونوں کو بھی کشتی میں بٹھالیا۔

طوفان میں کشتی والوں کے سوا ساری قوم اور کل مخلوق غرق ہو کر ہلاک ہوگئی اور آپ کی کشتی "جودی پہاڑ" پر جا کر ٹھہر گئی اور طوفان ختم ہونے [illegible] آپ مع کشتی والوں کے زمین پر اتر پڑے اور آپ کی نسل میں بے پناہ [illegible]ت ہو[illegible]ب کی اولاد تمام روئے زمین

پر پھیل کر آباد ہوگئی اسی لئے آپ کا لقب ''آدم ثانی'' ہے۔ (صاوی ج ۲ ص ۱۸۲ وغیرہ تفاسیر)

قرآن مجید میں خداوند عزوجل نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَ یَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ (ھود رکوع ۴)

اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری قوم میں سے مسلمان نہ ہوں گے مگر جتنے ایمان لا چکے تو ان کے کرتوتوں پر تم غم نہ کھاؤ اور تم کشتی بناؤ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور غرق کردیئے جائیں گے اور نوح کشتی بنارہے تھے تو جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو ان کی ہنسی اڑاتے تو نوح کہتے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو اب تم لوگ جان جاؤ گے کہ کس پر آتا ہے رسوا کرنے والا عذاب اور اترتا ہے وہ عذاب جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

(۱۷۵)

جلال فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کردوں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس لشکر کے کمانڈر سلمہ ابن قیس اشجعی مقرر کئے۔ مقابلہ ہوا دشمن کو شکست ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جو مالِ غنیمت عطا فرمایا سپہ سالار نے لشکر میں تقسیم کردیا۔ مالِ غنیمت میں ایک نادر روزگار زیور ملا جو حسن اور دلکشی کا شاہکار تھا۔ حضرت سلمہ نے مجاہدین کو کہا: اگر یہ زیور تم میں تقسیم کیا گیا تو تمہیں اس کا معمولی سا حصہ ملے گا جو کسی کام کا نہیں ہوگا' اگر آپ حضرات اجازت دیں تو میں یہ خوبصورت زیور امیر المؤمنین کو بھجوادوں۔ امید ہے کہ وہ اس سے محظوظ ہوں گے۔ سب نے اس رائے کی تائید کی۔ انہوں نے زیور ایک صندوقچی میں رکھا اور اپنی قوم کے ایک شخص کے سپرد کردیا اور اسے حکم دیا کہ لے جا کر خلیفۃ المسلمین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کردو اور اپنے دل میں سوچا کہ امیر المؤمنین بہت خوش ہوں گے اور اسے خندہ پیشانی سے قبول کرلیں گے۔

قاصد مدینہ منورہ پہنچا تو سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ دیکھا کہ خلیفۂ وقت خود امت مسلمہ کی خدمت کررہے ہیں۔ چرواہے کی طرح اپنے عصا پر ٹیک لگائے لوگوں کو کھانا کھلا رہے ہیں اور کبھی پیالوں کے گرد گھوم رہے ہیں۔ قاصد کا بیان ہے کہ مجھے دیکھا تو پوری بشاشت کے ساتھ ملے اور مجھے فرمایا: بیٹھو۔ میں عام آدمی کی طرح بیٹھ گیا۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوگئے اور پیالے اٹھالئے گئے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے گھر

Scanned with CamScanner

چلے گئے۔

میں بھی ان کے پیچھے گیا، دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ چمڑے کے دو گدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں جن میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی ہے۔ یہ تھا خلیفۂ وقت کے گھر کا سامان اور یہ تھا ان کا نرم اور گداز بچھونا۔ ایک گدا انہوں نے میری طرف پھینک دیا جس پر میں بیٹھ گیا۔ پھر انہوں نے آواز دی: ام کلثوم! ہمارا کھانا بھیج دیں۔ مجھے بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب دل پسند کھانا اور تر و تازہ گوشت کھانے کو ملے گا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ حضرت ام کلثوم ؓ نے زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی بھیج دی جس پر نمک چھڑکا ہوا تھا اور نمک بھی صحیح طرح پسا ہوا نہیں تھا۔

حضرت فاروق اعظم ؓ نے مجھے فرمایا: کھاؤ! میں نے وہ کھانا کھا تو لیا، لیکن بھوک کے باوجود میرا دل اسے کھانے کو بالکل نہیں چاہتا تھا۔ جب کہ فاروق اعظم ؓ نے بڑے شوق سے کھانا کھایا، تھوڑا پانی پیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔

پھر میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! میں سلمہ ابن قیس کا قاصد ہوں۔ فرمایا: سلمہ اور اس کے قاصد کو مرحبا! مجھے مہاجرین کے بارے میں بتاؤ! ان کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: وہ بالکل خیریت سے ہیں، جیسے کہ آپ چاہتے ہیں۔ وہ فتح مند ہیں اور دشمنوں پر غالب ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا: کیا مجاہدین کو گوشت، سالن اور گھی میسر ہے؟ میں نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب کچھ میسر ہے۔ مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ وہ رعایا کے حالات کے بارے میں کتنے فکر مند ہیں؟ پھر میں نے سلمہ کا بھیجا ہوا مکتوب اور وہ قیمتی زیور پیش کیا۔ جب آپ نے اس میں جڑے ہوئے نگینے کو دیکھا، اس کی زیب و زینت اور موتی دیکھے تو اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ جیسے ان کے پہلو میں بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ پھر اپنا ہاتھ اپنی کوکھ پر رکھ کر کہنے لگے:

تب تو اللہ تعالیٰ عمر کا پیٹ نہ بھرے
تب تو اللہ تعالیٰ عمر کو سیر نہ کرے

یہ زیور واپس کرو۔ واپس لے جاؤ۔ گویا انہیں ایسی چیز پیش کر دی گئی ہے جو ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ پھر قاصد کو بلند اور بھاری آواز میں فرمایا:

اللہ کی قسم! اگر اس کی تقسیم سے پہلے مسلمان متفرق ہو گئے تو تمہیں اور تمہارے صاحب کو ایسی ایسی سزا دوں گا۔ اسے اس کے مستحقین تک پہنچا دو۔ لے جاؤ ان کے پاس۔ قاصد کہتے ہیں: میں نے فاروق اعظم ؓ اور ان کی وعید سے ڈرتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے وہ زیور اٹھایا اور صندوقچی میں رکھ دیا اور وہاں سے روانہ ہو کر سلمہ کے پاس پہنچ گیا اور انہیں کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں اس کام میں برکت عطا نہ فرمائے جو تم نے میرے ذمہ لگایا تھا۔ قبل اس کے کہ مجھے اور تمہیں کسی ناخوشگوار صورت حال سے دوچار ہونا پڑے اسے لوگوں میں تقسیم کر دو۔ فوراً تقسیم کر دو۔ (من نسمات الخلود)

یہ تھے دور اول کے مسلمان حکمران۔ وہ مسلمانوں کے مالوں سے اجتناب کرتے تھے اگرچہ وہ اموال دل کش اور روح پرور ہی کیوں نہ ہوں۔

جب رعایا اپنے مخلص حکمرانوں میں یہ سچائی، اخلاص اور قربانی دیکھے تو کیوں نہ انہیں دلوں کا نذرانہ پیش کرے گی؟ یہی وجہ تھی کہ جب نفوس مادیت سے رہائی پا چکے تھے، بلند فضیلتوں کے لئے چراغ بن چکے تھے اور اندھیروں میں ان سے راہنمائی حاصل کی جاتی تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں اور عوام کے درمیان اختلاف ختم کر دیا تھا۔

(تبصرہ۔ علامہ شرف قادری علیہ الرحمۃ)

Scanned with CamScanner

(۱۷۶)

ایک بیوہ کی فریاد پر خلیفۂ وقت کا لبیک کہنا

ابو العباس مامون الرشید کا اصل نام عبداللہ تھا، باپ ہارون الرشید نے مامون کا خطاب دیا۔ 170ھ میں جس رات مامون پیدا ہوا، اسی رات خلیفہ ہادی بن مہدی کا انتقال ہوا تھا اور اس کا بھائی ہارون جانشین بنا تھا۔ 193ھ میں ہارون کا انتقال ہوا تو امین الرشید اس کا جانشین بنا۔ پھر 198ھ میں امین الرشید کے قتل کے اگلے روز مامون الرشید کی خلافت کی بیعت ہوئی جبکہ وہ خود مرو میں مقیم تھا۔ وہیں 200ھ میں اس نے امام علی رضا کو اپنا جانشین مقرر کیا مگر 215ھ میں ان کی وفات کے نتیجے میں خلافت آل عباس ہی میں رہی۔ محمد بن موسیٰ خوازمی نے مامون کی فرمائش ہی پر الجبر والمقابلہ نامی کتاب لکھی جو علم الجبرا کی بنیاد بنی۔ مامون نے سنجار (عراق) کے میدان اور صحرائے کوفہ میں زمین کے محیط کی پیمائش کرائی جو تقریباً 24 ہزار میل نکلی۔ مامون ہی کے عہد خلافت میں فتنۂ خلق قرآن نے زور پکڑا۔ مامون الرشید نے 218ھ میں وفات پائی۔

(ماخوذ از تاریخ اسلام جلد اول۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

دولت عباسیہ کا تاجدار مامون الرشید جس نے نوشیرواں کے عدل اور حاتم کی سخاوت کی یاد تازہ کر دی سلطنت بغداد پر جلوہ افروز ہے۔ شہزادہ عباس، مامون الرشید کا بڑا لڑکا، طائفۃ النمل کے قریب شکار میں مصروف ہے۔ غروب ہونے والے آفتاب کی رنگین شعاعیں آب دجلہ پر اتر رہی ہیں، خوش الحان پرندے دجلہ کے کنارے حسین نغمات کے ساتھ

وداع روز روشن کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ اتنے میں مامون الرشید کے صاحبزادے عباس کی نگاہ ایک حسین عورت پر پڑتی ہے جو پانی کا گھڑا بھر رہی ہے۔

”تو کون ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے، کیا ایسے غیر آباد مقامات پر بھی جہاں پہاڑ اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے، حسن جنم لے سکتا ہے؟“

شہزادہ اپنا فقرہ ختم کر کے دیکھتا ہے تو غیور حسینہ کے چہرے پر بل آ چکا تھا۔ اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ اس نے شہزادے کا سوال حقارت سے ٹھکرا دیا اور آگے بڑھ گئی۔

باپ کی عظیم الشان حکومت کا نشہ عباس کے سر پر سوار تھا، حکم دیا: اس مغرور عورت کا حسب نسب معلوم کرو اور میری طرف سے نکاح کا پیغام دے دو۔

نوکر چاکر اس عورت کے پیچھے روانہ ہوئے۔ شہزادے نے اپنا شکار ملتوی کیا اور خیمے میں جا کر خاموش بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک اسی الجھن میں گرفتار رہا۔ کبھی خیمے سے باہر آتا تھا کبھی اندر۔ اتنے میں ایک خادم نے آ کر عرض کی:

عورت خاندان برامکہ سے تعلق رکھتی ہے، نام مغیرہ بنت ازار ہے۔ وہ دو بچوں کی ماں اور حسین بن موسیٰ کی بیوہ ہے۔ اس کے عزیز و اقارب میں سے اب کوئی زندہ نہیں، صرف دو چھوٹے بچے ہیں۔ نکاح کا پیغام اس کے واسطے قیامت سے کم نہ تھا۔ آپے سے باہر ہو گئی اور یہ الفاظ کہے:

”ہارون ہماری جانیں تباہ کر چکا، اب مامون ہماری عزت کے درپے ہے لیکن عباس یاد رکھے کہ اس کی شہزادگی کو اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کی دہلیز پر دونوں ہاتھوں سے مسل دوں گی۔“

رات کا پردہ دنیا کے چہرے سے اٹھا۔ ادھر صبح صادق آل برامکہ کی بربادی کا افسوس کرتی ہوئی نمودار ہوئی، ادھر طائفۃ النمل کے ایک مختصر سے مکان میں مغیرہ نے نماز فجر سے فراغت پا کر چھوٹے بچے کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ شہزادہ عباس کا پیغام ایک قاصد کے ذریعے سے اس کے کان میں پہنچا:

”شہزادہ عباس کا غصہ تیرے جان و مال کو خاک میں ملا دے گا، یہ مکان ضبط

Scanned with CamScanner

کیا جاتا ہے اور تجھ کو دو گھنٹے کی مہلت دی جاتی ہے، یہ مکان خالی کر دے۔''

مغیرہ یہ پیغام سن کر دروازے پر آئی اور قاصد سے کہا: ''عباس اس وقت کو بھول جائے جب میرے دادا جعفر کا سر اس کے دادا ہارون کے سامنے رکھا گیا اور اس بے گناہ قتل نے آل برامکہ کو دو، دو دانوں کا محتاج کر دیا لیکن برمکی بیبیاں عباسی مظالم کو جس تحمل سے برداشت کرتی آئی ہیں، تاریخ اس کو فراموش نہیں کر سکتی۔'' اتنا کہہ کر مغیرہ ایک سفید چادر سر پر ڈال کر دونوں بچوں کو ساتھ لے کر باہر چلی گئی۔

دوسری صدی ہجری ختم ہونے کے قریب ہے۔ مامون الرشید کا دربار گرم ہے۔ مامون کے پہلو میں عباس تخت نشین ہے۔ امراء و وزراء خاموش بیٹھے ہیں کہ مظلوم مغیرہ، جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کو شرماتا تھا لیکن اب ضعیفی کے آثار نمودار ہو رہے تھے، دربار شاہی میں حاضر ہوئی اور کہا:

''ایک بیوہ کا مکان صرف اس لیے کہ وہ اپنی عصمت کی محافظ تھی، سلطنت عباسیہ کو مبارک ہو لیکن مامون الرشید! ایک دن اس بادشاہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کی سلطنت کبھی فنا نہ ہوگی۔ ایک ظالم کے خلاف تیرے پاس فریاد لائی ہوں، انصاف کر اور داد دے۔''

تمام درباری عورت کا منہ تکنے لگے، مگر کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خلیفہ کی موجودگی میں اس سے بات کر سکتا۔

مامون الرشید نے عورت سے کہا: اس ظالم کا نام بتا کہ وہ کون ہے؟ عورت نے ہنس کر کہا: ''شہزادہ عباس، جو تخت شاہی پر آپ کے برابر بیٹھا ہے۔''

مامون کا چہرہ اتنا سنتے ہی غصے سے سرخ ہو گیا، اس نے چوبدار کو حکم دیا کہ عباس کو اس عورت کے برابر کھڑا کر دے تاکہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز نہ رہے۔

شہزادہ عباس خاموش تھا اور ہر سوال کے جواب میں رک رک کر ایک آدھ بات کہہ دیتا تھا۔ مغیرہ دھڑلے سے اپنی داستان مصیبت بیان کر رہی تھی۔ اس کے چہرے سے عصمت کا خون ٹپک رہا تھا یہاں تک کہ اس کی زبان سے یہ لفظ نکلے:

''عباس! یہ صحیح ہے کہ تو مامون الرشید کا لڑکا اور سلطنت کا مالک ہے، لیکن یہ ہاتھ منتظر تھے اس وقت کے کہ اگر تو اپنی دھن میں آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچتا تو تیری گردن مروڑ کر رکھ دیتے۔ آل برامکہ کی دولت عباسیوں نے پامال کر دی مگر ہماری عصمت وہ دولت ہے کہ ہم عباسی سلطنت کو اس پر قربان کر دیں گے۔''

وزرائے سلطنت مغیرہ کی جرأت پر متعجب ہوئے اور کہا: یہ بے باکی آداب شاہی کے خلاف ہے، ادب سے گفتگو کرو۔

مامون نے کہا: اس کو مت روکو۔ یہ حق رکھتی ہے کہ جو کچھ اس کے منہ میں آئے کہے۔ یہ صرف اس کی صداقت ہے جس نے اس کی زبان کو تیز اور اس کے حوصلے کو بلند کر دیا ہے، اور عباس کی کمزوری ہے جس نے اس کو گونگا بنا دیا ہے۔

اسی وقت پانچ تھیلیاں اشرفیوں سے بھری ہوئی اہلکاروں سے لے کر مامون الرشید نے مغیرہ کے قدموں میں ڈال دیں اور نہ صرف اس کا مکان واپس کیا بلکہ ایک عالی شان محل ''قصر عباس'' مغیرہ کو عطا فرما کر درخواست کی کہ وہ شہزادے کا قصور معاف کر دے۔

(ناقابل فراموش واقعات ص ۱۶۷-۱۶۵، محمد دین فوق)

Scanned with CamScanner

(۱۷۷)

اور دریائے نیل جاری ہوگیا

منقول ہے: ''فرعون کا طریقہ یہ تھا کہ جب دریائے نیل کا پانی کم ہو جاتا تو وہ اہل مصر کو حکم دیتا کہ وہ اپنی ایک نوجوان دوشیزہ کو طرح طرح کے زیورات سے آراستہ کریں، رنگ برنگے فخریہ لباس پہنائیں اور ہر طرح کی زیب و زینت سے اسے اس دلہن کی طرح مزین کریں جو شبِ زفاف (یعنی شادی کی پہلی رات) اپنے شوہر کے پاس آراستہ پیراستہ ہو کر جاتی ہے۔ پھر اُس کو دریائے نیل میں ڈال دیں۔ چنانچہ، لوگ ہر سال ایسا ہی کرتے۔

اکثر جاہل لوگوں کا یہ باطل عقیدہ تھا کہ دریائے نیل کی سطحِ آب تب تک بلند نہیں ہوتی جب تک اس میں دلہن کی طرح سجا سنوار کر کوئی لڑکی نہ ڈال دی جائے۔ یہی طریقہ امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک رائج رہا۔ مصر میں آپ رضی اللہ عنہ کے گورنر حضرت سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔ جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اہل مصر کی اس بری عادت کو انتہائی ناپسند کیا اور امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں ساری صورت حال بیان کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً خط کا جواب لکھا اور ایک رقعہ بھی لکھا جس میں لکھا تھا: اللہ تعالیٰ کے بندے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر کے دریا ''نیل'' کی طرف! اما بعد!

''اے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو اور اگر خدائے واحد و قہار عزوجل کے حکم سے جاری ہوتا ہے تو ہم اس کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری فرمادے۔''

حضرت سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈال دیا اور اہل مصر نے

یقین کر لیا کہ اب یہ ٹھاٹھیں مارنے لگ جائے گا۔ چنانچہ، جب لوگوں نے صبح کی تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل کو جاری ہونے کا حکم فرمادیا ہے اور وہ ایک ہی رات میں سولہ گز بلند ہو گیا۔

(العظمة لابی الشیخ الاصبهانی، باب صفة النیل و منتهاه، الحدیث: ۹۳، ص ۲۱۸)

چاہیں تو اشاروں سے اپنے کایا ہی پلٹ دیں دنیا کی
یہ شان ہے خدمت گاروں کی سرکار کا عالم کیا ہوگا

غور کرو اے مسلمانو! یہ سب کچھ حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی برکات اور حسنِ ایمان کی وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مصر کے مسلمانوں کو اس بری بدعت سے نجات عطا فرمائی۔ حضرت سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اسی کی تعریف و توصیف کریں اور گناہوں سے سچی توبہ کریں اور آپ رضی اللہ عنہ نے تمام برے افعال اور لڑکیوں کو دریا میں پھینکنے کی عادتِ بد ختم کر دی۔

قبطیوں کی مکروہ چال

جب قبطیوں (یعنی مصر کے قدیم عیسائی باشندوں) نے دیکھا کہ امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خط ڈالنے سے دریا موجزن ہو گیا تو انہیں بڑی تکلیف ہوئی اور وہ اپنے مذہب کو مضبوط کرنے کے لئے مختلف حیلے کرنے لگے تاکہ یہ واقعہ ان کی طرف منسوب ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے یہ مکروہ چال چلی کہ جب دریا کی خاص طغیانی کا وقت قریب آتا تو کسی کو شہید قرار دے کر اس کا تابوت دریا میں پھینک دیتے اور انہوں نے اس دن کو ''عید'' بنا لیا جو آج تک (یعنی صاحبِ کتاب کے زمانے تک) اسی طرح ہے۔

اسی طرح اہل مصر نے سال کے ایام میں پانچ دنوں کی زیادتی کر رکھی تھی جس کو وہ ''النسیء'' کہتے۔ چنانچہ، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا ردِ بلیغ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۝

(پ ۱۰، التوبة: ۳۷)

ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ نے حرام فرمائی، اور اللہ کے حرام کئے ہوئے حلال کر لیں ان کے برے کام ان کی آنکھوں میں بھلے لگتے ہیں اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیت مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: ''نسیٔ لغت میں وقت کے مؤخر کرنے کو کہتے ہیں اور یہاں شہر حرام کی حرمت کا دوسرے مہینے کی طرف ہٹا دینا مراد ہے زمانۂ جاہلیت میں عرب اشہر حرم (ذوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب) کی حرمت وعظمت کے معتقد تھے، تو جب کبھی لڑائی کے زمانے میں یہ حرمت والے مہینے آ جاتے تو ان کو بہت شاق گزرتے۔ اس لئے انہوں نے یہ کیا کہ ایک مہینے کی حرمت دوسرے کی طرف ہٹانے لگے، محرم کی حرمت صفر کی طرف ہٹا کر محرم میں جنگ جاری رکھتے اور بجائے اس کے صفر کو ماہ حرام بنا لیتے اور جب اس سے بھی تحریم ہٹانے کی حاجت سمجھتے تو اس میں بھی جنگ حلال کر لیتے اور ربیع الاول کو ماہ حرام قرار دیتے۔ اس طرح تحریم سال کے تمام مہینوں میں گھومتی اور ان کے اس طرز عمل سے ماہ ہائے حرام کی تخصیص ہی باقی نہ رہی۔ اس طرح حج کو مختلف مہینوں میں گھماتے پھرتے تھے۔ سیّد عالم ﷺ نے حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا: نسیٔ کے مہینے گئے گزرے ہوئے۔ اب مہینوں کے اوقات کی وضع الٰہی کے مطابق حفاظت کی جائے اور کوئی مہینہ اپنی جگہ سے نہ ہٹایا جائے اور اس آیت میں نسیٔ کو ممنوع قرار دیا گیا اور کفر پر کفر کی زیادتی بتایا گیا کیونکہ اس میں ماہ ہائے حرام میں تحریم قتال کو حلال جاننا اور خدا کے حرام کئے ہوئے کو حلال کر لینا پایا جاتا ہے۔''

یہ دین میں ان کی سرکشی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں سب سے زیادہ شرف والے دین کے ساتھ خاص فرمایا اور اس میں ہمارے لئے ایمان کے بہت سے راستے واضح کئے اور بالخصوص حضور ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمایا۔ (الروض)

(۱۷۸)

اور طوفان آ گیا

یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو دو سو برس پہلے ہی بذریعہ وحی مطلع کر دیا تھا کہ آپ کی قوم طوفان میں غرق کر دی جائے گی مگر طوفان آنے کی نشانی یہ مقرر فرما دی تھی کہ آپ کے گھر کے تنور سے پانی ابلنا شروع ہو گا چنانچہ پتھر کے اس تنور سے ایک دن صبح کے وقت پانی ابلنا شروع ہو گیا اور آپ نے کشتی پر جانوروں اور انسانوں کو سوار کرانا شروع کر دیا پھر زوردار بارش ہونے لگی جو مسلسل چالیس دن اور چالیس رات موسلا دھار برستی رہی اور زمین بھی جا بجا شق ہو گئی اور پانی کے چشمے پھوٹ کر بہنے لگے اس طرح بارش اور زمین سے نکلنے والے پانیوں سے ایسا طوفان آ گیا کہ چالیس چالیس گز اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں ڈوب گئیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ (ھود رکوع ۴)

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا اور تنور ابلا تو ہم نے فرمایا کشتی میں سوار کر لو ہر جنس سے ایک جوڑا نر و مادہ اور جن کی ہلاکت پہلے طے ہو چکی ہے ان کے سوا اپنے گھر والوں کو اور باقی مسلمانوں کو اور اس کے ساتھ مسلمان نہ تھے مگر تھوڑے۔

Scanned with CamScanner

اور آسمان وزمین کے پانی کی فراوانی اور طغیانی کا بیان فرماتے ہوئے ارشادِ ربانی ہوا

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ (القمر رکوع ۱)

ہم نے آسمان کے دروازوں کو لگاتار برسنے والے پانی کے ساتھ کھول دیا اور چشمے پھاڑ دیئے تو دونوں پانی مل گئے اور وہ کام ہوگیا جس کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔ یعنی طوفان آ گیا اور ساری دنیا غرق ہوگئی۔ (صاوی ج ۲ ص ۱۸۳)

طوفان کتنا زوردار تھا؟ اور طوفانی سیلاب کی موجوں کی کیا کیفیت تھی؟ اس کی منظر کشی قرآن مجید نے ان لفظوں میں فرمائی ہے۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ (ھود رکوع ۴)

اور وہ کشتی انہیں لئے جارہی تھی پہاڑ جیسی موجوں میں۔

جودی پہاڑ

حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہوگئے اور کشتی طوفانی موجوں کے تھپیڑوں سے ٹکراتی ہوئی برابر چلی جارہی تھی یہاں تک کہ سلامتی کے ساتھ کوہ جودی پر پہنچ کر ٹھہر گئی کشتی پر سوار ہوتے وقت حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی تھی کہ

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ھود رکوع ۴)

اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے تھپیڑوں میں چھ ماہ تک چکر لگاتی رہی یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے پاس سے بھی گزری اور کعبہ مکرمہ کا سات چکر طواف بھی کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی جو عراق کے ایک شہر "جزیرہ" میں واقع ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پہاڑ کی طرف یہ وحی کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ایک پہاڑ پر ٹھہرے گی تو تمام پہاڑوں نے تکبر کیا لیکن "جودی" پہاڑ نے تواضع اور عاجزی کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ شرف بخشا کہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔

اور ایک روایت ہے کہ بہت دنوں تک اس کشتی کی لکڑیاں اور تختے باقی رہے تھے

یہاں تک کہ اگلی امتوں کے بعض لوگوں نے اس کشتی کے تختوں کو جودی پہاڑ پر دیکھا تھا۔

محرم کی دسویں تاریخ عاشورہ کے دن یہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری چنانچہ اس تاریخ کو کشتی کی تمام مخلوق یعنی انسان اور وحوش وطیور وغیرہ سبھی نے شکرانہ کا روزہ رکھا اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی سے اتر کر سب سے پہلی جو بستی بسائی ان کا نام "ثمانین" رکھا۔ عربی زبان میں ثمانین کے معنی "اسی" ہوتے ہیں چونکہ کشتی میں اسی آدمی تھے اس لئے اس گاؤں کا نام "ثمانین" رکھ دیا گیا۔ (صاوی ج ۲ ص ۱۸۴) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (ھود رکوع ۴)

اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور فرمادیا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ!

نوح علیہ السلام کا بیٹا

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا جس کا نام "کنعان" تھا وہ صدق دل سے آپ پر ایمان نہیں لایا تھا بلکہ وہ منافق تھا اور اپنے کفر کو چھپائے رکھتا تھا لیکن طوفان کے وقت اس نے اپنے کفر کو ظاہر کردیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہوتے وقت اس کو بلایا اور فرمایا: میرے پیارے بیٹے! تم کشتی پر سوار ہوجاؤ اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دو تو اس نے کہا: میں طوفان میں پہاڑوں پر چڑھ کر پناہ لے لوں گا تو آپ نے بڑی دل سوزی کے ساتھ فرمایا: بیٹا! آج خدا کے عذاب سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔ ہاں جس پر خداوند کریم اپنا رحم فرمائے بس وہی بچ سکتا ہے۔ باپ بیٹے میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک زوردار موج آئی اور کنعان غرق ہوگیا اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ کنعان ایک بلند پہاڑ پر چڑھ کر ایک غار میں چھپ گیا اور غار کے تمام سوراخوں کو بند کرلیا مگر جب طوفان کی موج اس پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرائی تو غار میں پانی بھر گیا اس طرح کنعان اپنے بول و براز میں لت پت ہوکر غرقاب ہوگیا۔ (صاوی ج ۲ ص ۱۸۴)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ نَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا

Scanned with CamScanner

عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ○ (ھود رکوع ۴)

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے پر تھا' اے میرے بچے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ وہ بولا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح علیہ السلام نے کہا آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر وہ جس پر رحم کرے اور ان کے بیچ میں موج آڑے آئی تو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔

بیٹے کو اپنے سامنے اس طرح غرقاب ہوتے دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام کو بڑا صدمہ و رنج پہنچا اور آپ نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرا بیٹا کنعان تو میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو حکم الحاکمین ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح علیہ السلام! یہ آپ کا بیٹا کنعان آپ کے ان گھر والوں میں سے نہیں ہے جن کو بچانے کا ہم نے وعدہ کیا تھا لہٰذا اے نوح علیہ السلام! تمہارا یہ سوال ٹھیک نہیں ہے اس لئے تم مجھ سے ایسی کسی بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کروں جو مجھے معلوم نہیں ہے اور اگر تو مجھے معاف فرما کر رحم نہ فرمائے گا تو میں نقصان میں پڑ جاؤں گا۔

(صاوی ج ۲ ص ۱۸۵)

قرآن مجید میں حضرت حق جل جلالہ نے اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ○ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّىْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِىْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

(ھود رکوع ۴)

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا عرض کی: اے میرے رب! میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے۔ فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں۔ بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ طلب کر جس کا تجھ کو علم نہیں۔ میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔ عرض کی اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور رحم نہ کرے گا تو میں نقصان میں پڑنے والا ہو جاؤں گا۔

ماننے والے بچ گئے

جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر پہنچ کر ٹھہر گئی اور سب کفار غرق ہو کر فنا ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اے زمین! جتنا پانی تجھ سے چشموں کی صورت میں نکلا ہے تو ان سب پانیوں کو پی لے اور اے آسمان تو اپنی بارش بند کر دے چنانچہ پانی گھٹنا شروع ہو گیا اور طوفان ختم ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے نوح علیہ السلام آپ کشتی سے اتر جایئے۔ اللہ کی طرف سے سلامتی اور برکتیں آپ پر بھی ہیں اور ان لوگوں پر بھی ہیں جو کشتی میں آپ کے ساتھ رہے۔ (ھود رکوع ۴)

حدیث شریف میں آیا ہے حضرت نوح علیہ السلام نے روئے زمین کی خبر لانے کے لئے کسی کو بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے مرغی نے کہا: میں روئے زمین کی خبر لاؤں گی تو آپ نے اس کو پکڑ لیا اور اس کے بازوؤں پر مہر لگا کر فرمایا: تجھ پر میری مہر ہے تو پرند ہوتے ہوئے بھی لمبی اڑان نہ اڑ سکے گی اور میری امت تجھ سے فائدہ اٹھائے گی پھر آپ نے کوے کو بھیجا تو ایک مردار دیکھ کر اس پر گر پڑا اور واپس نہیں آیا تو آپ نے اس پر لعنت فرما دی اور اس کے لئے بددعا فرما دی کہ وہ ہمیشہ خوف میں مبتلا رہے چنانچہ کوے کو حل و حرم میں کہیں بھی پناہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا تو وہ زمین پر نہیں اترا بلکہ ملک سبا سے زیتون کی ایک پتی چونچ میں لے کر آ گیا تو آپ نے فرمایا: تم زمین پر نہیں اترے اس لئے پھر جاؤ اور روئے زمین کی خبر لاؤ تو کبوتر دوبارہ روانہ ہوا اور مکہ مکرمہ میں حرم کعبہ کی زمین پر اتر پڑا اور دیکھ لیا کہ پانی

Scanned with CamScanner

زمین حرم سے ختم ہو چکا ہے اور سرخ رنگ کی مٹی ظاہر ہوگئی ہے۔ کبوتر کے دونوں پاؤں سرخ مٹی سے رنگین ہوگئے اور وہ اسی حالت میں حضرت نوح علیہ السلام کے پاس واپس آ گیا اور عرض کیا: اے خدا کے پیغمبر! آپ میرے گلے میں ایک خوبصورت طوق عطا فرمائیے اور میرے پاؤں میں سرخ خضاب مرحمت فرمائیے اور مجھے زمین حرم میں سکونت کا شرف عطا فرمائیے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کے سر پر دست شفقت پھیرا اور اس کے لئے یہ دعا فرما دی کہ اس کے گلے میں دھاری کا ایک خوبصورت ہار پڑا رہے اور اس کے پاؤں سرخ ہو جائیں اور اس کی نسل میں خیر و برکت رہے اور اس کو زمین حرم میں سکونت کا شرف ملے۔ (صاوی ج ۲ ص ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝

(ھود رکوع ۴)

اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور ہوں ظالم لوگ۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اترنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ (ھود رکوع ۴)

فرمایا گیا کہ اے نوح علیہ السلام کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلام اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر ہیں اور تمہارے ساتھ کچھ گروہوں پر ہیں۔

انوار و تجلیات

حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں بڑی بڑی عبرتوں کے سامان ہیں جن کے انوار و تجلیات سے قلوب مومنین پر ایسی ایمانی روشنی پڑتی ہے جس سے مومنین کا سینہ نور عرفان و جلوہ ایمان سے منور اور روشن ہو جاتا ہے اور چند تجلیوں کی نشاندہی حاضر ہے۔

(۱) حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کی ایذا رسانیوں اور دلخراش طعنوں اور گالیوں کے باوجود صبر و تحمل کے ساتھ اپنی قوم کو ہدایت کا درس دیتے رہے اور جب تک ان پر وحی نہیں آ گئی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اس وقت تک آپ برابر ہدایت کا وعظ سناتے ہی رہے جب بذریعہ وحی آپ ان لوگوں کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو آپ نے ظالموں کے لئے ہلاکت کی دعا فرمائی قوم مسلم کے واعظوں اور ہادیوں کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ چراغ ہدایت و منارہ نور ہے کہ وہ بھی صبر و استقلال کے ساتھ برابر تبلیغ و ارشاد کا کام جاری رکھیں۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین طوفان کے عظیم سیلاب میں جبکہ طوفان کی موجیں پہاڑوں کی طرح سر اٹھا رہی تھیں کشتی پر سوار تھے اور طوفانی موجوں کے سیلاب عظیم میں ایک تنکے کی طرح یہ کشتی ہچکولے کھاتی چلی جا رہی تھی مگر حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین توکل کی ایسی منزل بلند میں تھے کہ نہ ان لوگوں کو کوئی گھبراہٹ تھی نہ کوئی پریشانی اس میں مومنین کے لئے یہ ہدایت ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی مومن کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ کر مطمئن رہنا چاہیے۔

(۳) حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ نیکوں کی اولاد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نیک ہی ہوں بروں کی اولاد اچھی اور اچھوں کی اولاد بری ہو سکتی ہے یہ خداوند تعالیٰ کی مشیت اور مرضی پر موقوف ہے وہ جس کو چاہے اچھا بنا دے اور جس کو چاہے برا بنا دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عجائب و غرائب القرآن)

Scanned with CamScanner

(۱۷۹)

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر

حضرت عقبہ ابن نافع ابن عبدالقیس، عامر بن فہر کی اولاد میں سے اور قریش فہری تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانِ مبارک میں پیدا ہوئے، لیکن ان کے لئے شرف صحابیت ثابت نہیں، وہ حضرت عمرو بن العاص کے (ماں کی طرف سے) بھائی تھے، جب حضرت عمرو بن العاص مصر کے گورنر تھے تو انہوں نے ہی حضرت عقبہ کو افریقہ کا گورنر بنایا تھا۔

حضرت عقبہ نے ''قیروان'' شہر بنایا، یہ حضرت معاویہ کے زمانے کی بات ہے اور تین سال وہاں قیام کیا۔ ۶۳ھ میں ''السوس الاقصیٰ'' کے غزوہ کے بعد شہید ہوئے، کسیلہ ابن لرم نے انہیں شہید کیا، پھر اسی سال یا اس سے اگلے سال زہیر بن قیس بلوی نے کسیلہ کو قتل کر دیا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ از ابن اثیر (دارالشعب) ۴/۶۰-۵۹)

بہرحال! افریقہ کا رخ کرنے والی اسلامی افواج کے کمانڈر حضرت عقبہ ابن نافع فہری تھے۔ انہوں نے افریقہ کے بیشتر حصے فتح کر لئے۔ اس خطے کے اصل باشندے بربر تھے ان کے بہت سے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور افریقی ممالک کی فتح میں معاون ثابت ہوئے۔

چونکہ افریقہ میں مسلمانوں کی کوئی مستقل چھاؤنی نہیں تھی جہاں فوج ہمیشہ قیام پذیر رہتی۔ اس لئے جب مجاہدین واپس مصر چلے جاتے تو نومسلم بربر غیر مسلموں کے فریب میں آکر سب عہد و پیمان توڑ دیتے اور جو مسلمان وہاں موجود ہوتے ان کو ہر طرح سے پریشان

کرتے۔ حضرت عقبہ نے طویل غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ یہاں ایک چھاؤنی بنائی جائے۔ جہاں مجاہدینؒ مستقل قیام کریں اور سر اٹھانے والے فتنوں کی فوری طور پر سرکوبی کریں۔

اس مقصد کے لئے جو جگہ آپ نے منتخب کی وہاں گھنے جنگلات تھے۔ جن میں موذی جانوروں اور درندوں کی کثرت تھی۔ ایسی جگہ انسانوں کا رہنا تو کجا گزرنا بھی خطرات سے خالی نہیں تھا۔ مشیروں نے ان خطرات کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عقبہ نے اس جگہ کو منتخب کرنے کی وجوہ بیان کیں۔ مشیروں نے کہا جناب یہ سب وجوہ بجا ہیں، لیکن جنگلی مخلوق سے تحفظ کی کیا صورت ہوگی؟ یہاں تو قدم قدم پر خطرناک بچھو اور زہریلے سانپ رینگ رہے ہیں۔ جنگل ہاتھیوں، شیروں، چیتوں، ریچھوں اور دوسرے درندوں سے اٹا پڑا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی دوسرا کمانڈر ہوتا تو وہ اس صورت حال کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا لیکن حضرت عقبہ ابن نافع فہری کسی طرح اپنے فیصلے سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے فرمایا چھاؤنی یہیں بنے گی اور ہر صورت بنے گی۔

افریقہ کے باشندے اور ان کے ساتھی یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ حضرت عقبہ اس لاینحل مسئلے کا حل کیا نکالیں گے؟ ہزاروں افراد اس میٹنگ میں شریک تھے اور یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت عقبہ اپنے فیصلے کو کس طرح عملی جامہ پہناتے ہیں؟

حضرت عقبہ نے اپنے لشکر میں موجود اٹھارہ صحابۂ کرام کو جمع فرمایا اور جنگل کے باسیوں کو خطاب کرتے ہوئے درج ذیل کلمات ارشاد فرمائے جو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر لئے:

أَيَّتُهَا الْحَشَرَاتُ وَالسِّبَاعُ نَحْنُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْحَلُوا فَإِنَّا نَازِلُونَ فَمَنْ وَجَدْنَاهُ بَعْدُ قَتَلْنَاهُ○

اے درندو! اور کیڑے مکوڑو! ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ ہم اس جگہ قیام کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ آج کے بعد جو ہمیں ملا ہم اسے قتل کر دیں گے۔

Scanned with CamScanner

اس خطاب میں کیا جادو تھا کہ تمام جنگل میں ہلچل مچ گئی۔ کیا شیر، کیا بھیڑیئے، کیا چیتے اور کیا سانپ سب گروہ در گروہ اپنے بچوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔ یہ ایسا حیرت انگیز منظر تھا جو اس سے پہلے کبھی چشم فلک نے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھنے والے اس طرح محو حیرت تھے جیسے ان پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ کسی کو شیر، بھیڑیے اور سانپ وغیرہ سے خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا کیونکہ ان سب کو تو اپنی اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ وہی منظر تھا جو قیام پاکستان کے وقت ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والوں کا تھا یعنی ہر جانور اپنی ہی فکر میں مگن۔

اس علاقے کے اصلی باشندے یعنی بربر قوم سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد یہ سب منظر جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور یہ ممکن نہیں تھا کہ اس انہونی بات کو دیکھ کر بھی وہ کفر اور باطل پرستی پر قائم رہتے۔ اسی وقت ہزاروں افراد پورے اخلاص کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس جگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عقبہ کی آواز جنگل کے دور دراز حصوں تک کیسے پہنچ گئی؟ اگر آواز پہنچ ہی گئی تھی تو تمام جانوروں نے ان کی عربی گفتگو کو کس طرح سمجھ لیا؟ اور اگر سمجھ ہی لیا تھا تو وہ اس حکم پر بلا چون و چرا عمل کرنے پر کیسے تیار ہو گئے؟ اور عمل بھی ایسا کیا کہ چالیس سال تک اس علاقے میں کوئی سانپ یا موذی جانور دکھائی نہیں دیا۔

بڑے سے بڑا سائنس دان، فلسفی، ماہر طبیعات، ماہر ارضیات یا ماہر حیوانیات ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ ان کا جواب صرف بندۂ مومن دے سکتا ہے جس کا ایمان ہے کہ تمام اسباب اور مسببات اور کائنات کا ایک ایک ذرہ سب سے اعلیٰ اور سب پر غالب ہستی کے حکم کے تابع ہے اور جو بندہ دل و جان سے اس کے حکم کا تابع ہو جائے کائنات اس کے تابع ہو جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ (محمد ۴۷/۷)

اگر تم اللہ کے دین کی امداد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران ۳/۱۳۹)

تم ہی سر بلند ہو اگر تم صاحب ایمان ہو۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر کی بدولت تزکیۂ نفس کی تمام منزلیں طے کر چکے تھے اور نفسانی خواہشات اور رذائل سے پاک ہو چکے تھے اس لئے زبان ان کی ہوتی تھی اور حکم اللہ تعالیٰ کا ہوتا تھا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس کی بات اللہ تعالیٰ کی بات ہوتی ہے، اگرچہ بندے کے منہ سے صادر ہوتی ہے۔

یہ ۵۰ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت کا واقعہ ہے، جب صحابۂ کرام نے مغربی افریقہ کے مشہور شہر قیروان کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر عرصہ دراز تک افریقہ کا دارالحکومت رہا۔ افریقہ کا گورنر یہیں رہتا تھا۔ اسی لئے یہ شہر اسلامی شان و شوکت کی زندہ یادگار تھا۔ ایک عرصہ تک مغربی افریقہ میں اس سے بڑا کوئی شہر نہ تھا۔ (ولولہ انگیز خوشبوئیں)

کون حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ کے والد ابوسفیان ہیں جن کا نام صخر بن حرب بن امیہ ابن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی ہے، امیر معاویہ کی والدہ کا نام ھند بنت عتبہ ہے، وہ اپنے والدین اور بھائی یزید کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے، امیر معاویہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عمرۃ القضا (۷ھ) کے موقع پر ایمان لے آیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات بھی کی تھی، لیکن والدین کے سامنے اسلام ظاہر نہ کیا۔

غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے، آپ نے ہوازن کے مال غنیمت میں سے انہیں ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر بھیجے تو امیر معاویہ اپنے بھائی یزید کے ساتھ ہی گئے، وہ شام کے ایک حصے کے گورنر تھے، یزید نے اپنی وفات سے پہلے انہیں گورنر بنا دیا جس کی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے توثیق فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: معاویہ فقیہ (مجتہد) ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے بعد امیر معاویہ سے زیادہ سخی نہیں دیکھا، انہیں کہا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم! یہ حضرات امیر معاویہ سے بہتر اور افضل تھے، لیکن امیر معاویہ سخی زیادہ تھے۔

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام گئے اور امیر معاویہ کو دیکھا تو فرمایا: یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں پورے شام کا گورنر بنا دیا، یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی انہوں نے بیعت نہیں کی، ان کا مطالبہ یہ تھا کہ پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قصاص لیا جائے، اسی سلسلے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''جنگ صفین'' ہوئی۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، دوسری طرف امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی لشکر لے کر ان کی جانب روانہ ہوئے، جنگ چھڑنے ہی والی تھی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کہ مقابلہ سخت ہے اور دونوں طرف مسلمانوں ہی کا خون بہایا جائے گا اور اہل عراق میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ایک تاریخی فیصلہ کیا کہ اقتدار حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دیا اور خود مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ امیر معاویہ کوفہ تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں نے بھی آپ کی بیعت کی اور ان پر متفق ہو گئے، اس لئے اس سال کا نام ہی ''عام الجماعۃ'' (اجتماعیت کا سال) رکھ دیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سال امیر اور بیس سال خلیفہ رہے۔ ۱۵؍رجب ۶۰ھ اور ایک قول کے مطابق ۲۲؍رجب ۵۹ھ کو ان کی رحلت ہوئی۔ اصح یہ ہے کہ ۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: اگر تمہیں والی (حاکم) بنا دیا گیا تو احسان سے کام لینا، اس دن سے مجھے خلافت کی امید تھی۔

نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنی قمیص مبارک عطا فرمائی تھی نیز آپ کے ناخنوں کے تراشے بھی ان کے پاس تھے، انہوں نے وصیت کی کہ مجھے اس قمیص میں کفن دینا اور وہ قمیص

میرے جسم کے ساتھ متصل رکھنا اور مقدس ناخنوں کے تراشے پیس کر میری آنکھوں اور منہ میں ڈال کر مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حوالے کر دینا۔

(ابن الاثیر: اسد الغابۃ (دار الشعب) ۵/۱۰۵-۲۰۹)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی، کاتب وحی اور نسبتی بھائی تھے، ان کی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں، آج سے کچھ عرصہ پہلے ۲۲؍رجب کو ''کونڈوں کا ختم'' دلانے کا بہت رواج تھا، کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں لکھنؤ کے شیعوں نے ''امیر شام'' یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں اس ختم کا اہتمام کیا تھا۔ اہل سنت و جماعت اگر اس تاریخ کو ختم دلائیں اور صحابہ و اہل بیت کے لئے عموماً اور حضرت امام جعفر صادق اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے لئے ایصال ثواب کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرف قادری)

(۱۸۰)

اور حضور ﷺ نے ان کا گھر بسا دیا

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق خزرج کی شاخ بنو ساعدہ سے تھا۔ ان کا نام ”حزن“ تھا، نبی کریم ﷺ نے ”سہل“ رکھ دیا۔ انہوں نے طویل عمر پائی۔ حجاج بن یوسف کے ہاتھوں وہ آزمائش سے دوچار ہوئے۔ انہوں نے 97ھ میں 88 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ وہ مدینہ منورہ میں موجود آخری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ (اسد الغابہ ج2 ص576-575)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ میں خود کو آپ کے لیے ہبہ کر دوں اور آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کے سراپا پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنی نگاہ نیچے کر لی اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ عورت نے جب دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کی بات سے کوئی اثر نہیں لیا اور خاموش ہو گئے ہیں تو وہیں بیٹھ گئی اور آپ ﷺ کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے گزارش کی:

(یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکَ بِھَا حَاجَۃٌ فَزَوِّجْنِیْھَا)

”اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو اس سے شادی کی خواہش نہیں تو اس کی میرے ساتھ شادی کر دیں۔“

رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: (وَھَلْ عِنْدَکَ مِنْ شَیْءٍ؟)

”تیرے پاس (اس کو بطور مہر دینے کے لیے) کوئی چیز ہے؟“

اس نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

(اِذْھَبْ اِلٰی اَھْلِکَ فَانْظُرْ ھَلْ تَجِدُ شَیْئًا)

”اپنے اہل خانہ کے پاس جا کر دیکھو کہ کوئی چیز تمہیں ملتی ہے؟“

وہ آدمی اپنے گھر گیا اور واپس آ کر عرض کرنے لگا:

(لَا وَاللّٰہِ! مَا وَجَدْتُ شَیْئًا)

”نہیں، اللہ کی قسم! مجھے کوئی بھی چیز نہیں مل سکی۔“

رسول اکرم ﷺ نے اسے دوبارہ بھیجا اور فرمایا:

(اُنْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِیْدٍ)

”جا کر دیکھو، اگرچہ کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔“

وہ آدمی پھر گیا اور واپس آ کر عرض کرنے لگا:

(لَا وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وَلَا خَاتَمًا مِّنْ حَدِیْدٍ وَّلٰکِنْ ھٰذَا اِزَارِیْ لَھَا نِصْفُہٗ)

”اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! لوہے کی کوئی انگوٹھی بھی نہیں مل سکی، البتہ یہ میرا تہہ بند ہے اس میں سے آدھا اس (عورت) کو (بطور مہر) دے دیتا ہوں۔“ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(مَا تَصْنَعُ بِاِزَارِکَ؟ اِنْ لَبِسْتَہٗ لَمْ یَکُنْ عَلَیْھَا مِنْہُ شَیْءٌ وَاِنْ لَبِسَتْہُ لَمْ یَکُنْ عَلَیْکَ مِنْہُ شَیْءٌ)

”بھلا وہ تمہارے ازار (تہہ بند) کا کیا کرے گی؟ اگر تم اسے پہن لو گے تو اس (عورت) کے لیے کچھ نہیں بچ رہے گا اور اگر وہ پہن لے گی تو تمہارے لیے کچھ نہیں بچے گا۔“

رسول اکرم ﷺ کی بات سن کر وہ آدمی چپ چاپ بیٹھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے جب ایک

Scanned with CamScanner

طویل وقت گزر گیا تو وہ غمگین ہو کر اٹھا اور چل دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے واپس جاتے دیکھ کر بلوایا اور پوچھا: (مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟)

"تمہیں قرآن کا کتنا حصہ یاد ہے؟"

اس نے عرض کی: "مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔" اس نے کئی ایک سورتوں کے نام گنوائے۔ رسول اکرم ﷺ نے پوچھا:

(تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ؟)

"کیا تم انہیں زبانی پڑھ سکتے ہو؟" اس نے عرض کی: "جی ہاں۔"

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ)

"جاؤ" جو کچھ تمہیں قرآن یاد ہے اس کی وجہ سے تمہاری شادی اس عورت سے کر دی۔"

(بخاری: 5087، مسلم: 1425، موطا: 3/2، نسائی: 113/6، ابوداؤد: 236/2)

(۱۸۱)

شیر سے پردہ کرنے والی خاتون

حضرت سیدنا اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ایک دفعہ میں شام کے راستے حج بیت اللہ شریف زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً کے ارادے سے نکلا۔ دوران سفر ایک بہت بڑا خوفناک شیر نمودار ہوا اور راستے میں حائل ہو گیا۔ میں نے برابر والے شخص سے پوچھا: "کیا قافلے میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو تلوار لے اور اس شیر کو یہاں سے ہٹا دے؟" تو اس نے جواب دیا: "میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا، البتہ! ایک عورت ہے جو اسے بغیر تلوار کے بھی ہٹا سکتی ہے۔" میں نے اس کے متعلق پوچھا اور ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور قریب ہی ایک سواری کے کجاوہ کے پاس پہنچے تو اس نے پکارا: "اے بیٹی! نیچے اترو اور ہم سے اس شیر کو دور کر دو۔" اندر سے آواز آئی: "اے میرے والد محترم! کیا آپ کا دل برداشت کرتا ہے کہ مجھے شیر دیکھے، وہ مذکر ہے اور میں مؤنث لیکن اے ابا جان! شیر کو جا کر کہہ دیجئے کہ میری بیٹی فاطمہ تجھے سلام کہتی ہے اور اس ذات کی قسم دیتی ہے جسے نہ نیند آتی ہے، نہ اونگھ تو ہمارے راستے سے ہٹ جا۔" حضرت سیدنا امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کی قسم! ابھی اس کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا کہ شیر سامنے سے جا رہا تھا۔"

اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ صالحین کی علامتیں اور عارفین کی نشانیاں ہیں۔ (الروض)

(۱۸۲)

اور چار ماہ کا بچہ بول پڑا

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا، تو ایک شخص جس کا نام مالک بن ذعر تھا جو مدین کا باشندہ تھا۔ ایک قافلہ کے ہمراہ اس کنوئیں کے پاس پہنچا اور اپنا ڈول کنوئیں میں ڈالا' تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کو پکڑ لیا اور مالک بن ذعر نے آپ کو کنوئیں میں سے نکال لیا' آپ کے بھائیوں نے اس سے کہا: یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے اگر تم اس کو خرید لو تو ہم بہت ہی سستا تمہارے ہاتھ بیچ دیں گے۔ چنانچہ ان کے بھائیوں نے صرف بیس درہم میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ ڈالا' مگر شرط یہ لگا دی کہ تم اس کو یہاں سے اتنی دور لے جاؤ کہ اس کی خبر بھی ہمارے سننے میں نہ آئے۔ مالک بن ذعر نے ان کو خرید کر مصر کے بازار کا رخ کیا اور بازار میں ان کو فروخت کرنے کا اعلان کیا۔ ان دنوں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید عملیقی تھا اور اس نے اپنے وزیر اعظم قطیفر مصری کو مصر کی حکومت اور خزانے سونپ دیئے تھے اور مصر میں لوگ اس کو ''عزیز مصر'' کے خطاب سے پکارتے تھے۔ جب عزیز مصر کو معلوم ہوا کہ بازار مصر میں ایک بہت ہی خوبصورت غلام فروخت کے لیے لایا گیا ہے اور لوگ اس کی خریداری کیلئے بڑی بڑی رقمیں لے کر بازار میں جمع ہو گئے ہیں' تو عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کے وزن برابر سونا، اور اتنی ہی چاندی، اور اتنا ہی مشک، اور اتنی ہی حریر قیمت دے کر خرید لیا اور گھر لے جا کر اپنی بیوی ''زلیخا'' سے کہا: اس غلام کو نہایت ہی اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھو۔ اس وقت آپ کی عمر شریف تیرہ یا سترہ برس

کی تھی۔ ''زلیخا'' حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور ایک دن خوب بناؤ سنگھار کر کے تمام دروازوں کو بند کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو تنہائی میں لبھانے لگی آپ نے معاذ اللہ کہہ کر فرمایا: میں اپنے ترتیت کرنے والے عزیز مصر کے احسان کو فراموش کر کے ہرگز ہرگز اس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کر سکتا۔ پھر جب خود زلیخا آپ کی طرف لپکی تو آپ بھاگ نکلے اور زلیخا نے دوڑ کر پیچھے سے آپ کی قمیص کو پکڑ لیا جو پھٹ گئی اور آپ کے پیچھے پیچھے زلیخا دوڑتی ہوئی صدر دروازہ پر پہنچ گئی۔ اتفاق سے ٹھیک اسی حالت میں عزیز مصر مکان میں داخل ہوا اور دونوں کو دوڑتے ہوئے دیکھ لیا تو زلیخا نے عزیز مصر سے کہا: اس غلام کی سزا یہ ہے کہ اس کو جیل خانہ بھیج دیا جائے یا اور کوئی دوسری سخت سزا دی جائے کیونکہ اس نے تمہاری گھر والی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے عزیز مصر! یہ بالکل ہی غلط بیانی کر رہی ہے۔ اس نے خود مجھے لبھایا اور میں اس سے بچنے کے لیے بھاگا تو اس نے پیچھا کیا۔ عزیز مصر دونوں کا بیان سن کر حیران رہ گیا اور بولا: اے یوسف! میں کس طرح باور کر لوں کہ تم سچے ہو؟ آپ نے فرمایا: گھر میں چار مہینے کا ایک بچہ پنگھوڑے میں لیٹا ہوا ہے جو زلیخا کے ماموں کا لڑکا ہے۔ اس سے دریافت کر لیجئے کہ واقعہ کیا ہے؟ عزیز مصر نے کہا: بھلا چار ماہ کا بچہ کیا جانے اور کیسے بولے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو ضرور میری بے گناہی کی شہادت دینے کی قدرت عطا فرمائے گا کیونکہ میں بے قصور ہوں۔ چنانچہ عزیز مصر نے جب اس بچے سے پوچھا' تو اس بچے نے بہ آواز بلند فصیح زبان میں یہ کہا:

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (یوسف ع ۳)

اگر ان کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور انہوں نے غلط کہا ہے اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور وہ سچے ہیں۔

بچے کی زبان سے عزیز مصر نے یہ شہادت سن کر جو دیکھا تو ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا تھا تو اس وقت عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا اعلان کرتے ہوئے یہ کہا:

Scanned with CamScanner

اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝

بیشک یہ تم عورتوں کا چرتر ہے۔ بیشک تمہارا چرتر بڑا ہے۔ اے یوسف! تم اس کا خیال نہ کرو اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ بیشک تو خطا کاروں میں ہے۔

(۱۸۳)

ماء الفرس (گھوڑے کا چشمہ)

افریقہ ہی کے ایک سفر میں حضرت عقبہ نے اپنے لشکر سمیت ایک جگہ قیام کیا۔ جہاں دور دور تک پانی کا نام ونشان نہ تھا۔ مجاہدین پر پیاس کا اس قدر غلبہ ہوا کہ خطرہ محسوس کیا گیا کہ اگر پانی نہ ملا تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔ حضرت عقبہ اس صورت حال سے پریشان ہو گئے اور شدید اضطراب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے جو کہ مسلمانوں کی اصلی علامت اور خصوصیت ہے۔ دو رکعت نماز ادا کر کے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔ ابھی آپ دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے گھوڑے نے زمین پر سم مارنا شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک پتھر سے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ تمام مجاہدین اس چشمے پر ٹوٹ پڑے اور سب نے پیٹ بھر کر پانی پیا۔ اس دن سے اس جگہ کا نام "ماء الفرس" (گھوڑے کا چشمہ) پڑ گیا۔

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے مشابہ ہے۔ وہ پتھر پر عصا مارتے تھے تو اس میں سے چشمہ جاری ہو جاتا۔ یہاں حضرت عقبہ کے گھوڑے نے پتھر پر سم مارا تو اس میں سے چشمۂ آب شیریں ابل پڑا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ یہ حضرت عقبہ کی کرامت تھی (رضی اللہ عنہ)

(ماخوذ از ماہنامہ القاسم شمارہ شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ (شائع شدہ از مدرسہ اسلامیہ دیوبند) بعنوان "دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" ص ۸-۳)

حضرت عقبہ ابن رافع فہری رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔ جب بارگاہ خداوندی میں ان کا یہ مقام ہے تو ان کے اور ہم سب کے آقا ومولا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہو گا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے پتھر سے چشمے جاری ہو جاتے تھے۔ یہ بے شک عظیم

معجزہ تھا۔ تاہم پتھروں سے تو چشمے جاری ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے اور سینکڑوں صحابہ اس سے فیض یاب ہوئے، جبکہ انگلیوں سے پانی نکلنے کی کوئی مثال نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کہتے ہیں:

پنجۂ مہر عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے
چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں مجاہدین جس طرف بھی رخ کرتے تھے فتح و کامرانی ان کا استقبال کرتی تھی۔ آج پچاس سے زیادہ اسلامی ممالک ہونے کے باوجود آسمان سے جو بلا نازل ہوتی ہے، وہ زمین تک پہنچنے سے پہلے پوچھتی ہے کہ مسلمانوں کا گھر کون سا ہے؟ کفر کی طاغوتی طاقتیں جسے چاہتی ہیں روند ڈالتی ہیں۔ مسلمانوں کا نہ کوئی پرسان حال ہے اور نہ نوحہ خواں۔ وجہ کیا ہے؟ یہی ناں کہ:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر، کائنات کی کوئی چیز تیرے حکم سے سر نہیں پھیرے گی۔

کاش اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مہاتیر محمد ایسے دو چار بیدار مغز، باشعور اور جرأت مند لیڈر عطا فرما دے، جو تمام مسلم امہ کو ایک پلیٹ فارم اور ایک پروگرام پر جمع کر دیں۔

(ولولہ انگیز خوشبوئیں)

(١٨٤)

یہ ہے نفع والی تجارت

☆......حضرت انس بن مالک بن نضر رضی اللہ عنہ کا تعلق خزرج کی شاخ بنو نجار سے تھا۔ انس رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ ﷺ تھے۔ ہجرت نبوی کے وقت وہ دس سال کے تھے۔ انہوں نے بکثرت احادیث روایت کیں۔ نبی ﷺ نے انہیں کثرت مال واولاد کی دعا دی، چنانچہ ان کے بیٹوں اور بیٹیوں کی مجموعی تعداد 80 تھی۔ انہوں نے 91ھ میں رحلت فرمائی۔ وہ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے۔ (اسد الغابہ ج1 ص297-294)

☆......ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نام زید بن سہل تھا اور ان کا تعلق انصاری قبیلہ بنو نجار سے تھا۔ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ قائم کرایا۔ غزوۂ احد میں نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے انہیں 35 سے زیادہ زخم آئے۔ ان کی زوجہ مشہور صحابیہ ام سلیم رضی اللہ عنہا تھیں جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ زید بن سہیل رضی اللہ عنہ نے 31ھ یا 34ھ میں 70 سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ج6 ص178)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں کھجور کے باغات کی وجہ سے سارے انصار سے زیادہ مالدار تھے۔ انہیں اپنے باغات میں مسجد نبوی کے بالکل سامنے ''بیرحاء'' نامی باغ سب سے زیادہ پسند اور عزیز تھا۔ رسول اکرم ﷺ اس باغ میں وقتاً فوقتاً تشریف لے جایا کرتے اور اس کا میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب یہ آیت

(لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط) (آل عمران:92)

"جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے، ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے۔"

نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: (لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ)

"جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے، ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے۔"

(وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِيْ إِلَيَّ بَيْرُحَاءُ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ، أَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ، فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ)

"اور میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحاء کا باغ ہے۔ میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، اس کی نیکی اور بھلائی اور اس کے ذخیرۂ آخرت ہونے کا امیدوار ہوں، لہٰذا اللہ کے حکم کے مطابق جہاں آپ چاہیں اسے خرچ کریں۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اس عظیم سخاوت پر ارشاد فرمایا: (بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَإِنِّيْ أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ)

"بہت خوب! یہ تو بہت ہی نفع بخش سودا ہے، بڑی آمدنی کا ذریعہ ہے، میں نے تمہاری بات سن لی۔ میرے خیال میں تم یہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دو۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی تجویز کے مطابق ایسا ہی کروں گا، یعنی اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں میں اسے تقسیم کردوں گا، چنانچہ انہوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتے داروں اور اپنے چچا کے لڑکوں میں تقسیم کردیا۔

(بخاری: کتاب الزکوۃ، باب الزکوۃ علی اقاربہ: 1461، مسلم: 998)

(۱۸۵)

آب زمزم ستو، دودھ اور شہد بن گیا

حضرت سیدنا سعید بن اسحاق بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "میں سحری کے وقت آب زمزم شریف کے کنوئیں کے پاس تھا کہ اچانک ایک بزرگ تشریف لائے، ڈول بھرا اور پانی پی کر چل دیئے۔ میں نے ان کا جوٹھا پانی پیا تو وہ میٹھے ستو کی طرح تھا۔ ایسا شربت میں نے پہلے کبھی نہ پیا تھا۔ جب میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ جا چکے تھے۔ میں دوسرے دن دوبارہ زمزم کے کنوئیں کے پاس آگیا۔ وہ بزرگ پھر تشریف لائے اور ڈول بھر کر پانی نوش فرمایا۔ اب میں نے ان کا بچا ہوا پانی پیا تو وہ خوشبودار میٹھے شہد کی طرح تھا۔ ایسا لذیذ مشروب میں نے پہلے کبھی نہ چکھا تھا۔ میں دوبارہ متوجہ ہوا تو وہ بزرگ تشریف لے جا چکے تھے۔ تیسرے روز میں سحری کے وقت زمزم شریف کے کنوئیں پر موجود تھا کہ وہ بزرگ پھر تشریف لائے اور ڈول بھر کر پانی پیا۔ میں نے ان کا جوٹھا پانی پیا تو میٹھے دودھ کی طرح تھا۔ ایسا لذیذ دودھ میں نے کبھی نہ پیا تھا۔ میں نے عرض کی: "اس گھر کی حرمت کی قسم! یہ بتائیے! آپ کون ہیں؟" تو انہوں نے فرمایا: کیا میری موت تک اس کا اظہار تو نہ کرو گے؟" میں نے عرض کی: "جی ہاں۔" تو انہوں نے بتایا: "میں سفیان ثوری ہوں۔"

(الروض الفائق)

Scanned with CamScanner

(۱۸۶)

قمیص میں شفا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب ان کو کنوئیں میں ڈال کر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا کر یہ کہہ دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا' تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بے انتہا رنج وقلق اور بے پناہ صدمہ ہوا اور وہ اپنے بیٹے کے غم میں بہت دنوں تک روتے رہے اور بکثرت رونے کی وجہ سے ان کی آنکھوں کی سیاہی کا رنگ جاتا رہا اور بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ پھر برسوں کے بعد جب برادران یوسف علیہ السلام قحط کے زمانے میں غلہ لینے کے لیے دوسری مرتبہ مصر گئے اور بھائیوں نے آپ کو پہچان کر اظہار ندامت کرتے ہوئے معافی طلب کی' تو آپ نے انہیں معاف کرتے ہوئے یہ فرمایا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادے وہ ارحم الراحمین ہے۔

جب آپ نے اپنے بھائیوں سے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال پوچھا اور بھائیوں نے بتایا کہ وہ تو آپ کی جدائی میں روتے روتے بہت ہی نڈھال ہوگئے ہیں اور ان کی بینائی بھی بہت کمزور ہوگئی ہے۔ بھائیوں کی زبانی والد ماجد کا حال سن کر حضرت یوسف علیہ السلام بہت ہی رنجیدہ اور غمگین ہوگئے پھر آپ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (یوسف ۱۰ ع)

تم لوگ میرا یہ کرتا لے جاؤ اور اس کو میرے والد کے منہ پر ڈال دو' تو ان کی

آنکھیں کھل جائیں گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

چنانچہ برادران یوسف علیہ السلام اس کرتے کو لے کر مصر سے کنعان کو روانہ ہوئے آپ کے بھائیوں میں سے یہودا نے کہا کہ اس کرتے کو میں لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس جاؤں گا' کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال کر ان کا خون آلود کرتا بھی میں ہی ان کے پاس لے کر گیا تھا' اور میں نے ہی یہ کہہ کر ان کو غمگین کیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا' تو چونکہ میں نے انہیں غمگین کیا تھا' لہٰذا آج میں ہی یہ کرتا دے کر اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کی خوشخبری سنا کر ان کو خوش کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ یہودا اس پیراہن کو لے کر اسی کوس تک ننگے سر برہنہ پا دوڑتا ہوا چلا گیا۔ راستہ کی خوراک کے لیے سات روٹیاں اس کے پاس تھیں مگر فرط مسرت اور جلد پہنچنے کے شوق میں وہ ان روٹیوں کو بھی نہ کھا سکا اور جلد سے جلد سفر طے کر کے والد محترم کی خدمت میں پہنچ گیا!

یہودا جیسے ہی کرتا لے کر مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا۔ کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس ہوئی اور آپ نے اپنے پوتوں سے فرمایا:

اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ (یوسف رکوع ۱۱)

بیشک میں یوسف کی خوشبو پارہا ہوں' اگر مجھے تم لوگ یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہے۔

آپ کے پوتوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم آپ اب بھی اپنی اسی پرانی وارفتگی میں پڑے ہوئے ہیں بھلا کہاں یوسف؟ اور کہاں ان کی خوشبو؟ لیکن جب یہودا کرتا لے کر کنعان پہنچا اور جیسے ہی کرتے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا تو فوراً ہی ان کی آنکھوں میں روشنی آگئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف رکوع ۱۱ پارہ ۱۳)

پھر جب خوشی سنانے والا (یہودا) آیا اس نے وہ کرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈالا تو اسی وقت ان کی آنکھوں میں پھر روشنی آگئی اور انہوں نے فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے!

Scanned with CamScanner

یہودا مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا لے کر جیسے ہی کنعان کی طرف چلا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لی۔ اس بارے میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک بڑی ہی نصیحت آموز اور لذیذ حکایت لکھی ہے۔ جو بہت ہی دلکش ہے اور نہایت ہی کیف آور بھی ہے اور وہ یہ ہے۔

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند کہ اے عالی گہر پیر خردمند

حضرت یعقوب علیہ السلام سے جن کے فرزند گم ہو گئے تھے' کسی نے یہ پوچھا: اے عالی ذات اور بزرگ عقلمند۔

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی
چرا در چاہ کنعانش ندیدی

آپ نے مصر جیسے دور دراز مقام سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو سونگھ لی اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کنعان ہی کی سرزمین میں ایک کنوئیں کے اندر تھے' تو آپ کو اتنے قریب سے بھی ان کی خوشبو محسوس نہیں ہوئی اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا۔

بگفتا حال ما برق جہان است
دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے برطارم اعلیٰ نشینم
گہے برپشت پائے خود نہ بینم

یعنی ہم اللہ والوں کا حال کوندنے والی بجلی کی مانند ہے کہ دم بھر میں ظاہر اور دم بھر میں پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ کبھی تو ہم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی صفات نورانیہ کی تجلی ہوتی ہے تو ہم لوگ آسمانوں پر جا بیٹھتے ہیں اور ساری کائنات ہمارے پیش نظر ہو جاتی ہے اور کبھی جب ہم پر استغراق کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو ہم لوگ خدا کی ذات و صفات میں ایسے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ تمام ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم اپنے پشت پا کو بھی نہیں دیکھ پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ مصر سے تو پیراہن یوسف کو ہم نے سونگھ کر اس کی خوشبو

محسوس کر لی کیونکہ اس وقت ہم پر کشفی کیفیت طاری تھی مگر کنعان کے کنوئیں میں سے ہم کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو اس لیے محسوس نہ ہو سکی کہ اس وقت ہم پر استغراقی کیفیت کا غلبہ تھا اور ہمارا یہ حال تھا کہ۔

میں کسی کی لوں خبر، مجھے اپنی خبر نہیں!

اس پورے واقعہ سے خاص طور پر دو سبق ملتے ہیں!

(۱) یہ کہ اللہ والوں کے لباس اور کپڑوں میں بھی بڑی برکت اور کرامت پنہاں ہوتی ہے لہٰذا بزرگوں کے لباس و پوشاک کو تبرک بنا کر رکھنا اور ان سے برکت و شفاء حاصل کرنا اور ان کو خداوند قدوس کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر دعاء مانگنا یہ مقبولیت اور حصول سعادت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

اللہ والوں کا حال ہر وقت اور ہمیشہ یکساں نہیں رہتا بلکہ کبھی تو ان پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے انوار سے ایسا حال طاری ہوتا ہے کہ اس وقت وہ سارے عالم کے ذرے ذرے کو دیکھنے لگتے ہیں اور کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں اس طرح گم ہو جاتے ہیں کہ تجلیوں کے مشاہدے میں مستغرق ہو کر سارے عالم سے بے توجہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ ان کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنا نام تک بھول جاتے ہیں۔ تصوف کی یہ دو کشفی و استغراقی کیفیات ایسی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ ان پر کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں۔ سچ ہے۔

لذت مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

اور اس حال و کیفیت کا طاری ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ ذکر و فکر اور مراقبہ کے ساتھ ساتھ شیخ کامل کی باطنی توجہ سے دل کی صفائی اور انجلاء قلبی پیدا ہو جائے۔ سلطان تصوف حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

اور کسی دوسرے عارف نے یہ فرمایا:

Scanned with CamScanner

ازِ ''کنز'' ''وہدایہ'' نہ تواں یافت خدارا
سی پارہ دل خواں کہ کتابے بہ ازیں نیست

یعنی خالی ''کنز الدقائق''، ''وہدایہ'' پڑھ لینے سے خدا نہیں مل سکتا بلکہ دل کے سپارے کو پڑھو کیونکہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے مگر اس دورِ نفسانیت میں جب کہ تصوف کے علم برداروں نے اپنی بے عملی سے تصوف کے مضبوط و مستحکم محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے اور محض جھاڑ پھونک اور شعبدہ بازیوں پر پیری مریدی کا ڈھونگ چلا رہے ہیں، اور خالی رنگ برنگ کے کپڑوں اور نئی نئی تراش خراش کی پوشاکوں اور تسبیح وعصا کو تصوف کا معیار بنا رکھا ہے۔ بھلا تصوف کی حقیقی کیفیات وتجلیات کو لوگ کب اور کیسے اور کہاں سے سمجھ سکتے ہیں؟ اس لیے اس بارے میں اربابِ تصوف اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

(۱۸۷)

اعلیٰ حضرت اور احترام استاذ

ہر جسم متحرک خواہ مشین ہو، حیوان ہو یا انسان لیور یعنی جگر کے بغیر نہ تو اس کا وجود ہے، نہ عمل ہے، اور نہ بقاء ہے، ان اجسام متحرکہ میں سے کوئی بھی اگر لیور (Liver) سے محروم ہو جائے تو زندگی، عمل اور وجود سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی ہر تنظیم اور ہر نظام بھی اسی اصول کے تابع ہے۔ تنظیم میں کوئی نہ کوئی ہستی اس لیور اور جگر کا کردار ادا کرتی ہے اگر وہ معدوم ہو جائے تو تنظیم بیکار اور عملی کردار سے محروم ہو جاتی ہے، دنیا کے ہر نظام کا بھی یہی عالم ہے اور اس کی بہترین مثال نظام تعلیم ہے۔ ہر قوم اور ہر ملک کے نظام تعلیم کا لیور اور جگر استاذ ہے، اگر کسی نظام تعلیم کا یہ پرزہ ناکارہ ہو جائے اور اپنی افادیت و تاثر سے عاری ہو جائے تو نظام کی ہیئت ترکیبی ایک بے جان جسم اور قوت عمل سے محروم نظام قرار پائے گا۔

بات دراصل یہ ہے کہ تعلیم و تدریس موزوں و متوازن مرکب اینٹوں یا خوبصورت جڑے ہوئے پتھروں کی خوشنما عمارت سے وابستہ نہیں، بلکہ تعلیم اور تدریس کا کام تو سرے سے عمارت کا محتاج ہی نہیں ہوتا کبھی بھی گھنے سایہ دار درخت سبزے اور فرش خاکی سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے، دنیا کی تاریخ میں آپ نے کئی ایک ایسی درسگاہوں کے نام پڑھے اور سنے ہوں گے جو ایک درخت کے زیر سایہ شروع ہوئیں! اسی طرح کتابوں سے بھی بے نیاز رہا جا سکتا ہے، لیکن ایک وجود ایسا ہے جس کے بغیر تعلیم و تدریس کا تصور بھی ناممکن ہے اور وہ ایک استاذ کی ہستی ہے بلکہ تعلیم و تدریس کا نام ہی استاذ کا ہے، ایک اچھی عمارت کے بغیر

Scanned with CamScanner

اچھی تعلیم ممکن ہے اسی طرح اچھی کتاب اور اچھے نصاب کے بغیر بھی اچھی تعلیم ممکن ہو سکتی ہے مگر ایک اچھے استاذ کے بغیر اچھی تعلیم قطعی ناممکن ہے، چنانچہ ایک برا استاذ ایک اچھی کتاب سے اچھے نتائج کبھی پیدا نہیں کر سکتا، مگر ایک اچھا استاذ خراب نصاب اور بری کتاب سے بھی اچھے نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ یوں استاذ کو نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ نظام تعلیم میں کلیدی کردار حاصل ہے، معلم و مدرس یا استاذ تعلیم کے میدان میں وہی مرتبہ اور مقام رکھتا ہے جو روح کو جسم میں اور انبیائے کرام کو اصلاح انسانیت کے کام میں نصیب ہوا ہے۔ تعلیم انسانیت دراصل انبیائے کرام کا کام ہے جو استاذ کو ورثے میں ملا ہے بلکہ یہ مرتبہ و مقام تو وہ ہے جو اپنے اندر رحمت الٰہیہ کا عکس اور مصطفوی ﷺ کردار کی رونق کا حامل بھی ہے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (اور اللہ تعالیٰ نے تمام نام آدم علیہ السلام کو سکھلا دیئے) کی رو سے اللہ جل شانہٗ آدم علیہ السلام کو تعلیم دینے والا ہوا اور بلاشبہ اللہ جل شانہٗ اپنے تمام نبیوں اور رسولوں کو تعلیم و ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ مصطفیٰ ﷺ نے تو صاف لفظوں میں اپنی بعثت کا مقصد یوں بیان فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے) عرض صرف یہ کرنا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں استاذ کا مرتبہ و احترام معاشرے کے تمام انسانوں سے بلند و برتر ہے۔ اسلامی تعلیم کی تاریخ میں ہمیشہ استاذ کے اس مقام و احترام کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور اسی روش نے امت میں ایسے ایسے بلند مرتبہ اساتذہ کرام کو وجود عطا کیا ہے جن کے احترام کے لیے آج بھی گردنیں جھکتی اور سرنگوں ہو جاتے ہیں، امت مسلم نے استاذ کو وہی مرتبہ دیا ہے جو کوئی نیک اولاد اپنے والد گرامی کو دے سکتی ہے۔ خلفاء، بادشاہوں اور حاکموں کی اولاد اپنے اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کرنے میں فخر محسوس کرتی رہی ہے، مصر کے عظیم و جلیل قومی شاعر احمد شوقی نے اسی لئے یہ تلقین کر کے بات ہی ختم کر دی ہے:

قُمْ لِلْمُعَلِّمِ وَوَفِّهِ تَبْجِيْلَا كَادَ الْمُعَلِّمُ اَنْ يَّكُوْنَ رَسُوْلًا!

یعنی اٹھو اپنے استاذ کے لیے اور اسے پورا پورا احترام دو کیونکہ استاذ تو رسول کے مرتبے کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے۔ (یعنی تعلیم کتاب کا جو منصب انبیاء

کا ہے وہی ذمہ داری ایک استاذ نبھاتا ہے)

اسلام میں استاذ کے اس احترام اور نظام تعلیم میں معلم کے کردار کے پیش نظر مدح رسول ﷺ میں سعدی و اقبال کا قلندرانہ مقام رکھنے والے شاعر بے مثل اور عالم بے بدل حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جو تعلیمی نظریات ہمیں عطا فرمائے ہیں ان میں احترام استاذ کو تمام باتوں پر فوقیت حاصل ہے اور اسی پہلو پر سب سے زیادہ توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی طباعت و اشاعت نہ صرف یہ کہ فاضل بریلوی کے علم و فضل اور جدید و قدیم فکر کی رہنمائی کے لیے ان کی طبع فیاض پر شاہد عدل ہیں بلکہ اسلامی علوم کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جو ہر موضوع کے متعلق تسلی بخش اور مفید معلومات مہیا کرتا ہے، اگر ان فتاویٰ کی شناوری و غواصی کا شرف حاصل ہو جائے تو بے شمار اور بے بہا گوہر ہائے گراں مایہ میسر آتے ہیں، ان کے تعلیمی افکار پر بھی ایک وسیع و مفید کام ہو سکتا ہے، احترام استاذ کے حوالے سے ایک جگہ لکھا ہے:

"امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجهه الکریم می آرند که فرمود مَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًا فَقَدْ صَيَّرَنِیْ عَبْدًا اِنْ شَآءَ بَاعَ وَ اِنْ شَآءَ اِعْتَقَ هر که مرا حرفے آموخت پس به تحقیق مرا بندهٔ خود ساخت، اگر خواهد فرو شد و اگر خواهد آزاد کند!"

سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمانا کہ انسان کو اگر کوئی ایک حرف بھی سکھلاتا ہے تو وہ اسے گویا اپنا غلام بنا لیتا ہے۔ دراصل معلم و مدرس کے مقام بلند و برتر کی حقیقت کو عیاں کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات کی روح سے استاذ کو نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے نظام تعلیم میں جو ابتری نظر آتی ہے وہ اسی حقیقت کو فراموش کرنے کا نتیجہ ہے، استاذ کو جب تک اس کا کھویا ہوا مقام میسر نہیں آتا جو اسلامی تاریخ کے زرین ادوار علم و فضل کا طرۂ امتیاز تھا، اس وقت تک ہمیں وہ مرتبہ و مقام نصیب نہیں ہو سکتا جو مسلمان قوم کی شان تھی اور جو آج کے دور میں زندہ اقوام کی شان ہے، ہمارے دور زوال اور عہد غلامی نے ہماری اس روایت کو ہمارے کردار

Scanned with CamScanner

سے اس طرح محو کر دیا ہے جس طرح کوئی روشنائی مٹانے والی دوا سے حرف غلط کو محو کر دیتا ہے۔ ہمارا مستقبل اسی وقت محفوظ و مصؤن اور روشن و تاباں ہو سکتا ہے جب ہم اپنی اس روایت کو ایک دفعہ پھر اسی طرح زندہ کر دیں جس طرح کبھی وہ مدینہ و دمشق، (کوفہ و قاہرہ) بغداد و قرطبہ اور دلی و لاہور میں زندہ تابندہ تھی، ہمیں اپنے استاذ کو وہی احترام دینا ہے جو اسے ہمارے دین متین، ہمارے اسلاف اور ہماری شاندار تاریخ نے عطا کیا ہے، استاذ ہی قومیں بناتے ہیں اور تعمیر و ترقی کے بام عروج تک پہنچاتے ہیں۔ یہی کچھ ہمیں فتاویٰ رضویہ اور حضرت امام (احمد رضا) کی دیگر تصانیف سے میسر آتا ہے، حضرت ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”ناسپاسی استاذ کہ بلائے است ہائل و دائے است قاتل، وبرکات علم را مزیل و مبطل، العیاذ باللہ!“

”استاذ کی ناشکری ایک ہولناک آفت ہے ایک مہلک بیماری ہے اور برکات علم کو زائل و باطل بنا دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔“

احسان مندی و شکر گزاری ایک نعمت ہے جبکہ ناشکری و احسان فراموشی ایک لعنت ہے، مگر جب یہ استاذ کے حوالے سے ہو تو پھر تو اس کے وبال اور بربادی کی کوئی حد ہی نہیں ہے، افراد و اقوام اپنے بنانے والوں کو اگر بھول جائیں تو گم ہو جاتی ہیں، بالکل جیسے بے رنگ کا کوئی مالک اور اتہ پتہ نہیں ہوتا اسی طرح ان کی منزل بھی گم ہو جاتی ہے اور وہ راستوں کی خاک میں ہی نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔

ایک اور مقام پر ایک حدیث نبوی ﷺ سے استشہاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اپنے استاذ بلکہ شاگردوں کے لیے بھی تواضع کا حدیث میں حکم ہے:

”تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَعَلَّمُوْنَهٗ وَلَا تَكُوْنُوْا جَبَابِرَةَ الْعُلَمَاءِ“ یعنی جس سے علم سیکھو اس سے بھی تواضع سے پیش آؤ اور جسے سکھلاتے ہو اس کے لیے بھی تواضع سے کام لو اور سرکش عالم مت بنو!“

استاذ وہ انجینئر ہے جو انسان سازی کرتا ہے، انسانوں کی سیرت سازی کرتا ہے اور اپنے شاگردوں کے لیے تعمیر شخصیت کا کردار ادا کرتا ہے، اس لیے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ

جس انسان ساز کو ہم اپنا لخت جگر سیرت سازی کے لیے پیش کر رہے ہیں وہ کس صلاحیت کا مالک ہے؟ اور جس نے ہمارے بچوں کی تعمیر شخصیت کا فریضہ بہترین انداز میں انجام دیا ہے اس کے مرتبہ اور احترام کو ہر حال میں پیش نظر رکھیں، یہی ہے نشان زندہ قوموں کا اور اسی نے ہماری ہستی ہماری زندگی اور ہمارے عملی کردار کی تشکیل کرنا ہے!

مضمون نگار: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (بشکریہ ماہنامہ نوائے اساتذہ، لاہور/فیصل آباد۔ شمارہ ستمبر اکتوبر ۲۰۰۳ء)

Scanned with CamScanner

(۱۸۸)

تیرے لیے صدقہ، ہمارے لیے ہدیہ

مؤطا امام مالک، بخاری، مسلم اور نسائی میں ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی) کے واقعے سے تین سنتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک سنت یہ ہے کہ وہ آزاد ہوئیں تو انہیں اختیار دیا گیا (کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے شوہر مغیث رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی رہیں اور اگر چاہیں تو علیحدگی اختیار کر لیں یعنی نکاح فسخ کر سکتی ہیں)۔

دوسری سنت یہ معلوم ہوئی کہ رسول اکرم ﷺ نے (حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں) فرمایا: (اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ)

''ولاء آزاد کروانے والے کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔''

مفہوم یہ ہے کہ آزاد کردہ غلام یا لونڈی کے مرنے کے بعد اس کے چھوڑے ہوئے مال و جائیداد کی وراثت کا مستحق وہی ہوگا جو اسے آزاد کرتا ہے۔ عرب لوگ اس قسم کے مال و جائیداد کو بیچ کھاتے تھے مگر رسول اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ولاء (آزاد کردہ غلام یا لونڈی کے چھوڑے ہوئے مال) کا وارث آزاد کرنے والے کو ٹھہرایا۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعے سے تیسری سنت یہ معلوم ہوئی کہ بطور صدقہ ملا ہوا مال کسی مالدار یا اس شخص کو ہدیہ کرنا جائز ہے جس کے لیے صدقہ کھانا جائز نہ ہو۔ ایک مرتبہ

رسول اکرم ﷺ گھر کے اندر تشریف لائے تو چولہے پر ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا۔ آپ ﷺ کو کھانا پیش کیا گیا تو اس میں روٹی اور گھر کا سالن تھا۔ یہ دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے پوچھا:

(أَلَمْ أَرَ بُرْمَةً فِيهَا لَحْمٌ؟)

''کیا میں نے (چولہے پر) ہانڈی میں گوشت پکتے ہوئے نہیں دیکھا؟''

گھر والوں نے عرض کی: آپ بالکل درست فرما رہے ہیں اے اللہ کے رسول! مگر بات دراصل یہ ہے کہ وہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بطور صدقہ ملا ہے جبکہ آپ صدقے کا مال نہیں کھاتے (اس لیے آپ کی خدمت میں گوشت پیش نہیں کیا گیا ہے)۔ یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

(هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ)

''وہ گوشت بریرہ کے لیے تو صدقہ ہے مگر ہمارے لیے ہدیہ ہے۔''

معلوم ہوا کہ صدقے کا مستحق آدمی اگر بطور صدقہ ملے ہوئے مال کو کسی مالدار یا اس آدمی کو ہدیہ کر دے، جس کے لیے صدقہ کھانا جائز نہیں تو یہ جائز ہے۔

(المؤطا: کتاب النکاح: 21/2، بخاری: 5097، مسلم: 1075، نسائی: 164/6)

Scanned with CamScanner

(۱۸۹)

تین چیزوں کے سبب بخشش ہوگئی

حضرت سیّدنا ابو یوسف غسلونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک دن میں شام کی ایک مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت سیّدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور مجھے فرمایا: ''اے غسلونی! آج میں نے ایک عجیب بات دیکھی۔'' میں نے پوچھا، ''وہ کیا ہے؟'' فرمانے لگے: ''میں قبرستان میں ایک قبر کے پاس کھڑا تھا کہ اچانک ایک سفید ریش بوڑھے کی قبر شق ہوئی۔ اس نے مجھ سے کہا: ''اے ابراہیم! مجھ سے کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے لئے زندہ کیا ہے۔'' تو میں نے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' اس نے جواب دیا: ''میں اللہ تعالیٰ کے حضور گناہوں کا بوجھ لئے حاضر ہوا لیکن اس نے مجھ سے فرمایا: ''میں نے تجھے تین چیزوں کے سبب بخش دیا: (۱)......تو میرے پاس اس حال میں آیا کہ تجھے اس سے محبت ہے جو میرا محبوب ہے (۲)......تیرے سینے میں ذرہ برابر حرام شراب نہیں اور (۳)......تیرے بال سفید ہیں اور مجھے حیا آتی ہے کہ کسی سفید بالوں والے بوڑھے کو آگ کا عذاب دوں۔ حضرت سیّدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''پھر بوڑھے کی قبر بند ہوگئی۔'' حضرت سیّدنا غسلونی نے عرض کی، ''اے ابواسحاق! کیا آپ مجھے اس قبر کی زیارت نہ کروائیں گے؟'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے غسلونی! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے! اس کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھ تو وہ تجھے اپنی قدرت کے عجائبات دکھائے گا اور اس کی محبت میں تمام غیروں سے غافل و بے نیاز ہو جا۔'' (الروض)

(۱۹۰)

سب سے بہترین قصہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ''احسن القصص'' یعنی تمام قصوں میں سب سے اچھا قصہ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مقدس زندگی کے اتار چڑھاؤ میں اور رنج و راحت اور غم و سرور کے مدوجزر میں ہر ایک واقعہ بڑی بڑی عبرتوں اور نصیحتوں کے سامان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اس لئے ہم اس قصہ عجیبہ کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں تاکہ ناظرین اس سے عبرت حاصل کریں اور خداوند قدوس کی قدرتوں کا مشاہدہ کریں۔

حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں: (۱) یہودا (۲) روبیل (۳) شمعون (۴) لاوی (۵) زبولون (۶) یسجر (۷) دان (۸) نفتائی (۹) جاد (۱۰) آشر (۱۱) یوسف (۱۲) بنیامین۔

حضرت بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ باقی دوسری ماؤں سے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ اپنے باپ کے پیارے تھے اور چونکہ ان کی پیشانی پر نبوت کے نشان درخشاں تھے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام ان کا بیحد اکرام اور ان سے انتہائی محبت فرماتے تھے۔ سات برس کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند و سورج ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنا یہ خواب اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا تو آپ نے ان کو منع فرما

دیا کہ پیارے بیٹے! خبردار تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے مت بیان کرنا ورنہ یہ لوگ جذبہ حسد میں تمہارے خلاف کوئی خفیہ چال چل دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کے بھائیوں کو ان پر حسد ہونے لگا یہاں تک کہ سب بھائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ منصوبہ تیار کر لیا کہ ان کو کسی طرح گھر سے لے جا کر جنگل کے کنوئیں میں ڈال دیں۔ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے سب بھائی جمع ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے اور بہت اصرار کر کے شکار اور تفریح کا بہانہ بنا کر ان کو جنگل میں لے جانے کی اجازت حاصل کر لی اور ان کو گھر سے کندھوں پر بٹھا کر لے چلے لیکن جنگل میں پہنچ کر دشمنی کے جوش میں ان کو زمین پر پٹخ دیا اور سب نے بہت زیادہ مارا، پھر ان کا کرتا اتار کر اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو ایک گہرے اور اندھیرے کنوئیں میں گرا دیا لیکن فوراً ہی حضرت جبریل علیہ السلام نے کنوئیں میں تشریف لا کر ان کو غرق ہونے سے اس طرح بچا لیا کہ ان کو ایک پتھر پر بٹھا دیا جو اس کنوئیں میں تھا اور ہاتھ پاؤں کھول کر تسلی دیتے ہوئے ان کا خوف و ہراس دور کر دیا اور گھر سے چلتے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا جو کرتا تعویذ بنا کر آپ کے گلے میں ڈال دیا تھا وہ نکال کر ان کو پہنا دیا جس سے اس اندھیرے کنوئیں میں روشنی ہو گئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کو کنوئیں میں ڈال کر اور آپ کے پیراہن کو ایک بکری کے خون میں لت پت کر کے اپنے گھر کو روانہ ہو گئے اور مکان کے باہر ہی سے چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام گھبرا کر گھر سے باہر نکلے اور رونے کا سبب پوچھا: تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ کیا تمہاری بکریوں کو کوئی نقصان پہنچ گیا ہے؟ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے دریافت فرمایا: میرا یوسف کہاں ہے؟ میں اس کو نہیں دیکھ رہا ہوں تو بھائیوں نے روتے ہوئے کہا: ہم لوگ کھیل میں دوڑتے ہوئے دور نکل گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس بٹھا کر چلے گئے تو ایک بھیڑیا آیا اور وہ ان کو پھاڑ کر کھا گیا اور یہ ان کا کرتا ہے۔ ان لوگوں نے کرتے میں خون تو لگا لیا تھا لیکن کرتے کو پھاڑنا بھول گئے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اشکبار ہو کر اپنے نور نظر کے کرتے کو جب ہاتھ میں لے کر غور سے

دیکھا کہ کرتا بالکل سلامت ہے اور کہیں سے بھی پھٹا نہیں ہے تو آپ ان لوگوں کے مکر اور جھوٹ کو بھانپ گئے اور فرمایا: بڑا ہوشیار اور سیانا بھیڑیا تھا کہ میرے یوسف کو تو پھاڑ کر کھا گیا مگر ان کے کرتے پر ایک ذرا سی خراش بھی نہیں آئی اور آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ یہ سب تم لوگوں کی کارستانی اور مکر و فریب ہے پھر آپ نے دکھے ہوئے دل سے نہایت درد بھری آواز میں فرمایا:

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۝

حضرت یوسف علیہ السلام بیس درہموں میں بک گئے

حضرت یوسف علیہ السلام تین دن اس کنوئیں میں تشریف فرما رہے۔ یہ کنواں کھاری تھا مگر آپ کی برکت سے اس کا پانی بہت لذیذ اور نہایت شیریں ہو گیا۔ اتفاق سے ایک قافلہ مدین سے مصر جا رہا تھا جب اس قافلہ کا ایک آدمی جس کا نام مالک بن زعر خزاعی تھا پانی بھرنے کے لئے آیا اور کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام ڈول پکڑ کر لٹک گئے مالک بن زعر نے ڈول کھینچا تو آپ کنوئیں سے باہر نکل آئے۔ جب اس نے آپ کا حسن و جمال دیکھا تو یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ کہہ کر اپنے ساتھیوں کو خوشخبری سنانے لگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جو اس جنگل میں روزانہ بکریاں چرایا کرتے تھے برابر روزانہ کنوئیں میں جھانک جھانک کر دیکھا کرتے تھے جب ان لوگوں نے آپ کو کنوئیں میں نہیں دیکھا تو تلاش کرتے ہوئے قافلہ میں پہنچے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے جو بالکل ناکارہ اور نافرمان ہے یہ کسی کام کا نہیں ہے اگر تم لوگ اس کو خرید لو تو ہم بہت ہی سستا تمہارے ہاتھ فروخت کر دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ تم لوگ اس کو یہاں سے اتنی دور لے جا کر فروخت کرنا کہ یہاں تک اس کی خبر نہ پہنچے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کے خوف سے خاموش کھڑے رہے اور ایک لفظ بھی نہ بولے پھر ان کے بھائیوں نے ان کو مالک بن زعر کے ہاتھ صرف بیس درہموں میں فروخت کر دیا۔ مالک بن زعر ان کو خرید کر مصر کے بازار میں لے گیا اور وہاں عزیز مصر نے ان کو بہت گراں قیمت دے کر خرید لیا اور اپنے شاہی محل میں لے جا کر اپنی ملکہ ''زلیخا'' سے کہا: تم اس غلام کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنی

خدمت میں رکھو۔ چنانچہ آپ عزیز مصر کے شاہی محل میں رہنے لگے اور ملکہ زلیخا ان سے بہت محبت کرنے لگی بلکہ ان کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر عاشق ہوگئی اور ان کا جوش عشق یہاں تک بڑھا کہ ایک دن ''زلیخا'' عشق و محبت میں والہانہ طور پر آپ کو پھسلانے اور لبھانے لگی۔ آپ نے معاذ اللہ کہہ کر انکار فرمادیا اور صاف کہہ دیا کہ میں اپنے تربیت کرنے والے عزیز مصر کے ساتھ خیانت کر کے اس کے احسانوں کی ناشکری نہیں کر سکتا اور آپ گھر میں سے بھاگ نکلے تو ملکہ زلیخا نے دوڑ کر پیچھے سے آپ کا پیراہن پکڑ لیا اور آپ کا پیراہن پیچھے سے پھٹ گیا۔ عین اسی حالت میں عزیز مصر مکان میں آگئے اور دونوں کو دیکھ لیا تو زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر تہمت لگا دی۔ عزیز مصر حیران ہوا کہ ان دونوں میں سے کون سچا ہے؟ اتفاق سے مکان میں ایک چار ماہ کا بچہ پنگھوڑے میں لیٹا ہوا تھا۔ اس نے شہادت دی کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہو تو یوسف قصوروار ہیں اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو زلیخا کی خطا ہے اور یوسف بے قصور ہیں۔ جب عزیز مصر نے کرتے کو دیکھا تو پیچھے سے پھٹا ہوا تھا فوراً عزیز مصر نے زلیخا کو خطاوار قرار دے کر ڈانٹا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ کہا: اس کا خیال و ملال نہ کیجئے پھر زلیخا کے مشورہ سے عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں بھجوا دیا۔ اس طرح اچانک حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے شاہی محل سے نکل کر جیل خانہ کی کوٹھڑی میں چلے گئے اور آپ نے جیل میں پہنچ کر یہ کہا: اے اللہ! یہ قید خانہ کی کوٹھڑی مجھ کو اس بلا سے زیادہ محبوب ہے۔ جس کی طرف زلیخا مجھے بلا رہی تھی پھر آپ سات۔ برس یا بارہ برس جیل خانہ میں رہے اور قیدیوں کو توحید اور اعمال صالحہ کی دعوت دیتے اور وعظ فرماتے رہے۔

جیل کے ساتھی

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس دن آپ قید خانہ میں داخل ہوئے اسی دن آپ کے ساتھ ساتھ بادشاہ مصر کے دو خادم ایک شراب پلانے والا، دوسرا باورچی دونوں جیل خانہ میں داخل ہوئے اور دونوں نے اپنا ایک ایک خواب حضرت یوسف علیہ السلام سے بیان کیا اور آپ نے ان دونوں کے خوابوں کی تعبیر فرمادی جو سو فیصدی صحیح ثابت ہوئی۔ اس لئے آپ کا معبر (تعبیر دینے والا) ہونا مشہور ہوگیا۔

بادشاہ کا خواب

اسی دوران میں مصر کے بادشاہ اعظم ریان بن ولید نے یہ خواب دیکھا کہ سات فربہ گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیاں ہیں اور سات سوکھی بالیاں ہیں۔ بادشاہ اعظم نے اپنے درباریوں سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو لوگوں نے اس خواب کو خواب پریشان کہہ کر اس کی کوئی تعبیر نہیں بتائی اتنے میں بادشاہ کا ساقی جو قید خانہ سے رہا ہو کر آگیا تھا اس نے کہا: مجھے اس خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے جیل خانہ میں جانے کی اجازت دی جائے چنانچہ یہ بادشاہ کا فرستادہ ہو کر قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گیا اور بادشاہ کا خواب بیان کر کے تعبیر دریافت کی کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گایوں کو کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیاں ہیں اور سات سوکھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: سات برس تک مسلسل کھیتی کرو اور ان کے اناجوں کو بالیوں میں محفوظ رکھو پھر سات برس تک سخت خشک سالی رہے گی۔ قحط کے ان سات برسوں میں پہلے سات برسوں کا محفوظ کیا ہوا اناج لوگ کھائیں گے اس کے بعد پھر ہریالی کا سال آئے گا۔ قاصد نے واپس لوٹ کر بادشاہ سے اس کے خواب کی تعبیر بتائی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ سے نکال کر میرے دربار میں لاؤ۔ قاصد رہائی کا پروانہ لے کر جیل خانہ میں پہنچا تو آپ نے فرمایا: پہلے زلیخا اور دوسری عورتوں کے ذریعہ میری بے گناہی اور پاک دامنی کا اظہار کرا لیا جائے اس کے بعد ہی جیل سے باہر نکلوں گا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کی تحقیقات کرائی تو تحقیقات کے دوران زلیخا نے اقرار کر لیا کہ میں نے خود ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلایا تھا۔ خطا میری ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سچے اور پاک دامن ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دربار میں بلا کر کہہ دیا کہ آپ ہمارے معتمد اور ہمارے دربار کے معزز ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: آپ زمین کے خزانوں کے انتظامی امور اور حفاظتی نظام کے انتظام پر میرا تقرر کر دیں میں پورے نظام کو سنبھال لوں گا۔ بادشاہ نے خزانے کا انتظامی معاملہ اور ملک کے نظام و انصرام کا پورا شعبہ آپ کے سپرد کر دیا۔ اس طرح ملک مصر کی حکمرانی کا اقتدار آپ کو مل گیا۔

Scanned with CamScanner

اس کے بعد آپ نے خزانوں کا نظام اپنے ہاتھ میں لے کر سات سال تک کھیتی کا پلان چلایا اور اناجوں کو بالیوں میں محفوظ رکھا۔ یہاں تک کہ قحط اور خشک سالی کا دور شروع ہو گیا اور ہر طرف قحط سالی پھیل گئی تو پوری سلطنت کے لوگ غلے کی خریداری کے لئے مصر آنا شروع ہو گئے اور آپ نے غلوں کی فروخت شروع کر دی۔

بھائیوں کا مصر آنا

اسی سلسلے میں آپ کے بھائی بھی کنعان سے مصر آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ان لوگوں کو دیکھتے ہی پہلی نظر میں پہچان لیا مگر آپ کے بھائیوں نے آپ کو بالکل ہی نہیں پہچانا۔ آپ نے ان لوگوں کو غلہ دے دیا اور پھر فرمایا: تمہارا ایک بھائی (بنیامین) جو ہے آئندہ اس کو بھی لے کر آنا اگر تم لوگ آئندہ اس کو نہ لائے تو تمہیں غلہ نہیں ملے گا۔ بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے والد کو رضامند کرنے کی کوشش کریں گے پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں سے کہا: تم ان کی نقدیوں کو اس کی بوریوں میں ڈال دو تاکہ یہ لوگ جب اپنے گھر پہنچ کر ان کی نقدیوں کو دیکھیں گے تو امید ہے کہ ضرور یہ لوگ واپس لوٹیں گے۔ چنانچہ جب یہ لوگ اپنے والد کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ ابا جان! اب کیا ہوگا؟ عزیز مصر نے تو یہ کہہ دیا ہے کہ جب تک تم لوگ بنیامین کو ساتھ لے کر نہ آؤ گے۔ تمہیں غلہ نہیں ملے گا لہٰذا آپ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم ان کے حصہ کا بھی غلہ لے لیں اور آپ اطمینان رکھیں کہ ہم لوگ ان کی حفاظت کریں گے۔ اس کے بعد جب ان لوگوں نے اپنی بوریوں کو کھولا تو حیران رہ گئے کہ ان کی رقمیں اور نقدیاں ان کی بوریوں میں موجود تھیں یہ دیکھ کر برادران یوسف نے پھر اپنے والد سے کہا: ابا جان! اس سے بڑھ کر اچھا سلوک اور کیا چاہیے؟ دیکھ لیجئے عزیز مصر نے ہم کو پورا پورا غلہ بھی دیا ہے اور ہماری نقدیوں کو بھی واپس کر دیا ہے لہٰذا آپ بلا خوف و خطر ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ایک مرتبہ ''یوسف'' کے معاملہ میں تم لوگوں پر بھروسہ کر چکا ہوں تو تم لوگوں نے کیا کر ڈالا؟ اب دوبارہ تم لوگوں پر کیسے بھروسہ کر لوں؟ میں اسی طرح ''بنیامین'' کو ہرگز ہرگز تم لوگوں کے ساتھ نہیں بھیجوں گا لیکن ہاں اگر تم لوگ

حلف اٹھا کر میرے سامنے عہد کرو تو البتہ میں اس کو بھیج سکتا ہوں۔ یہ سن کر سب بھائیوں نے حلف لے کر عہد کیا اور آپ نے ان لوگوں کے ساتھ ''بنیامین'' کو بھیج دیا۔

بنیامین سے ملاقات

جب یہ لوگ عزیز مصر کے دربار میں پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی ''بنیامین'' کو اپنی مسند پر بٹھا لیا اور چپکے سے ان کے کان میں کہہ دیا کہ میں تمہارا بھائی ''یوسف'' ہوں۔ لہٰذا تم کوئی فکر و غم نہ کرو پھر آپ نے سب کو اناج دیا اور سب نے اپنی اپنی بوریوں کو سنبھال لیا جب سب چلنے لگے تو آپ نے ''بنیامین'' کو اپنے پاس روک لیا۔ اب برادران یوسف سخت پریشان ہوئے۔ اپنے والد کے روبرو یہ عہد کر کے آئے تھے کہ ہم اپنی جان پر کھیل کر بنیامین کی حفاظت کریں گے اور یہاں ''بنیامین'' ان کے ہاتھ سے چھین لئے گئے۔ اب گھر جائیں کیونکر؟ اور یہاں ٹھہریں تو کیسے؟ یہ معاملہ دیکھ کر سب سے بڑا بھائی ''یہودا'' کہنے لگا کہ اے میرے بھائیو! سوچو کہ تم لوگ والد صاحب کو کیا کیا عہد و پیمان دے کر آئے ہو؟ اور اس سے پہلے تم لوگ اپنے بھائی یوسف کے ساتھ کتنی بڑی تقصیر کر چکے ہو لہٰذا میں تو جب تک والد صاحب حکم نہ دیں اس زمین سے ہٹ نہیں سکتا۔ ہاں تم لوگ گھر جاؤ اور والد صاحب سے سارا ماجرا عرض کر دو۔ چنانچہ یہودا کے سوا دوسرے سب بھائی لوٹ کر گھر آئے اور اپنے والد سے سارا حال بیان کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا یوسف کی طرح بنیامین کے معاملہ میں بھی تم لوگوں نے حیلہ سازی کی ہے تو خیر، میں صبر کرتا ہوں اور صبر بہت اچھی چیز ہے پھر آپ نے منہ پھیر کر رونا شروع کر دیا اور کہا: ہائے افسوس! اور حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کر کے اتنا روئے کہ شدت غم سے نڈھال ہو گئے اور روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ آپ کی زبان سے یوسف کا نام سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام سے ان کے بیٹوں پوتوں نے کہا: ابا جان! آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ آپ لب گور ہو جائیں یا جان سے گزر جائیں۔ اپنے بیٹوں، پوتوں کی بات سن کر آپ نے فرمایا: میں اپنے غم پریشانی کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم لوگوں کو نہیں معلوم ہے۔ اے میرے بیٹو! تم لوگ جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی

Scanned with CamScanner

''بنیامین'' کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے مایوس مت ہو جاؤ کیونکہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جانا کافروں کا کام ہے۔

بھائیوں کو اپنا تعارف کرانا

چنانچہ برادران یوسف پھر مصر کو روانہ ہوئے اور جا کر عزیز مصر سے کہا: اے عزیز مصر! ہمارے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت پہنچ گئی ہے اور ہم چند کھوٹے سکے لے کر آئے ہیں لہٰذا آپ بطور خیرات کے کچھ غلہ دے دیجئے اپنے بھائیوں کی زبان سے گھر کی داستان اور خیرات کا لفظ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام پر رقت طاری ہو گئی اور آپ نے بھائیوں سے پوچھا: تم لوگوں کو یاد ہے کہ تم لوگوں نے یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا ہے؟ یہ سن کر بھائیوں نے حیران ہو کر پوچھا: کیا سچ مچ آپ یوسف ہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! میں ہی یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا فضل و احسان فرمایا ہے۔ یہ سن کر بھائیوں نے نہایت شرمندگی اور لجاحت کے ساتھ کہنا شروع کیا کہ بلاشبہ ہم لوگ واقعی بڑے خطاکار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم لوگوں پر بہت بڑی فضیلت بخشی ہے۔ بھائیوں کی شرمندگی اور لجاحت سے متاثر ہو کر آپ کا دل بھر آیا اور آپ نے فرمایا: آج میں تم لوگوں کو ملامت نہیں کروں گا۔ جاؤ میں نے سب کچھ معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ اب تم لوگ میرا یہ کرتا لے کر گھر جاؤ اور ابا جان کے چہرے پر اس کو ڈال دو تو ان کی آنکھوں کی روشنی آ جائے گی پھر تم لوگ سب گھر والوں کو ساتھ لے کر مصر چلے آؤ۔

یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کا روشن ہو جانا

بڑا بھائی یہودا کہنے لگا: یہ کرتا میں لے کر جاؤں گا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا بکری کے خون میں رنگ کر میں ہی ان کے پاس لے گیا تھا تو جس طرح میں نے انہیں وہ کرتا دے کر غمگین کیا تھا آج یہ کرتا لے جا کر ان کو خوش کر دوں گا۔ چنانچہ یہوذا یہ کرتا لے کر گھر پہنچا اور اپنے والد کے چہرہ پر ڈال دیا تو ان کی آنکھوں میں بینائی آ گئی پھر حضرت

یعقوب علیہ السلام نے تہجد کے وقت بعد نماز اپنے سب بیٹوں کے لئے دعا فرمائی اور یہ دعا مقبول ہو گئی۔ چنانچہ آپ پر یہ وحی اتری کہ آپ کے صاحبزادوں کی خطائیں بخش دی گئیں۔

پھر مصر کو روانگی کا سامان ہونے لگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد اور سب اہل و عیال کو لانے کے لئے بھائیوں کے ساتھ دو سواریاں بھیج دی تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا تو کل بہتر یا تہتر آدمی تھے جن کو ساتھ لے کر آپ مصر روانہ ہو گئے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو چھ لاکھ سے زیادہ تھے حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر جانے سے صرف چار سو سال بعد کا زمانہ ہے جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے چار ہزار لشکر اور بہت سے مصری سواروں کو ساتھ لے کر آپ کا استقبال کیا اور صدہا ریشمی جھنڈے اور قیمتی پرچم لہراتے ہوئے قطاریں باندھے ہوئے مصری باشندے جلوس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند ''یہودا'' کے ہاتھ پر ٹیک لگائے تشریف لا رہے تھے۔ جب ان لشکروں اور سواروں پر آپ کی نظر پڑی، تو آپ نے دریافت فرمایا: کیا یہ فرعون مصر کا لشکر ہے؟ تو ''یہودا'' نے عرض کیا: جی نہیں، یہ آپ کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو اپنے لشکروں اور سواروں کے ساتھ آپ کے استقبال کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں آپ کو متعجب دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ کے نبی! ذرا سر اٹھا کر فضائے آسمانی میں نظر فرمایئے کہ آپ کے سرور و شادمانی میں شرکت کے لئے ملائکہ کا جم غفیر حاضر ہے جو مدتوں آپ کے غم میں روتے رہے ہیں ملائکہ کی تسبیح اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور طبل کی آوازوں نے عجیب سماں پیدا کر دیا تھا!

باپ بیٹے کی ملاقات کا حال

جب باپ بیٹے دونوں قریب ہو گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے سلام کا ارادہ کیا، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ ذرا توقف کیجئے اور اپنے پدر بزرگوار کو ان کے رقت انگیز سلام کا موقع دیجئے چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان لفظوں کے ساتھ سلام کہا: ''اَلسَّلَامُ

عَلَيْكَ يَا مُذْهِبَ الْاَحْزَان" یعنی اے تمام غموں کو دور کرنے والے آپ پر سلام ہو۔ پھر باپ بیٹوں نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ معانقہ کیا اور فرطِ مسرت میں دونوں خوب خوب روئے۔ پھر ایک استقبالیہ خیمہ میں تشریف لے گئے جو خوب مزین اور آراستہ کیا گیا تھا۔ وہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر جب شاہی محل میں رونق افروز ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے سہارا دے کر اپنے والد محترم کو تختِ شاہی پر بٹھایا اور ان کے اردگرد آپ کے گیارہ بھائی اور آپ کی والدہ سب بیٹھ گئے اور سب کے سب بہ یک وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے سجدے میں گر پڑے۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار کو مخاطب کر کے یہ کہا:

يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۂ یوسف ع ۱۱ پ ۱۳)

اے میرے باپ! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بیشک اسے میرے رب نے سچا کیا اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرادی تھی۔ بیشک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے۔ بیشک وہی علم و حکمت والا ہے۔

یعنی میرے گیارہ بھائی گیارہ ستارے ہیں اور میرے باپ سورج اور میری والدہ چاند ہے اور یہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہی آپ کا خواب تھا جو بچپن میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج و چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات اور یوسف علیہ السلام کی قبر

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں اپنے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس چوبیس سال تک نہایت آرام و خوشحالی میں رہے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ ملک شام میں لے جا کر مجھے

میرے والد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی قبر کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جسم مقدس کو لکڑی کے صندوق میں رکھ کر مصر سے شام لایا گیا ٹھیک اسی وقت آپ کے بھائی حضرت "عیص" کی وفات ہوئی اور آپ دونوں بھائیوں کی ولادت بھی ایک ہی ساتھ ہوئی تھی اور دونوں ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے اور دونوں بھائیوں کی عمریں ایک سو سینتالیس برس کی ہوئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد اور چچا کو دفن فرما کر پھر مصر تشریف لائے اور اپنے والد ماجد کے بعد ۲۳ سال تک مصر پر حکومت فرماتے رہے۔ اس کے بعد آپ کی بھی وفات ہوگئی۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے مقام دفن میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا ہر محلے والے حصول برکت کے لیے اپنے ہی محلہ میں دفن پر اصرار کرنے لگے۔ آخر اس بات پر سب کا اتفاق ہوگیا کہ آپ کو بیچ دریائے نیل میں دفن کیا جائے تاکہ دریا کا پانی آپ کی قبر منور کو چھوتا ہوا گزرے اور تمام مصر والے آپ کے فیوض و برکات سے فیضیاب ہوتے رہیں۔ چنانچہ آپ کو سنگ مرمر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے بیچ میں دفن کیا گیا۔ یہاں تک کہ چار سو برس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے تابوت شریف کو دریا سے نکال کر آپ کے آباء و اجداد کی قبروں کے پاس ملک شام میں دفن فرمایا۔ بوقت وفات آپ کی عمر شریف ایک سو بیس برس کی تھی اور آپ کے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام نے ۱۴۷ برس کی عمر پائی اور آپ کے دادا حضرت اسحٰق علیہ السلام کی عمر شریف ۱۸۰ سال کی ہوئی اور آپ کے پردادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عمر شریف ۱۷۵ سال کی ہوئی۔

(صاوی، روح البیان جلالین، جمل ملخصا)

Scanned with CamScanner

(۱۹۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دانشمندانہ وصیتیں

۱- جو شخص اپنا راز چھپا کر رکھتا ہے، اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

۲- سب سے زیادہ عقل مند شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کی معذرت قبول کرتا ہے۔

۳- دراہم اپنی گردنیں ظاہر کئے بغیر نہیں رہتے (یعنی روپیہ پیسہ اپنے آپ کو ظاہر کر کے رہتا ہے)

۴- کسی شخص کے اخلاق پر اعتماد کرنے سے پہلے اسے غصے کی حالت میں آزمالو۔

۵- کوئی بھی شخص تکبر اسی وقت کرتا ہے جب اسے اپنی کسی کمزوری کا احساس ہوتا ہے۔

۶- حرکت کا ترک کرنا غفلت ہے۔ (یعنی آدمی کو ہر دم متحرک رہنا چاہئے)

۷- بہت دفعہ ایک نظر شہوت کا بیج بو دیتی ہے اور ایک گھڑی کی شہوت طویل غم کا باعث بنتی ہے۔

۸- عقل مند وہ نہیں ہے جو خیر اور شر کے درمیان فرق کو جانتا ہو۔ عقل مند وہ ہے جو یہ جانتا ہو کہ ادنیٰ درجے کا شر کون سا ہے؟

۹- میں تمہیں بیکار رہنے کے نتیجے سے ڈراتا ہوں کیونکہ یہ ناپسندیدہ امور کے جمع کرنے میں نشے سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

۱۰- جس میں تین خصلتیں نہ ہوں اسے ایمان بھی فائدہ نہیں دیتا۔

(۱) وہ حوصلہ ہے جس کے ذریعے جاہلوں کی جہالت کو رد کیا جائے۔

(۲) وہ پرہیزگاری ہے جو اسے حرام کاموں سے روکے۔

(۳) وہ اخلاق ہیں جن کے ذریعے لوگوں سے اچھی طرح پیش آئے۔

۱۱- حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو فرمایا: اپنے نسب کو سامنے رکھو، تم اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی کرو گے۔ جو اچھے اشعار یاد نہیں کرتا وہ کوئی حق ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی ادب کا اعتراف کرے گا۔ (من نسمات الخلود)

(۱۹۲)

جو جاہلیت اچھے وہ اسلام میں بھی اچھے

مجاہد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اچانک رِیاح کی بدبو آئی۔ آپ نے فرمایا:

((لِيَقُمْ صَاحِبُ هٰذِهِ الرِّيْحِ فَلْيَتَوَضَّأْ))

''جس شخص نے گوز مارا ہے وہ اٹھ کر وضو کرلے۔''

مگر گوز مارنے والا آدمی مارے شرم کے نہیں اٹھا۔

رسول اکرم ﷺ نے دوبارہ وہی بات فرمائی کہ ''گوز مارنے والے شخص کو چاہئے کہ وہ جا کر وضو کرلے کیونکہ اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس صحابی کو ندامت سے بچانے کے لیے تجویز پیش کی:

((اَلَا نَقُوْمُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّنَا فَنَتَوَضَّأُ؟))

''اے اللہ کے رسول! کیوں نہ ہم سب ہی اٹھ جائیں اور وضو کرلیں؟''

یہ تجویز پسند کی گئی اور اس پر عمل ہوا۔

اسی قسم کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پیش آیا تھا۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر میں تشریف فرما تھے، آپ کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے اور ان کے علاوہ کئی لوگ بھی تھے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گوز کی بدبو محسوس ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ''کیوں نہ سارے لوگ اٹھیں اور وضو کرلیں، چہ جائیکہ گوز مارنے والے شخص کو وضو کرنے کا مکلف ٹھہرایا جائے۔''

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! کیا ایک آدمی کے سبب اتنے سارے لوگ وضو کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((رَحِمَكَ اللّٰهُ، السَّيِّدُ كُنْتَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَنِعْمَ السَّيِّدُ أَنْتَ فِي الْإِسْلَامِ))

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، آپ زمانہ جاہلیت میں بھی اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی اچھے سردار ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ گوز مارنے والے ہی کو وضو پر مجبور کیا جاتا تو ممکن ہے کہ وہ شرمسار ہو جاتا اور اس کی دل شکنی ہوتی، اس لیے سارے ہی لوگ وضو کرلیں تو وہ آدمی شرمندگی سے بچ جائے گا اور سب کو وضو کا ثواب بھی مل جائے گا۔ (اخبار الاذکیا، لابن الجوزی ص ۵۶)

(۱۹۳)

انگوروں کی غیبی ٹوکری

حضرت سیّدنا لیث بن سعد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ میں جب حج کے ارادے سے مکۂ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً حاضر ہوا۔ میں نے نمازِ عصر ادا کی پھر جبل ابی قبیس کی طرف چل پڑا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا یہ دعا کر رہا تھا: ''یا رب عزوجل! یا رب عزوجل!'' یہاں تک کہ اس کی سانس پھول گئی۔ پھر کہنے لگا: ''یا اللہ! یا اللہ!'' یہاں تک کہ اس کی سانس پھول گئی۔ پھر کہا: ''یا حی، یا قیوم!'' یہاں تک کہ اس کی سانس پھول گئی۔ پھر کہنے لگا: ''یا رحمٰن عزوجل! یا رحمٰن عزوجل!'' یہاں تک کہ اس کی سانس پھول گئی۔ پھر ''یا ارحم الرحمین'' کا ورد کرتا رہا حتیٰ کہ اس کی سانس پھول گئی۔'' جب وہ دعا سے فارغ ہوا تو عرض کرنے لگا: ''یا اللہ! انگور کھانے کی خواہش ہے مجھے انگور کھلا دے اور میری چادر پھٹ گئی ہے مجھے نئی چادر عطا کر دے۔'' حضرت سیّدنا لیث بن سعد علیہ الرحمۃ اللہ الاحد فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ میں نے ایک ٹوکری دیکھی جو انگوروں سے بھری ہوئی تھی حالانکہ ان دنوں انگوروں کا موسم نہ تھا۔ ساتھ ہی دو چادریں بھی تھیں۔ جب اس نے کھانے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا: ''میں بھی آپ کا شریک ہوں۔'' اس نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' میں نے عرض کی: ''جب آپ نے دعا کی تھی تو میں نے آمین کہا تھا۔'' اس نے کہا: ''تو آؤ، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ اور کوئی چیز بچا کر نہ رکھنا۔'' میں نے آگے بڑھ کر انگور کھانے شروع کر دیے۔ وہ انگور بیج کے بغیر تھے۔

میں نے ایسا عمدہ انگور پہلے کبھی نہ کھایا تھا۔ پس میں نے خوب سیر ہو کر کھایا' مگر ٹوکری میں سے کچھ بھی کم نہ ہوا۔ پھر اس نے کہا: ''ان چادروں میں سے جو پسند ہو لے لو۔'' میں نے کہا: ''مجھے چادر کی ضرورت نہیں۔'' پھر وہ کہنے لگا: ''تم تھوڑی دیر چھپ جاؤ تاکہ میں چادریں پہن لوں۔'' میں اوٹ میں ہو گیا۔ اس نے ایک چادر کو تہبند کے طور پر استعمال کیا اور دوسری اوپر اوڑھ لی پھر دوسری دو چادریں اپنے ہاتھ میں لیں جو پہلے اس کے پاس موجود تھیں اور چل دیا۔ میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا یہاں تک کہ جب وہ صفا و مروہ کے مقام پر پہنچا تو اسے ایک آدمی ملا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے چچازاد! مجھے لباس پہنائیے، اللہ تعالیٰ آپ کو پہنائے۔'' اس نے دونوں چادریں مانگنے والے کے حوالے کر دیں۔ میں نے اس آدمی سے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، یہ کون تھے؟'' اس نے جواب دیا: ''یہ حضرت سیّدنا جعفر بن محمد علیہ الرحمۃ تھے۔'' حضرت سیّدنا لیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس کے بعد میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بہت تلاش کیا مگر کہیں نہ پایا۔ مجھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی پر بہت صدمہ ہوا۔'' (الروض الفائق)

Scanned with CamScanner

(۱۹۴)

شہر مکہ کی آبادکاری

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سرزمین شام میں حضرت ہاجرہ کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے انہیں رشک پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسمٰعیل کو میرے پاس سے جدا کر کے کہیں دور کر دیجئے۔ خداوند قدوس کی حکمت نے ایک سبب پیدا فرما دیا۔ چنانچہ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ آپ حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کو اس سرزمین پر چھوڑ آئیں جہاں بے آب و گیاہ میدان اور خشک پہاڑیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کو ساتھ لے کر سفر فرمایا اور اس جگہ آئے جہاں کعبہ معظمہ ہے۔ یہاں اس وقت نہ کوئی آبادی تھی نہ کوئی چشمہ نہ دور دور تک پانی یا آدمی کا کوئی نام و نشان تھا۔ ایک توشہ دان میں کچھ کھجوریں اور ایک مشک میں پانی حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں رکھ کر روانہ ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ نے فریاد کی: اے اللہ کے نبی! اس سنسان بیابان میں جہاں نہ کوئی مونس ہے نہ غمخوار آپ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ کئی بار حضرت ہاجرہ نے آپ کو پکارا مگر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر میں حضرت ہاجرہ نے سوال کیا کہ آپ اتنا فرما دیجئے کہ آپ نے اپنی مرضی سے ہمیں یہاں لا کر چھوڑا ہے یا خداوند قدوس کے حکم سے آپ نے ایسا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اے ہاجرہ! میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ نے کہا: اب آپ جائیے۔ مجھے یقین کامل اور پورا پورا اطمینان ہے کہ خداوند کریم مجھ کو

اور میرے بچے کو ضائع نہیں فرمائے گا!

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک لمبی دعا مانگی اور وہاں سے ملک شام چلے آئے۔ چند دنوں میں کھجوریں اور پانی ختم ہو جانے پر حضرت ہاجرہ پر بھوک پیاس کا غلبہ ہوا اور ان کے سینے کا دودھ خشک ہو گیا اور بچہ بھوک پیاس سے تڑپنے لگا۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کی تلاش و جستجو میں سات چکر صفا اور مروہ کی دونوں پہاڑیوں کے لگائے، مگر پانی کا کوئی سراغ دور دور تک نہیں ملا۔ یہاں تک کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر رو رہے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی ایڑیوں کے پاس زمین پر اپنا پر مار کر ایک چشمہ جاری کر دیا اور اس پانی میں دودھ کی خاصیت تھی کہ یہ غذا اور پانی دونوں کا کام کرتا تھا۔ چنانچہ یہی زمزم کا پانی پی پی کر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل زندہ رہے۔ یہاں تک کہ حضرت اسمٰعیل جوان ہو گئے اور شکار کرنے لگے۔ چنانچہ شکار کے گوشت اور زمزم کے پانی پر گزر بسر ہونے لگی۔ پھر قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے اس میدان میں آئے اور پانی کا چشمہ دیکھ کر حضرت ہاجرہ کی اجازت سے یہاں آباد ہو گئے اور اس قبیلہ کی ایک لڑکی سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی بھی ہو گئی اور رفتہ رفتہ یہاں ایک آبادی ہو گئی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خداوند قدوس کا یہ حکم ہوا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کریں۔ چنانچہ آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے خانہ کعبہ کو تعمیر فرمایا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد اور باشندگان مکہ مکرمہ کے لیے جو ایک طویل دعا مانگی۔ وہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں مذکور ہے چنانچہ سورہ ابراہیم میں آپ کی دعا کا کچھ حصہ اس طرح مذکور ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ○ (ابراہیم رکوع ۶ پارہ ۱۳)

اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک ایسے میدان میں بسایا ہے جس میں کھیتی نہیں ہوتی۔ تیرے حرمت والے گھر کے پاس، تاکہ وہ نماز قائم رکھیں،

Scanned with CamScanner

لہٰذا لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ تیرا شکر ادا کریں۔

یہ مکہ مکرمہ کی آبادی کی ابتدائی تاریخ ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہوئی ہے۔

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا

اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خداوند قدوس سے دو چیزیں طلب کیں ایک تو یہ کہ کچھ لوگوں کے دل اولادِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف مائل ہوں اور دوسرے ان لوگوں کو پھلوں کی روزی کھانے کو ملے۔ سبحان اللہ آپ کی یہ دعائیں مقبول ہوئیں۔ چنانچہ اس طرح لوگوں کے دل اہل مکہ کی طرف مائل ہوئے کہ آج کروڑہا کروڑ انسان مکہ مکرمہ کی زیارت کے لیے تڑپ رہے ہیں اور ہر دور میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر مسلمان خشکی اور سمندر اور ہوائی راستوں سے مکہ مکرمہ جاتے رہے اور قیامت تک جاتے رہیں گے اور اہل مکہ کی روزی میں پھلوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ باوجودیکہ شہر مکہ اور اس کے قرب و جوار میں کہیں نہ کوئی کھیت ہے نہ کوئی باغ یا غنچہ ہے' مگر مکہ مکرمہ کی منڈیوں اور بازاروں میں اس کثرت سے قسم قسم کے میوے اور پھل ملتے ہیں کہ فرطِ تعجب سے دیکھنے والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ''طائف'' کی زمین میں ہر قسم کے پھلوں کی پیداوار کی صلاحیت پیدا فرما دی ہے کہ وہاں سے قسم قسم کے میوے اور پھل اور طرح طرح کی سبزیاں اور ترکاریاں مکہ معظمہ میں آتی رہتی ہیں اور اس کے علاوہ مصر و عراق بلکہ یورپ کے ممالک سے بھی میوے اور پھل بکثرت مکہ مکرمہ آیا کرتے ہیں۔ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کی برکتوں کے اثرات و ثمرات ہیں جو بلاشبہ دنیا کے عجائبات میں سے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے یہ دعا مانگی جس میں آپ نے اپنی اولاد کے علاوہ تمام مومنین کے لیے بھی دعا مانگی:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

(ابراہیم رکوع ۶ پارہ ۱۳)

اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم رکھنے والا بنا اور میری کچھ اولاد کو بھی۔ اے ہمارے رب! ہماری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب! مجھے اور میرے ماں باپ اور تمام مومنین کو بخش دے جس دن حساب قائم ہوگا!

درسِ ہدایت

اس واقعہ سے دو باتیں خاص طور پر معلوم ہوئیں!

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کے بہت ہی اطاعت گزار اور فرماں بردار تھے کہ وہ بچہ جس کو بڑی بڑی دعاؤں کے بعد بڑھاپے میں پایا تھا جو آپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا۔ فطری طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو کبھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتے تھے' مگر جب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہو گیا کہ اے ابراہیم! تم اپنے پیارے فرزند اور اس کی ماں کو اپنے گھر سے نکال کر وادی بطحا کی اس سنسان جگہ پر لے جا کر چھوڑ آؤ۔ جہاں سر چھپانے کو درخت کا پتہ اور پیاس بجھانے کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ نہ وہاں کوئی یار و مددگار ہے نہ کوئی مونس و غمخوار ہے۔ دوسرا کوئی انسان ہوتا تو شاید اس کے تصور ہی سے اس کے سینے میں دل شدت غم سے دل پھٹ جاتا' مگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کا یہ حکم سن کر نہ فکرمند ہوئے نہ ایک لمحہ کے لیے سوچ بچار میں پڑے نہ رنج و غم سے نڈھال ہوئے بلکہ فوراً ہی خدا کا حکم بجالانے کے لیے بیوی اور بچے کو لے کر ملک شام سے سرزمین مکہ میں چلے گئے اور وہاں بیوی بچے کو چھوڑ کر ملک شام چلے آئے۔ اللہ اکبر۔ اس جذبہ اطاعت شعاری اور جوش فرماں برداری پر ہماری جانیں قربان!

(2) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے نہایت ہی محبت بھرے انداز میں ان کی مقبولیت اور رزق کے لیے جو دعائیں مانگیں۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی اولاد سے محبت کرنا اور اس کے لیے دعائیں مانگنا یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مبارک طریقہ ہے۔ جس پر ہم سب مسلمانوں کو عمل کرنا ہماری صلاح و فلاح دارین کا ذریعہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عجائب و غرائب القرآن)

Scanned with CamScanner

(۱۹۵)

مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے قاتلوں کو پکڑ لیا

اس واقعے کے راوی اصبغ بن نباتہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس چند لوگوں کے بارے میں مقدمہ دائر کیا کہ یہ لوگ میرے والد کے ساتھ ایک تجارتی سفر پر روانہ ہوئے، مگر واپسی میں ان کے ساتھ میرے والد نہیں تھے۔ میں نے جب ان سے اپنے والد کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہارے والد کا راستے ہی میں انتقال ہو گیا، ہم لوگوں نے اسے وہیں کفنایا اور دفن کر دیا۔ پھر میں نے ان لوگوں سے اپنے والد کے مال و اسباب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مرتے وقت اس کے پاس کوئی مال وغیرہ نہیں تھا، جبکہ مجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا والد ان کے ساتھ جب سفر پر روانہ ہوا تھا تو اس کے پاس بہت زیادہ مال تھا۔ امیر المومنین! میں نے اس مقدمے کو قاضی شریح کی خدمت میں بھی پیش کیا تھا، مگر انہوں نے ان لوگوں سے قسم لے کر انہیں چھوڑ دیا۔ میں ان کے فیصلے سے مطمئن نہیں ہوا، آپ میری مدد فرمائیں تا کہ میرے والد کے قاتلوں کا پتہ چل سکے۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقدمے پر غور و فکر کیا۔ پولیس اور دوسرے تاجروں کو بلانے کا حکم دیا۔ سپاہیوں کو ایک طرف بلا کر بتایا کہ ان کو لے جاؤ، مگر یہ اکٹھے نہ ہونے پائیں۔ ان سے علیحدہ علیحدہ تفتیش کرنی ہے۔ ایک دوسرے سے گفتگو یا سرگوشی کی اجازت نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے رجسٹرار کو بلایا اور ساتھ ان مجرموں میں سے ایک آدمی کو بھی طلب کیا۔ پھر اس سے پوچھنا شروع کیا: مجھے بتاؤ کہ مقدمہ دائر کرنے والے اس نوجوان کا باپ تمہارے ساتھ کس دن نکلا تھا؟ کس کس مقام پر تم لوگ رکے تھے؟ تمہارا سفر کیسا تھا؟ نوجوان کا باپ کس مرض میں مبتلا ہو کر مرا؟ اس کے مرنے کا سبب کیا تھا؟ اس کے مال کا کیا ہوا؟ اس کے انتقال کے بعد غسل کس نے دیا اور کفن دفن کا بندوبست کیسے ہوا؟ اس کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ کس جگہ اسے دفن کیا گیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سارے سوالات اور اس ملزم تاجر کے جوابات رجسٹرار نے اپنی ڈائری میں لکھ لیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ آپ کے ساتھ حاضرین نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ ادھر دیگر ملزموں نے جب تکبیر کی آواز سنی تو انہیں گمان ہوا کہ شاید ان کے ساتھی نے حقیقت کا اظہار کر دیا ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے شخص کو پولیس کے حوالے کر دیا اور اس کے بعد دوسرے ملزم کو بلایا۔ اس سے بھی وہی سوالات کیے جو پہلے ملزم سے کیے تھے۔ اسی طرح تیسرے کو بلایا اور وہی سوالات کیے جو پہلے دو ملزموں سے کیے تھے۔

تینوں کے بیانات کو ملایا گیا تو ان میں تضاد تھا جس سے ان کا جرم ثابت ہوتا تھا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی بری سازش کا علم ہو گیا۔ پھر آپ نے پہلے مجرم کو بلوایا اور اس سے کہا:

(یَا عَدُوَّ اللّٰہِ! قَدْ عَرَفْتُ غَدْرَکَ وَ کَذِبَکَ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ أَصْحَابِکَ، وَمَا یُنْجِیْکَ مِنَ الْعُقُوْبَۃِ اِلَّا الصِّدْقُ)

"اے اللہ کے دشمن! تمہارے ساتھیوں کے بیانات سننے کے بعد تیرا دھوکہ اور جھوٹ مجھ پر واضح ہو گیا۔ اب تجھے سزا سے سچ کے سوا کوئی بھی حربہ نہیں بچا سکے گا۔"

یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قید خانے میں ڈلوا دیا۔ پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور حاضرین نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ جب باقی دو مجرموں نے یہ امتحان کی گھڑیاں

Scanned with CamScanner

دیکھیں تو انہیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ ان کے ساتھی نے ان کے کرتوت کا اقرار کرلیا ہے۔اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے مجرم کو بلوایا اور اسے بھی دھمکی دے کر پوچھا: تیرے ساتھی نے سچ سچ بتا دیا ہے، اب تو اگر سچ نہیں اگلتا تو پھر اپنے انجام کے بارے میں سوچ لے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات سنتے ہی وہ کہنے لگا:

(يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! وَاللهِ! لَقَدْ كُنْتُ كَارِهًا لِمَا صَنَعُوْا)

''اے امیر المؤمنین! اللہ کی قسم! میں نے ان لوگوں کے کرتوت کو ناپسند کیا تھا (مگر انہوں نے میری بات سنی ان سنی کردی اور مذکور نوجوان کے باپ کو قتل کردیا۔)''

اسی طرح ایک ایک کر کے جب تینوں مجرموں نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر مال کا تاوان ڈال دیا اور مقتول کا ان سے قصاص لیا گیا۔

(الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، لابن القیم (ص:65))

(۱۹۶)

ہم اپنے آپ کو کھلاتے تو یہ مچھلی نہ نکلتی

حضرت سیّدنا ابونصر صیاد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''حضرت سیّدنا بشر حافی علیہ الرحمۃ ایک دفعہ میرے پاس سے گزرے جبکہ میں جامع مسجد کے دروازے پر کھڑا تھا۔لوگ جمعہ پڑھ کر واپس آرہے تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار فرمایا: ''کیا بات ہے میں تمہیں اس وقت یہاں دیکھ رہا ہوں؟'' میں نے عرض کی: ''حضور! گھر میں نہ آٹا ہے، نہ روٹی، نہ درہم اور نہ کوئی دوسری چیز جو بیچی جاسکے۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مددگار ہے۔اپنا جال اٹھاؤ اور آؤ! وادی کی طرف چلتے ہیں۔'' حضرت سیّدنا ابونصر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''میں نے جال اٹھایا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چل دیا۔جب ہم وادی کے پاس پہنچے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''وضو کرو اور دو رکعت نماز ادا کرو۔'' میں نے ایسا ہی کیا تو اس کے بعد مجھے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جال ڈال دو۔'' میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور جال ڈال دیا۔اس میں کوئی بھاری چیز پھنس گئی۔میں نے اس کو کھینچا تو مجھے بہت دشواری ہوئی۔میں نے حضرت سیّدنا بشر حافی علیہ الرحمۃ سے عرض کی: میرا ہاتھ پکڑیں اور میری مدد کریں۔مجھے اندیشہ ہے کہ جال پھٹ جائے گا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے اور میرے ساتھ مل کر جال کھینچا تو دیکھا کہ اس میں ایک بہت بڑی مچھلی تھی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اسے لو، بیچو اور اس کی قیمت سے گھر والوں کے لئے ضرورت کی اشیاء خریدو۔'' حضرت سیّدنا ابونصر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''میں اسے لے کر شہر کے دروازے پر آیا۔وہاں مجھے ایک آدمی ملا۔اس نے مجھ سے پوچھا، ''یہ مچھلی کتنے کی ہے؟

میں نے کہا، ''دس درہم کی۔'' اس نے کہا، ''میں اس کو خریدتا ہوں۔'' چنانچہ، اس نے تول کر دس درہم کی خرید لی۔ میں نے گھر والوں کی اشیائے ضروریات خرید لیں۔ پھر دو چپاتیوں میں حلوہ رکھا اور انہیں لے کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی، ''کون ہے؟'' میں نے عرض کی، ''ابونصر۔'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''دروازہ کھولو اور جو پاس ہے وہ دروازے پر ہی رکھ کر اندر آ جاؤ۔'' میں اندر داخل ہوا اور جو کچھ کیا تھا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اس انعام خداوندی عزوجل پر اس کا شکر ہے۔'' میں نے عرض کی: ''میں نے گھر میں کچھ تیار کیا تھا۔ ہم سب گھر والوں نے کھا لیا ہے، یہ میرے پاس دو روٹیاں ہیں جن پر حلوہ رکھا ہوا ہے (آپ قبول کر لیجئے)۔'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابونصر! اگر ہم اپنے آپ کو کھلاتے تو یہ مچھلی نہ نکلتی۔ تم جاؤ اور اس میں سے خود بھی کھاؤ اور گھر والوں کو بھی کھلاؤ۔'' (الروض الفائق)

(۱۹۷)

گستاخوں کا انجام

ایک شخص جو کفارِ عرب کے سرداروں میں سے تھا اس کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے چند صحابہ کرام کو تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا چنانچہ ان حضرات نے اس کے پاس پہنچ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا پیغام سنا کر اسلام کی دعوت دی تو اس گستاخ نے ازراہ تمسخر کہا: اللہ کون ہے؟ اور کیسا ہے اور کہاں ہے؟ کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے یا تانبے کا؟ اس کا یہ متکبرانہ اور گستاخانہ جواب سن کر صحابہ کرام کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ان حضرات نے بارگاہ نبوت میں واپس لوٹ کر سارا ماجرا سنایا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ!

اس شخص سے بڑھ کر کافر اور باری تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والا تو ہم لوگوں نے دیکھا ہی نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: تم لوگ دوبارہ اس کے پاس جاؤ چنانچہ یہ حضرات دوبارہ اس کے پاس پہنچے تو اس خبیث نے پہلے سے بھی زیادہ گستاخانہ الفاظ زبان سے نکالے۔ صحابہ کرام اس کی گستاخیوں اور بدزبانیوں سے رنجیدہ ہو کر دربار نبوت میں واپس پلٹ آئے تو حضور ﷺ نے تیسری مرتبہ ان صحابہ کرام کو اس کے پاس بھیجا چنانچہ یہ لوگ پہنچ کر اس کو دعوت اسلام دینے لگے اور وہ گستاخ ان حضرات سے جھگڑا کرتے ہوئے بدزبانی اور گالی گلوچ پر اتر آیا۔ صحابہ کرام ارشاد نبوی کے مطابق صبر کرتے رہے اسی دوران لوگوں نے دیکھا کہ ناگہاں ایک بدلی آئی اور اس بدلی میں اچانک گرج اور چمک پیدا ہوئی پھر ایک دم نہایت ہی مہیب گرج کے ساتھ اس کافر پر بجلی گری جس سے اس کی

کھوپڑی اڑ گئی اور وہ لمحہ بھر میں جل کر راکھ ہو گیا یہ منظر دیکھ کر صحابہ کرام بارگاہ اقدس میں واپس آئے تو ان حضرات کو دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جس گستاخ کے یہاں گئے تھے وہ تو جل کر راکھ ہو گیا۔ صحابہ کرام نے انتہائی حیرت و تعجب سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو کیسے اور کس طرح اس کی خبر ہو گئی؟ تو آپ نے فرمایا: ابھی ابھی مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (صاوی ج ۲ ص ۲۲۷)

وَ یُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ
وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ۝ (الرعد رکوع ۲)

اور اللہ کڑکنے والی بجلیوں کو بھیجتا ہے تو اسے جس پر چاہے ڈالتا ہے دراں حالیکہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے۔

باری تعالیٰ کی شان میں اس طرح کی گستاخی کرنے والوں کو بارہا عذاب الٰہی نے اپنی گرفت میں لے کر ہلاک کر ڈالا ہے لہٰذا خبردار، خبردار اس مقدس جناب میں ہرگز ہرگز کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالنا چاہئے جو شان الوہیت میں بے ادبی قرار پائے آج کل بہت سے لوگ بیماریوں اور مصیبتوں کے وقت خداوند تعالیٰ کی شان میں ناشکری کے الفاظ بول کر خداوند قدوس کی بے ادبی کر بیٹھتے ہیں جس سے ان کا ایمان بھی جاتا رہتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں عذاب کے حقدار بن جاتے ہیں۔ توبہ، نعوذ باللہ منہ۔

پانچ گستاخ اور ان کا انجام

اسی طرح کفار قریش کے پانچ سردار (۱) عاص بن وائل سہمی (۲) اسود بن مطلب (۳) اسود بن عبد یغوث (۴) حارث بن قیس (۵) ولید بن مغیرہ۔ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کو بہت زیادہ ایذائیں دیتے اور آپ کا بے حد تمسخر اور مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک روز حضور اکرم ﷺ مسجد حرام میں تشریف لائے تو یہ پانچوں خبثاء بھی پیچھے پیچھے آئے اور حسب عادت تمسخر اور طعن و تشنیع کے الفاظ بکنے لگے۔ اسی حال میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور انہوں نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی کی طرف اور عاص بن وائل سہمی کے پاؤں کے تلوے کی طرف اور اسود بن مطلب کی آنکھوں کی طرف اور اسود بن عبد

یغوث کے پیٹ کی طرف اور حارث بن قیس کے سر کی طرف اشارہ فرمایا اور یہ کہا: میں ان لوگوں کے شر کو دفع کروں گا' چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ پانچوں دشمنان رسول طرح طرح کی بلاؤں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ ولید بن مغیرہ ایک تیر بیچنے والے کی دکان کے پاس سے گزرا۔ ناگہاں ایک تیر کا پیکان اس کے تہبند میں چبھ گیا مگر اس کو نکالنے کے لئے اس نے تکبر سے سر نیچا نہ کیا اور کھڑے کھڑے تہبند ہلا ہلا کر پیکان کو نکالنے لگا جس سے اس کی پنڈلی زخمی ہو گئی اور وہ زخم اچھا نہیں ہوا بلکہ اسی زخم کی تکلیف اٹھا اٹھا کر وہ مر گیا۔

عاص بن وائل سہمی کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھ گیا جس سے اس کے پاؤں میں زہرباد ہو گیا اور اس کا پاؤں پھول کر اونٹ کی گردن کی طرح موٹا ہو گیا اور اسی تکلیف میں وہ تڑپ تڑپ کر اور کراہتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔

اسود ابن مطلب کی آنکھوں میں ایسا درد اٹھا کہ وہ اندھا ہو گیا اور درد کی شدت سے وہ بے قراری میں اپنا سر دیوار سے بار بار ٹکراتا تھا اور اسی درد و کرب کی بے چینی میں وہ مر گیا اور یہ کہتا ہوا مرا کہ مجھ کو محمد (ﷺ) نے قتل کیا ہے۔

اسود بن عبد یغوث کو استسقاء ہو گیا جس سے اس کا پیٹ بہت زیادہ پھول گیا اور وہ اسی مرض میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہو گیا۔

حارث بن قیس کی ناک سے خون اور پیپ بہنے لگا اور وہ اسی میں مر کر ہلاک ہو گیا، اس طرح یہ پانچوں گستاخان رسول بہت جلد بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر ہلاک ہو گئے۔

(صاوی ج ۲ ص ۲۵۵)

ان ہی پانچوں گستاخوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ
فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝ (الحجر رکوع ۶)

بیشک ان مذاق اڑانے والوں کو آپ کی طرف سے ہم کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو بہت جلد یہ لوگ جان لیں گے (کہ ان کا کیا

Scanned with CamScanner

انجام ہوا)

خبردار، ہوشیار!

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ طعن و تمسخر، ان کی ایذا رسانی اور توہین و بے ادبی وہ جرم عظیم ہے کہ خداوند قہار و جابر کا قہر و غضب ان مجرموں کو کبھی معاف نہیں فرماتا۔ ایسے لوگوں کو کبھی غرق کر کے ہلاک کر دیا کبھی ان کی آبادیوں پر پتھر برسا کر ان کو برباد کر دیا۔ کبھی زلزلوں کے جھٹکوں سے ان کی بستیوں کو الٹ پلٹ کر کے تہس نہس کر دیا۔ کچھ ذلت کے ساتھ قتل ہو گئے کچھ طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو کر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے اور تڑپتے تڑپتے مر گئے۔

اس زمانے میں بھی جو لوگ بارگاہ نبوت میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے رہتے ہیں وہ کان کھول کر سن لیں کہ ان کے ایمان کی دولت تو غارت ہو ہی چکی ہے اب ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کسی نہ کسی عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر ذلت کی موت مر جائیں گے اور دنیا ان کے منحوس وجود سے پاک ہو جائے گی۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی ہرگز ہرگز غلط نہیں ہو سکتا لہٰذا تم لوگ انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں اور اگر عذاب الٰہی کی مار سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ صدق دل سے توبہ کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت سے اپنے دلوں کو معمور و آباد کر لو اور اپنے قول و فعل اور اعتقاد سے تعظیم و توقیر نبوی کو اپنا دینی شعار بنا لو پھر تم دیکھنا کہ ہر قدم پر تمہارے اوپر خداوند قدوس کی رحمتیں نازل ہوں گی اور خاتمہ بالخیر کی کرامتوں سے تم سرفراز ہو کر دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ مند ہو جاؤ گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۹۸)

مولائے کائنات کی دوراندیشی

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک عجیب و غریب مقدمہ عدالت فاروقی میں پیش ہوتا ہے۔ ایک انصاری نوجوان لڑکا کہتا ہے کہ جناب! میں فلاں عورت کا بیٹا ہوں، مگر وہ مجھے اپنا بیٹا ماننے سے انکاری ہے۔ سوال ہوا: تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟

جناب! میں اس کا ثبوت کیا پیش کر سکتا ہوں!

عورت سے پوچھا گیا: کیا معاملہ ہے؟

اس نے سرے سے انکار کیا کہ میری تو کبھی شادی ہی نہیں ہوئی ہے۔

ادھر عورت نے چند گواہوں کو بھی امیر المؤمنین کی خدمت میں پیش کر دیا جنہوں نے یہ گواہی دی کہ اس عورت نے کبھی کسی سے شادی ہی نہیں کی ہے، پھر اس کا بچہ کہاں سے پیدا ہو گیا؟! یہ لڑکا جھوٹ بول کر خواہ مخواہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس عورت کا بیٹا ہے، یہ تو سراسر بہتان ہے!!

امیر المؤمنین نے یہ ساری باتیں سننے کے بعد اس نوجوان پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی دوران میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے اور اس مقدمے کے بارے میں پوچھنے لگے۔ لوگوں نے ساری داستان بتا دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقدمے سے متعلق سب لوگوں کو بلایا اور مسجد نبوی میں بیٹھ گئے۔ پھر عورت سے پوچھا: کیا یہ نوجوان تیرا بیٹا نہیں ہے؟

Scanned with CamScanner

عورت نے جواب دیا: ہاں، یہ میرا بیٹا ہرگز نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوجوان سے کہا: جوان! تم بھی ویسے ہی انکار کر دو کہ یہ عورت تمہاری ماں نہیں ہے، جیسا کہ اس نے تمہیں اپنا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

نوجوان عرض کرنے لگا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں جبکہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ میری ماں ہے؟!

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس عورت کو ماں کہنے سے انکار کر دو، اور میں آج سے تمہارا باپ اور میرے بیٹے حسن و حسین تمہارے بھائی ہوں گے۔

نوجوان نے عرض کی: ہاں، میں اس عورت کو اب اپنی ماں ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عورت کے اولیا سے فرمایا:

(أَمْرِیْ فِیْ هٰذِهِ الْمَرْأَةِ جَائِزٌ؟)

''کیا اس عورت کے بارے میں میری بات مانی جائے گی؟''

اولیا نے عرض کی: ہاں ہاں، کیوں نہیں' بلکہ ہمارے سلسلے میں بھی آپ جو حکم دیں گے ہم ماننے کو تیار ہیں۔

ان کی باتیں سننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: اے قنبر! (قنبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام کا نام تھا) ان حاضرین کے سامنے تم گواہ رہو کہ میں نے اس اجنبی خاتون کی شادی اس نوجوان سے کر دی۔ تم جا کر درہموں کی تھیلی لاؤ۔

قنبر گیا اور تھیلی لا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رکھ دی۔ اس میں (480) چار سو اسی درہم تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عورت کو بطور مہر یہ درہم دیئے اور نوجوان سے فرمایا:

(خُذْ بِيَدِ امْرَأَتِكَ وَلَا تَأْتِنَا اِلَّا وَعَلَيْكَ أَثَرُ الْعُرْسِ)

''اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑو اور اس کے بعد ہمارے پاس اسی صورت میں حاضر ہونا جبکہ تمہارے اوپر عرس (سہاگ رات) کے نشانات ہوں۔''

یہ کہہ کر جوں ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے، عورت کہنے لگی: اللہ اللہ، اے ابوالحسن! یہ نوجوان تو میرے حق میں جہنم کا ٹکڑا بن جائے گا۔ یہ تو، اللہ کی قسم، میرا بیٹا ہے۔ میں اب مان

گئی اور آپ کے سامنے اقرار کرتی ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کیونکر تمہارا بیٹا ہو سکتا ہے جبکہ تم نے ابھی کچھ ہی لمحے پہلے اسے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کیا تھا اور ساتھ گواہوں کو بھی پیش کیا تھا؟!

عورت کہنے لگی: دراصل بات یہ ہے کہ اس نوجوان کا باپ ایک حبشی تھا۔ میرے بھائیوں نے اس کے ساتھ میری شادی کر دی، اس سے مجھے حمل ٹھہر گیا۔ کچھ دنوں بعد اس کا باپ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے گیا اور شہید ہو گیا۔ اس کے بعد جب میرا بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے فلاں قبیلے میں بھیج دیا۔ میرے اس بیٹے نے اسی قبیلے میں پرورش پائی، پھر میں نے اسے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ پوری داستان سن کر فرمایا: میں ابوالحسن ہوں، میں کسی اور کا باپ کیونکر بن سکتا ہوں؟! پھر آپ نے اس نوجوان کو اس عورت کے ساتھ بھیج دیا اور اس کا نسب بھی اس عورت کے ساتھ ثابت کر دیا۔

(الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية، لابن القيم (ص : 62)

(۱۹۹)

دریا پر چلنے والا قطب

حضرت سیّدنا محمد بن ابی حواری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''موصل شہر میں ایک غمزدہ عاشق الٰہی عزوجل رہا کرتا تھا جس کا نام سعدون تھا۔ میں اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا: ''تمہارے غم اور محبت کا سبب کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''ایک دن میں سیر وسیاحت کرتے ہوئے نکلا تا کہ کسی ایسے بندے سے ملوں جو میرے دل کو پاک کر دے اور مجھے رب تعالیٰ کے راستے کی معرفت کروا دے۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو شیر پر سوار تھا۔ میں اس سے خوفزدہ ہوا تو اس نے مجھے پکارا: ''کیا تم اپنے جیسی مخلوق سے ڈرتے ہو؟'' پھر اس نے شیر کو بھگا دیا اور پیدل چلنے لگا۔ میں اس کے پیچھے ہولیا اور اسے سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کی: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو یہ مرتبہ اور قرب عطا فرمایا ہے! مجھے بھی اس راستے کی رہنمائی فرمائیے۔'' اس نے فرمایا: ''دنیا کو قید خانہ اور آخرت کو ٹھکانہ اور قلعہ جانو، اپنی آنکھوں کو گریہ وزاری اور بیداری کا عادی کرو، سحری کے وقت بارگاہ خداوندی عزوجل میں حاضری کو لازم پکڑو اور اس ذات سے خوفزدہ رہو۔'' میں نے عرض کی: ''یا سیدی! مزید کچھ فرمائیے۔'' تو ارشاد فرمایا: ''اے سعدون! تو عقل مند ہے یا مجنون؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! جب تجھے راہ خداوندی عزوجل کی معرفت مل جائے تو تیرا وجود تابع ہو جائے گا اور سیاہی دور ہو جائے گی۔'' میں نے عرض کی: ''یا سیدی! اس ذات کا واسطہ جس نے آپ کو بھیدوں پر آگاہ فرمایا اور آپ کا دل اپنے

انوار سے معمور فرمایا! مجھے اجازت دیجئے کہ دن کا بقیہ حصہ آپ کی صحبت میں گزاروں۔'' تو فرمانے لگے: ''اس شرط پر کہ تم جو دیکھو گے اسے میرے زندہ رہنے تک چھپائے رکھو گے۔'' میں نے حامی بھر لی۔ پھر فرمایا: ''میرے ساتھ چلو ہم کسی کے جنازے پر حاضر ہوں گے۔''

پھر ہم چلتے چلتے ایک دریا پر جا پہنچے۔ انہوں نے دریا پر اپنی چادر بچھائی اور میرے ہاتھ کو تھام لیا۔ ہم چادر پر بیٹھ گئے یہاں تک کہ ہم دریا کے درمیان ایک جزیرے پر پہنچ گئے۔ وہاں ہم نے ایک آدمی کو دیکھا جو چت لیٹا ہوا تھا، وہ سکرات موت میں تھا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو ہم نے اس کے غسل وکفن کا اہتمام کیا، اس پر نماز جنازہ پڑھی پھر اسے قبر میں دفن کر دیا۔ میں نے عرض کی: ''یا سیدی! یہ کون ہیں اور ان کا نام کیا ہے۔'' ارشاد فرمایا: ''یہ حضرت سیدنا عبدالوہاب علیہ الرحمۃ ہیں جو سات قطبوں میں سے ایک تھے، اب مجھے ان کی جگہ دی گئی ہے۔'' میں نے ان سے ان کے اپنے متعلق بھی پوچھنا چاہا مگر انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا اور مجھے چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ میں جزیرے میں اکیلا رہ جانے کی وجہ سے رو پڑا۔ پھر میں نے اس قبر پر تلاوت قرآن کریم کی آواز سنی لیکن پڑھنے والا نظر نہ آ رہا تھا۔ میں اس سے مانوس ہو گیا اور قبر کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ میں سونے اور جاگنے کی کیفیت میں تھا کہ مجھے خواب میں ایک حسین وجمیل بزرگ کا دیدار ہوا۔ میں نے عرض کی: ''یا سیدی! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو اپنی رضا اور قبولیت کی پوشاک عطا فرمائی ہے! اس بزرگ کا نام کیا ہے، جو مجھے اس جزیرے میں تنہا چھوڑ گئے ہیں؟'' انہوں نے ارشاد فرمایا: ''یہ صاحب علم ربانی حضرت سیدنا عبداللہ یونانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ میری جگہ قطب بنائے گئے ہیں، کل وہ تمہارے پاس آئیں گے اور تجھے واپس پہنچا دیں گے، لیکن جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو میری طرف سے کہنا کہ ''میرے اور اپنے درمیان کئے ہوئے وعدے کو نہ بھولنا۔''

حضرت سیدنا سعدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں بیدار ہوا تو فجر ہو چکی تھی۔ میں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور قرآن حکیم کی تلاوت کرنے کے بعد کچھ دیر کے لئے لیٹ گیا تو اچانک مجھے اونگھ آ گئی اور مجھے تب پتہ چلا جب وہ بزرگ مجھے بیدار کر رہے تھے۔ میں نے ان کی دست بوسی کرتے ہوئے معذرت کی۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور دریا کی طرف چل

Scanned with CamScanner

پڑے یہاں تک کہ ہم خشکی پر پہنچ گئے۔ جب میں نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے فرمایا: ''شیخ کی وصیت کہاں ہے؟'' میں نے عرض کی: ''یاسیدی! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے اور ان کے درمیان کیا وعدہ ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ اسے نہ بھولنا۔'' تو آپ نے فرمایا: ''میں وعدہ بھولنے والا نہیں۔'' میں نے عرض کی، ''یاسیدی! مجھے ارشاد فرمائیے! آپ کے اور ان کے درمیان کون سا وعدہ ہے۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''انہوں نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ میں ہر روز ان کی زیارت کے لئے آیا کروں گا۔'' میں نے عرض کی: ''یاسیدی! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو اپنی معرفت عطا فرمائی اور اپنی ولایت سے مشرف فرمایا! مجھے ایسا توشہ عطا فرمادیں جو میرے لئے دنیا وآخرت میں نفع بخش ہو۔'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''ہدایت کے راستے پر چلتے رہو، گمراہ ومردود لوگوں سے کنارہ کش رہو، آج کے رزق پر قناعت کرو اور کل کی فکر نہ کرو، رضائے الٰہی عزوجل پر راضی رہو اور آزمائش اور قضائے الٰہی عزوجل پر صبر کرو۔'' پھر مجھے وہیں چھوڑ کر وہ رخصت ہوگئے۔ پھر حضرت سیّدنا سعدون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یہی واقعہ میری محبت، دیوانگی اور شوق دیدار الٰہی عزوجل کا سبب ہے۔''

تمام خوبیاں اس ذات کے لئے ہیں جس نے دور کو قریب اور قریب کو دور کیا۔ دشمن کو دور کیا اور دوست کو قریب کیا۔ نافرمان کو ذلیل کیا اور فرمانبردار، توبہ کرنے والے کو عزت سے نوازا۔ وہ مالک حقیقی کہ جو بھی اسے پکارے وہ لبیک کہتے ہوئے جواب دیتا ہے اور جو بھی اس سے مانگے وہ اپنے فضل وکرم سے اس کے سوال سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ پس اے گنہگار انسان! اپنے قبر میں ٹھہرنے کو یاد کر اور اپنے نفس کی کڑی نگرانی کر اور جب تک تیری جوانی کی ٹہنی تر وتازہ اور شگفتہ رہے روز جزا اور اپنی آخرت کے لئے عمل کرتا رہ۔ کب تک تو اپنی لغزش کی بیماری میں مبتلا رہے گا اور اس کے لئے شفا بخش دوا یا حکیم نہ پائے گا۔ رات کی تاریکی میں بیدار ہو اور اس ذات سے مناجات کر جو ہمیشہ سمیع وقریب ہے۔ اپنے مولیٰ عزوجل کے حضور گڑگڑا، دنیا میں اجنبی بن کر رہ، صبح وشام اس کے سایۂ رحمت کی پناہ طلب کر اور اس کے باب کرم پر کھڑا ہو جا تو اس کے دروازے کو کھلا اور اس کی بارگاہ کو کشادہ

پائے گا اور سحری میں معذرت خواہانہ انداز سے اس کو پکار اور اس شخص کی طرح دعا کر جو اپنے گناہوں پر غم زدہ اور دل شکستہ ہے۔

مسلمانو! اس شخص کا حال کتنا اچھا ہے جس نے اپنے رب تعالیٰ کے حضور فریاد کی! اس شخص کا حال کتنا پاکیزہ ہے جس نے اولیائے کرام رحمہم اللہ السلام کو وسیلہ بنایا! محبین الٰہی عزوجل کی گفتگو کتنی پیاری ہے! پرہیزگاروں کی باتیں کتنی عمدہ ہیں! باعمل لوگوں کا ساز وسامان کتنا نفع بخش ہے! کوشش کرنے والوں کے چہرے کتنے روشن ہیں! ذکر الٰہی عزوجل کرنے والوں کی سانسیں کتنی خوشبودار ہیں! شوق الٰہی عزوجل رکھنے والوں کا جھڑکنا بھی کتنا کیف وسرور رکھتا ہے! غمزدوں کی گریہ وزاری کتنی نفع بخش ہے! قیام کرنے والوں کی مناجات کتنی میٹھی ہیں! روکے ہوؤں کی زندگی کتنی کڑوی ہے! خطاکاروں کی جانیں کتنی ذلیل ہیں! محروموں کا حال کتنا برا ہے! غافلوں کا پچھتاوا کتنا سنگین ہے! دھتکارے ہوؤں کی زندگی کتنی بری ہے! ظالموں کے دل کتنے اندھے ہیں! اور نافرمانوں اور گناہگاروں کے چہرے کتنے برے ہیں۔ (الروض الفائق)

Scanned with CamScanner

(۲۰۰)

سواری کے جانور

نزولِ قرآن کے وقت جو چوپائے عام طور پر بار برداری اور سواری کے لئے استعمال ہوتے تھے وہ چار جانور تھے۔ اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے، بار برداری اور سواری کے ان چار جانوروں کا قرآن مجید میں خاص طور سے صراحتاً ذکر ہے ان کے علاوہ قیامت تک جتنی سواریوں اور بار برداری کے وسائل وذرائع عالم وجود میں آنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سب کا تذکرہ قرآن مجید میں اجمالاً فرمادیا ہے چنانچہ سورۂ نحل کی مندرجہ ذیل آیت کو بغور پڑھ لیجئے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل رکوع ۱)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا فرمائے کہ ان میں تمہارے لئے گرم لباس اور منفعتیں ہیں اور ان میں سے کچھ کو تم کھاتے ہو اور تمہارے لئے ان چوپایوں میں زینت کا اظہار ہے جب تم انہیں شام کو واپس لاتے ہو اور جب چرنے کو چھوڑتے ہو اور وہ (جانور) تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے

ہیں ایسے شہروں کی طرف کہ تم لوگ وہاں نہ پہنچتے مگر آدھ مرے ہو کر بیشک تمہارا رب بہت مہربان اور رحم والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے کہ تمہاری سواری اور زینت بنیں اور وہ بہت سی ایسی سواریاں وغیرہ پیدا کرے گا جن کو تم لوگ نہیں جانتے۔

اونٹ کا ذکر بھی صراحتاً سورۂ غاشیہ میں فرمایا:

(اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ......)

اس آیت مبارکہ میں آخری جملہ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں قیامت تک عالم وجود میں آنے والی تمام بار برداری کے ذرائع اور قسم قسم کی ان مختلف سواریوں کے پیدا ہونے کا بیان ہے جو نزولِ قرآن کے وقت تک ایجاد نہیں ہوئی تھیں مثلاً سائیکل، موٹر، ریل گاڑیاں، سڑکیں، بحری جہاز، ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر، راکٹ وغیرہ وغیرہ تمام نقل وحمل کے سامان اور سواریوں کے ذرائع سب کا اجمالاً ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار اور غیب کی خبر کا اعلان عام فرمایا ہے۔ ذرائع نقل وحمل اور سواریوں کے علاوہ اس آیت میں تو اس قدر عموم ہے کہ اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی ہر ہر چیز اور تمام کائنات عالم کا اجمالاً بیان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چاروں سواریاں جو نزولِ قرآن کے وقت عرب میں عام تھیں۔ ان کے بارے میں کچھ خصوصیات حسب ذیل ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) اونٹ: یہ بہت سے نبیوں اور رسولوں کی سواری ہے۔ خود حضور خاتم النبیین ﷺ نے اونٹ کی سواری فرمائی اور آپ کی دو اونٹنیاں بہت مشہور ہیں۔ ایک ''قصویٰ'' اور دوسری ''عضباء'' جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ کبھی دوڑ میں کسی اونٹ سے مغلوب نہیں ہوئی تھی مگر ایک مرتبہ ایک اعرابی کے اونٹ سے دوڑ میں پیچھے رہ گئی تو حضرات صحابہ کرام کو بہت شاق گزرا۔ اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ پر یہ حق ہے کہ جب وہ کسی دنیا کی چیز کو بلند فرما دیتا ہے تو اس کو پست بھی کر دیتا ہے۔ مروی ہے کہ آپ کی اونٹنی ''عضباء'' نے آپ کی وفات کے بعد غم میں نہ کچھ کھایا نہ پیا اور وفات پا گئی اور بعض روایتوں میں آیا ہے

Scanned with CamScanner

کہ قیامت کے دن اسی اونٹنی پر سوار ہو کر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا میدان محشر میں تشریف لائیں گی۔ (روح البیان ج۵ ص۸)

''حیات الحیوان'' میں ہے کہ اونٹ کے بالوں کو جلا کر اس کی راکھ اگر بہتے ہوئے خون پر چھڑک دی جائے تو خون فوراً بند ہو جائے گا اور اونٹ کی کلنی اگر کسی عاشق کی آستین میں باندھ دی جائے تو اس کا عشق زائل ہو جائے گا اور اونٹ کا گوشت بہت مقوی باہ ہے۔

(روح البیان ج۵ ص۹)

(۲) گھوڑا: سب سے پہلے گھوڑے پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سواری فرمائی۔ آپ سے پہلے یہ وحشی اور جنگلی چوپایہ تھا اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم لوگ گھوڑے کی سواری کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو بیویوں کے بعد سب سے زیادہ گھوڑا محبوب تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ گھوڑا میدان جنگ میں یہ تسبیح پڑھتا ہے۔ ''سُبُّوْحٌ، قُدُّوْسٌ، رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ'' خود حضور اکرم ﷺ کے چند گھوڑے تھے جن پر آپ سواری فرمایا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت فرمایا: کون کون سی سواریاں آپ کو پسند ہیں؟ آپ نے فرمایا: گھوڑا اور گدھا اور اونٹ کیونکہ گھوڑا اولوالعزم رسولوں کی سواری ہے اور اونٹ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام و حضرت محمد ﷺ کی سواری ہے اور گدھا حضرت عیسیٰ و حضرت عزیز علیہما السلام کی سواری ہے اور میں کیوں نہ اس چوپائے (گدھے) سے محبت رکھوں جس کو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا۔

(روح البیان ج۵ ص۱۱)

(۳) خچر: یہ بھی ایک مبارک سواری ہے۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ کی ملکیت میں چھ خچر تھے۔ ان میں سے ایک سفید رنگ کا تھا جو مقوقس والی مصر نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت مبارکہ میں پیش کیا تھا جس کا نام ''دلدل'' تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اندرون شہر مدینہ اور اپنے باہر کے سفروں میں اس پر سواری فرمایا کرتے تھے اس کی عمر بہت زیادہ ہوئی یہاں تک

کہ اس کے سب دانت ٹوٹ گئے اور اس کی خوراک کے لئے جو کوٹ کر دلیہ بنایا جاتا تھا۔ یہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مدتوں زندہ رہا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران اس پر سوار ہوئے اور آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جنگ خوارج کے موقع پر اسی خچر پر سوار ہو کر جنگ کے لئے نکلے۔ پھر آپ کے بعد آپ کے صاحبزادگان حضرت امام حسن و حضرت امام حسین و حضرت محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس کی سواری کا شرف پایا۔

(روح البیان ج۵ ص۱۱)

(۴) گدھا: یہ بھی انبیاء اور رسولوں کی سواری ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت میں بھی دو گدھے تھے۔ ایک کا نام ''عفیر'' اور دوسرے کا نام ''یعفور'' تھا۔ روایت ہے کہ ''یعفور'' آپ کو خیبر میں ملا تھا اور اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام کیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا نام ''زیاد بن شہاب'' ہے اور میرے باپ داداؤں میں ساٹھ ایسے گدھے گزرے ہیں جن پر نبیوں نے سواری فرمائی ہے اور آپ بھی اللہ کے نبی ہیں لہٰذا میری تمنا ہے کہ آپ کے بعد دوسرا کوئی میری پشت پر نہ بیٹھے چنانچہ اس چوپائے کی تمنا پوری ہوگئی کہ آپ کی وفات اقدس کے بعد ''یعفور'' شدت غم سے نڈھال ہو کر ایک کنویں میں گر پڑا اور فوراً ہی موت سے ہمکنار ہو گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ''یعفور'' کو بھیجا کرتے تھے کہ فلاں صحابی کو بلا کر لاؤ تو یہ جاتا تھا اور اس صحابی کے دروازے کو اپنے سر سے کھٹکھٹاتا تھا تو وہ صحابی یعفور کو دیکھ کر سمجھ جاتے تھے کہ حضور ﷺ نے مجھے بلایا ہے چنانچہ وہ فوراً ہی یعفور کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اونی کپڑا پہنے گا اور بکری کا دودھ دوہے گا اور گدھے کی سواری کرے گا اس میں بالکل ہی تکبر نہیں ہوگا۔ (روح البیان ج۵ ص۱۱)

ان چاروں سواریوں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور انعام و احسان کے ان جانوروں کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان چاروں سواریوں پر حضرات انبیاء علیہم السلام سوار ہوئے ہیں لہٰذا ان سواریوں کی توہین و تحقیر بہت بڑی گستاخی و بے ادبی ہے جو کفر تک پہنچا دینے والی منحوسیت ہے بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان چوپایوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت

Scanned with CamScanner

جان کر شکر بجالائے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے ان سواریوں کی دل سے قدر کرے اور ہرگز ہرگز ان کی توہین وتحقیر نہ کرے کیونکہ اسی میں ایمان کی سلامتی بلکہ ایمان کی نورانیت کا راز مضمر ہے اور ان چاروں سواریوں کے بعد جو دوسری سواریاں ایجاد ہوئی ہیں ان پر بھی سوار ہونا جائز ہے اور ان سواریوں کے بارے میں ایمان رکھنا لازم ہے کہ یہ سب خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور یہ سب سواریاں وہی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فرما کر ان کے پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عجائب وغرائب القرآن)

الٰہی دور گردانی بلا را
زھر آفت نگھداری تو مارا
بحق حرد و گیسوئے محمد
زبوں گرداں زبردستان مارا

(حضرت ابوسعید مخزدی مرشد پاک حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ).

۶۸۔ قرآن مجید کی معجزاتی نشانیاں ص ۵۲۸
۶۹۔ جنگ بدر کی بارش ص ۵۳۷
۷۰۔ غزوہ حنین کا منظر ص ۵۴۶
۷۱۔ تمیم داری ص ۵۵۲
۷۲۔ غار کے دو یار ص ۵۶۵
۷۳۔ لڑکی کی لاش ص ۵۷۶
۷۴۔ مسجد ضرار ص ۵۸۰ تا ۵۸۲
۷۵۔ فرعون کی موت ص ۵۸۹ ص ۶۱۰ ص ۶۲۲
۷۶۔ یونس علیہ السلام ص ۶۰۰
۷۷۔ حضرت نوح کی کشتی ص ۶۱۲ ص ۶۲۵
۷۸۔ امیر معاویہ اور عقبہ بن نافع ص ۶۳۲ ص ۶۴۵
۷۹۔ حضرت عمر کی دعا ص ۶۳۸
۸۰۔ بچے کی گواہی حضرت یوسف ص ۶۴۲ ص ۶۶۳
۸۱۔ حضرت انس بن مالک ص ۶۴۷
۸۲۔ تعمیر میں شفا ص ۶۵۰
۸۳۔ اعلیٰ حضرت اور استاد ص ۶۵۵
۸۴۔ حضرت عمر کی وحشی ص ۶۷۴
۸۵۔ حکم ستر کی آبادکاری ص ۶۸۰
۸۶۔ گستاخوں کا انجام ص ۶۸۹
۸۷۔ حضرت علی کا فیصلہ بیٹے سے مال کا شکوہ ص ۶۹۳
۸۸۔ سواری کا جانور ص ۷۰۰

Scanned with CamScanner